جدید

تحریکِ نسواں اور اسلام

پروفیسر ثریا بتول علوی

منشورات

جدید تحریک نسواں

اور

اسلام

ثریا بتول علوی

منشورات

نام کتاب	:	جدید تحریک نسواں اور اسلام
مصنفہ	:	ثریا بتول علوی
اشاعت اول	:	اکتوبر ۱۹۹۸ء
اشاعت دوم	:	ستمبر ۲۰۰۰ء
تعداد	:	۱۱۰۰
ناشر	:	منشورات، منصورہ، ملتان روڈ لاہور - ۵۴۵۷۰
		فون: ۵۴۲۵۳۵۶، فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴
مطبع	:	ملک عید محمد پرنٹرز، موہنی روڈ، لاہور
قیمت	:	۱۳۰ روپے

انتساب

والد محترم

عبد الرحمٰن کیلانی مرحوم

اور

والدہ محترمہ

حافظہ حمیدہ بیگم مرحومہ

کے نام

جنھوں نے

اپنی بے مثال عملی زندگی اور بہترین تربیت کے ذریعے
مجھے اسلام کے صراط مستقیم پر چلنے کا شعور' عزم
اور حوصلہ بخشا۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ
وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

”عورتوں کے لئے معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ زائد حاصل ہے۔“ (البقرہ:228)

ترتیب

ابتدائی کلمات

اقوام متحدہ نے اپنی یکے بعد دیگرے کانفرنسوں کے ذریعے عالمی تحریک نسواں کو جو مہمیز دی ہے اس کی وجہ سے خواتین کے مسائل معاشرے کے اہم اور سرفہرست مسائل بن گئے ہیں۔ ان کانفرنسوں کی اس افادیت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ انھوں نے معاشرے کے ان مسائل کی طرف توجہ دلائی جو عدم توجہی کا شکار تھے۔ لیکن انسانیت کی بدنصیبی یہ ہے کہ یہ عالمی دانش ور' خواتین و حضرات' جب ان مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں تو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکنے لگتے ہیں' لیکن پُرزور مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ ساری انسانیت ان کے پیچھے پیچھے چلے۔

اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر مرد و عورت کو زندگی گزارنے کے لیے بھیجا تو زندگی گزارنے کے آداب بھی ساتھ ہی سکھائے۔ نفس انسانی کی کمزوریوں اور پیچیدگیوں سے خالق کائنات سے زیادہ واقف کون ہو سکتا ہے۔ اس نے مردوں اور عورتوں دونوں کو ان کے حقوق و فرائض بتائے' جن پر عمل ہو تو زندگیاں سکون سے گھری رہیں' رسولؐ نے اس باب میں واضح تعلیمات دیں اور خود اپنا اسوہ پیش کیا۔

جب سے مغربی تہذیب کو عروج ہوا ہے اور انسان نے اپنی عقل اور نفس کو اپنا الٰہ مانا ہے' سب کچھ الٹ پلٹ گیا ہے۔ زندگیاں مصائب و آلام کا شکار ہیں' لیکن آنکھ نہیں کھلتی!

لیکن جادو وہ جو سرچڑھ کر بولے' خود مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو مغرب کی چکاچوند پر فریفتہ ہیں۔ اچھی بھلی مسلمان خواتین نام نہاد آزادی پر ریجھ کر اپنے آپ کو بھلا بیٹھی ہیں۔ ہمارے ملک کے حکمراں مغربی ایجنڈے کو بہ دل و جان پورا کر رہے ہیں۔

اس صورت حال میں' محترمہ ثریا بتول علوی صاحبہ نے اس گراں قدر تصنیف میں اسلام پر تہذیب جدید کے حملوں کا مؤثر جارحانہ دفاع پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی آشکار ہوتا ہے کہ مسلمان معاشروں میں مسلمان عورتیں رسوم و رواج کے باعث' اپنے کن اسلامی حقوق سے محروم ہیں۔

امید ہے کہ یہ کتاب اس حوالے سے بیداری پیدا کرے گی اور عورتوں کے اسلامی حقوق کی راہ کی رکاوٹیں دور ہوں گی۔

یہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ اس میں باب ۲۴' اور ۲۵ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ پہلے ایڈیشن کا ضمیمہ اب باب ۲۳ ہے۔

مسلم سجاد

تقدیم

طالب الہاشمی

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدنا ومولانا محمد واله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين

امابعد! یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مغرب سے اٹھنے والی تحریک نسوانیت یا تحریک آزادی نسواں (Feminist movement) نے گزشتہ ایک صدی کے اندر نہ صرف سارے یورپ اور امریکہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے بلکہ اس نے اکثر ایشیائی اور افریقی ممالک میں بھی اپنے پنجے گاڑ لئے ہیں۔ ان میں نہ صرف اشتراکی بلکہ بہت سے مسلمان ممالک بھی شامل ہیں۔ یہ تحریک جواب تہذیب مغرب کا جزو لاینفک بن چکی ہے' اس کے عالم آشکارا اغراض و مقاصد یہ ہیں کہ عورت کو معاشرتی' اقتصادی' سیاسی غرض زندگی کے ہر شعبے میں وہی حقوق حاصل ہوں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ ان کی شخصی آزادی پر کسی قسم کی قدغن نہ ہو۔ دفتروں اور کارخانوں کی ملازمت ہو یا آزاد تجارتی اور صنعتی پیشے' مختلف قسم کے کھیل ہوں یا دوسرے تفریحی مشاغل' عورت ان سب میں مردوں کے برابر حصہ لینے یا ان کے شانہ بشانہ چلنے کا حق رکھتی ہے۔ ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں' بچوں کی پرورش اور تربیت' خاندان کی خدمت' بزرگوں اور شوہر کا احترام وغیرہ سب دقیانوسی باتیں ہیں۔

اقوام مغرب کا دعویٰ ہے کہ (مادی اعتبار سے) ان کی تحیر خیز ترقی اسی تحریک آزادی نسواں کی مرہون منت ہے کیونکہ انہوں نے ہر شعبہ زندگی میں اپنی خواتین کو مردوں سے مسابقت کا موقع دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل مغرب نے گزشتہ ایک صدی میں مادی اعتبار سے حیرت انگیز ترقی کی ہے

لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ ان کی یہ ترقی محض آزادی نسواں کی بدولت ہے فی الحقیقت اس ترقی کے اور بہت سے اسباب بھی ہیں جن میں بے پناہ قدرتی وسائل اور سائنسی علوم کے حصول کا بے پناہ جذبہ سر فہرست ہیں جہاں تک اس تحریک کا تعلق ہے تو اس کے نتیجے میں ان کے ہاں عورتوں کی آزادی اور بے باکی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ان میں نسائیت کی پاکیزگی اور اخلاق و عفت کی رمق تک باقی نہیں رہی۔ ان میں برائی کا احساس تک مٹ چکا ہے۔ شرم وحیا ان کی آنکھوں سے رخصت ہو چکی ہے اور غیرت ان کے نزدیک ایک بے معنی لفظ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بقول مولانا ماہر القادری مرحوم وہاں (یورپ) کے پارکوں' باغوں' چوراہوں اور تفریح گاہوں میں مرد و عورت کے اختلاط کے شرمناک مناظر دیکھ کر ضمیر چیختا ہے کہ یہ انسان نہیں جانور ہیں جنھوں نے خوشنما لباس پہن لئے ہیں۔ انسان سے لغزش اور بھول چوک تو ہو سکتی ہے مگر وہ اس قدر بے حیا' اتنا بے شرم اور اس درجہ بے غیرت تو نہیں ہو جاتا' آخر گراوٹ کی کوئی حد تو ہونی چاہئے۔ (ماہنامہ فاران دسمبر 1950ء)

تحریک آزادی نسواں نے مغرب کی عورت کو اخلاقی اعتبار سے جس قعر مذلت میں گرا دیا ہے اس نے صحیح الفکر مغربی مفکرین اور دانشوروں کو بھی شدید ذہنی کرب میں مبتلا کر دیا ہے اور اب وہ اپنی تحریروں میں عورتوں کی مادر پدر آزادی پر برملا تنقید کر رہے ہیں۔

لیکن حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ ایک ایسا ملک (اور دنیا کا واحد ملک) جس کی تخلیق کے پیچھے یہ نظریہ کار فرما تھا کہ مسلمان غیروں کی سیاسی' ذہنی اور اقتصادی غلامی سے آزاد ہو کر اسلامی اقدار وافکار کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور اس کے معاشرے کا ہر فرد اسلام کا انسان مطلوب ہو (اور جو لاکھوں جانوں کی قربانی کے بعد معرض وجود میں آیا) اس کی تخلیق کے فوراً بعد آزادی نسواں یا مغرب زدگی اور بے حجابی کا فتنہ اس پر پوری قوت سے حملہ آور ہو گیا۔ اس کا بیج ملک کے پہلے وزیراعظم کی بیگم صاحبہ نے اپوا (APWA آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن) کی صورت میں بویا۔ اس کے بعد آج تک ہر حکومت اس کی آبیاری کرتی رہی ہے۔ یوں حکومت کی سرپرستی اور ذرائع ابلاغ (بالخصوص ریڈیو اور ٹیلی وژن) کے بھرپور تعاون کی بدولت یہ فتنہ اب ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس کی ہولناکی کا اندازہ ٹیلی وژن پر دکھائے جانے والے ان سوقیانہ پروگراموں سے کیا جا سکتا ہے جو نہایت بیہودہ ڈراموں اور شرمناک ناچ گانوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اخلاقی اور معاشرتی شعبوں میں ترقی معکوس کی ہے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے والا تبرج جاہلیہ کا دور واپس آگیا ہے۔ وہی تبرج جاہلیہ جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں تفریق کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جسے (متعدد احادیث صحیحہ میں) سخت ناپسندیدہ بلکہ فعل حرام قرار دیا ہے۔

"تبرج" کا لفظ اصل میں برج سے ماخوذ ہے۔ "برج" اونچی عمارتوں بلند وبالا محلوں، قلعوں کی چوٹیوں اور نمایاں ترین کنگروں کو کہتے ہیں۔ ایک متبرجہ یعنی بے حجاب اور خود نمائی کی دلدادہ عورت ہر نوع کے تصنع اور تکلف کو کام میں لا کر اپنے حسن و جمال کے ایک ایک زاویئے کو غیر محرم مردوں کے سامنے پیش کرتی ہے اور ہر گھورنے والے کو اپنی جانب لطف اندوزی کے لئے اسی طرح راغب کرنا چاہتی ہے جس طرح ایک برج اپنی رفعت شان کا اعلان کرتا ہوا ہر دیکھنے والے کی نگاہ کو اپنی جانب ملتفت کرلیتا ہے۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں تبرج جاہلیہ کے معنی ہیں--- عورت کا اپنی زینت، حسن وجمال اور بناؤ سنگار کا بے محابا اظہار کرنا، اپنے چہرے مہرے کے نکھار اور خدوخال کی خوبیوں کا اشتہار دینا، اپنے جسم کے فتنہ خیز ابھار اور اپنے لباس، زیور اور زیب و زینت کی جگہوں کو غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر کرنا اور ہر اس شے کو چھپانے کی کوشش کرنا جو مردوں کی آنکھوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہو--- تبرج جاہلیہ عورت کی بے حیائی اور بے غیرتی کی سب سے بڑی نشانی ہے یہ عصمت و عفت کی طرف سے اس کی بے پروائی کی ناقابل تردید شہادت ہے۔ یہ تبرج اور بے حجابی اللہ تعالیٰ کے دین حق اور شریعت اسلامیہ کی کھلی توہین اور تضحیک ہے۔ قرآن پاک میں تو مسلمان خواتین کے لئے واضح حکم ہے۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی (سورۃ احزاب:33) (اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو) یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو خواتین کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے بھی لوچدار آواز میں گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِه مَرَضٌ

(الاحزاب:32)

دبی زبان یعنی لوچدار آواز سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے "تفہیم القرآن" میں سورۃ احزاب کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

یہ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ جو دین عورت کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے بھی لوچدار انداز گفتگو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اسے مردوں کے سامنے بلاضرورت آواز نکالنے سے بھی روکتا ہے، کیا وہ کبھی اس کو پسند کر سکتا ہے کہ عورت اسٹیج پر آکر گائے، ناچے، تھرکے، بھاؤ بتائے اور ناز نخرے دکھائے؟ کیا وہ اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ریڈیو پر عورت عاشقانہ گیت گائے اور سریلے نغموں کے ساتھ فحش مضامین سنا سنا کر لوگوں کے جذبات میں آگ لگائے؟ کیا وہ اسے جائز رکھ سکتا ہے

کہ عورتیں ڈراموں میں کبھی کسی کی بیوی اور کبھی کسی کی معشوقہ کا پارٹ ادا کریں؟ یا ہوائی میزبان (AIR HOSTESS) بنائی جائیں اور انہیں خاص طور پر مسافروں کا دل لبھانے کی تربیت دی جائے؟

یا کلبوں اور اجتماعی تقریبات اور مخلوط مجالس میں بن ٹھن کر آئیں اور مردوں سے خوب گھل مل کر بات چیت اور ہنسی مذاق کریں؟ یہ کلچر آخر کس قرآن سے برآمد کی گئی ہے؟ خدا کا نازل کردہ قرآن تو سب کے سامنے ہے اس میں کہیں اس کلچر کی گنجائش نظر آتی ہو تو اس مقام کی نشان دہی کر دی جائے۔" (مولانا کی یہ تحریر پاکستان میں ٹیلی وژن آنے سے پہلے کی ہے) جب تک وطن عزیز میں ٹیلی وژن نہیں آیا تھا' عورتوں کی بے حجابی اور مغرب زدگی کے طوفان بدتمیزی کی رفتار قدرے ست تھی

لیکن ٹیلی وژن آنے کے بعد اس نے جس طرح ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے' اسے دیکھ کر حساس اور غیرت مند مسلمانوں کو جس قدر اذیت ہوتی ہے اس کا لفظوں میں اظہار نہیں ہو سکتا صرف خون کے آنسو ہی اس کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ٹیلی وژن جسے تبلیغ اسلام' اشاعت تعلیم' تطہیر اخلاق اور تعمیر سیرت و کردار کا سب سے بڑا ذریعہ ہونا چاہیے تھا وہ (اپنے چند دینی

اور معلوماتی پروگراموں کو چھوڑ کر) مرد و زن کے آزادانہ اختلاط' بے حجابی' فحاشی اور تہذیب مغرب کی آشوب سامانیاں اور برائیاں پھیلانے کا سب سے بڑا آلہ بن گیا ہے۔ آزادی نسواں کی علمبردار مغرب زدہ عورتیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے کھلی بغاوت پر اتر آئی ہیں۔ انہوں نے اپنی مادر پدر آزادی کو اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ قرآن حکیم اور احادیث مقدسہ میں خواتین کے بارے میں جو احکامات وارد ہوئے ہیں وہ ان سے کھلم کھلا بیزاری کا اظہار کر

رہی ہیں۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس طوفان بدتمیزی کے آگے بند باندھنے کے بجائے ملک کے ارباب حل و عقد نے ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے اس کے نتیجے میں وطن عزیز میں اناث و ذکور کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے۔ جس کی فطرت مغربی تہذیب اور مادی فلسفوں نے مسخ کر دی ہے۔ اور وہ ان ساری حدود و قیود سے آزاد ہو چکا ہے جو اسلامی معاشرے کا طرہ امتیاز ہوتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے عورتوں کی ہوس جلوت کو افکار کی پراگندگی اور ابتری کا موجب ٹھہرایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

رسوا کیا' اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ آئینہ دل ہے مکدر

بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرہ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

پھر وہ دختران ملت کو یہ سبق دیتے ہیں:

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بمیرد تو نمیری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

اس میں کوئی شک نہیں کہ مرد وزن کے آزادانہ اختلاط' بے حجابی' عریانی اور فحاشی کے فتنہ عظیم کے بارے میں تمام دینی مکاتب فکر اور دینی جماعتیں دو رائیں نہیں رکھتیں سب کو اس مضرت اور اس کے ہولناک نتائج کا احساس ہے مگر یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ ابھی تک سوائے گنتی کے چند علمائے کرام اور اصحاب فکر و نظر کے' دینی جماعتوں نے منظم طریقے سے پوری قوت کے ساتھ اس فتنہ عظیم کی مزاحمت نہیں کی جب کہ ارباب اقتدار' مغرب زدہ طبقے اور متعدد بے ضمیر اباحیت پسند صحافیوں کی سرپرستی اور بھرپور تعاون کی بدولت یہ فتنہ عظیم اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تمام دینی جماعتیں یک دل و یک جان ہو کر اس فتنہ کے خلاف عملی جدوجہد کریں۔ اہل پاکستان کی اکثریت میں ابھی تک اللہ کے فضل سے احساس غیرت اور دینی حمیت باقی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ اکثریت اس ہولناک فتنے کے خلاف کسی بھی منظم تحریک کا بھرپور ساتھ دے گی۔ اس تحریک کا پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایسے صالح لٹریچر کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کا اہتمام کرے جس میں خواتین کو موثر انداز میں بتایا گیا ہو کہ اسلام میں ان کا کیا مقام و مرتبہ ہے' ان کے فرائض و حقوق کیا ہیں اور یہ کہ تبرج جاہلیہ میں مبتلا عورتیں اسلام کی خواتین مطلوب نہیں ہیں بلکہ اسلام کی مطلوب وہ خواتین ہیں جن کو قرآن حکیم میں مسلمات' مومنات' قانتات' محصنات' ذاکرات' خاشعات' صادقات' صابرات' متصدقات' صائمات اور حافظات کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اس کے برعکس متبرجہ خواتین کی قرآن و حدیث میں جو تعریف کی گئی ہے اس کی تحقیق وہ خود ہی کرلیں یا کسی عالم دین سے پوچھ لیں۔

محترمہ پروفیسر ثریا بتول علوی صاحبہ دین اور وطن سے محبت رکھنے والے تمام لوگوں کے شکریہ کی مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی پاکستانی بہنوں کو عذاب آخرت سے بچانے کے لئے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ دینی اور دنیوی تعلیم کے ساتھ نہایت دردمند دل عطا کیا ہے۔ چند سال پہلے انہوں نے "اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ" کے نام سے ایک معرکہ آرا کتاب قوم کے سامنے پیش کی جس میں وطن عزیز کی مسلمان خواتین کو بتایا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو کتنا بلند مقام و مرتبہ عطا کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کو اتنے شاندار حقوق دیئے ہیں کہ کسی دوسرے معاشرے میں ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اب انہوں نے یہ زیر نظر کتاب "جدید تحریک نسواں اور اسلام" لکھ کر نہ صرف یہ کہ وقت کا ایک اہم ترین تقاضا پورا کر دیا ہے بلکہ دین اور اخلاق کی بہت بڑی خدمت بھی انجام دی ہے۔ اس میں انہوں نے "جدید تحریک نسواں" کا ہمہ پہلو جائزہ لے کر ہر اس اعتراض کا مدلل جواب دیا ہے جو تجدد زدہ خواتین (اور مردوں) کی طرف سے خواتین کے متعلق اسلامی احکام پر کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ستر و حجاب' نکاح' طلاق' مہر' خلع' شہادت (گواہی)' وراثت' دیت' عورت کی سربراہی وغیرہ مختلف مسائل پر قرآن و حدیث کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان معاملات میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لائحہ عمل معین فرمایا ہے اور جو احکام دیئے ہیں وہ ہر اعتبار سے امت کے لئے نفع مند اور باعث رحمت و برکت ہیں۔ ان کا انکار کرنا یا خواہش نفسانی کے تحت ان کو ہدف تنقید بنانا دین اور دنیا کی بربادی کا موجب ہے۔' انہوں نے چند اولوالعزم باکمال خواتین کے ایمان افروز تذکرے بھی کتاب میں شامل کر دیئے ہیں۔

یوں اپنے موضوع پر یہ ایک شاہکار تالیف بن گئی ہے۔ اس کی فہرست مضامین' عنوانات پر ایک سرسری نظر ہی ڈالنے سے اس کی جامعیت اور افادیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ مولفہ کا انداز نگارش بڑا پر اثر اور عام فہم ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ خلوص اور خیر خواہی امت کے جذبہ نے ان کی تحریر کو دو آتشہ شراب طہور بنا دیا ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا وہ اس بلند پایہ کتاب کی تالیف پر ہر اعتبار سے مبارکباد کی مستحق ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب نام نہاد آزادی نسواں کے فتنے پر ضرب کاری ثابت ہو گی دین اور وطن سے محبت رکھنے والے ہر فرد اور ہر دینی جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس کتاب کو ہر مسلمان گھرانے اور ہر کتب خانے' لائبریری تک پہنچانے کا اہتمام کرے۔ اس کی جتنی زیادہ اشاعت ہو گی' فواحش و منکرات کی چولیں ڈھیلی کرنے میں مدد ملے گی۔ ہماری دعا ہے کہ یہ کتاب

مولفہ کے لئے توشہ آخرت ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ دوسرے دردمند اہل قلم کو بھی توفیق دے کہ وہ بے

حیائی' بے غیرتی اور اسلام سے روگردانی کے طوفان بدتمیزی کا منہ موڑنے کے لئے اپنے قلم کو حرکت میں لائیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

خاکسار
طالب الہاشمی
16 جون 1998ء
118۔ ڈی' رضوان بلاک' اعوان ٹاؤن۔ ملتان روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

94ء میں مسلمان ملک مصر کے دارالخلافہ قاہرہ میں اسلام دشمن قوتوں کی ایک میٹنگ "بہبود آبادی کانفرنس" کے نام پر منعقد ہوئی' جب اس کی تفصیلات منظر عام پر آئیں تو پڑھ کر انتہائی دکھ اور قلق ہوا۔ مگر جب اگلے سال 95ء میں خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس جمہوریہ چین کے مشہور شہر بیجنگ میں منعقد ہوئی تو اس کے ایجنڈے نے میرے اس قلق اور اضطراب میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ مسلمان مرد و عورت میں بے حسی' بے حیائی' بے غیرتی اور بے حمیتی پیدا کرنے کے لئے کیسے کیسے عجیب ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں!

مادہ پرستی کی مغربی ملحدانہ تہذیب اس حقیقت کو جان چکی ہے کہ جب تک مسلم معاشرے کے گھروں میں گھس کر نقب نہ لگائی جائے اور ان کی خواتین کو نہ بگاڑا جائے' نیو ورلڈ آرڈر کا مقصد پورا ہو سکتا ہے نہ ہی اسلام کے احیاء کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مغربی تہذیب کے علمبردار عموماً اور امریکی ورلڈ آرڈر بالخصوص "عورت بگاڑ تحریک" جاری کر کے سرگرمی سے ہماری خانہ بربادی کے درپے ہو رہے ہیں۔ ابتداء میں اس تحریک کا آغاز بے پردگی اور فیشن پرستی کے راستے سے ہوا اور اس کا اولین شکار مسلم معاشرے کے ارباب اقتدار و جاہ کی بیگمات تھیں' جو خانہ داری کے جنجال سے بالکل فارغ تھیں اور جنہیں وقت گزاری اور لیڈری کے لئے کوئی سنسنی خیز سرگرمیاں چاہئیں تھیں' اب ان کی مدد سے درمیانے طبقے کی خواتین کو بھی گھروں سے نکال کر شمع محفل بنانے' تفریح و نشاط کی محفلیں چمکانے' ثقافت کے نام پر رقص و سرود میں لگانے' پھر فیشن پرستی' عریانی کی راہ پر ڈالنے کی مہم زور و شور سے جاری ہے۔ یہ سارا کام تو پاکستان بنتے ہی بوجوہ شروع کر دیا گیا تھا' ٹی وی کے عام ہونے

سے اس تحریک میں بہت سرگرمی پیدا ہوئی' ضیاء الحق مرحوم کے دور میں جب اسلامائزیشن کا کچھ کام شروع ہوا تو اس وقت "اپوا" کی بیگمات نے حقوق نسواں اور مساوات مرد و زن کے نام پر بہت مظاہرے کئے' اسلام پر' علماء پر بہت سے نازیبا اعتراضات کئے۔ پھر پیپلز پارٹی کے دوبارہ بر سر اقتدار آنے سے اس رقص و سرود' ویڈیو فلموں' وی۔ سی۔ آر' ڈش انٹینا کی ثقافت کو مزید کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ قانون اسلامی کا کھلا کھلا مذاق اڑایا جانے لگا' اس کو قدیم دور کی یادگار کہا گیا جو "آج" کے مہذب دور میں ناقابل عمل ہے اور یہ سارا کام خاص عورت کو نشانہ بنا کر کیا گیا۔

اس وقت عالم اسلام ایک شدید تہذیبی کشمکش اور تصادم کے دور سے گزر رہا ہے۔ مسلمانوں پر چاروں طرف سے حملے جاری ہیں۔ کشمیر' فلسطین' بوسنیا' چیچنیا کے محاذوں پر باقاعدہ مسلمانوں کی نسل کشی جاری ہے۔ دوسری طرف دین اسلام پر نت نئے اعتراضات اٹھائے جا رہے ہیں۔ تیسری طرف مخرب اخلاق رسائل و جرائد' الیکٹرانک میڈیا' عریاں تصاویر' پروپیگنڈے کے ذریعے سے خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام میں مالی و معاشی امداد اور غیر محسوس سازشوں کے ذریعے سے مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے جاری ہیں۔ اوپر سے جوہری اسلحہ کی تیاری کے سلسلے میں مسلمانوں پر شدید بندش ہے' مسلمانوں کو اکھاڑے میں باندھ کر دنیا کی ساری قومیں گویا مسلمانوں پر پل پڑی ہیں۔ اس ساری پلاننگ کے پیچھے یہودی دماغ کار فرما ہیں۔ مسلم معاشروں کی اخلاقی اور معاشرتی تباہی کی تمام منصوبہ بندی انہی یہودی مکاروں نے گہرے سازشی انداز میں کر رکھی ہے۔ مسلمانوں کے حرم پر تابڑ توڑ شبخون مارے جا رہے ہیں۔

94ء کی قاہرہ کانفرنس اور ستمبر 95 کی بیجنگ کانفرنس نے بلاشبہ وہ عریانی اور فحاشی جو مغربی معاشروں میں موجود ہے' اس کو یو۔ این۔ او کے ذریعے سے قانونی طور پر مسلمان معاشروں پر مسلط کرنے کی کوشش کی ہے۔ "کنواری ماؤں" "کنڈوم کلچر" "اسقاط حمل کے جواز" "بچے پیدا کرنے کے لئے عورت کے ذاتی اختیار" "ایڈز سے بچنے کے لئے قربت کے لمحات میں احتیاط" جیسی فضول اور واہیات اصطلاحات مسلمان معاشروں میں عام کرنے کی بھرپور کوشش جاری ہے' حالانکہ یہ الفاظ سننا کیا' ان کو سوچنے اور تصور میں لانے تک سے ہمیں گھن آتی ہے۔ لیکن اب عملاً مسلمانوں کو ان "ناقابل تصور" باتوں کا عادی بنانے کی کوشش جاری ہے۔

چونکہ اس ساری سازش کی ابتدا پہلے "حقوق نسواں" اور پھر بے پردگی' پھر "مساوات مرد و زن" کے نعرہ سے ہوئی تھی' اس لئے مسلمان خواتین کو ان موضوعات پر بہت زیادہ تربیت دینے کی ضرورت ہے۔ اسلام میں خواتین کے حقوق کے موضوع پر غیر مسلموں کے کئے گئے اعتراضات تو بہت پرانے نہ سہی مگر ایک تسلسل سے جاری ہیں' بہت سے مسلمان علماء نے تفصیلاً ان اعتراضات کے

جواب بھی دیئے ہیں، جو کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل و مستند جوابات کہے جا سکتے ہیں۔ مگر ہمارا فرنگ زدہ طبقہ بڑی معصومیت سے ان کو بار بار دہراتا رہتا ہے۔ لہٰذا میں نے ایک عورت ہونے کے ناطے اس موضوع پر کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے۔

تہذیب جدید اس بات کی دعویدار ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب نے عورت کو دوسرے درجے کی مخلوق ہی سمجھا ہے۔ البتہ اسلام نے دوسرے معاشروں اور مذاہب کے مقابلے میں چند زیادہ حقوق دیئے ہیں۔ مگر عورت کو اس کے اصل حقوق جدید تہذیب نے ہی دیئے ہیں۔ ایک صدی قبل تک تو شاید یہ بات کہنا قرین قیاس تھا کہ واقعی اسلام نے اس کو اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔ مگر اب تو اسلام بہت پیچھے رہ گیا ہے اور اس ضمن میں تہذیب جدید بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ اس نے مردوزن میں مکمل مساوات پیدا کر دی ہے۔ ان کے اس گمراہ کن دعوے کا تجزیہ کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

پھر وہ دلیل دیتے ہیں کہ اس وقت مسلمان عورت کتنی زیادہ زبوں حالی اور پسماندگی کا شکار ہے۔ اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ آج اسلام عورتوں کو حقوق، آزادی اور مساوات دلانے میں ناکام ہو گیا ہے۔ ہم مان لیتے ہیں کہ اس وقت مسلم ممالک کی عورتیں بالعموم پسماندگی کا شکار ہیں۔ انہیں معاشرے میں کوئی عزت ووقار حاصل ہے نہ احترام۔ وہ اس وقت حیوانوں کی سی زندگی بسر کر رہی ہیں--- یہ بات درست سہی مگر سوال یہ ہے کہ موجودہ حالت کی ذمہ داری کیا اسلام پر عاید ہوتی ہے، کیا اسلامی تعلیمات نے عورت کو اس بے وقاری بلکہ استحصال تک پہنچایا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمان عورت کی موجودہ حالت زار نتیجہ ہے ان معاشی، سیاسی اور نفسیاتی حالات کا جن سے آج کے مسلمان ممالک بالعموم شکار ہیں، گو آج بیشتر مسلمان ممالک آزاد ہیں، مگر گزشتہ دو تین صدیوں سے وہ مسلسل اہل مغرب کے بڑھتے ہوئے تابڑ توڑ حملوں، ذہنی مرعوبیت اور غربت وافلاس کا شکار ہیں۔ عموماً مسلمان ممالک میں وہ سماجی بے انصافی پیدا کر دی گئی ہے۔ جس کے باعث ایک طبقہ تو لوٹ کھسوٹ اور کرپشن کے ذریعہ ممالک کے بیشتر وسائل پر قابض ہے۔ وہ خوب داد عیش دیتا ہے تو دوسری طرف ملک کی اکثریت خط افلاس سے بھی نیچے زندگی گزار رہی ہے، ان کے پاس تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا ہے نہ کھانے کے لئے روٹی، سیاسی گھٹن اور استبداد نے تمام ملکی آبادیوں کو حاکم اور محکوم کے دو مستقل طبقوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا ہے۔ حکمران طبقہ ملک کے بیشتر وسائل پر قابض ہے۔ تمام مراعات وسہولتیں ان کو حاصل ہیں جبکہ وہ عوام کو قربانی کے بکرے بنائے رکھتے ہیں۔ خود کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتے اور عوام کو کوئی حق دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اس طرح معاشرتی زندگی بھی شدید گھٹن اور جبر کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ مشرقی عورت کی موجودہ تذلیل اور مصائب وآلام کے ذمہ دار یہی حالات ہیں۔ ان گھٹے گھٹے حالات میں مرد خود مبتلائے آلام اور زخم خوردہ ہے۔

ایسے ماحول میں وہ عورت کو محبت و احترام کیسے دے؟ اگر مرد گھر میں عورت سے بد سلوکی کرتا ہے تو یہ رد عمل ہے اس سختی اور بے انصافی کا' جو کسب معاش کے سلسلے میں باہر کے ماحول میں اس سے روا رکھی جاتی ہے۔ گاؤں کے چودھری' وڈیرے' جاگیردار' کارخانہ دار' حکام' پولیس وقتاً فوقتاً اس کی عزت نفس مجروح کرتے رہتے ہیں' معاشرے میں اس کو ہر جگہ ذلت و نامرادی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تو پھر وہ سارا غصہ گھر آکر اپنے بیوی بچوں پر اتار دیتا ہے' یہ افلاس اور جہالت کی لعنت خود مرد کو اس طرح نچوڑ لیتی ہے کہ وہ خود محرومیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ کسی سے محبت اور ہمدردی کا برتاؤ کیسے کرے' یہی وجہ ہے کہ عورت کو اپنے خاوند کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار بننا پڑتا ہے۔ وہ دم نہیں مارتی کیونکہ وہ جانتی ہے' اگر خاوند نے گھر سے نکال دیا تو وہ کہاں جائے گی۔ وہ اپنے قانونی حقوق کا مطالبہ کرنے کی جسارت ہی نہیں کر سکتی۔ مبادا اس کا خاوند ناراض ہو کر اس کو طلاق نہ دے دے۔ خود اس کے والدین اتنے مفلس ہوتے ہیں کہ وہ اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ لہٰذا وہ اپنے خاوند کا ظلم و ستم برداشت کرنے پر مجبور ہے' مسلمان عورت کی ذلت و تحقیر کی یہ اہم وجہ ہے۔

دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ جدید مادی دور میں پیسہ اور دولت ہی قدر احترام بن چکی ہے' جس کے پاس پیسہ ہے' وہ قوی اور قابل احترام ہے اور جو دولت کی دوڑ میں پیچھے رہ گیا ہے وہ کمزور و ناتواں بن کر رہ جاتا ہے' اس وجہ سے اسے ذلت اور تحقیر کا نشانہ بنایا جاتا ہے چونکہ اس افلاس زدہ اور گھٹے ماحول میں مرد جو عورت کے مقابلے میں بہرصورت طاقتور بھی ہے اور کماتا بھی ہے وہ عورت کے احترام' اس سے محبت اور ہمدردی کے جذبات سے عاری ہو جاتا ہے۔ عورت اس کے نزدیک محض حیوانی خواہشات کی تسکین کا ذریعہ ہوتی ہے۔ بحیثیت انسان اس کی کوئی عزت باقی رہتی ہے نہ وقار۔ اسلام نے جن اعلیٰ اخلاقی اقدار کی آبیاری کی تھی۔ اس افلاس زدہ ماحول میں وہ سب اعلیٰ قدریں دم توڑ دیتی ہیں۔ اور زندگی کو محض حیوانی خواہشات کے پیمانے سے ناپا اور تولا جانے لگتا ہے۔

آج عورت کی تحقیر و تذلیل انہی اسباب کی پیدا کردہ ہے۔ مگر یہ اسباب اسلام کے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ نہ صحیح اسلامی روح سے کوئی مطابقت رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ اسلام ناکام ہو گیا ہے' بودی دلیل ہے اور عورتوں کو ورغلانے کا بہانہ ہے۔

میری ساری زندگی درس و تدریس میں گزری ہے۔ کالج و یونیورسٹی سے بھی گہرا تعلق رہا ہے اور مدارس کے ماحول سے بھی میں بخوبی آگاہ ہوں۔ اس طرح دونوں قسم کے ماحول میں "عورت" کے موضوع پر جو افراط و تفریط پائی جاتی ہے اسے کتاب میں مدنظر رکھا گیا ہے۔ دیہات کی سیدھی سادھی بھولی بھالی مگر دینی تعلیمات سے دور اور جاہل خواتین' جو ٹی۔ وی اور ڈش انٹینا کی وجہ سے

ور غلائی جارہی ہیں۔ وہ بھی میرے پیش نظر ہیں

اس کتاب کے آغاز میں جدید نسوانی تحریکوں کا مرحلہ وار ارتقا ________________ (مغرب میں اور پھر مسلمان ممالک میں) بیان کیا گیا ہے۔ بعد ازاں مرد و زن کے درمیان مساوات کے موضوع پر مغربی تہذیب اور اسلامی احکام کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ پھر متنازع فیہ تمام موضوعات کو ترتیب وار بیان کرکے اسلامی احکام کا مبنی بر حکمت اور قابل عمل ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ آخری باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اب خود مغرب کے سنجیدہ' دانشور اور پڑھے لکھے طبقے خود اسلام کی پر حکمت' متوازن اور جاندار قابل عمل تعلیم کی حقانیت کے معترف ہو کر بکثرت حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ ان میں بھی خواتین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

میں محترم جناب طالب الهاشمی صاحب کی صمیم قلب سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری فرمائش پر اپنی گوناگوں مصروفیات اور پیرانہ سالی کے باوجود کتاب کے مسودے کو بغور پڑھا اور اس پر گراں قدر مقدمہ تحریر فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ یہ کتاب میری بہنوں کے لئے مفید اور سبق آموز ثابت ہوگی' ان شاء اللہ! اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور میرے لئے سرمایہ آخرت بنا دے' آمین!

السعی منی والاتمام من الله

ثریا بتول علوی

10 ستمبر 1997ء بمطابق 7 جمادی الاخر 1418ھ

1

مغرب کا نظریہ مساوات مرد وزن

* پس منظر
* ارتقاء
* قاہرہ کی بہبود آبادی کانفرنس
* بیجنگ کانفرنس
* نظریہ مساوات مرد وزن کے نتائج:
  (i) اہل مغرب کا اعتراف حقیقت
  (ii) خاندانی نظام کی تباہی
  (iii) جنسی بے راہ روی
  (iv) ناجائز بچوں کی کثرت
  (v) طلاق کی کثرت
  (vi) بچوں میں خودکشی کا رجحان
  (vii) معذور بوڑھے
  (viii) ہم جنسی
  (ix) عصمت فروشی
  (x) بچوں کا جنسی استحصال
* ہمہ گیر معاشرتی بگاڑ
* عورتوں کا مردانہ تشدد سے بچنے کا طریقہ
* روس و چین کا حال
* خواتین کی حالت زار
* عورت عملی زندگی میں کہاں تک مساوات حاصل کر سکی ہے؟
* مغربی دانشوروں کا احتجاج
* رد عمل

مغرب کا نظریہ مساوات مرد و زن

زمانہ جدید کے تمدنی مسائل میں سے ایک اہم متنازعہ مسئلہ عورت اور مرد کی مساوات کا مسئلہ ہے۔ فی زمانہ یہ نعرہ گونج رہا ہے کہ عورت کو ہر حیثیت سے مرد کے برابر ہونا چاہئے۔ قانونی لحاظ سے بھی اسے ہر وہ کام کرنے کی آزادی ہونی چاہئے جو مرد سرانجام دیتا ہے۔ اسے بھی وہ حق ملنے چاہئیں جو معاشرے میں مرد کو حاصل ہیں۔ غرضیکہ مرد اور عورت دونوں معاشرے میں مساوی حیثیت سے دوست بن کر رہیں۔ اب مرد کی حاکمیت اور عورت کی محکومیت کا دور ختم ہو جانا چاہئے۔

پس منظر: اس نظریہ کا تحقیقی جائزہ لینے سے پہلے اس کے پس منظر پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس نظریہ کا آغاز چونکہ مغرب سے ہوا' لہٰذا عورت کے اس دور کے مسائل معاشرے میں اس کی حیثیت اور مقام و مرتبہ کا مختصر جائزہ لیا جانا ناگزیر ہے کہ وہ ابتدا ہی سے محروم اور بدبخت چلی آ رہی ہے۔ زمانہ قدیم میں یونان کے نامور دانشور ارسطو نے عورت کو ہر اعتبار سے مرد سے کمتر قرار دیا تھا کیونکہ اس میں فہم و استدلال کی قوت نہیں ہے' بیشتر قدیم مفکرین نے اسے جذباتی' کمزور' عقل و فہم سے محروم ہونے کی بناء پر گھٹیا اور پست قرار دیا۔ قرون وسطیٰ میں عورت ہی کو یورپ کی کمزوری و ذلت کا باعث قرار دیا جاتا رہا۔ ان کے نزدیک عورت "گناہ کی جڑ" "برائی کا سرچشمہ" اور "جہنم کا دروازہ" سمجھی جاتی تھی' عیسائیت میں عورت سے تعلق رکھنا مکروہ خیال کیا جاتا تھا اور اسی کراہت کے تصور نے ان کے ہاں رہبانیت کو فروغ دیا تھا۔ سولہویں' سترھویں اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں بھی عورت کو کوئی باوقار مقام حاصل نہ تھا۔ ان کے چوٹی کے فلسفی حتیٰ کہ نطشے تک یہ مشورہ دیتے کہ "عورت کے پاس جاؤ تو اپنا کوڑا ساتھ لے جانا نہ بھولو۔" اسی طرح ہیگل نے بھی عورت کو نامکمل اور کمزور فرد قرار دیا۔ انیسویں صدی میں جب انگلستان کا سورج کبھی غروب نہ ہوتا تھا' عورت اس دور میں بھی انتہائی مظلوم تھی۔ مرد چند ٹکوں کے عوض اس کو بازار میں بیچ سکتا تھا۔ وہ جب چاہتا اس کے گلے میں رسی ڈال کر بازار لے جاتا' بھیڑ بکریوں اور جانوروں کی طرح گھسیٹتا ہوا اسے جا کر بازار میں درخت سے باندھ دیتا۔ 30 جنوری 1817ء کو ایک جنٹلمین نے اپنی بیوی صرف ایک شلنگ 6 پنس میں فروخت کی۔ (1) فرانس اور جرمنی کی عورت کا بھی یہی حال تھا' مردانہ تشدد عورتوں پر بے پناہ تھا۔ جب وہ درد سے چیختیں تو ان کی چیخ

ویکار پر مرد قہقہے لگاتے۔ عورت کی تعلیم کا سرے سے کوئی تصور نہ تھا۔ وہ وراثت کے حق سے بھی محروم تھی' بلکہ وہ کسی بھی چیز کی ملکیت کے حق سے محروم تھی۔ وہ اپنے نام سے یا اپنی ذات کے لئے کوئی چیز نہ خرید سکتی تھی۔ طلاق لینا بھی عیسائیت میں ناممکن تھا' غرض عورت اس دور میں ذلت و بے بسی کا دوسرا نام تھا' اگر مرد اپنی بیوی کو قتل بھی کر ڈالتا تو کوئی پوچھنے والا نہ تھا اس طرح بہت سی عورتیں اپنے ہی شوہروں کے ہاتھوں دار فانی سے کوچ کر جاتیں۔

یورپ میں ستر لاکھ عورتوں کو جادوگرنیاں کہہ کر زندہ جلا دیا گیا تھا' اسی طرح جان آف آرک کو بھی ورگرنی قرار دے کر پیرس یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان اور پادریوں نے مل کر زندہ جلا ڈالا۔ بعد میں یورپ نے اس کو ولی قرار دے کر سینٹ کا درجہ عطا کر دیا۔ (2)

مگر جب اٹھارویں صدی میں یورپ میں موجودہ جمہوری اور صنعتی دور شروع ہوا' جدید یورپ کے معماروں نے پرانے نظام تہذیب و تمدن کے خلاف آواز بلند کی' جس کی بنیاد جاگیرداری اور پاپائیت تھی' تو اس کے نتیجے میں 1799ء میں انقلاب فرانس رونما ہوا' حریت فکر و عمل کا دور دورہ شروع ہوا' علوم و فنون نے ترقی کی' صنعتیں اور کارخانے قائم ہوئے۔ لوگ دیہاتوں سے اٹھ کر کاروبار کی خاطر شہروں کی طرف منتقل ہونے لگے' دیہاتوں کی آبادی کم ہونے لگی' جبکہ شہروں پر آبادی کا بوجھ بڑھنے لگا۔ بڑے بڑے شہر آباد ہوئے' خوشحالی کا دور دورہ شروع ہوا' معیار زندگی بلند ہونے لگا۔

مگر اس صنعتی انقلاب کے نتیجے میں بہت سے مسائل بھی پیدا ہوئے مثلاً معیار زندگی بلند ہونے سے اشیاء کی قیمتیں بڑھیں۔ کم آمدنی والے لوگوں کو گزارا کرنا مشکل ہو گیا۔ اس عالم میں عورت آگے بڑھی' کسب معاش میں مرد کا ہاتھ بٹانے لگی۔ پھر جب عورت کسب معاش میں سرگرم عمل ہوئی تو اس نے محسوس کیا کہ اسے پہلی مرتبہ چند ایسے حقوق مل رہے ہیں جن سے وہ سدا سے محروم چلی آتی تھی۔ پہلے وہ ذلیل اور حقیر تھی' اب اس کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ پہلے وہ تعلیم کے حق سے بالکل محروم تھی' اب اس کو اعلیٰ تعلیم و تربیت کے مواقع بھی ملنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورت کی تمام خفیہ صلاحیتیں جو غلط تصورات کے تحت دب چکی تھی' اب ابھرنے لگیں۔ اب عورت نے جہاں گھر کو معاشی سہارا دیا وہاں دوسرے معاشرتی کاموں میں بھی حصہ لینے لگی۔ ہسپتالوں میں بیماروں کی تیمارداری کی۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں آگے بڑھی۔ اس طرح نئی نسل کو بہتر ماحول فراہم کیا اور ان کی اچھی طرح تربیت کی۔

❑ ارتقاء:

مگر معاشی میدان میں مصروف رہنے کے بعد عورت نے محسوس کیا کہ اس کے لئے سارا

دن دفتر اور کارخانے میں کام کرنا' پھر اسکے بعد گھر آکر گھریلو امور بھی انجام دینا اور بچوں کو پرورش کرنا دوہری مشقت ہے' تو اس نے بعض ایسی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کرنا شروع کیا جو فطرت نے اس پر عائد کی ہیں۔ دوران حمل اسے اپنے کام سے تو چھٹی لینا پڑتی تھی' پھر وضع حمل کے بعد بچے کو دودھ پلانا بھی اس کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ بچے کو دوران ملازمت ساتھ بھی نہ لے کر جا سکتی تھی' اور گھر میں اس کے لئے ملازمہ رکھے تو معاشی طور پر بھی وہ اتنا بندوبست نہ کر پاتی تھی۔ نہ ہی بچے کی پرورش کی خاطر لمبے عرصے تک چھٹی لے سکتی تھی۔

اس مشکل کا حل یہ سوچا گیا کہ بچوں کی نگہداشت کے خصوصی مراکز

(CHILD CARE CENTRES.)

بنا دیئے گئے جن کے اخراجات کی ذمہ داری بھی ماں باپ پر تھی' لیکن اس کے باوجود مشکل برقرار رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورت مادرانہ فرائض انجام دینے سے گریز کی راہ اختیار کرنے لگی۔

عورت نے کسب معاش کی راہ پر چلنے سے دو قسم کے نتائج محسوس کیے:

(1) اب وہ مردوں کی بالادستی سے کچھ حد تک آزاد ہو رہی تھی۔

(2) مرد اور عورت کی اجرتوں اور معاوضوں میں بڑا فرق تھا۔ وہی کام جب مرد کریں تو ان کی تنخواہ زیادہ اور عورتیں کریں تو ان کی اجرت کم' لہٰذا پہلے نمبر پر اس نے اجرت میں مساوات کا مطالبہ کیا مگر جب اسے یہ مساوات نہ مل سکی تو اس نے اپنے حقوق حاصل کرنے اور اپنے مطالبات منوانے کے لئے' ووٹ دینے کا حق طلب کیا۔ مگر قانون مرد کے ہاتھ میں تھا' وہ عورت کو مساوی اجرتیں دینے پر رضامند نہ تھا' بلکہ عورت نے یہ بھی محسوس کیا کہ ایک جرم اگر مرد کرے تو اس کی سزا ہلکی مگر وہی جرم عورت سے سرزد ہو تو سزا زیادہ سنگین--- مجبور ہو کر عورت نے پارلیمنٹ میں اپنے لئے نمائندگی کا حق مانگا اور مساوات مرد و زن کا نظریہ پیش کیا۔ مساوات کے لئے پہلی آواز میری وولسٹن کرافٹ (MARY WOLLSTONE CRAFT) نے اپنی کتاب "حقوق نسواں"

(VINDICATION OF THE RIGHTS OF WOMEN

کے ذریعہ سے بلند کی۔ یہ مصنفہ برطانیہ کے ایک دہریہ فلسفی ناول نگار کی بیوی تھی۔ اس نے 1792ء میں اس کتاب میں یہ مطالبہ پیش کیا:

"تعلیم' روزگار اور سیاست کے میدانوں میں عورتوں کی وہی حیثیت تسلیم کی جائے جو مردوں کو حاصل ہے۔ مزید دونوں صنفوں کے لئے اخلاقی معیار بھی یکساں ہونا چاہیے۔"

بعد ازاں یہ نظریہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگا' اس کے حق میں دلائل بھی فراہم ہونے لگے۔ جلد ہی یہ

تحریک یورپ اور امریکہ میں پھلنے پھولنے لگی' پھر زندگی کے ہر شعبے میں مساوات حاصل کرنے کا نظریہ ترقی پسندانہ نعرے کی حیثیت اختیار کر گیا اور اس کے خلاف کوئی بات کرنا پسماندگی کی علامت قرار دیا جانے لگا۔ ساتھ ساتھ فیملی پلاننگ کی تحریک بھی بڑھنے پھولنے لگی۔

امریکہ میں خواتین نے انیسویں صدی کے شروع میں دفتروں اور کارخانوں وغیرہ میں کام کرنا شروع کیا۔ اس سے قبل وہ صرف گھریلو امور انجام دیتی تھیں۔ امریکی خواتین کی تحریک میں اس وقت جوش و خروش پیدا ہوا جب 1848ء میں نیویارک کے قریب سینیکا فالز (.SENECA FALLS) کے مقام پر حقوق نسواں کے لئے ایک ملک گیر کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں شریک خواتین نے ایک مشہور و معروف "جذبات کا منشور" (DECLARATION OF SENTIMENTS) پیش کیا۔ یہی منشور بعد میں خواتین کی تمام سماجی سرگرمیوں کی بنیاد بنا۔ اس منشور کا خلاصہ یہ تھا:

"تاریخ انسانی گواہ ہے کہ عورت ہمیشہ مرد کے ظلم و ستم کا شکار رہی ہے۔ آج بھی عورت کی یہ حالت ہے کہ موجودہ جمہوری نظام سیاست میں اس کی کوئی آواز اور شنوائی نہیں--- اسے عوامی نمائندگی کا حق حاصل نہیں--- مرد اپنی مرضی سے حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر کے عورتوں کے خلاف قانون سازی کرتا ہے اور عورتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ مردوں کے بنائے ہوئے یک طرفہ اور من مانے قوانین کی پابندی کریں۔ ملک کے جاہل اور گنوار مردوں کو وہ حقوق حاصل ہیں جن سے تعلیم یافتہ عورتیں بھی بالکل محروم ہیں۔ معاشرے میں شادی شدہ عورت زندہ درگور ہے۔ اسے ملکیت کا حق حاصل نہیں یہاں تک کہ جو کچھ وہ خود کماتی ہے' وہ اس کا اپنا نہیں ہے۔ اس کی کمائی کا مالک بھی اس کا شوہر ہوتا ہے۔ بوقت شادی عورت سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ہر جائز و ناجائز حکم کو مانے گی--- تمام اچھی ملازمتوں پر مردوں کی اجارہ داری ہے' عورتوں کو مردوں سے کم تنخواہ دی جاتی ہے--- آج ایک عورت بھی مذہبی معلم' ڈاکٹر یا قانون دان نہیں ہے۔ اسے کالجوں میں داخلہ نہیں مل سکتا۔ وہ کسی بھی تعلیمی ادارے میں جا کر تعلیم حاصل نہیں کر سکتی۔ مذہب کا میدان ہو یا سیاست کا' عورت صرف ماتحت اور محکوم ہے--- اس ملک میں ہم محسوس کرتی ہیں کہ ہمیں مذہبی و معاشرتی طور پر ذلیل و خوار کیا گیا ہے۔ ہم مظلوم ہیں۔ ہمارا استحصال ہوا ہے۔ ہمیں ہمارے جائز حقوق نہیں دیئے گئے' اب ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں امریکہ کے مرد شہریوں کے برابر اور مساوی حیثیت دی جائے۔"

"ہمیں معلوم ہے کہ ہمیں اپنے مقصد کے حصول میں بہت سی رکاوٹوں کا سامان کرنا پڑے گا مگر ہم ہمت نہیں ہاریں گی--- جائز ذرائع اور پرامن طریقے سے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گی۔ ہم جگہ جگہ کنونشن منعقد کر کے رائے عامہ کو ہموار کریں گی تاکہ حکومت سے اپنے جائز مطالبات منوا سکیں۔" (3)

پھر اسی "منشور جذبات" میں طے کردہ ایجنڈے کے مطابق انہوں نے اپنی جدوجہد قراردادوں اور مظاہروں کی شکل میں جاری رکھی جس کے نتیجے میں اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران پہلی اور دوسری جنگ عظیم کا عظیم سانحہ پیش آیا۔ ان میں بہت سے مرد ہلاک ہو گئے۔ مردوں کی تعداد میں خاصی کمی واقع ہونے سے عورتوں کو گھروں سے نکل کر باہر کام کرنے کے بہت زیادہ مواقع مل گئے' ان میں مزید خود اعتمادی پیدا ہوئی اور اسی دور سے ان کو وقتاً فوقتاً کچھ حقوق ملنے لگے اور اس تحریک میں بھی بہت تیزی پیدا ہوئی۔ بالآخر عورتوں کو ووٹ دینے کا حق مل گیا۔ امریکہ میں یہ حق 1920ء میں' برطانیہ میں 1918ء میں' سوئٹزرلینڈ میں 1917ء میں اور فرانس میں 1946ء میں مل گیا۔ جبکہ یو۔ این۔ او کی طرف سے یہ حق خواتین کو 1952ء میں ملا۔

انہیں ذاتی ملکیت رکھنے کا حق بھی مل گیا۔ جنس کی بناء پر مرد و عورت کا امتیازی سلوک ممنوع قرار پایا۔ عورتوں کے لئے مردوں کے مساوی قوانین بنے اور یکساں حقوق بھی تسلیم کیے گئے۔ عورت کو طلاق دینے کا حق بھی مل گیا۔

اب عورت آزاد فضا میں آزادی اور خود اعتمادی محسوس کرنے لگی۔ وہ شانہ بشانہ مرد کے ساتھ ہر جگہ کام کرنے لگی۔ حتیٰ کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں یہ شق رکھوانے میں بھی کامیاب ہو گئی کہ عورت اور مرد کے تمام حقوق یکساں اور برابر ہیں۔ پھر اس نے اسقاط حمل کا حق بھی مانگا جو 1970ء میں اسے مل گیا۔

یو۔ این۔ او نے مرد و عورت کے حقوق یکساں بنانے کے لئے ابتداہی میں ایک باقاعدہ کمشن تشکیل دیا تھا' یہ کمشن خواتین کی حیثیت کا جائزہ لینے اور ان کے حقوق کو تقویت دینے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔

اس کمشن نے 30 سال کام کرنے کے بعد ایک دستاویز تیار کی جس کا نام

CEDAW DOCUMENT.

CONVENTION OF U.N.O ON THE ELIMINATION OF ALL KINDS OF DISCRIMINATION AGAINST WOMEN.

یعنی "خواتین سے ہر قسم کے امتیاز کے خلاف یو۔ این۔ او کا کنونشن۔" اس "سی ڈا" کی دستاویز کو 18 دسمبر 1979ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے تسلیم کیا۔ 1981ء میں یو۔ این۔ او کے بیس ممالک نے اس دستاویز پر رضامندی اختیار کی' جبکہ اس کنونشن کی دسویں سالگرہ کے موقع پر یو۔ این۔ او کے ایک سو ممالک اس پر دستخط کر چکے تھے' جن میں دس مسلمان ممالک بھی شامل تھے۔ کمشن نے خواتین سے ہر قسم کے امتیاز کے خلاف آواز اٹھائی۔ ہر پہلو سے مرد و عورت کے درمیان مساوات

قائم کرنے کے لئے تجویزیں اور سفارشات پیش کیں۔ کنونشن اپنے تمام ممبر ممالک پر زور دیتا ہے کہ وہ قانون سازی کے ذریعے سے مردوں و عورتوں کا ہر قسم کا امتیاز ختم کریں تعلیم' سیاست' ملازمت' معاشی و اخلاقی اور معاشرتی غرض ہر میدان میں عورت برابر کے حقوق کی مستحق ہے۔ اس دستاویز کی کل 30 (4) دفعات میں پہلی سولہ تو اپنے اپنے ممالک میں دونوں کے حقوق کو مساوی کرنے کے وعدوں پر مشتمل ہیں۔ جبکہ باقی 14 نکات عمل کرنے والی کمیٹی تشکیل دینے کے بارے میں ہیں' جو کنونشن پر عمل کی رفتار کا جائزہ لیتی ہے۔ ستمبر 1994ء میں قاہرہ میں یو۔ این۔ او کی طرف سے "بہبود آبادی کانفرنس" کے نام سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں ممبر ممالک (خصوصی نشانہ مسلم ممالک تھے) میں جنسی بے راہروی اور کنڈوم کلچر رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعد ازاں ستمبر 1995ء میں بیجنگ میں خواتین کی ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی جو یو۔ این۔ او کی طرف سے خواتین کی چوتھی بڑی عالمی کانفرنس تھی۔ مندرجہ بالا "سی ڈا" کی دستاویز کی روشنی میں اس کانفرنس کا ایجنڈا تیار ہوا تھا' جس میں تقریباً دنیا کے دو سو ملکوں کے پچاس ہزار نمائندے شامل ہوئے' تیس ہزار کے قریب سرکاری جبکہ بیس ہزار کے قریب این۔ جی۔ اوز (یعنی غیر سرکاری تنظیمیں)۔ اس کانفرنس کے ایجنڈے کا نام "بیجنگ ڈرافٹ" تھا۔ 121 صفحات پر مشتمل اس بیجنگ ڈرافٹ کی چیدہ چیدہ دفعات درج ذیل ہیں:

(1) مرد و عورت میں کوئی فطری فرق موجود نہیں ہے۔

(2) عورت کے روایتی کردار (یعنی بحیثیت ماں' بیٹی' بیوی وغیرہ) کو اس ڈرافٹ میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

(3) اسمبلیوں اور دیگر منتخب اداروں میں خواتین کا کوٹہ 50% ہونا چاہئے۔

(4) معاشرے کے ڈھانچے کو اس طرح تبدیل کیا جائے کہ مرد و عورت میں برابری وجود میں آسکے۔

(5) ملازمتوں میں 50% کوٹہ عورتوں کے لئے مخصوص کیا جائے۔

(6) بچے پیدا کرنے کا حق عورت کو ملنا چاہئے۔ یعنی اس پر خاوند یا کسی اور کا دباؤ نہ ہو۔ اپنی مرضی و اختیار ہو' چاہے تو بچے کو جنم دے اور چاہے تو نہ دے۔

(7) اسقاط حمل کو جائز قرار دیا جائے اور اس کا حق عورت کے پاس ہونا چاہئے۔

(8) عورتوں کو بھی ہم جنس پرستی کی قانونی اجازت دی جائے۔ اسی طرح جسم فروشی کی بھی قانونی اجازت ہونی چاہئے۔

(9) اس ڈرافٹ میں شادی نکاح وغیرہ کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

(10) اس میں بنیاد پرستی پر بھی تنقید کی گئی ہے۔ اسی طرح خود مذہب پر بھی تنقید کی گئی ہے کہ یہ عورت کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

یہ یو-این-اے کے پلیٹ فارم سے منعقد ہونے والا سب سے بڑا خواتین کا اجتماع تھا۔

گویا مردوں کی مخالفت کرتے کرتے عورتیں اس انتہا کو پہنچ گئی ہیں جس کو تذلیل انسانیت کہنا زیادہ موزوں ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ یہ نکات پیش کرنے والی خواتین زیادہ تر وہ ہیں جو گھریلو سکون سے محروم ہیں۔ خود کیتھولک عیسائیوں نے' پاپائے روم نے بلکہ مغرب کی بیشتر خواتین نے بھی بیجنگ کانفرنس کے بیشتر مطالبات کو غیر معقول قرار دیا۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ مسلم ممالک کی خواتین بھی اس میں شامل ہوئیں۔ البتہ سوڈان اور ایران کی خواتین نے اس حیا باختہ ایجنڈے کی مخالفت کی۔ سعودی عرب نے اس میں شرکت ہی نہ کی۔ مگر پاکستان کی وزیر اعظم اس کی چیئرپرسن بنیں اور پاکستان کی طرف سے اس ننگ نسواں ایجنڈے پر دستخط کر دیئے۔ غور کیا جائے تو اس کانفرنس کے اثرات بہت زیادہ دور رس اور تباہ کن ہیں۔

گویا مختصراً اس کانفرنس کے دو نکات تھے: اب عورت کو ماں بننے پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر بے راہ روی کے دوران میں وہ حاملہ ہو جائے تو حمل ضائع کرانا اس کا قانونی حق ہو' جرم نہ سمجھا جائے۔

□ نظریہ مساوات مرد و زن کے نتائج:

حقیقت یہ ہے کہ مساوات مرد و زن کا نظریہ ایک دھوکہ ہے اور ایک فریب ہے' جس کی عملی زندگی میں کوئی حقیقت نہیں' فطری روش چھوڑ کر مصنوعی طریقے اپنانے سے انسان بے شمار دنیوی و اخروی نقصانات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور **خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ** (5) کا مصداق بن جاتا ہے۔ مغرب میں عورت کی موجودہ حالت زار بھی اس حقیقت کو بیان کرنے کے لئے کافی ہے:

(i) خاندانی نظام کی تباہی:

عورت اور مرد دوش بدوش کام کر رہے ہیں۔ مگر گھر اب خالی ہو گئے ہیں' بچے ماؤں سے' شوہر بیویوں سے اور گھر گھر والیوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ بیمار اور بوڑھے کسی ہمدرد اور غمخوار کو ترس گئے ہیں' خاندانی نظام مکمل طور پر تلپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ افراد خانہ کے اندر محبت و الفت کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور انسان اس سکون سے محروم ہو گیا جو صرف خاندان ہی فراہم کر سکتا ہے۔ خاندان کا ٹوٹنا در اصل پورے معاشرے کا درہم برہم ہونا ہے' یہ اتنا بڑا خسارہ ہے کہ کوئی بھی معاشرہ اسے زیادہ دن تک برداشت نہیں کر سکتا۔

(ii) جنسی بے راہ روی:

گھر کے سکون کو لات مار کر عورت گھر سے جو نکلی تو گھر سے باہر ہزاروں ہوسناک نگاہوں کا شکار ہوئی' مرد و عورت کے آزادانہ اور بے باکانہ اختلاط کی وجہ سے جنسی آزادی کا رجحان عام ہو گیا' بدکاری عام ہو گئی پھر ایسی ننگی اور بے حیاء تہذیب نے جنم لیا کہ شرم و حیاء اور شرافت کا دم گھٹ کر رہ گیا۔ تعلیمی اداروں میں بھی یہ بے راہ روی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ امریکہ کے "وج لنڈسے" نے ایک جائزہ کے بعد رپورٹ دی کہ "ہائی سکول کی کم عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود

مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے جنسی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے اور کم از کم سکول کی 45% طالبات ان تجربات سے گزر چکی ہوتی ہیں۔(6)

اپنی فطری کمزوریوں کے باعث عورت دفتروں اور کارخانوں میں مردوں جتنا کام کر سکی نہ ان کے برابر معاوضہ پا سکی، مگر اپنے ہر باس کی جنسی تسکین کے لئے کھلونا ضرور بنی۔ مانع حمل ادویات استعمال کرنے کے باوجود اپنی فطری ذمہ داریوں سے چھٹکارا نہ پا سکی۔ ناجائز بچوں کی کثرت ہونے لگی۔ پھر ان ناجائز بچوں کو پالنا بھی تنہا عورت کی ذمہ داری قرار پائی۔ لہٰذا عورتوں نے اسقاط حمل کا راستہ اختیار کیا۔ بارہ برس سے بھی کم عمر بچیاں خود اپنے گھروں میں اپنے باپ دادا، بھائی کی ہوسناکی کا شکار ہو رہی ہیں، کنواری ماؤں کا مسئلہ بڑا گھمبیر ہو گیا ہے۔ عصمت و عفت کے آبگینے اس طرح چور چور ہو رہے ہیں کہ 14 یا 15 برس کی عمر تک شاید ہی کوئی لڑکی کنواری رہ جاتی ہو۔ لہٰذا اسقاط حمل قانوناً جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ مغرب میں زنا بالجبر کے واقعات اتنے زیادہ رونما ہو رہے ہیں کہ لڑکا پہلی ملاقات میں لڑکی کو Date دے دیتا ہے۔ پھر مقررہ تاریخ کو جب دونوں ملتے ہیں تو لازمی نتیجہ زنا بالرضا وگرنہ زنا بالجبر ہوتا ہے اور زنا کے 75% واقعات زنا بالجبر ہی ہوتے ہیں۔ یہ جنسی تشدد اور بدکاری مرد وعورت کے ہر جگہ مساوی اور پہلو بہ پہلو بیٹھنے کا نتیجہ ہی تو ہے۔ زنا بالجبر کے خلاف لڑکی عدالت میں چلی بھی جائے تو مروج عموماً مردوں ہی کی حمایت کرتے ہیں۔ لہٰذا عملاً سزا نہ مل سکنے کی وجہ سے عورتوں کو مجبوراً شکار بننا ہی پڑتا ہے۔

(iii) ناجائز بچوں کی کثرت: وہاں اسقاط حمل جائز قرار پانے کے باوجود ناجائز اور غیر قانونی بچوں کی کثرت ہو رہی ہے، مغربی بچوں کی کم از کم 30% تعداد غیر قانونی بچوں کی ہے اور یہ بچے تنہا عورت یعنی کنواری ماں کا درد سر ہیں، یہی صورت حال فرانس میں ہے کہ اس کا ہر پانچواں بچہ ناجائز ہے جبکہ برطانیہ میں ہر چوتھا بچہ غیر قانونی ہے۔ اب ناجائز اور جائز بچوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ ایسے قوانین بنا دیئے گئے ہیں کہ کنواری ماؤں کو پورا تحفظ حاصل ہو۔

(iv) طلاق کی کثرت: مساوات مرد و زن کے نتیجے میں وہاں طلاق کی شرح بہت بڑھ گئی ہے، عورت نے بھی طلاق دینے کا حق حاصل کر لیا ہے۔ اب وہاں معمولی معمولی باتوں پر دونوں میں جدائی ہو جاتی ہے، ازدواجی زندگی ویسے ہی محبت، خلوص اور باہمی اعتماد سے عاری ہے لہٰذا ہر تیسری شادی کا انجام طلاق کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے۔ پھر طلاق کے نتیجے میں بھی عورت کو اپنا اور بچے، دونوں کا خرچہ خود ہی اٹھانا پڑتا ہے۔ اگرچہ قانوناً مرد کو طلاق کے بعد عورت کو تا مع نفقہ دینا چاہئے مگر وہ معاشرہ جو عام حالات میں عورت کو خود کمانے پر مجبور کرتا ہے، تو طلاق کی صورت میں وہاں اس کی دادرسی کیسے کر سکے گا؟

(v) بچوں میں خودکشی کا رجحان: اس جرائم زدہ سوسائٹی میں بچوں میں ڈپریشن اور اس کے نتیجے میں خودکشی کی شرح بہت بڑھ گئی ہے۔ منشیات کو بھی اسی وجہ سے مغربی معاشرہ میں بڑا فروغ مل رہا ہے' عموماً بچے تنہائی کے کرب اور بے سہارگی کے صدمے سے دوچار ہو کر خودکشی کرنے لگتے ہیں۔ جو بچے بچ جاتے ہیں وہ بھی انتہائی بدسلوکی کا شکار ہوتے ہیں' مغربی معاشرہ انسانوں سے زیادہ حیوانوں سے پیار کرتا ہے' پھر عورتوں کی ملازمت اور عیش کوشی' علاوہ ازیں کثرت طلاق اور کثرت زنا کی بناء پر بھی بچے ماں باپ کی شفقت و محبت سے محروم بالکل آوارہ چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح بچے .CHILD CARE CENTRES میں پرورش پاتے ہیں تو بہت سی نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو کر خودکشی میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ برطانیہ کے روزنامہ "گارڈین" نے مورخہ 13 اکتوبر 1983ء کی اشاعت میں ایک مضمون لکھا:

"بچوں پر توجہ کون دیتا ہے؟"

اور اس میں دلخراش حقائق بیان کیے گئے۔ مثلاً ایک لاکھ بچے اداروں میں پل رہے ہیں' اٹھارہ ہزار بچے ماں باپ کی طرف سے بدسلوکی کا شکار ہیں۔ بچوں کی شرح اموات بہت زیادہ ہے--- یہ کیا مذاق ہے کہ اہل برطانیہ اپنے بچوں سے زیادہ جانوروں سے محبت کرتے ہیں۔ جانوروں کے لئے تو "شاہی سوسائٹی" کی طرف سے تحفظ حاصل ہے جبکہ بچوں کے لئے صرف قومی ادارہ ہے؟"(7)

یہی وجہ ہے کہ تعلیم گاہوں میں شراب' منشیات' اسلحہ' مار دھاڑ اور جرائم کی کثرت ہو چکی ہے۔

(vi) معذور بوڑھے: معمر افراد مغربی معاشرہ میں بہت پریشان حال ہیں' اور حکومت کے سرکاری ضعیف خانوں (.OLD AGE HOMES) میں پل رہے ہیں' حکومت ہی ان کی معذوری اور بڑھاپے کا واحد سہارا ہے' کیونکہ ضعیف والدین کی خدمت کرنا ویسے ہی مغربی معاشرتی روایات کے خلاف ہو چکا ہے۔

(vii) عورت پر مردانہ تشدد: عورت اور مرد کے درمیان حقوق کی جنگ نے عورت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ مرد کی طرف سے عورت کے ساتھ کسی بھی موقع پر ہمدردی کا ظہور نہیں ہوتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ عورت ان کا حکم مانے مگر عورت کماتی بھی ہے اور خانہ داری بھی انجام دیتی ہے۔ وہ ان کی حاکمیت تسلیم نہیں کرتی نتیجہ میں مرد عورتوں پر بہت زیادہ جسمانی تشدد کرتے ہیں اور اگر عورت آگے سے بھاگے تو سنگین ضربیں' زخم بلکہ اموات تک واقع ہونے لگتی ہیں۔ یہ مردانہ تشدد سنگین مسئلہ بن چکا ہے۔

(viii) ہم جنسی: جنسی جرائم اتنے بڑھے کہ آہستہ آہستہ ایک طرف عورت نے شادی سے گریز کا راستہ اختیار کیا چنانچہ شادی کے بغیر لاکھوں نوجوان جوڑے اکٹھے رہ رہے ہیں دوسری طرف ہم جنس پرستی بھی وبا کی طرح پھوٹ نکلی۔ اسی ہم جنس پرستی نے مغربی دنیا کو ایڈز کا تحفہ دیا۔ اب خود مغرب کے دانشور خوب چیخ چیخ کر لوگوں کو ایڈز سے بچانے کے لئے ہم جنس پرستی سے بچنے کی تلقین کر رہے ہیں' مگر وہاں قانوناً ہم جنس پرستی جائز قرار دی جا چکی ہے۔ اب امریکہ میں ایڈز کے متعلق زوردار مہم چلائی جا رہی ہے کہ "ایٹم بم سے مرنا اتنا مہلک نہیں ہے جتنا ایڈز سے مرنا" اس لئے ایڈز سے محتاط رہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت آتشک' سوزاک وغیرہ جنسی بیماریاں بھی مغرب میں بے شمار ہیں مگر جو تباہی ایڈز نے مچائی ہے اس کے پیش نظر مغربی ذرائع ابلاغ اس کو اپنے لئے خطرہ نمبر 1 قرار رہے ہیں۔

(ix) عصمت فروشی: امریکہ میں عصمت فروشی ایک کاروبار ہے' جس کے منظم اڈے قائم ہیں۔ جس میں یورپ' ایشیا اور امریکہ کی بڑی بڑی نامی گرامی شخصیات کے نام بھی ہیں' نیویارک پولیس کے ایک لیفٹیننٹ ولیم بائر کا کہنا ہے کہ یہاں تقریباً 30 منظم اڈے ہیں جہاں تیس سے ساٹھ تک نوجوان لڑکیاں ملازم ہیں۔ یہ لوگ آزادانہ طور پر اخبارات میں اپنی تشہیر کرتے ہیں۔ مسز بیروز کا کاروبار جسم فروشی ہے' اس کے پاس 30 لڑکیاں ملازم ہیں۔ فی گاہک ایک گھنٹہ کے لئے وہ تقریباً پانچ ہزار روپیہ وصول کرتی ہے۔ اس کی زیادہ تر لڑکیاں کسی کالج یا یونیورسٹی کی زیر تعلیم ہیں' کچھ ماڈل گرل یا اداکارہ ہیں۔ وہ انہیں کاروبار کرنے سے پہلے باقاعدہ طور پر اس پیشے کے آداب کی تربیت دیتی ہے۔ وہ خود بھی گریجوایٹ ہے' انہیں غیر ملکی زبانیں بھی سکھاتی ہے۔ ابتداء میں صرف دو گھنٹے انہیں جسم فروشی کرنا ہوتی ہے۔ مسز بیروز کا کہنا ہے کہ اس کے زیادہ تر گاہک کروڑپتی سرمایہ دار اور تاجر ہیں جن میں عرب کے بعض شیوخ بھی شامل ہیں۔ (8)

امریکہ میں 82% مرد شادی سے پہلے جنسی تجربہ حاصل کر چکے ہوتے ہیں جبکہ 50% عورتیں۔ اسے دوسرے مذاہب اور نظریات سے ممتاز کرتی ہے۔ ②

❑ عورت کا حق وراثت عملاً: عورت کا حق وراثت عملاً آجکل بعض مسلم معاشروں میں بری طرح پامال ہو رہا ہے۔ خصوصاً برصغیر پاک و ہند میں ہندو رسم و رواج کے پیش نظر عورتوں کو وراثت سے مختلف حیلوں اور بہانوں سے محروم رکھنے کی وباء روز افزوں ہے۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ لڑکیوں کو جہیز میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ وراثت ہی کا ایک بدل ہے۔ جب انہوں نے لمبے چوڑے جہیز لے لئے تو پھر ان کا وراثت میں کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔ اس طرح عورتوں کے وراثت کے حقوق بری طرح پامال ہو رہے ہیں۔ پاکستان میں جاگیردار اور زمیندار لوگ تو حیلے بہانے سے اپنی لڑکیوں کی شادیاں خاندان سے باہر کرتے ہی نہیں کہ اس طرح سے جائیداد کہیں خاندان سے باہر نہ چلی

جائے' اور پھر ان کی دیکھا دیکھی عام لوگوں نے بھی بیٹیوں اور بہنوں کو وراثت سے محروم کرنا شروع کر دیا ہے۔

سندھ میں یہ رجحان ایک گھناؤنی شکل اختیار کر چکا ہے اور قرآن سے شادی نامی مکروہ فعل کی آڑ میں اسے متبرک و مقدس بنانے کی حیلہ سازی کی گئی ہے۔ جاگیردار اور وڈیرے خاندان میں کسی مناسب بر کی عدم دستیابی کی صورت میں اپنی لڑکیاں قرآن سے بیاہ دیتے ہیں اور تفصیل اس واردات کی اس طرح ہے کہ لڑکی کی قرآن سے شادی کے نام پر لڑکی سے نکاح کا حق بخشوا لیتے ہیں اور پھر ساری عمر وہ راہبہ کی طرز کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ یہ نہ صرف ظلم و ناانصافی کی انتہائی بدترین شکل ہے بلکہ قرآن کے ساتھ بھی ایک سنگین مذاق ہے جو محض اپنی جائیداد کے بٹوارے کے خوف کی وجہ سے ایک ہتھکنڈہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

اسلامی تعلیم سے بیگانگی اور ہندو معاشرت کی نقالی نے عورتوں کی وراثت کے مسئلہ کو بڑا سنگین بنا دیا ہے۔ عموماً بھائی بہنوں سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تم ہم سے تعلق قائم رکھنا چاہتی ہو تو وراثت کا خیال دل سے نکال دو اور بہنیں صرف یہ سوچ کر کہ باپ تو پہلے ہی فوت ہو چکا ہے' اب ہمارا میکہ بھائیوں ہی کے دم قدم سے ہے' یہ بھی ہم سے ناراض ہو گئے تو پھر ہم بھائیوں کی شکل دیکھنے سے بھی محروم نہ رہ جائیں' کہہ دیتی ہیں کہ ہم نے جائیداد کا اپنا حصہ تمہیں بخوشی دے دیا۔ حالانکہ جس حق کو یہ بہنیں "بخوشی" دے رہی ہیں' وہ خود اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہ ہماری کتنی بڑی مجبوری ہے۔ چند خدا خوف دیندار لوگوں کے علاوہ مسلمانوں کی اکثریت بہنوں کو جائیداد کے حق سے محروم کر کے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہی ہے۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے کسی وارث کو وراثت سے محروم کیا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی جنت کی وراثت ختم کر دے گا۔"
(مشکوٰۃ' باب الوصایا' بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی فی شعب الایمان' عن ابی ھریرہ ؓ)

خود قرآن پاک نے وراثت کا ذکر کرنے کے بعد سورۃ نساء' آیت نمبر14 میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے اسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے۔"

حیرت ہے کہ اتنی شدید وعید کی موجودگی میں یہ مرض بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ بہنوں کو جائیداد کے پھر کام کے دوران میں بھی ان کو جنسی طور پر بہت ہراساں کیا جاتا ہے۔(9)

پھر زنا بالجبر کے کیس عدالتوں میں جاتے ہیں' جج بھی عموماً مردوں ہی کے حق میں ہمدرد ہوتے ہیں۔

فرانس میں عدالت میں آنے والے ایسے کیسوں کی تعداد 805 تھی' مگر عدالتیں عموماً مردوں کو بری کر دیتی ہیں۔ محرمات سے بدکاری عام ہے۔ 1920ء میں امریکہ میں 6 فلمیں محرمات سے نکاح پر مبنی دکھائی گئی تھیں۔ مگر 1960 میں 79 فلمیں محرمات سے نکاح کے بارے میں تیار ہوئیں۔(10)

ان جنسی تجربوں سے اسقاط حمل کے باوجود بے شمار حمل قرار پاتے ہیں' پھر اسکا نتیجہ مجبوراً شادی یا غیر قانونی بچہ ہوتا ہے۔ بے شمار مانع حمل ادویات کے باوجود یہ امر حیران کن ہے کہ پھر بھی حمل کی شرح میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

(X) بچوں کا جنسی استحصال:

ہفت روزہ "ایشیا" کی اشاعت 26 ستمبر 96ء نے اس استحصال کی رپورٹ یوں بیان کی ہے:

"اس استحصال کی قبیح ترین شکل غریب بچوں کا جنسی استحصال ہے۔ مغرب میں معصوم بچوں سے جنسی بدسلوکی کی وباء بڑی عام ہے۔ اگست 96ء میں سویڈن میں پہلی مرتبہ بچوں کے جنسی استحصال کے حوالے سے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں اس ضمن کے اعداد و شمار کی خوفناک صورت حال نے سنجیدہ لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ شائع شدہ رپورٹ کے مطابق تجارتی پیمانے پر بچوں کے جنسی استحصال کے لئے پہلے سے موجود بچوں کی تعداد میں ہر سال 10 لاکھ کا اضافہ ہو جاتا ہے' جن میں سے 90% لڑکیاں ہوتی ہیں۔ ان بچوں' کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے والوں کی ہفتہ وار تعداد ایک کروڑ سے لیکر ایک کروڑ بیس لاکھ تک ہے۔ ہولناک بات یہ ہے کہ ان تہذیب یافتہ انسانوں کی ہوس کی تکمیل کے دوران میں فاحشہ گری کے شکار کل بچوں کی تعداد کا ایک تہائی' ایڈز کے جرثومہ HIV پازیٹو سے متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح غریب ممالک میں امیر ممالک سے آئے ہوئے سیاح بھی بچوں سے جنسی بدسلوکی کرتے ہیں۔

اس کے قبیح نتائج میں بے حیائی وبا کی طرح بڑھتی جا رہی ہے۔ خود گھر بچیوں کے لئے خطرناک شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں باپ بیٹی کے تعلقات کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اب یہ وبائی شکل اختیار کر گئے ہیں۔(11)

SEXUALLY VICTIMIZED CHILDREN---PAGE 88

محرمات میں زنا کثرت سے پھیل رہا ہے۔ پھر ان محرمات میں سے بھی بچے زیادہ تر شکار بن رہے ہیں۔ رابن لنڈ سے جو ڈنور کی عدالت میں "جرائم اطفال" کا صدر تھا' امریکی نوجوانوں کے اخلاق سے بہت واقف تھا' اپنی رپورٹ میں بیان کرتا ہے کہ 312 لڑکیوں کے حالات کی تحقیق کی گئی تو ان میں سے 255 ایسی تھیں جو گیارہ اور تیرہ برس کے درمیان عمر میں بالغ ہو چکی تھیں اور ان میں ایسی جنسی خواہشات پیدا ہو چکی تھیں جو اٹھارہ سال یا اس سے زیادہ عمر کی لڑکی میں ہونی چاہئیں۔(12)

پھر مدارس میں صحبت، ہم جنسی اور خود کاری کی وباء پھیل رہی ہے۔ چنانچہ تعلیم گاہوں، کالجوں، نرسنگ کے ٹریننگ سکولوں اور مذہبی مدرسوں میں اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک ہی قسم کے دو افراد آپس میں جنسی تعلق رکھتے ہیں اور صنف مخالف سے ان کی دلچسپی فنا ہو چکی ہے۔ چنانچہ ایسے بکثرت واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ لڑکیاں لڑکیوں کے ساتھ اور لڑکے لڑکوں کے ساتھ ملوث ہوئے اور دردناک انجام سے دو چار ہوئے۔(13) سکولوں، کالجوں، فیکٹریوں، کارخانوں غرض کسی جگہ عورت کی عزت محفوظ نہیں، پھر ان کام کرنے والی خواتین کی نوخیز بچیاں بھی اسی طرح جنسی مظالم کا شکار ہونے لگتی ہیں۔

☐ ہمہ گیر معاشرتی بگاڑ

عورت کو خاندان کے نظام سے الگ کر کے معاشی اور سیاسی میدانوں میں مصروف کرنے کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ بیک وقت خاندان، معاشرہ اور ریاست تینوں کی تباہی کے اثرات رونما ہو رہے ہیں۔ اس پر مرزا محمد حسین اپنی کتاب "ISLAM AND SOCIALISM" میں مغربی عورت کی حالت زار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل مغرب جو ساری دنیا پر اپنی بالاتری قائم رکھنے کے خواہاں ہیں، گھریلو سکون اور عائلی مسرت سے بالکل ناآشنا ہیں۔ ان کے گھر ٹوٹے پھوٹے اور ہر وقت خانگی کشمکش کا شکار ہیں، ہزاروں گھرانوں کی یہ مصیبت زدہ کیفیت دیکھ کر ایک جج یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔ اگر تمام متاثرہ شوہر اپنے گھروں سے بھاگ نکلیں تو تقریباً 75% آدمیوں کو پبلک بندوبست کی ضرورت آن پڑے گی۔"(14)

مغربی معاشرہ میں خواتین کی اجتماعی حیثیت کے متعلق بیگم نثار فاطمہ مرحومہ نے کچھ دلچسپ اعداد و شمار جمع کئے ہیں:

☐ **انگلستان:** پانچ ہزار پاؤنڈ تنخواہ پانے والے پچاس مردوں کے مقابلہ میں صرف ایک عورت اتنی تنخواہ پاتی ہے۔

☐ **امریکہ:** امریکہ میں عورت نے 1923ء میں آئین میں ترامیم کروانے کی کوشش کی۔ چنانچہ 1930ء میں عورت کو ووٹ کا حق حاصل ہوا۔ یہاں عورتیں 51% ہیں مگر 37% عورتیں اپنی روزی کمانے کے لئے کام کرتی ہیں۔ تاہم مجموعی طور پر عورتوں کی تنخواہیں اور اجرتیں مردوں سے 22% کم ہیں۔ عملاً ملک کے تمام ادارے، صنعتیں، پیشے، یونیورسٹیاں، سپریم کورٹ، صدارتی کابینہ مردوں کے ہاتھ میں ہیں۔

قانونی طور پر عورتوں کی حیثیت مردوں کے برابر ہونے کی ترمیم 1970ء میں پاس ہوئی۔

❑ **فرانس:** 1946ء میں عورت کو ووٹ دینے کا حق ملا۔ 1965ء میں اپنے نام سے بنک میں اکاؤنٹ رکھنے کا حق حاصل ہوا۔ وہاں قانونی طور پر عورت کو یہ حق 1977ء میں حاصل ہوا کہ عورت شوہر کی دخل اندازی کے بغیر اپنی ڈاک خود وصول کرے۔

❑ **جرمنی:** یہاں چند سال قبل عورتوں کی رائے معلوم کی گئی تو 68% عورتوں نے رائے دی کہ غیر شادی شدہ لڑکی کا کسی قسم کی ملازمت کرنا خلاف معمول بات ہے۔ 82% عورتوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ شوہر اور بچوں کی نگہداشت ان کا اصل کام ہے جسے وہ اپنی زندگی کا اولین مقصد سمجھتی ہیں۔ اس کے باوجود وہاں ایک تہائی عورتیں اپنی روزی کمانے کے لئے کام کرتی ہیں۔ لیکن اونچے درجے کے منصب پر صرف 3% عورتیں فائز ہیں۔ (15)

❑ عورتوں کا مردانہ تشدد سے بچنے کا طریقہ

عورتوں کو گھروں میں شوہروں سے پٹائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے 2000 سے 4000 عورتیں موت کے گھاٹ اتر جاتی ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا' اپنے شوہروں کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے عورتوں نے مخصوص اداروں یا پناہ گاہوں میں پناہ لینا شروع کر دی ہے۔ ایسی عورتوں کے لئے سب سے پہلے کیلی فورنیا میں ایک شیلٹر (SHELTER) وجود میں آیا' اب ملک بھر میں ایسے 1800 ادارے کام کر رہے ہیں' ان اداروں میں پناہ لینے والی عورتوں کی بھرمار ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خواتین کو ویٹنگ لسٹ میں اپنا نام درج کرانا پڑتا ہے' امریکہ کی ایک تنظیم وائی۔ ڈبلیو۔ سی۔ اے (Y.W.C.A) کے 210 شیلٹر کام کر رہے ہیں۔ اس ادارے نے 1978 سے 1980ء تک 46100 عورتوں کو پناہ دی اور 50000 عورتوں کو مشاورت کی سہولت بہم پہنچائی' تب بھی اس کا دعویٰ تھا کہ وہ 80% عورتوں کو انکار کرنے پر مجبور رہے۔ (16)

عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ جدید مغرب "مہذب" بھی کہلاتا ہے' جی بھر کر عورتوں کا ذہنی اور جسمانی استحصال بھی کرتا ہے' ان سے شہوانی لذات بھی حاصل کرتا ہے اور پھر عورتوں کے حقوق کا علمبردار بھی بنتا ہے۔ دوسری طرف مغرب کی حکومتیں جمہوری بھی کہلاتی ہیں مگر اکثریتی آبادی یعنی عورتوں کے طبقہ کے استحصال کی بھی کھلی چھٹی دیتی ہیں۔

عورتوں کے اوپر بے شمار جنسی تشدد ہو رہا ہے' طلاقیں بکثرت ہو رہی ہیں' 83% طلاقیں اس لئے ہوتی ہیں کہ ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ تعلیم اس کا کوئی علاج نہیں ہے' کیونکہ کالجوں سے فارغ ہونے والی 45% اور سکولوں سے نکلی ہوئی 21% عورتیں بچے پیدا کرنے کے ناقابل ثابت ہو رہی ہیں۔ (17)

96ء میں امریکی دفاع کے ادارے پینٹاگون نے ڈیڑھ لاکھ ڈالر کی خطیر رقم سے ایک فلم بنائی

جس کا مقصد ریکروٹ خواتین کو دوران ڈیوٹی جنسی تشدد سے بچاؤ کے طریقے سکھانا تھا۔ کیونکہ خواتین ریکروٹس کے ساتھ ظلم کے 90% واقعات دوران ڈیوٹی میں رونما ہوئے۔ خفیہ طور پر شکایات کا ایک سیل کھولا گیا تو صرف ایک ہفتے میں مظلوم خواتین کی 4000 کالیں وصول ہوئیں۔ (18)

روسی عورت:

سوشلزم جو دنیا میں مظلوم طبقات کا نمائندہ بننے کا دعویدار تھا اس کے اپنے زیر سایہ خواتین کی کیا حالت تھی۔ ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

"دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم سوویت عورت (19) ہے۔" اگر سوویت معاشرہ میں کسی کا استحصال ہوا ہے تو وہ دراصل عورت ہی کا ہوا ہے' عورتوں کو کم تنخواہوں پر کمر توڑ کام کرنا پڑتے ہیں' گندے اور محنت والے کام ان کے سپرد کئے جاتے ہیں جو ان کو ہاتھوں سے کرنا پڑتے ہیں۔ روسی مرد صرف حکم چلانا جانتے ہیں' شراب پیتے ہیں اور عورتوں کی پٹائی کرتے ہیں' وہ ان کو بہت پست سمجھتے ہیں۔ دعویٰ بیشک مساوات مرد و زن کا ہو مگر کبھی مردوں نے عورتوں کی حیثیت کو مساوی نہیں سمجھا بلکہ روس میں اس طرح کے محاورے مشہور ہیں: "بیوی جگ نہیں ہے' اس کی پٹائی کر دو تو وہ ٹوٹ نہیں جائے گی۔" "کتا عورت سے زیادہ عقلمند ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے مالک پر بھونکتا نہیں ہے۔" شراب نوشی اور بیویوں پر تشدد روسی معاشرے میں مردوں کا معمول ہے۔ پھر مغربی عورت کے برعکس یہ عورتیں اپنے حقوق کے لئے آواز بھی بلند نہیں کر سکتیں۔ دوہرا بوجھ اٹھانے یعنی فل ٹائم ملازمت کے دوران میں سخت محنت کے کمر توڑ کام' پھر گھر کا سارا کام انجام دینا' اوپر سے مردوں کا تشدد والے دے کر روس کی خواتین کی واحد جماعت "سوویٹ ویمن کمشن" ہے۔ یہ دکھاوے کی سرکاری خواتین تنظیم ہے جو بیکار رسمی باتوں میں مشغول رہتی ہے۔ یہ عورتوں کے حقوق کی علمبردار ہرگز نہیں ہے۔

آئندہ بھی عملی طور پر لمبے عرصے تک روسی عورت کے حالات بدلنے کی کوئی امید نہیں ہے' یہ الگ بات ہے کہ تحریروں میں تو مدتوں سے اس کو برابری کا درجہ حاصل ہے۔ مرد کثرت مے نوشی میں مبتلا ہو کر عورتوں کی پٹائی کر دیتے ہیں' لہٰذا وہاں طلاق عام ہے' عورتوں کو اپنا ساتھی تلاش کرنے میں بہت مشکل پیش آرہی ہے۔ بعض اوقات وہ مجبور ہو کر ساتھی کی تلاش ترک کر دیتی ہیں۔ اب روس میں ایک باہمت ملازمت پیشہ خواتین کا طبقہ پیدا ہو رہا ہے کہ اگر ہمیں مناسب شوہر نہیں ملتے تو نہ سہی اب ہم کنواری مائیں ضرور بن کر رہیں گی۔۔۔

روس میں بچوں کی کفالت ماں باپ دونوں پر فرض ہے۔ طلاق کی شکل میں دونوں کی تنخواہوں میں سے 1/4 حصہ کاٹ لیا جاتا ہے' دو بچے ہوں تو دونوں کی تنخواہوں کا 1/3 حصہ اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو دونوں کی تنخواہوں کا نصف کٹ جائے گا۔ (20)

چنانچہ عورتیں بیوہ ہوں یا مطلقہ انہیں اپنی کفالت کے ساتھ ساتھ بچوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے'

یوں مساوات کے خوبصورت نعرہ تلے عورتوں کے ساتھ شدید قسم کا ظلم ہو رہا ہے۔ جیکب یگ "نیوز ویک" (مورخہ 84-4-16 از نیویارک) میں لکھتا ہے کہ اس وقت روسی خواتین کا سب سے بڑا مسئلہ دوہرے بوجھ کا ہے۔ مکمل وقت ملازمت میں صرف کرنا اور ساتھ ساتھ گھریلو ذمہ داریوں کو نبھانا--- بیوی ہفتے میں 34 گھنٹے گھر میں کام کرتی ہے جبکہ خاوند صرف چھ گھنٹے۔

❑ مغربی دانشوروں کا احتجاج:

مشہور عبرانی فلسفی ژول سلیمان جس کی عزت فرانسیسی قوم میں خصوصاً اور تمام یورپ میں عموماً اظہر من الشمس ہے، "ریویو آف ریویوز" ج 18، میں لکھتا ہے:

"1848ء میں لوگوں کو یہ شکایت تھی کہ عورتوں کی تہذیب و تربیت پر ذرا بھی توجہ نہیں دی جاتی۔ مگر آج وہ یہ شبہ کر رہے ہیں کہ عورتوں کی تہذیب اعتدال سے گزر کر افراط کو پہنچ گئی--- اس اسلوب تعلیم کی خرابی یہ ہے کہ اس نے عورت کو بالکل مرد بنا دیا ہے--- یہ واجب ہے کہ عورت کی تعلیم ایسی ہو کہ عورت عورت ہی رہے۔"

اسی طرح برطانیہ کا مشہور فلسفی سموئیل سمائلز اپنی مشہور زمانہ کتاب "کتاب الاخلاق" میں تحریر کرتا ہے:

عورت کی موجودہ تعلیم جس کی رو سے عورت اور مرد ہر لحاظ سے مساوی قرار پائیں اور بجز جنسی فرق کے ان میں کچھ فرق باقی نہ رہ جائے معاشرے کے لئے مہلک ہے۔"

پھر امریکی سکالر "لوسن" فرانس کے اسی رسالہ "ریویو آف ریویوز" ج 25 میں تعلیم نسواں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: "عورتیں اور لڑکیاں بڑی محنت سے علوم کیمیا، ریاضیات اور طبیعات میں تعلیم پاتی ہیں۔ مگر وہ جوان بچی جو ان علوم میں اول نمبر پر پاس ہوتی ہے اور جس نے پروگرام کی تمام دفعات پر خوب عبور پا لیا ہوتا ہے، نظامات خانہ داری کے معمولی سے معمولی اور سادہ سے سادہ امور سے بھی سخت ناواقف ہوتی ہے---" (21)

یہ صاحب خانہ کے اقوال ہیں۔ وہ اپنے گھر کی خانہ بربادی سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ مگر ہم ہیں کہ ان کی ہر ادا پر مرے جا رہے ہیں اور اپنے ہیرے موتیوں کو واجب الترک قرار دے رہے ہیں۔ ان کے ایک اور مفکر پروڈن کا رد عمل تو بہت شدید تھا۔ وہ لکھتا ہے: "جس کا نام آجکل لوگوں نے عورت کی آزادی رکھ چھوڑا ہے۔ میں ان باتوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ میری خواہش یہ ہے کہ اگر ضروری اور حالات کا تقاضا ہو تو زمانہ سابقہ کی طرح میں عورت کو قید کرنے کا مشورہ دے دوں۔" (22)

❑ خواتین کی حالت زار:

افسوس! مغربی عورت آنکھیں بند کر کے مردوں کے مشاغل میں شریک تو ہو گئی مگر اپنی نسوانیت کو کھو کر۔ مادرانہ وظائف کو قربان

کر کے انہوں نے اپنے کیریئر بنانے کی فکر میں گھر' شوہر اور بچوں کی فطری ضرورت سے انکار کر دیا۔ بعض نے قبول کیا بھی مگر اس طرح کہ نہ گھر کی رہیں نہ گھاٹ کی' انہوں نے باہر کی ذمہ داریاں تو اٹھائیں مگر گھر کے کام کاج اور بچوں کی تربیت کا بوجھ بدستور ان کے کندھوں پر رہا' اس طرح وہ دوہری مظلومیت کا شکار ہوئیں۔ اب وہ لاکھ واویلا کرتی رہیں کہ گھریلو ذمہ داریاں اٹھانے میں مردوں کو ان کا ساتھ دینا چاہئے مگر مرد گھریلو کام کاج سے آج بھی ہمیشہ کی طرح دور ہیں۔ اب تحریک نسواں کی پر زور حامی خواتین مثلاً بے ٹی فریڈن اور جرمین گریئر وغیرہ خود آزادی نسواں کے خوفناک نتائج (جس کا سارا بار تنہا عورت کے اوپر آن پڑا ہے جبکہ مرد کو پہلے سے زیادہ عیش پرستی کے مواقع بھی حاصل ہیں اور معاشی بار بھی اس کا بہت کم ہو گیا ہے) دیکھ کر چیخ اٹھی ہیں۔ اب بے ٹی فریڈن اپنی کتاب "THE SECOND STAGE" میں لمبی چوڑی بحث کے بعد لکھتی ہے:

"کیا عورتیں اپنے جنسی وجود کا انکار کر سکتی ہیں؟ کیا وہ مرد سے مکمل طور پر الگ ہو سکتی ہیں؟ کیا اولاد سے نجات حاصل کر کے یا خاندان کے ادارے سے باہر نکل کر وہ حقیقی معنوں میں نجات پا سکتی ہیں؟" اسی طرح کے خیالات کا اظہار جرمن گریئر وغیرہ نے بھی کیا ہے کہ ہمارے اندازے سب غلط ثابت ہوئے ہیں۔ ہمیں ملازمت سے زیادہ گھر کی ضرورت ہے۔

❑ عورت عملی زندگی میں مساوات کہاں تک حاصل کر سکی؟

مغربی ممالک نے عورت کو آزاد کر کے جو عظیم ترین اور فاش غلطی کی ہے' اس سے انہیں بے شمار سیاسی' تمدنی اور اخلاقی نقصان ہوئے ہیں۔ خود عورتوں کی صنف لطیف پر جو کاری ضرب لگی ہے' صدیوں تک آئندہ نسلیں بھی اس کی کسک محسوس کرتی رہیں گی۔

مگر سوال یہ ہے کہ اتنے بے شمار تمدنی و معاشرتی نقصان اٹھانے اور اپنی عفت و آبرو کے آبگینے چور چور کروانے کے بعد کیا عورت نے واقعتاً مساوات حاصل کر لی ہے؟ عملی زندگی میں وہ مرد کے برابر آگئی ہے؟ افسوس کہ اس کا جواب مکمل نفی میں ہے۔

ابھی تک مغرب کے خاندانی نظام میں مرد ہی حاکم ہے اور عورت تین گنا فرائض ادا کرنے کے باوجود مرد کے سامنے مجبور محض ہے۔

اقوام متحدہ کے منشور میں "عورتوں اور مردوں کے حقوق مساوی ہیں" کے سنہری الفاظ لکھ دینے سے حقیقت بدل نہیں سکتی۔ مرد و عورت کی ذہنی' جسمانی' نفسیاتی اور جذباتی اختلافات نے ہر جگہ اس مساوات کو عملی طور پر ناکام ثابت کر دیا ہے۔

برطانیہ میں 1975ء میں جنسی امتیاز کا قانون (SEX DISCRIMINATION ACT) پاس ہوا جس میں عورت کو ملازمت' تعلیم' رہائش

اور دیگر شہری مراعات میں مردوں کے مساوی حقوق ملے مگر پھر بھی اس میں 20 امتیازی نکات رکھے گئے۔ مثلاً عورت (مرد کے برعکس) رات دس بجے سے لیکر صبح پانچ بجے تک فیکٹری میں کام نہیں کر سکتی یا فوج میں بھرتی کرنے کے لئے مرد اور عورت کے مساوی حقوق تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔(23)

بہت سے مہذب ممالک میں اس بات کو نفرت سے دیکھا جاتا ہے کہ عملی طور پر عورتیں بھی جنگ میں شریک ہوں' البتہ فرانسیسی فوج میں کچھ عرصہ تک عورتوں کو فوج میں بھرتی کرنے کا رجحان رہا' مگر وہاں کے ایک اعلیٰ فوجی افسر کو بالآخر کہنا پڑا: "ہمیں بڑا تلخ تجربہ ہوا ہے کہ عورتیں نظم وضبط کی پابندی نہیں کرتیں۔ اور وہ بزدل ثابت ہوئی ہیں" اور "فوجی عورتیں فائر نہیں کر سکیں گی۔"(24)

اس طرح تمام اعلیٰ ملازمتوں پر آج بھی مردوں کا ہی کنٹرول ہے۔ عورتوں کو دوسرے درجے کی ملازمتیں ملتی ہیں' پھر مردوں سے معاوضے بھی کم ہیں کیونکہ ان کو زچگی کی خاطر چھٹی لینا پڑتی ہے اور پھر بچوں کو پالنا بھی پڑتا ہے۔

تنخواہوں میں تفاوت کا یہ عالم ہے کہ 1970ء میں امریکی عورتوں کی تنخواہیں مردوں کی تنخواہ کا 59% تھیں۔ مثلاً ہائی سکول پاس عورت کی تنخواہ 2421 ڈالر' ہائی سکول پاس مرد کی تنخواہ 6736 ڈالر تھی۔ عورت کلرک کو 4789 ڈالر مگر مرد کلرک کو 7351 ڈالر ملتے تھے۔ عورت مینجر کو 6691 ڈالر جبکہ مرد مینجر کو 10034 ڈالر ملتے تھے۔(25)

رچرڈ برگر جرمنی کے بارے میں لکھتا ہے: "جون 1936ء میں عورتیں جج اور سرکاری وکیل کے طور پر کام کرنے سے روک دی گئیں۔ آہستہ آہستہ نائب جج اور نائب ٹیچروں کے مقام سے بھی رخصت کر دی گئیں اور اعلان کیا گیا کہ عورتیں بطور جیوری کے کام نہیں کر سکتیں۔ وہ مدلل بحث نہیں کر سکتیں' ان پر جذبات غالب رہتے ہیں۔"

امریکہ میں "پرنسپل کون ہو گا' مرد یا عورت؟" پر بحث چلتی رہی۔ 1928ء میں ابتدائی سکولوں کی سربراہ 55% عورتیں تھیں' 1948ء میں صرف 41% رہ گئیں۔ 1958ء میں تعداد اور کم ہو کر 38% رہ گئی۔ جب کہ 1968ء میں خاتون پرنسپلز کی تعداد اور بھی گھٹ کر صرف 22% رہ گئی۔ 1970ء میں عورتوں کو جیوری کا ممبر بھی نہیں بنایا جاتا تھا۔(26)

"پس یہ ثابت شدہ امر ہے کہ مساوات مرد وزن کا مغربی تصور یہ ہے کہ عورتوں سے تمام پر مشقت کام لئے جائیں ان کی کمزوری کا خیال کئے بغیر۔ مگر ذہنی کاموں میں آگے نہ لایا جائے۔ اعلیٰ ملازمتوں اور اسمبلی کی رکنیت سے انہیں محروم ہی رکھا جائے۔)(27)

پھر امریکہ میں ہر دو میں سے ایک شادی کا انجام طلاق ہے' اس کے بعد بچے کی پرورش تنہا عورت کی ذمہ داری رہ جاتی ہے۔ قانوناً تو مرد کو بچے کا نفقہ دینا پڑتا ہے مگر اس پر عمل کون کرتا ہے! عملی طور پر سارا بوجھ ماں کو ہی اٹھانا پڑتا ہے۔

آج تک عورت اپنی انفرادیت یا اپنا الگ تشخص حاصل نہیں کر سکی۔ اگر وہ شادی سے پہلے مس فلاں اور شادی کے بعد شوہر کے نام پر مسز فلاں تھی' کہیں وہ اپنا نام استعمال نہیں کر سکتی تھی تو آج بھی عورت اسی طرح اپنے تشخص سے محروم ہے۔ آج بھی وہ اپنے آپ کو مس تھامسن یا مسز کینیڈی وغیرہ کہنے پر مجبور ہے۔ حتیٰ کہ برطانیہ کی وزیراعظم بننے والی خاتون مسز تھیچر کے نام سے ہی دنیا میں مشہور و معروف ہوئی تھی۔ اس کا اپنا نام مارگریٹ تو بہت کم معروف تھا۔

اس طرح عورت اگر تحریک مساوات مرد و زن سے پہلے مظلومی کی ایک انتہا پر تھی تو آج وہ مظلومی کی دوسری انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ وہ آج بھی ظلم و ستم کی منہ بولتی تصویر ہے۔ صنف نازک ہونے کے باوجود اس کو مرد کے مقابلے میں آج بھی تین گنا زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ اسے خود اپنے لئے بھی کمانا پڑتا ہے بلکہ اپنے بچوں کے لئے بھی۔ باپ' شوہر حتیٰ کہ بیٹا تک اس کو اپنے ہاں پناہ دینے کو تیار نہیں۔ چھوٹی عمر میں اس کو بوائے فرینڈ تلاش کرنا پڑتے ہیں۔ جوانی عیش و عشرت میں اور بڑھاپا دار الضعفاء (OLD AGE HOMES) میں۔ اسے گھرداری کا کام کرنا پڑتا ہے۔ آج بھی مرد گھریلو کام سے اتنا ہی دور ہے جتنا دو صدیاں پہلے تھا۔ وہ ہر جگہ مرد کو بہلاتی بھی ہے۔ (آج مردوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے جتنی محنت امریکی عورتوں کو کرنا پڑتی ہے' دنیا کے کسی اور ملک کی عورت کو نہیں کرنا پڑتی۔ طرح طرح کی پرفیوم' کاسمیٹکس اور میک اپ وہ استعمال کرتی ہیں۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود وہ مردوں کے تشدد (جسمانی بھی اور جنسی بھی) کا شکار ہے۔

❑ **رد عمل:** اب خود ان معاشروں میں زبردست احساس پایا جاتا ہے کہ عورت گھر کا کام اور مادرانہ ذمہ داریاں سنبھالے۔ بلکہ بعض ممالک میں تو عورتوں کی شادی کے بعد ملازمت پر پابندی لگانے کے بارے میں بھی سوچا جا رہا ہے۔ خود عورتوں میں یہ زبردست خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں واپس آئیں۔ جہاں ان کے چاہنے والے شوہر ہوں' ان کے اپنے پیارے ننھے منے بچے ہوں۔ مگر اب وہ بے حجابی بے حیائی اور جنسی بے راہ روی میں اتنا آگے بڑھ چکی ہیں کہ واپس لوٹنا ناممکن محسوس ہو رہا ہے۔

بے ساختہ یہ بات زبان پر آتی ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ: "اے عقل و دانش والو! عبرت حاصل کرو۔"

---

(1) از: ڈاکٹر ارم بلوچ' صفحہ: 64 SEXUAL LIFE IN ENGLAND

(2) سٹوری آف ویمن' صفحہ: 199' از: ڈبلیو جارج

(3) اسلام اور نظریہ مساوات مرد و زن' صفحہ: 18-19-20' از: محمد رفیق چوہدری

(4) "سی ڈا" ڈرافٹ کے چیدہ چیدہ نکات: تعلیم' ملازمت' معاشی و سماجی معاملات و کارکردگی میں عورت کو مردوں کے مساوی حقوق دیئے جائیں۔ شادی کے لئے ساتھی کے چناؤ میں' والدین بننے کا حق' جائیداد کے حقوق وغیرہ میں

بھی مرد و عورت یکساں ہونے چاہئیں۔ بچے کی پیدائش کا انحصار عورت کی مرضی پر ہو مگر پرورش کے ذمہ دار مرد و عورت دونوں برابر کے ہوں۔ عورت کی قومیت کا شوہر کی قومیت سے بالکل کوئی تعلق نہ ہو وغیرہ۔ کچھ مزید بے باکانہ مطالبات تھے جو "بیجنگ ڈرافٹ" میں بیان کئے گئے ہیں۔

(5) قرآنی آیت جس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی دنیا بھی خراب کی اور آخرت بھی۔ (سورۃ الحج' آیت نمبر11)

(6) پردہ' از: مولانا مودودی" صفحہ 104۔ یہ رپورٹ 1936 کے لگ بھگ کی ہے۔ اب معاملہ نامعلوم کہاں تک بڑھ چکا ہو گا؟

(7) اور اب برطانیہ کی بیشتر ماؤں بچوں کو فیڈر دینے کی ذمہ داری بھی بندروں کے سپرد کر دی ہے۔ اپنا دودھ پلانا تو انہوں نے مدت سے ترک کر دیا تھا۔ بعض برطانوی مائیں بندروں کو بچے تبدیل کرنے کی تربیت بھی دے رہی ہیں۔ (روزنامہ "خبریں" لاہور 96-10-31)

(8) روزنامہ امن کراچی (بحوالہ نیویارک نیوز) 15 نومبر 1984ء۔

(9) (مین اینڈ وومین صفحہ 129)

(10) (مجلہ منہاج "حیثیت نسواں نمبر" حصہ سوم' صفحہ 83)

(11) (از: ڈیوڈ فینکلر)

(12) (پردہ' صفحہ 101)

(13) (پردہ' صفحہ 102'103)

2

موجودہ مسلم معاشرے اور نظریہ مساوات مرد و زن

- ترکی، مصر، دیگر اسلامی ممالک
- پاکستان اور "اپوا" کا قیام --- مخلوط تعلیم
- 1962ء کے عائلی قوانین
- تجدد پسندوں کے اعتراضات
- قاہرہ کانفرنس اور بیجنگ کانفرنس
- یہ بے چینی کیوں؟
- وجہ اول
- وجہ دوم:۔ تحریک آزادی نسواں کا تجزیہ
- پاکستانی خواتین کی حالت زار یا ترقی
- شرعی احکام کی پامالی
- ہر سطح پر اختلاط مردوزن
- خواتین انکوائری کمشن کی سفارشات —— تحریک ضبط ولادت کو فروغ
- ردعمل

موجود مسلم معاشرے اور نظریہ مساوات مرد و زن

ترکی: مساوات مرد و زن کا نعرہ اگرچہ خالصتاً اہل مغرب کا تحفہ تھا مگر ایشیا اور اسلامی ممالک بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے' مسلمانوں میں اس کا پہلا حامی ترکی کا مصطفیٰ کمال پاشا تھا' اس نے ادارہ خلافت توڑنے کے بعد اپنے ملک میں مخلوط معاشرے کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ اس کو اندازہ تھا کہ دینی و مذہبی حلقے مخالفت کریں گے لہٰذا اس نے بے دریغ علماء کو تختہ دار پر لٹکایا' دینی تعلیم کو ملک سے ختم کر دیا' قرآن پڑھنے اور اذان و نماز پر پابندی عائد کر دی' ملک کا دستور سیکولر بنا دیا' نئی اور جدید عصری تعلیم کے ذریعے سے لوگوں کا رابطہ اپنے شاندار اور درخشاں ماضی کی روایات سے کاٹ دیا۔ اس وقت سے مسلمانوں میں جدید تعلیم کے ذریعہ دین اور دینی روایات سے بغاوت کا سلسلہ چل رہا ہے۔ نئی نسل کے سامنے مصطفیٰ کمال کو جدید مسلم دنیا کا ہیرو اور "اتا ترک" یعنی ترکوں کا باپ قرار دیا گیا' اس وقت سے ترکی میں حکمران طبقہ اور جدید تعلیم یافتہ لوگ سیکولرازم کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ چند سال پہلے ترکی کی چند طالبات نے اپنے تعلیمی اداروں میں سر ڈھانپنے کی اجازت مانگی۔ معاملہ بڑھتے بڑھتے عدالت تک پہنچا' وزیراعظم نے کہہ دیا کہ یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ ڈھانپنا چاہتی ہیں تو ڈھانپ لیں مگر صدر نے کہا کہ ہمارا سیکولر دستور اس بات کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ یہ ایک مذہبی علامت ہے' لادینی ریاست کے دعوے داروں کی لادینی حس اتنی تیز ہوتی ہے کہ سر ڈھانپنا ایک مذہبی علامت قرار دیتے ہیں' لہٰذا وہ ان کے نزدیک ان کے سیکولر نظریات کے مخالف پڑ جاتی ہے① اور وہ دہائی دینا شروع کر دیتے ہیں۔ صرف ترکی کیا ہر جگہ آج کی غالب مغربی تہذیب نے زوال پذیر مسلمانوں کو اپنی تقلید پر مجبور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں آزادی نسواں کی تحریکیں پھل پھول رہی ہیں۔ ان تحریکوں کا ہدف اول اسلامی معاشرہ سے ستر و حجاب کے شرعی آداب کو ختم کرنا ہے۔

مصر میں خصوصی طور پر تحریک نسواں نے خدیو اسماعیل کے زمانے میں زور پکڑا اور عورتوں کے لئے جدید طرز کے سکول کھلنے لگے۔ آہستہ آہستہ یہ تحریک بہت زور پکڑنے لگی' قاسم امین نے "تحریر المراۃ" اور "المراۃ الجدیدۃ" نامی کتب لکھ کر مغربی تہذیب و معاشرت کو اختیار کرنے کی زبردست ترغیب دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مردانہ زنانہ اختلاط عام ہونے لگے' بے حجابی بکثرت ہو گئی۔

آزادانہ کلچرل پروگرام، تفریحی مشاغل، مخلوط تعلیم کا عام رواج ہوا، وغیرہ۔ مصری طالبات برائے حصول تعلیم یورپ و امریکہ کا سفر کرنے لگیں۔ اس کے تتبع میں ترکی اور ایران نے بھی مکمل طور پر مغربی معاشرت اختیار کر لی۔ بعد ازاں شام اور عراق بھی اس رو میں بہہ گئے۔ اب ہر جگہ دین اور شریعت کی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے۔ جوں ہی آزاد ہوا، فوراً مغربی معاشرت پر مبنی قوانین بنائے، تعدد ازدواج کی آزادی کو محدود کر دیا۔ شوہر کے حق طلاق پر پابندیاں عاید کر دیں، تمام ملازمتوں کے دروازے عورتوں پر کھول دیئے، عورتوں کو قانون ساز اسمبلیوں کا ممبر بننے کا حق دیا۔ اب پردہ رخصت ہو رہا ہے، باہر نکلنے والی عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ سیاسی محفلوں میں بھی ہر جگہ وہ مردوں کے دوش بدوش نظر آنے لگیں۔ پھر افغان قوم بھی تجدد پسندی کی راہ پر چل پڑی۔ الجزائر، انڈونیشیا اور برصغیر پاک و ہند میں اسی طرح یہ اثرات نظر آنے لگے۔

ترکی اور مصر میں تجدد پسندی اور سیکولرازم کی رو زوروں پر ہے۔ رفاہ پارٹی نے گزشتہ سال برسراقتدار آنے کے بعد ترکی میں سیکولرازم کے اثرات کو کم کرنے کی کوشش کی تو اس پارٹی کی بساط لپیٹ دی گئی۔ اب نماز روزہ کے عادی لوگوں پر سخت پابندیاں عائد کی جارہی ہیں اور دین اسلام کے ایک ایک نشان کو از سر نو چن چن کر ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ دینی مدارس اور علماء پر سخت پابندی عاید کی جارہی ہے۔ اسی طرح مصر میں بھی علماء اور دیندار حضرات کو سخت تعذیب کا نشانہ بنایا جا رہا ہے... خصوصاً عورتوں کا حجاب اور ستر شدید پابندیوں کی زد میں ہے۔ تعلیمی اداروں میں چادر، دوپٹہ یا سکارف اوڑھنے والی طالبات کو داخلہ ہی نہیں دیا جاتا۔ ہر جگہ عورتوں کو گھروں سے باہر نکل کر مردوں کی طرح کمانے کی ترغیب دی جاتی ہے، مخلوط تعلیم عام ہے، ساتھ ساتھ خاندانی منصوبہ بندی کے مختلف منصوبے اور پروگرام عورت کو بے راہرو اور بے حیاء بنانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

اسی طرح تقریباً تمام مسلمان ممالک کم و بیش اس نظریہ مساوات کی لپیٹ میں آتے گئے۔ انڈونیشیا اور ملائشیا میں بے پردگی اور اختلاط مرد و زن بہت بڑھا (البتہ سعودی عرب اس سے اس وقت تو متاثر نہ ہوا۔ لیکن خلیج کی جنگ کے بعد اب وہاں بھی معاشرتی حالات بدل رہے ہیں)۔ ایران میں بھی تیزی سے بے پردگی اور فحاشی پھیلنے لگی، مگر امام خمینی کے انقلاب کے بعد وہاں کے حالات بدل گئے ہیں۔

□ پاکستان: پاکستان میں اس مسئلہ نے وطن عزیز کے قیام کے ساتھ ہی شدت سے سر اٹھایا۔ اپوا (آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن ALL PAKISTAN WOMEN ASSOCIATION) کی بیگمات نے یہاں بھی مخلوط معاشرہ قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، بیگم رعنا لیاقت علی خاں اس کی روح رواں تھی، اس نے 28 جنوری 1949ء کو جہلم میں جموں و کشمیر کے پناہ گزینوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اب وہ وقت نہیں رہا کہ مسلمان عورتیں گھروں کی چار دیواری میں بند بیٹھی رہیں۔ اب انہیں خواب غفلت سے بیدار ہونا ہو گا اور گھروں سے نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ قوم کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینا ہو گا--- اور مردوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی عورتوں کی راہ میں حائل نہ ہوں' وہ انہیں اس بات کا موقع دیں کہ وہ ان فنون کو سیکھ سکیں جنکی اہلیت ان کے اندر پائی جاتی ہو"۔ ②

مس فاطمہ جناح' بیگم خواجہ ناظم الدین' سلمٰی تصدق حسین' بیگم جی۔ اے خان اور سرکاری حکام کی بیگمات اس تنظیم میں شامل تھیں' حکومت پاکستان نے اس انجمن کو باضابطہ طور پر تسلیم کر کے اعلان کر دیا کہ جن معاملات کا تعلق عورتوں سے ہو گا ان معاملات میں حکومت ان عورتوں سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائے گی۔ چنانچہ اپوا کے لئے حکومت کی سرپرستی آج تک برقرار ہے۔ اس کی کانفرنسیں عموماً گورنمنٹ ہاؤس میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ اس انجمن کو شروع سے یہاں خواتین میں بے پردگی عام کرنے رقص و سرود کی محفلیں برپا کرنے اور مخلوط معاشرہ تشکیل دینے کی فکر تھی۔ ③ چنانچہ باقاعدہ 1۔ آرٹ اکیڈمی' 2۔ زنانہ نیشنل گارڈز 3۔ گرل گائیڈز' 4۔ بلیو برڈز (BLUE BIRDS.) زنانہ رضاکار کور اور اینجلز آف مرسی (ANGLES OF MERCY) یعنی زنانہ نرسوں کی تنظیم قائم کی گئی وغیرہ۔ خصوصاً مخلوط تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ بیرونی سربراہوں' ارباب اقتدار' سول اور فوجی حکام کے سامنے بچوں اور خواتین کے دستوں کی پریڈیں' سلامیاں اور کھیلیں بہت پسند کی گئیں۔ موسیقی' رنگ' رقص اور زریں ملبوسات کے جلو میں مینا بازار اور ڈریس شوز منعقد ہونے لگے۔ یہ ڈرامے' مینا بازار اور ڈریس شو پاکستان کے قومی و ملی مقاصد کے لئے فنڈ اکٹھا کرنے کا کامیاب ذریعہ قرار دیئے گئے۔ بیشتر کالجوں میں مخلوط تعلیم دی جانے لگی اور یونیورسٹی میں آج تک شدید احتجاج کے باوجود مخلوط تعلیم ہی جاری ہے۔ بیرونی ملکوں میں خواتین کے ثقافتی طائفے جانے لگے (1954ء میں خود بیگم رعنا لیاقت علی خاں پہلی مسلم خاتون سفیر کے طور پر ہالینڈ میں پاکستانی سفیر مقرر ہوئیں)۔

ان بیگمات کی بھرپور مدد پریس اور ترقی پسند دانشوروں کی زہر آلود تحریروں نے کی' پھر تو یہ صورت حال پیش آئی کہ ہر جگہ اشتہار میں عورتوں کی نیم برہنہ تصاویر' ٹی۔ وی' وی۔ سی۔ آر میں ہر جگہ ناچتی تھرکتی عورت' میڈیا اور لٹریچر میں ہر جگہ عورت نمودار ہونے لگی۔ 1964ء کے لگ بھگ ٹی۔ وی پاکستان میں متعارف ہوا۔ یہ اس گندگی کو پھیلانے کا اہم سبب بن گیا۔ اب تو خواتین کی ہر قسم کے کھیل کی ٹیمیں بن رہی ہیں' ہاکی ٹیم' فٹ بال ٹیم اور کرکٹ ٹیم وغیرہ۔ مقابلوں اور دوڑوں کا مدت سے رواج ہے' پہلے صرف خواتین کے میچ تھے پھر مردانہ و زنانہ میچ' ملکوں ملکوں کے دورے' اب اولمپک گیمز میں بھی شرکت کی جا رہی ہے جس میں تمغے جیتے جاتے ہیں۔ پھر پاکستانی خواتین آگے بڑھ کر

مقابلہ ہائے حسن میں شرکت کر رہی ہیں۔ جسم کے انگ انگ کی فیتوں سے بے شرمی کے ساتھ پیمائش کروا رہی ہیں تاکہ "مس یونیورس" کا خطاب حاصل کر سکیں۔

دوسری طرف معزز باپردہ گھرانوں کی خواتین بڑی تیزی کے ساتھ پہلے پردہ پھر چادر اور پھر دوپٹہ کی قید سے آزاد ہو رہی ہیں، تیسری طرف اب "ماڈلنگ" یعنی جسم کی نمائش کر کے کمانا، گلوکاری، فنکاری جیسی مسموم عادات معاشرے میں بڑا "وقار" حاصل کر رہی ہیں۔ جو پہلے خوب تھا وہ اب ناخوب ہے اور جو پہلے بے حیائی کی باتیں سمجھی جاتی تھیں اب تقاضائے ترقی سمجھی جاتی ہیں۔ اس محاذ پر "ادیبوں اور دانشوروں" نے مخلوط ثقافت قائم کرنے کے لئے خوب تحریریں تیار کیں۔ آرٹسٹوں نے الگ کلچرل محاذ کھول رکھا ہے، مووِیز کے ذریعے سے اور ٹی۔ وی، وی۔ سی۔ آر، ڈش انٹینا کے ذریعے سے یہ طوفان بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس بگاڑ کے طوفان میں انگلش میڈیم سکولوں نے بھی پورا کردار ادا کیا ہے، کھلے بازو، کھلے سینے کے ساتھ سکرٹ پہننے کی عادی لڑکیاں ایسی ہی فحش تہذیب پھیلانے کی ضامن ہیں۔

❏ اپوائی بیگمات کی تعداد: افسوس ہے کہ فیشن پرست، اسلام بیزار، مغرب زدہ خواتین کی ملک میں صرف 1% اقلیت ہے۔ مگر سرمایہ، حکومتی سرپرستی اور اپنی جارحانہ پیش قدمی کی بنا پر فحاشی کی راہ پر ملک کو آگے بڑھاتی جا رہی ہیں، مگر دوسری طرف ایمان، پردہ اور اخلاقی اقدار سے محبت کرنے والی خواتین کی اکثریت اپنی کوئی موثر آواز نہیں رکھتی اور اگر وہ احتجاج کرتی بھی ہیں تو ملکی و غیر ملکی پریس اس کو کوریج دینے کو تیار نہیں ہوتا۔

❏ عائلی قوانین: اپوائی انجمن نے 1962ء میں صدر ایوب سے عائلی قوانین منظور کروائے۔ جن میں سے بیشتر قرآن و سنت سے متصادم ہیں، پھر انہوں نے قرآن و سنت کی مضحکہ خیز تاویلوں اور تاریخ کی کمیاب مثالوں کے ذریعے سے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مغربی معاشرتی نظام ہی قرآن و سنت کے منشا کو صحیح پورا کرتا ہے۔ پھر جب صدر ضیاء الحق کے دور میں اس نے اسلامی نظام کی طرف کچھ پیش قدمی کرنا چاہی اور حدود آرڈیننس جاری کرنے کی کوشش کی، چادر اور چار دیواری کے تحفظ کی کوشش کی تب بھی ان خواتین نے اپنے محاذ پر بڑی تیزی دکھائی۔ اخباری پروپیگنڈے، مذاکروں، قراردادوں کے ذریعے سے حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ خواتین کا دیت اور شہادت والا قانون تبدیل کرے۔ بے نظیر بھٹو جو آکسفورڈ کی تعلیم یافتہ ہیں، نے بھی حدود آرڈیننس کے خلاف پروپیگنڈا کیا۔

بعض نے کہا کہ ہمیں وہ قرآن نہیں چاہئے جو عورت کو آدھی شہادت کا مقام دیتا ہے۔ ہمیں وہ قرآن چاہئے جو ہمیں مساوات دے، ہمیں بہرحال مساوی حقوق چاہئیں۔ وگرنہ ہمیں ایسے قرآن وحدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر ان خواتین نے خود مجتہد بن کر عورتوں کے لئے قرآن وحدیث سے مضحکہ خیز مثالوں کے ذریعے سے مساوی حقوق "برآمد" کئے۔ حالانکہ بیشتر بال کٹی فیشن ایبل بیگمات

قرآن ناظرہ بھی پڑھنا نہیں جانتیں۔ ایڈووکیٹ عاصمہ جہانگیر جیسی بعض خواتین نے آگے بڑھ کر یہ کہنے کی ناپاک جسارت بھی کی: "اگر ہماری دیت آدھی ہے' ہماری شہادت آدھی ہے تو پھر ہم نماز بھی آدھی پڑھیں گی' روزے بھی آدھے رکھیں گی اور حج بھی آدھا کریں گی۔" اس طرح تمام اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا گیا۔ داڑھی پر پھبتیاں کستے ہوئے اسے جنگل کہا گیا۔ جنگل کہنے والے حضرت خود حافظ قرآن تھے۔ 8 مارچ 83ء کو کراچی پریس کلب میں ہونے والے ایک جلسے میں ایک خاتون سعیدہ گزدر نے ایک آزاد نظم پڑھی جس میں زنا کی مرتکب عورت کو مظلوم قرار دیا۔ جناب خالد اسحٰق ایڈووکیٹ نے اس پر اعتراض کیا تو کہنے لگی کہ میری نظم زنا کے حق میں نہیں بلکہ شادی جیسے گھناؤنے فعل کے خلاف تھی۔ نعوذ باللہ!

اسلام کے معاشرتی نظام پر اعتراض اٹھانے والے وہ مغرب زدہ مسلمان ہیں' جو مغرب کے تعلیمیافتہ ہیں۔ اسلام یا اسلامی تعلیم سے انہیں کوئی مس ہی نہیں۔ اپنے مغربی آقاؤں کی تقلید میں اسی دوش بدوش فلسفہ کو یہاں بھی من و عن رائج کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کی برتری کو ختم کیا جاسکے' مرد کی قوامیت ختم ہو' ملکی امور میں عورت کو "بھرپور" شرکت ملے' مرد کی طرح عورت بھی خودمختار ہو' عورت بھی جب چاہے طلاق دے کر مرد کو فارغ کرسکے اور اگر مرد طلاق دے تو عمر بھر عورت کا خرچہ برداشت کرے' ایک بیوی کی موجودگی میں مرد دوسری شادی نہ کرسکے۔④

عاصمہ جہانگیر نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا: کہ اگر مرد چار شادیاں کرسکتے ہیں تو عورت چار شوہر کیوں نہیں کرسکتی؟

پھر پرویز صاحب نے یہ تک ارشاد فرمادیا: "جن کو تم اسلامی قوانین کہتے ہو یہ قوانین تو ہمارے دور ملوکیت میں اس زمانے میں وضع ہوئے تھے جب عورتیں مویشیوں کی طرح منڈی میں نیلام ہوا کرتی تھیں۔"

"ہمارے قوانین شریعت "مردوں" کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان میں مردوں کو ہر حال میں بالادست رکھا گیا ہے اور عورت بیچاری کو کچل دیا گیا ہے۔"⑤

یہ طبقہ مغرب کے آقاؤں سے اتنا مرعوب ہے کہ ہر بار بڑی معصومیت اور سادگی سے ان اعتراضات کو دھرا دیتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے کہ جب تک ہم اسلام کے ان فرسودہ اور دقیانوسی اصولوں کو نہیں چھوڑیں گے ہم اوج ترقی تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک خواتین کو مردوں کے برابر حقوق' نشستیں اور ملازمتیں نہیں ملیں گی پاکستان ترقی نہیں کرسکتا۔ ستر و حجاب کی بندشیں اور چادر و چاردیواری کے اصول تو ہمیں چودہ سو سال پیچھے لے جائیں گے۔

ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

کچھ لوگ بات دوسرے رنگ میں کرتے ہیں کہ اسلام تو ایک جدید اور ماڈرن مذہب ہے۔ یہ بڑی بلند وبالا چیز ہے' مغرب نے بھی تو "اسلامی اصولوں" پر چل کر ہی ترقی کی ہے۔ بلکہ مارکس اور لینن بھی تو اسلام کے اصول مساوات ہی کی خاطر کام کرتے رہے۔ اسلام نے تو عورت کو مرد کے مساوی حقوق دیئے ہیں مگر یہ ملا حضرات دین کی غلط تعبیر کرتے ہیں اس لئے ہم اس ملا کے دین کو نہیں مانتے' وغیرہ۔

❑ قاہرہ کانفرنس 1994ء اور بیجنگ کانفرنس 1995ء

یہ دونوں کانفرنسیں عورت کے بگاڑ کے طوفان کو بڑھانے کے لئے مہمیز ثابت ہوئیں۔ جن میں کنڈوم کلچر' عورتوں کے لئے اسقاط حمل' بچوں کے لئے عورت کے اپنے اختیار اور ہم جنسیت کے قانونی جواز' عورتوں کے لئے ہر شعبہ میں مکمل مساوات جیسی قراردادیں منظور کی گئیں اور پاکستانی وزیراعظم بے نظیر نے (غیر مسلم خواتین کی طرح) پاکستانی مسلم خواتین کی نمائندگی کرتے ہوئے بے جھجک اس پر دستخط کر دیئے۔ قطع نظر اس بات سے کہ یہاں کی بیشتر مسلم خواتین اور علماء نے اس کی شدید مخالفت کی تھی' یہ ہے ہمارے حکمرانوں کی اسلامی حس! جس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔

❑ یہ بے چینی کیوں؟:

اسلام کے عورت پر احسانات بے شمار ہیں' واقعی اسلام نے طبقہ اناث کو بہت سے حقوق سے نوازا ہے اور آج سے چودہ سو سال پہلے دیئے ہیں۔ (بعض حقوق تو اسلام کے ایسے ہیں کہ ابھی تک مغربی خواتین ہزاروں ہڑتالوں' احتجاجوں اور مظاہروں کے باوجود ان تک نہیں پہنچ سکیں) ان حقوق میں ترمیم نہ کل ہو سکتی تھی نہ آج ہو سکتی ہے اور نہ قیامت تک ہو سکے گی۔ بہر حال سوال یہ ہے کہ یہ صورت حال کیوں پیش آ رہی ہے؟ اہل مغرب تو اسلام پر اعتراض کر ہی رہے ہیں' خود بہت سے مسلمان کیوں اٹھ کر ان اعتراضات میں اپنے مغربی آقاؤں کے ہمنوا بن جاتے ہیں اور اب یہ پڑھے لکھے نوجوان خود ان اعتراضات کو زور وشور سے اٹھا رہے ہیں؟ پورے غور و فکر کے بعد اس کی دو وجوہ سمجھ میں آتی ہیں:

❑ وجہ اول:

اسلام نے بے شک عورت کو بہت سے حقوق دیئے ہیں اور موت تک مسلمان عورت ان حقوق سے متمتع بھی ہوتی رہی ہے' مگر دور زوال میں مسلمانوں کا معاشرتی نظام متاثر ہوا' ان میں ہندوانہ اور مغربی دونوں رنگ جھلکنے لگے' ان کی بناء پر معاشرت میں بگاڑ پیدا ہوا۔ آج بیشتر حالات میں عورت بڑی مظلوم ہے۔ اگرچہ اس فساد زدہ صورت حال نے مسلمان مرد کو بھی متاثر کیا ہے مگر مسلمان عورت نسبتاً زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ مثلاً لڑکی کی پیدائش پر اظہار ناپسندیدگی' تعلیم و تربیت کے معاملے میں لڑکے لڑکی کا فرق' بیٹی اور بہن کو مختلف بہانوں سے وراثت سے محروم کرنا' شادی شدہ بیٹوں کا اپنے بوڑھے والدین خصوصاً والدہ سے برا سلوک' بیوی کو شوہر کی محبت کا نہ ملنا' شوہر کا مجازی خدا

بن کر زبردستی عورت سے ہر جائز و ناجائز بات منوانا' سسرال میں بہو کے ساتھ ملازمہ سے بھی بدتر سلوک' مہر کے بارے میں یہ تصور کہ یہ صرف طلاق کی شکل میں دیا جاتا ہے یا پھر مرتے وقت بخشوا لیا جاتا ہے' بصورت طلاق مارپیٹ کر عورت کو خالی ہاتھ گھر سے نکال دینا' شادی کے لئے لمبے چوڑے جہیز کی پابندی' لڑکی والوں کا ساری عمر اپنے داماد اور اس کے ماں باپ کے آگے جھکنے پر مجبور رہنا وغیرہ وغیرہ۔

جب موجودہ معاشرے خواتین کو اسلام کے دیئے ہوئے حقوق عملاً کہیں نظر نہیں آتے تو پھر کوئی کیسے یقین کرے کہ اسلام نے عورت کو کوئی حقوق دیئے ہیں!

وجہ دوم: اہل مغرب اس بات سے خوب واقف ہیں کہ مرد کو بے راہ رو کرنے اور اسلامی تعلیمات سے برگشتہ کرنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا' کہ وہ تو فرد واحد کا مسئلہ ہے۔ عورت جب تک گھر کے اندر موجود ہے اور اپنی آئندہ نسلوں کی اسلام کے مطابق تربیت کر رہی ہے تب تک اسلامی معاشرہ کو بے راہرو نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب عورت کو گھر کی چاردیواری سے باہر نکال کر سڑکوں' کلبوں' پارکوں' دفتروں اور کارخانوں میں مرد کے شانہ بشانہ کھڑا کر دیا جائے' جب عورت ستر و حجاب کی بندشوں سے آزاد گھر سے باہر نکل آئی تو گویا ان جدت پسندوں کی منزل کامیابی سے ہمکنار ہو گئی۔ اس لئے وہ خواتین کو اپنا خصوصی ہدف سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نظریہ مساوات مرد و زن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گہری سازش ہے' جو عورت سے ہمدردی کے پردے میں تیار کی گئی ہے۔ ہر مسلمان ملک میں سے اغیار کو ایسے ایجنٹ بھی مل جاتے ہیں جو خود آگے بڑھ کر ان کے مذموم عزائم کی تکمیل کا سامان کرنے لگتے ہیں۔ خصوصاً مغرب زدہ خواتین نے اس ضمن میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ مسلمان عورت جو کل تک اسلامی اقدار کی محافظ تھی' وہ اب خود طرح طرح کے مطالبے لے کر شریعت اسلام کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ تاکہ دشمنان اسلام اہل مغرب کی تمناؤں کے مطابق یا تو سرے سے غلبہ اسلام کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے یا پھر شریعت کا ایسا حلیہ بگاڑ دیا جائے کہ عورت کی صرف آزادی بلکہ آوارگی ہی باقی رہ جائے۔

تحریک آزادی نسواں کا تجزیہ

حقیقت یہ ہے کہ جس کو اہل مغرب .FEMINISM یا "تحریک آزادی نسواں" کہتے ہیں' اس کا صحیح مفہوم "آزادی نسواں" نہیں بن سکتا۔ اس تحریک کی بانی خواتین کے افکار کا جائزہ لینے اور اب یکے بعد دیگرے قاہرہ کانفرنس اور بیجنگ کانفرنس" میں لیڈر خواتین کے ایجنڈے اور مطالبات کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ "FEMINIST MOVEMENT" (تحریک آزادی

نسواں) دراصل "عورت کی آوارگی"، "ممتا کے قتل" اور "بیوی کی گمشدگی" کی تحریک ہے، جو شادی بھی بطور پیشہ کرنا چاہتی ہے۔ اب سرطان کے یہی جراثیم ہماری اسلامی تہذیب کو بھی ہلاک کرنے کے درپے ہیں۔

☐ پاکستانی خواتین کی حالت زار یا ترقی؟

مسئلہ بہت آگے بڑھ چکا ہے، تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم اور انگریزی نظام تعلیم نے صورت حال بہت خراب کردی ہے، تعلیمی ادارے اب ناچ گانے، رقص، موسیقی سکھانے کے مرکز بن چکے ہیں۔ مینابازار، ڈریس شوز اور ورائٹی شوز سونے پر سہاگہ ہیں بقول ماہرالقادری مرحوم ؎

قوم کی وہ بیٹیاں جن کو بننا تھا بتول ؓ
مدرسوں میں سیکھتی ہیں ناچ گانوں کے اصول

اب ان تعلیمی اداروں میں ایسے ایسے جنسی سیکنڈل اور بے راہروی کے واقعات پیش آرہے ہیں کہ الحفیظ والامان! عام معاشرہ میں ذرائع ابلاغ، اخبارات وغیرہ کی وجہ سے بے حیائی اتنے عروج پر پہنچی ہوئی ہے کہ خود لاہور کے اندر بے شمار عصمت فروشی کے مرکز اور بے حیائی کے اڈے موجود ہیں۔ زنا اور گینگ ریپ کے بے شمار واقعات روزانہ اخبارات میں درج ہوتے ہیں اور اب تو یہ بالکل معمول کی بات محسوس ہونے لگی ہے، مثلاً یہ ملاحظہ فرمائیے:

✪ "بھائی نے نشہ پورا کرنے کے لئے بہن کی تین مرتبہ "قیمت" لگائی۔"

✪ "دوشیزہ سے سات افراد کی زیادتی۔ ہاتھ پاؤں باندھ کر پھینک گئے۔" یہ سرخی ہے۔ نیچے تفصیل اس طرح درج کی گئی ہے کہ گلشن راوی کی نسیم ملیانوالہ سٹاپ پر کھڑی تھی کہ 5 افراد نے اغوا کر کے ہوس کا نشانہ بنایا۔ دل بھر جانے پر اسے مزید دو افراد کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ وہ اسے لاہور لاکر اس سے زیادتی کرتے رہے۔ بعد ازاں وہ بھی اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے گلشن راوی میں ایک فلیٹ کے آگے پھینک گئے۔ (روزنامہ خبریں، مورخہ 26 اکتوبر 96ء)

✪ دوسری طرف غیرت کے نام پر خواتین کو بے دھڑک قتل کر دیا جاتا ہے۔ "گزشتہ چند سالوں سے پاکستان میں خواتین کے قتل کی وارداتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جب اخبارات میں کسی خاتون کے قتل کی خبر موجود نہ ہو۔ حقائق کے مطابق قتل ہونے والی ہر دوسری عورت پر قاتل یہ الزام لگاتا ہے کہ مقتولہ بدکردار اور بدچلن تھی۔" (ہفت روزہ ندائے ملت، صفحہ 4، مورخہ 96-10-11)

✪ اور اب گیارہ مارچ 97ء کو لاہور ہائی کورٹ سے ہونے والا صائمہ، ارشد کیس کا فیصلہ جس کے مطابق بالغ لڑکی ولی کے بغیر نکاح کر سکتی ہے۔ اس حالیہ فیصلہ نے مسلمانوں کے خاندانی نظام کی چولیں ہلا

دی ہیں۔

✪ کھیلوں میں بھی پاکستانی خواتین نے بہت پیش رفت کی ہے۔ پاکستان کو ہی یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ وہ پہلی انٹرنیشنل مسلم ویمن گیمز کا انعقاد کرواتا۔ چنانچہ 20 اکتوبر 96ء کو یہ 6 روزہ تقریبات لیاقت جمینیزیم اسلام آباد میں شروع ہوئیں' خود وزیراعظم پاکستان بے نظیر بھٹو نے اس کا افتتاح کیا۔ طے یہ پایا کہ تمام کھیلیں اسلامی حدود حجاب کے اندر ہوں گی اور کوئی مرد جمینیزیم کے اندر داخل نہ ہو گا۔ (روزنامہ "نیوز" اور "پاکستان" 96-10-20) اس موقعہ پر بے نظیر صاحبہ نے کھلاڑی خواتین کو یہ پیغام دیا کہ خواتین تمام زنجیریں توڑ کر ہر میدان میں مردوں کے برابر نظر آئیں۔ ان کھیلوں میں بارہ مسلم ممالک کی ٹیمیں شامل تھیں اور چھ پروگرام تھے۔ ان کھیلوں میں شامل ہونے والے مسلم ممالک پاکستان' ازبکستان' بنگلہ دیش' بوسنیا' کرغیزستان' تاجکستان' آذربائیجان' ترکمانستان' ملائشیا' شام وغیرہ تھے۔ پاکستان نے پہلی' ازبکستان نے دوسری' بنگلہ دیش نے تیسری اور بوسنیا نے چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ پروگرام کے اختتام پر پاکستان ویمن سپورٹس بورڈ کی سربراہ اور وزیراعظم کی مشیر شہناز وزیر علی نے کہا کہ پاکستانی خواتین نے نو گولڈ' دس سلور اور چار براؤنز میڈل جیت کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ کسی سے کم نہیں ہیں۔ اب اس بورڈ کو مستقل شکل دے دی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ ہم مردوں سے الرجک نہیں ہیں۔ مرد ہمارے بھائی ہیں۔⑥

☐ پاکستان کے "اعزازات":

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ مسلم دنیا کی پہلی سفیر خاتون بننے کا "اعزاز" بھی پاکستانی خاتون بیگم رعنا لیاقت علی خاں کو ملا تھا۔ وہ ستمبر 1954ء سے لیکر 1961ء تک ہالینڈ میں پاکستان کی سفیر کے طور پر کام کرتی رہیں اور اب انٹرنیشنل مسلم ویمن گیمز بھی پاکستان ہی نے سب سے پہلے کروائی ہیں اور مسلم دنیا کی پہلی منتخب خاتون وزیراعظم بھی پاکستان کی بے نظیر بھٹو ہی تھیں۔

☐ الٰہی احکام کی پامالی:

اس بظاہر آزادی نسواں مگر بباطن آوارگی نسواں کی تحریک نے بے شمار شرعی احکام کو پامال کیا۔ بلکہ بسا اوقات مولوی و ملا کا تمسخر اڑا کر کھلم کھلا اسلامی شعائر کا تمسخر اڑایا گیا۔ مثلاً حجاب اترا۔ دوپٹہ اترا' بے پردگی' فحاشی' عریانی' ماڈلنگ اور شوبز کا کلچر وجود میں آیا۔ مزامیر کو توڑنے والے پیغمبرؐ کی امت میں ناچ گانا' رقص' موسیقی عمومی مزاج بن گیا' ذرائع ابلاغ' ٹی۔ وی' فحش تصاویر نے اس گندگی کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کو تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل کیا گیا۔ اور جو ماحول وجود میں آیا اس کی ایک جھلک اس خبر میں ملاحظہ فرمائیں:

"پانچ روزہ کل پاکستان موسیقی کانفرنس مورخہ 28 اکتوبر 96ء کو الحمراء میں منعقد ہوئی۔ اس میں ایک صحافی احمد بشیر نے کتھک ڈانس کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ (نعوذ باللہ) حضور اکرم ﷺ بھی رقص دیکھا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں بعض روایات موجود ہیں کہ

انہوں نے دف پر ہونے والا رقص دیکھا بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ بابا آدم اور اماں حوا بھی (نعوذ باللہ) ناچتے ہوئے جنت سے نکلے تھے۔۔۔ اسی طرح اس نے یہ بھی کہا کہ مغل شہزادیاں اپنے جسم کے خدوخال نمایاں کرنے کے لئے نیم برہنہ رہا کرتی تھیں تاکہ شہزادوں اور دوسرے لوگوں کی نظر میں خود کو نمایاں کر سکیں' ہندوستان میں ہونے والی تمام ثقافتی ترقی مسلمانوں کی ہے۔ مگر ہندو نے سب کچھ اپنے کھاتے میں ڈال لیا ہے اور ہم خاموشی سے مان لیتے ہیں۔ پھر کل پاکستان موسیقی کانفرنس کے صدر سید واجد علی شاہ نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ رقص اور موسیقی بند ہو جائے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ چونکہ رقص اور موسیقی کا تعلق روح اور دل سے ہے' کوئی کتنا بڑا مولانا ہو اور کتنے بڑے فتوے لگائے' خدا نے دل کو ایسا بنایا ہے کہ وہ موسیقی کا ایک حصہ بنتا ہے۔ موسیقی کانفرنس کے جنرل سیکرٹری حیات احمد خاں نے کہا کہ وہ کتھک ڈانس کی تربیت 12 سے 14 لڑکیوں کو دلوا رہے ہیں جو جلد ہی فرانس کے ایک ثقافتی شو میں شرکت کریں گی۔" ⑦

پھر ہر سطح پر اختلاط مردوزن وجود میں آیا' ہر جگہ اور ہر میدان میں عورت مرد کے شانہ بشانہ دوڑتی نظر آئی۔ حتیٰ کہ نوبت حکومت کی سربراہی تک بھی پہنچ گئی۔

بیسویں صدی کے آخری 20 سالوں میں تو مسلم ممالک میں کئی جگہ مسلمان عورتیں باقاعدہ منتخب ہو کر وزراء اعظم کے منصب تک پہنچیں۔ مثلاً ترکی میں تانسو چلر' بنگلہ دیش میں خالدہ ضیاء اور حسینہ واجد' پاکستان میں بے نظیر بھٹو۔ موخر الذکر تو دو دفعہ منتخب ہو کر ملک کی وزیر اعظم بنیں۔ ان ممالک میں اب تو یہ رواج بھی بن گیا ہے کہ جو سیاسی لیڈر فوت ہوتا ہے اس کی بیوہ اٹھ کر سیاست میں آنے اور مرحوم شوہر کے "مشن کو زندہ رکھنے" کا عزم لیکر نمودار ہو جاتی ہے۔ مثلاً نصرت بھٹو' غنویٰ بھٹو' خالدہ ضیاء' حسینہ واجد وغیرہ۔

حال ہی میں عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ پاکستان میں یو۔ این۔ او کی طرف سے "آزادی نسواں" کی چیمپئن بن کر ابھری ہیں۔ انہوں نے عدالت کی سطح سے عورت بگاڑ پروگرام کو کافی آگے بڑھایا ہے۔

پاکستان میں یو۔این۔او کے ایجنڈے کے تحت خواتین کی پیش رفت

مغربی ممالک نے اپنے سیاسی زوال کے بعد اپنی تہذیب وثقافت کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ (یو۔این۔او) کا ادارہ قائم کیا' یہ ادارہ اپنے آغاز ہی سے مغربی تہذیب وثقافت کو فروغ دینے اور اسے تمام دنیا میں برتری دلانے کے لئے کوشاں ہے' اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وقتاً فوقتاً بے شمار سیمینارز' ورکشاپیں' کانفرنسیں اور کنونشن منعقد کرتا رہتا ہے۔ پھر ان کے ذریعے تمام ممبر ممالک کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ان سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں تاکہ تمام ممبر ممالک کا نظام ان کی خواہشات اور ترجیحات کے مطابق چلے اور کوئی ان کے حکم سے سرمو سرتابی نہ کرسکے۔

عورت کے حقوق کے نام پر بھی یو۔این۔او' کئی بین الاقوامی خواتین کانفرنسیں منعقد کر چکا ہے۔ مثلاً خواتین کی پہلی عالمی کانفرنس 1975ء میں میکسیکو میں ہوئی اور پھر اس سال کو "خواتین کا عالمی سال" کے طور پر منایا گیا (اب 8 مارچ کو ہر سال خواتین کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے) دوسری عالمی خواتین کانفرنس 1985ء میں نیروبی میں ہوئی۔ تیسری عالمی خواتین کانفرنس 1990ء میں کوپن ہیگن میں منعقد ہوئی۔ جبکہ چوتھی عالمی خواتین کانفرنس ستمبر 1995ء میں بیجنگ میں منعقد ہوئی۔

پاکستان اپنے قیام کے فوراً بعد یو۔این۔او کا ممبر بن گیا تھا' لہٰذا عورت کے حقوق کے نام پر منعقد ہونے والی تمام کانفرنسوں میں باقاعدہ پاکستانی خواتین کے وفد سرکاری سطح پر شامل ہوتے رہے اور اس کے مطابق پاکستان کو عورت سے متعلق ایجنڈے دیئے جاتے رہے چنانچہ ان ایجنڈوں پر پیش رفت کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

1949ء ابتدا ہی سے عورتوں کو ووٹ کا حق حاصل ہو گیا تھا۔ 1961ء میں عائلی قوانین کے ذریعے مسلمانوں کے عائلی قوانین میں کئی تبدیلیاں یو۔این۔او سے مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے کی گئیں۔ 1973ء میں عورتوں پر تمام سرکاری ملازمتوں کے دروازے کھل گئے اور عورتوں کے لئے مکمل مساوات کا نظریہ دیا گیا تھا۔ اس دور میں ضبط ولادت کی تحریک کو بھی ملک میں مقبول عوام بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ 1975ء میں میکسیکو کی عالمی کانفرنس میں شرکت کے بعد پاکستان میں کئی خواتین کی کئی تنظیمیں غیر سرکاری طور پر وجود میں آئیں اور مغربی ایجنڈے کے طور پر پاکستانی خواتین کو بے حجاب اور بے راہ رو کرنے میں مصروف رہیں۔ اپوا کی تنظیم جو قیام پاکستان کے فوراً بعد وجود میں آئی تھی اور سرکاری سرپرستی میں چل رہی تھی اب وہ مزید مضبوط ہو چکی تھی۔

ضیاء دور میں 1979ء میں حدود آرڈیننس نافذ کیا گیا۔ دیت' شہادت کے مطابق اسلام کی روشنی میں قانون سازی ہوئی۔ سرکاری دفاتر میں عورتوں کو ساتر لباس اور چادر کا پابند کیا گیا۔ نیز ان کو برسرعام کھیلوں میں حصہ لینے سے روک دیا گیا' تو ان تنظیموں نے ضیاء الحق دور کے ان تمام اقدامات

کے خلاف بھرپور احتجاج کیا اور حکومت کے ہر سطح کے اقدامات کی پر زور مخالفت کی۔ یہ خواتین تعداد میں اگرچہ مختصر تھیں، مگر عالمی ذرائع ابلاغ ان کی پشت پر تھے۔ لہٰذا ان کے اسلام مخالف پروپیگنڈے کو بڑی کوریج دے رہے تھے۔

1988ء میں انتخابات کے نتیجے میں بے نظیر بھٹو سربراہ حکومت بنی تو ایک مستقل وزارت خواتین وزارت کے نام سے قائم کی گئی۔ اس دور میں خواتین کے الگ بینک قائم ہوئے الگ تھانے قائم ہوئے، عدلیہ میں بھی خواتین جج مقرر ہوئیں۔ تمام سرکاری ملازمتوں میں خواتین کا کوٹہ 5% مقرر ہوا۔ مگر افسوس اس دور میں بھی خواتین کے لئے الگ یونیورسٹی نہ بن سکی۔ موقف یہ تھا کہ اس طرح عورت کے خلاف منفی امتیاز مستحکم ہوتا ہے ان کو نسوانی قسم کے مضامین پڑھائے جائیں گے۔ جو عورتوں کو سائنسی سوچ اور جدید علوم سے دور رکھنے کا پروگرام ہے، اس طرح ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔

1990ء میں پاکستانی وفد تیسری عالمی خواتین کانفرنس منعقد کوپن ہیگن میں شریک ہوا۔ نیز 1990ء میں ہی پاکستان نے سی۔ ڈو (عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کے خاتمہ کے لئے عالمی کنونشن) کی دستاویز پر بھی دستخط کئے۔ یہ دستاویز عورت کے موضوع پر یو۔ این۔ او کی تیس سالہ کوشش کا نتیجہ تھی۔ 1994ء میں "آبادی اور ترقی" کے موضوع پر ہونے والی عالمی کانفرنس جو قاہرہ میں منعقد ہوئی تھی۔ اس میں بھی پاکستان نے شرکت کی۔ یہ اصل میں مسلم ممالک میں کنڈوم کلچر کو رائج کرنے کا ایک پروگرام تھا۔

ستمبر 1995ء میں بیجنگ میں خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کا ایجنڈا "سی ڈو" اور قاہرہ کی بہبود آبادی کانفرنس کے نتیجے میں تیار ہوا تھا۔ اس وقت بے نظیر بھٹو صاحبہ سربراہ حکومت تھیں۔ بھرپور تیاری کے ساتھ اس کانفرنس میں شرکت کی وہاں اہم اجلاس کی صدارت کا بھی اعزاز حاصل کیا اور اس کے ننگ انسانیت و تذلیل نسوانیت ایجنڈے پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سربراہ نے برضا و رغبت دستخط کئے۔ بعد ازاں اس ایجنڈے پر عمل درآمد کرنے کے لئے کئی اقدامات بھی اٹھائے گئے۔

❑ خواتین انکوائری کمشن 94ء تا 97ء

ستمبر 94ء میں پاکستانی سینٹ کی ایک قرارداد کے ذریعے ایک خواتین انکوائری کمشن قائم کیا گیا۔ جس کا مقصد پاکستانی خواتین کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں موثر سفارشات تیار کرنا تھا۔ اس کمشن نے 180 صفحات پر مشتمل رپورٹ 1997ء میں پیش کی۔ اس کی سفارشات کیا تھیں۔ دراصل

یہ بیجنگ کانفرنس کے اقوام متحدہ کے دیئے ہوئے ایجنڈے کو بروئے کار لانے کا ہی ایک ذریعہ تھیں۔

افسوس! یہ اسلام دشمنی! یہ اہل مغرب کی چالبازیاں! یہ اہل اسلام کی بے غیرتی و بے حسی! یہ مخلص مسلمانوں کے بے بسی و بے چارگی۔ اہل مغرب چاہتے ہیں کہ کسی طرح مسلم معاشروں سے ان کی حیا اور شرم چھین لی جائے۔ ان کے خاندانی استحکام کو برباد کر دیا جائے عورت کو مادر پدر آزاد بنا دیا جائے۔ چنانچہ ان قاہرہ اور بیجنگ کانفرنسوں میں شیطانی ایجنڈے تیار کر کے مسلم ملکوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں اور مسلمان ممالک جو پہلے ہی سود کے مکروہ جال کی بناء پر کاسہ گدائی ہاتھ میں لئے آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بینک کی جانب دیکھنے پر مجبور ہیں! ان مکروہ ایجنڈوں پر عمل درآمد کے لئے مجبور کر دیئے جاتے ہیں۔ پاکستان کا یہ حالیہ خواتین انکوائری کمشن بھی اسی پروگرام کا حصہ ہے۔ وہ خواتین جن پر مسلمان ہونے کا لیبل لگا ہے مگر درحقیقت وہ یو۔ این۔ او کی طرف سے تفویض کردہ ڈیوٹی کو نبھانے کے لئے دل و جان سے رضامند ہیں وہی اس کمشن کی شرکاء اور نمائندہ ہیں۔ اس کمشن کے گیارہ ممبر تھے۔ عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ بھی اس کی ممبر تھیں (اگرچہ چند ایک مقامات پر ایک مولانا نے اپنے الگ سے وضاحتی اور اختلافی نوٹ بھی تحریر کئے ہیں) مگر بحیثیت مجموعی اس کی سفارشات درج ذیل ہیں:

(1) حدود کے قوانین کو ختم کیا جائے اور وفاقی شرعی عدالت کو بھی ختم کیا جائے۔

(2). عورت اور مرد کے درمیان ہر قسم کے منفی امتیاز کا خاتمہ کیا جائے۔

(3) خاوند کی موت کی شکل میں بہو کو جائیداد میں اتنا حصہ دیا جائے جو کہ اس کا شوہر اگر زندہ ہوتا تو اس کو ملتا۔ عورت کی وراثت مرد کے مساوی کی جائے' اسی طرح پنشن میں بھی عورت کا حصہ مرد کے مساوی کیا جائے۔

(4) سولہ سال سے کم عمر میں بچی کی شادی کرنے پر اس کے ولی کو تین سے پانچ سال تک قید اور جرمانہ کی سزا دی جائے۔ لیکن اگر لڑکی کی مرضی سے کم سنی میں شادی کی گئی ہے تو پھر قابل مواخذہ نہیں ہے۔

(5) عورت کو سیاسی اداروں میں 33% نمائندگی دی جائے۔

(6) مخلوط تعلیم کی کھلی اجازت ہو۔ تمام افواج' پولیس' ادارے' دفاتر' انڈسٹریز میں عورت کو برابری کی بنیاد پر ملازمت دی جائے۔

(7) شناختی کارڈ پر خواتین کی تصویر چسپاں کرنا ضروری قرار دیا جائے۔

(8) غیر مسلم مرد سے شادی کرنے پر کسی قسم کا مواخذہ نہ کیا جائے۔

(9) دیت کے معاملے میں مرد و عورت میں برابری ہو۔ پھر دیت کی رقم کی تقسیم میں بھی لڑکوں اور

لڑکیوں کا یکساں حصہ ہو۔

(10) اسقاط حمل عورت کا قانونی حق قرار دیا جائے کہ 120 دنوں تک عورت جب چاہے جہاں چاہے وہ حمل ساقط کروا سکے اور اگر یہ حمل زنا کے نتیجے میں ظاہر ہوا ہے تو پھر اس مدت کے بعد اسقاط کی اجازت دی جائے۔

(11) اسلام کا قانون شہادت ختم کیا جائے اور عورت کی گواہی مرد کے برابر تسلیم کی جائے۔

(12) قحبہ گری کرنے والی خواتین مجرم نہیں بلکہ مظلوم ہیں۔ ان کو سزا نہ دی جائے بلکہ ان کے معاشی اخراجات وہ لوگ برداشت کریں جو ان سے یہ پیشہ کرواتے ہیں۔

(13) ضبط ولادت کے لئے عورت کو اسقاط اور نس بندی کی غیر مشروط اجازت دی جائے۔

(14) مرد کی دوسری شادی پر سخت پابندی ہو' ایسا کرنے پر اسے پانچ سال قید بامشقت اور 2 لاکھ روپیہ جرمانہ عائد کیا جائے اور پہلی بیوی کو حق حاصل ہو کہ وہ خود بخود طلاق لے لے۔

(15) زنا بالرضا کی سزا 5 سال اور زنا بالجبر کی سزا عمر قید ہو (یہ سزا صرف مرد کے لئے ہو کیونکہ عورت تو ہر حال میں مجبور اور کمزور ہے)

(16) مرد عورت کو حقوق زوجیت ادا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر وہ زبردستی حق زوجیت ادا کرے تو اسے تعزیری جرم قرار دیا جائے اسی طرح کمسن بیوی کے ساتھ جنسی وظیفہ کو ریپ قرار دیکر ان پر سخت سزائیں دینے کی سفارش کی ہے۔

(17) نکاح کے وقت عورت کو تفویض طلاق کا حق دیا جائے۔

یہ سفارشات من و عن بیجنگ کانفرنس اور سی ڈا کا عکس ہیں۔ پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے گویا مسلم معاشروں میں مرد و عورت کو بروقت آپس میں خم ٹھونک کر لڑتے رہنے والے فریق بنا کر گھریلو امن چین رخصت کرنے کا منظم پروگرام ہے۔ جہاں مکمل جنسی انارکی اور اخلاق باختگی موجود ہو اور اخلاق' دین یا قرآن و سنت نام کی کوئی چیز معاشرہ میں نہ رہنے دی جائے۔ چند مغرب زدہ خواتین کی ان زہریلی سفارشات کو مسلم معاشرے میں نافذ کرنا تو بدترین ظلم اور زیادتی ہے۔ جمہوریت کے برعکس دیندار' دین پسند اکثریت کے اوپر اقلیت کا جبر ٹھونسنے والا معاملہ ہے۔ ان سفارشات میں کوئی بھی خیر کا پہلو موجود نہیں ہے۔

❑ تحریک ضبطِ ولادت کو فروغ:

پاکستان میں صدر ایوب کے دور سے تحریک ضبط ولادت کو رائج کرنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے۔ ہر حکومت کے دور میں اس کو بہت فروغ دیا گیا۔ انہی مغربی اثرات کے زیرِ اثر یہ تحریک بھی زوروں پر ہے' حکومت اس تحریک کو فروغ دینے کے لئے بھرپور اقدامات کر رہی ہے۔ اب نوبت یہ آن پہنچی ہے کہ "دو بچوں" کے

والدین کو قومی ایوارڈز دیئے جارہے ہیں' چنانچہ پاکستان کی پچاس سالہ گولڈن جوبلی تقریبات کے سلسلے میں الحمراء میں ایک تقریب منعقد کی گئی۔ جس میں وفاقی وزیر منصوبہ بندی بیگم عابدہ حسین نے اس "آبادی سنبھالو" تقریب میں ان جوڑوں کو ایوارڈز دیئے جنہوں نے اپنے بچوں کی تعداد دو سے بڑھنے نہیں دی تھی۔ "نوائے وقت" کے کالم "سرراہے" کے کالم نگار نے اس تقریب کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھا:
"اگر آبادی گھٹانے کا جوش اسی طرح جاری رہا تو عین ممکن ہے کہ کچھ مدت کے بعد ان جوڑوں کو بھی انعام ملنا شروع ہو جائے۔ جنہوں نے ایک بھی بچہ پیدا نہیں ہونے دیا۔ بقول شاعر ؎

"جو لوگ کچھ نہیں کرتے' کمال کرتے ہیں۔"

□ رد عمل: یہ دلخراش داستان تو بڑی طویل ہے جو کہیں رکنے کا نام نہیں لیتی۔ نت نئے انداز اور پروگرام ہیں اور ان مغرب زدہ خواتین کی بیشک ایک طویل اور ان تھک جدوجہد ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ عملاً پاکستانی خواتین کی نمائندہ نہیں ہیں۔ ان کی تعداد پورے پاکستان میں تقریباً پانچ سو تک بھی نہیں پہنچتی۔ چونکہ حکومتیں اور میڈیا ان کی پشت پر ہیں' لہٰذا محسوس یہی ہوتا ہے کہ وہ پوری پاکستانی خواتین کی بات کر رہی ہیں' اصل بات یہ ہے کہ وہ وطن عزیز پاکستان میں صرف مغربی خواتین کی وکالت کر رہی ہیں ---اور بس یہی وجہ ہے کہ اس مغربی تحریک آوارگی نسواں کا تدارک کئی محاذوں پر امت مسلمہ میں کیا گیا---اسلام ایک جاندار تحریک ہے جو بقول ظفر علی خاں مرحوم ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

چنانچہ علماء حق نے بروقت اپنی ذمہ داری ادا کی اور مسلمان خواتین کو اس نئے فتنے سے بچانے کی بھرپور کوشش کی۔ وعظ و تلقین کے ذریعے سے اور تحقیقی لٹریچر کے ذریعے سے بھی۔ چنانچہ مولانا مودودی مرحوم کی کتاب "پردہ" اس سلسلے میں سنگ میل ثابت ہوئی۔ مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی کتاب "پاکستانی عورت دوراہے پر" نے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ عالم عرب میں بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا۔ مثلاً سید قطب شہید کی کتاب "شبہات حول الاسلام" علامہ فرید وجدی آفندی کی کتاب "المراۃ المسلمہ" وغیرہ۔

علامہ اقبال نے بھی شاعری کے ذریعے سے مسلمان عورت کو "بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر" کا پیغام دیا۔ عالم اسلام میں برپا ہونے والی اسلامی تحریکوں نے بھی اس فتنہ سے خواتین کو بچانے کی جدوجہد جاری رکھی۔ مصر کی اخوان المسلمین اور برصغیر میں جماعت اسلامی نے خواتین کو صحابیات ؓ کے نقش قدم پر چلانے اور نیک و صالح اور باپردہ بنانے کے لئے ہمہ جہت تحریک چلائی۔

دردمند مسلمان خواتین نے خود بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور احیاء اسلام کے جہاد میں

مصروف ہو گئیں۔ مثلاً اپنے بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ ' اپنے گھروں کے ماحول کو لادینی اثرات سے بچانا' اپنے محلے کے بچے بچیوں کو قرآن پاک ناظرہ و باترجمہ پڑھانا' جگہ جگہ ترجمہ قرآن کی کلاسیں شروع کرنا' ان میں قرآن و سنت کی تعلیم کو عام کرنا' منظم ہو کر جہالت کے خلاف کام کرنا' لوگوں کو اسلامی احکام کے فوائد سے آگاہ کرنا' مغربی تہذیب کے نقائص اور خرابیوں سے آگاہ کرنا' وغیرہ۔

چنانچہ صورت حال کی اصلاح کے لئے بہت سے زنانہ مدارس وجود میں آئے۔ جہاں سے کتاب و سنت کی تعلیم کے چشمے ابلنے لگے۔ جہاں مغربی تہذیب عورت کو شوہر سے متنفر اور بچوں سے بیزار کر رہی ہے' وہاں اسلام کی تعلیم ان میں خدمت شوہر' پرورش و تربیت اطفال اور امور خانہ داری میں بھرپور توجہ کی طرف ترغیب دینے میں مصروف ہے۔ دوسری طرف انہیں ستر و حجاب کی پابندیوں کو ملحوظ رکھ کر حضرت خدیجہ و حضرت فاطمہ کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کر رہی ہے۔

چنانچہ جوں ہی مغربی تہذیب یا اس کے ایجنٹ کوئی نیا شوشہ چھوڑتے ہیں 'فوراً مخلص' دردمند اور حساس مسلمان' مرد و خواتین اس فتنے کا مقابلہ کرنے کے لئے یکسو ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ان کے بیشتر مذموم عزائم کی راہ میں سد سکندری بن جاتے ہیں۔ مثلاً قاہرہ کانفرنس اور بیجنگ کانفرنس کے موقعہ پر علماء نے اور حساس صحافیوں نے امت کو بروقت فتنوں سے آگاہ کیا' صائمہ ارشد کیس کے حوالے سے بھی ردعمل اتنا شدید تھا کہ خود فیصلہ دینے والا جج بھی حیران و پریشان ہو گیا۔

ابھی چند ماہ پہلے کی بات ہے کہ جمخانہ کلب لاہور نے 12 نومبر 97ء کو خواتین میں "مقابلہ حسن" کروانے کا اعلان کیا۔ جس میں کلب کی رکن خواتین کے علاوہ مرد ارکان کی بیویاں اور بیٹیاں بھی حصہ لینے کی اہل قرار پائیں اور اعلان ہوا کہ کلب کے مرد ارکان بھی یہ مقابلہ دیکھ سکیں گے۔ مگر جماعت اسلامی کے چند ذمہ دار افراد نے جمخانہ کلب والوں سے رابطہ کر کے ان کو اس اقدام سے رک جانے کی تلقین کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 16 نومبر کو جمخانہ کلب والوں کو یہ مقابلہ منسوخ کرنے کا اعلان کرنا پڑا۔ (8)

1969ء میں اسلامی جمعیت طالبات کا آغاز ایک مبارک جہت ثابت ہوا' انہوں نے خواتین کے تعلیمی اداروں میں الحاد اور بے دینی کو ختم کرنے میں موثر کردار ادا کیا۔ اسی طرح مصر' ترکی' ایران' ملائشیا وغیرہ میں بھی دردمند مسلم خواتین اپنے اپنے طور پر اسلامی تہذیب کے احیاء اور مغرب زدہ خواتین کے مقابلہ کے لئے برسرپیکار رہیں۔

مسلم خواتین کی پہلی بین الاقوامی کانفرنس: آپا نثار فاطمہ مرحومہ کا نام اس ضمن میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ انہیں

صدر ضیاء الحق مرحوم کا بھرپور تعاون حاصل تھا' وہ خود ایم۔ این۔ اے بھی تھیں' انہوں نے وطن عزیز پاکستان میں خواتین کی بڑھتی ہوئی فیشن زدگی' شریعت سے دوری' عریانی اور دین بیزاری کو محسوس کرتے ہوئے بھرپور جدوجہد کی۔ حکومت کے تعاون سے دسمبر 1983ء میں لاہور میں مسلمان خواتین کی پہلی بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی' جس میں سوڈان' مصر' ملائشیا وغیرہ سے نامور دیندار نمائندہ خواتین نے شرکت کی۔

بعد ازاں وہ دنیا بھر کی مسلمان خواتین کے لئے ایک نمائندہ عالمی فورم تشکیل دینے کے لئے بھرپور کوشش کرتی رہیں۔ اس غرض سے سوڈانی' مصری اور ملائشیا کی خواتین سے مسلسل رابطے جاری رکھے۔

جولائی' اگست 96ء میں سوڈان کے دارالخلافہ خرطوم میں خواتین کی ایک اور عالمی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ (یہ غالباً اس سلسلے کی چوتھی کانفرنس تھی) خرطوم کی نمائندہ خواتین کا آپا نثار فاطمہ سے بارہ سالوں سے رابطہ تھا (اس دوران آپا نثار فاطمہ تو دار فانی سے کوچ کر گئیں' (انا للہ وانا الیہ راجعون) مگر سوڈانی خواتین انہی خطوط پر چل کر اس سال مسلم خواتین کا عالمی فورم قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔

خواتین کے اس عالمی فورم کا نام ہے: "اتحاد النسائی العالمی للمراۃ المسلمہ"

(The International Movement of Muslim Women.)

70 مسلم ممالک کی خواتین اس میں شامل تھیں۔ سوڈان کی محترمہ سعاد الفاتح اس کی جائنٹ سیکرٹری ہیں' جبکہ ملیزیا کی محترمہ شریفہ صاحبہ اس کی چیئرپرسن منتخب ہوئی ہیں۔ اس کا ہیڈ کوارٹر خرطوم میں ہے' اس فورم کا ہدف خواتین کے حقوق کے لئے جدوجہد کرنا ہے ان کا کہنا ہے کہ بیجنگ کانفرنس نے ایک لولی لنگڑی تہذیب کا مکروہ رخ دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ یو۔ این۔ او خواتین کے مسائل حل نہیں کر سکتی خواتین کے حقوق کا ضامن اسلام اور صرف اسلام ہے۔ پوری دنیا کی خواتین کی فلاح و بہبود اور خصوصاً مسلمان عورت کے حقوق کا تحفظ اور شرف و مجد کی قدر صرف دامن اسلام میں پناہ لینے میں ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ مسلم خواتین کو دور جدید کے چیلنجوں کا جواب دینے کی توفیق عطا فرمائے'

② سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور' مورخہ 29 جنوری 1949ء

③ وہ اپنے یہاں ہالی وڈ کی تہذیب کو دور صحابہؓ کے تاریخی حوالوں کے ساتھ رائج کرنا چاہتے تھے' چنانچہ فضول گیتوں پر مبنی ایک ادبی کتاب "الاغانی" سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اپنے مطلب کے بے محل اقتباسات پیش کئے گئے۔

④ ماہنامہ "طلوع اسلام"' مارچ 1983ء

⑤ (طاہرہ کے نام پرویز کے خطوط' صفحہ 21)

⑥ (رپورٹ: روزنامہ "نوائے وقت"' مورخہ 96-10-25' صفحہ' کھیل اور کھلاڑی)

⑦ (روزنامہ "خبریں"' مورخہ 96-10-28)

⑧ (نوائے وقت' 16 نومبر 97ء)

اس موضوع پر مزید معلومات کیلئے راقم کی کتاب اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ باب 8 میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

3

مساوات مرد وزن کا اسلامی تصور

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

"عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ زائد حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔"

(البقرہ:228)

- عدل و توازن کا اصول
- مرد و عورت یکساں ہیں
- بنی نوع انسان کی ذمہ داریاں
- عورت و مرد کا دائرہ کار
- فطری تقسیم
- عورت کا دائرہ کار
- فطری تقسیم کو بدلنے کا نتیجہ
- اسلام: فطری نظام حیات
- طبعی لحاظ سے مرد و عورت کے درمیان کہاں مساوات ہے اور کہاں فرق ہے؟
- بنیادی انسانی حقوق میں مرد و عورت کی مساوات
- صلاحیتوں اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے دونوں صنفوں کا فرق
- عورت کے بارے میں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کا رویہ
- بچوں کے لئے والدہ کی اہمیت
- گھر سے باہر نکلتے وقت عورت کے مسائل
- مخلوط ثقافت
- مسلمان عورت سے دین کے تقاضے
- لمحہ فکریہ
- مساوات مرد و زن کا مغربی تصور
- مساوات مرد و زن کا اسلامی تصور
- مرد کی نقالی کی ممانعت
- عورتوں کا اجر
- عورت کا بدترین استحصال
- اسلام —— خواتین کے حقوق کا واحد ضامن
- کیا مرد اپنی ذمہ داریوں پر احتجاج کرتے ہیں؟
- تجزیہ
- دونوں کا الگ الگ دائرہ کار
- عورت کی ذمہ داریوں کا احترام

مساواتِ مردوزن کا اسلامی تصور

کائنات میں رونق انسان کے دم قدم سے ہے۔ انسان کے بغیر کائنات کا کوئی تصور نہیں ہے' نہ ہی دنیا کے بغیر انسان کا تصور ہو سکتا ہے۔ اس کائنات کی تمام مخلوقات کی تقسیم جوڑے کے اصول کے تحت کی گئی ہے۔ لہٰذا انسان بھی دو نمونوں پر تقسیم ہے' ایک نمونہ مرد ہے اور ایک عورت۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اصل انسان کی تعریف عورت پر صادق آتی ہے یا مرد پر؟ انسانیت کا شرف کسے حاصل ہے؟ کیا مرد کا درجہ اونچا ہے یا عورت کا؟

☐ کائنات میں عدل و توازن کا اصول: اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ پوری کائنات عدل و توازن کے اصول پر قائم کی گئی ہے۔ اگر اس توازن میں بال برابر بھی کمی بیشی پیدا کر دی جائے یا خود بخود ہو جائے تو اتنا فساد پیدا ہوتا ہے کہ اس کو درست کرنے میں کئی کئی سال بلکہ بسا اوقات صدیاں بھی لگ سکتی ہیں' ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم اپنے بارے میں خود خالق کائنات (جو ہماری فطرتوں کا بھی خالق اور ان سے کماحقہ واقف ہے) کی ہدایت کردہ سکیم کو جوں کا توں قبول کرلیں اور اسی ناپ تول کے ساتھ قبول کرلیں کیونکہ جن تہذیبوں یا قوموں نے اپنے خاص نظریات کے تحت اس توازن میں ردوبدل کیا ہے یا اس سکیم میں کوئی کمی بیشی کی ہے' انہوں نے اپنی اصل فطرت کے برعکس کام کر کے اپنے لئے فتنہ و فساد کے دروازے کھول لئے ہیں۔

☐ مرد و عورت یکساں ہیں: اللہ تعالیٰ کی اس کائناتی تقسیم میں مرد اپنی جگہ ذمہ دار ہیں اور عورتیں اپنی جگہ کارگزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے ذمے وہی کام کئے ہیں' جو اس نے ان کی فطرت میں ودیعت کر رکھے ہیں۔ دنیا کا حاکم انسان ہے اور یہ انسان مرد بھی ہے اور عورت بھی۔ گویا انسانی شرف میں دونوں یکساں ہیں' ایک ہی مادے سے ان کا خمیر اٹھا ہے' ایک جیسی شکل و صورت اور ناک نقشہ۔ پھر دونوں ہی برابر کے ذمہ دار اور مسئول ہیں۔ اس لئے ادنیٰ و اعلیٰ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' نہ کوئی برتر مخلوق ہے اور نہ کوئی کم تر۔

☐ بنی نوع انسان کی ذمہ داریاں: انسان پر فطرت نے دو اہم فریضے عائد کئے ہیں' بقائے زندگی اور بقائے نسل۔ جہاں تک بقائے زندگی کا تعلق

ہے 'تو انسان کو اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے خوراک کا بندوبست کرنا ہے۔ پھر اس کے ساتھ رہائش کا' پھر ناگہانی مصائب مثلاً بیماری' دکھ اور دشمن سے حفاظت وغیرہ کا بھی اہتمام کرنا ہے۔ ان تینوں فریضوں کو سرانجام دینے کے لئے ایک صنف کو انہی اوصاف کا حامل بنایا۔ پھر بقائے نسل کے لئے ان صفات کے برعکس ایسا یونٹ درکار ہے جو پونے تین سال تک پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ تخلیق و رضاعت کے کام میں مشغول رہے۔ شفقت' صبر اور تحمل کے ساتھ اس کام کو سرانجام دیتا رہے۔ لہٰذا دوسرے یونٹ کو یہ تمام صفات عطا کردی گئیں۔ اسے خوراک کے بندوبست' دشمنوں سے حفاظت جیسی سخت ذمہ داریوں سے فارغ رکھا گیا۔ خدمات کی اس تقسیم پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ افزائش نسل کا کام گھٹیا ہے اور اس کو سرانجام دینے والی مخلوق کوئی گھٹیا یا دوسرے درجے کی مخلوق ہے اور اصل انسان تو حفاظت و نگہبانی کرنے والا اور خوراک مہیا کرنے والا مرد ہی ہے۔

❑ عورت و مرد کا دائرہ کار:

اسی سے خود بخود عورت و مرد کے دائرہ کار کی سمجھ آجاتی ہے۔ یہ باتیں تو ابتدائی دور کے انسان نے خود اپنی فطرت کے تحت سیکھ لی تھیں' اپنے عقلی تجربات کی روشنی میں وہ اس نتیجے تک پہنچا کہ بچوں اور بچوں کی ماں کے لئے چاردیواری ضروری ہے' پھر اسی چاردیواری کے اندر عورت کی سربراہی قائم ہو گئی۔ پھر اسی فطری اشارے پر خود بخود مردوں کے کندھوں پر بیرونی سربراہی آگئی کہ تجھے اپنے نوزائیدہ بچوں کو دھوپ' گرمی' سردی اور دشمنوں سے بچاؤ کے لئے کسی آڑ اور کسی چھت کی ضرورت ہے۔ یہ تیرا شریک زندگی اگرچہ تیری طرح ناک' کان' دل' دماغ اور ہاتھ پاؤں رکھتا ہے مگر حمل' زچگی اور رضاعت کے دوران کمزوری اور ناطاقتی کی بناء پر وہ معاش یا حفاظت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

❑ فطری تقسیم:

گویا یہ فطرت کی تقسیم ہے کہ ایک صنف کو طاقت' قوت اور انفاق کی فضیلت حاصل ہے اور دوسرے صنف کو حمل و زچگی کی فضیلت دی گئی ہے' یہ عورت کی امومت تو اس کے شرف کی دلیل ہے' یہ اس کا مقصد تخلیق ہے' یہ عورت کے لئے ذلت و پستی نہیں بلکہ اس کے حسن اور اس کی فضیلت کی علامت ہے۔ عورت کی ذات کی تکمیل ہی ماں بن کر ہوتی ہے۔ بچے کی خواہش عورت کو مرد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اسلام کی تو خوبی ہی یہ ہے کہ وہ دین فطرت ہے' انسان کی فطرت کے مطابق ہی اس کی راہنمائی کرتا ہے۔ اس نے فطرت انسانی کو ملحوظ رکھ کر ہی عورتوں کو یہ ہدایت دی ہے: **وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ**---- الخ (سورہ احزاب' آیت نمبر 33) "اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔ سابق دور جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں (اہل بیت نبی ﷺ) گندگی (رِجس) سے دور کردے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔"[1]

❑ عورت کا دائرہ کار: اس آیت میں عورت کا دائرہ کار اس کا گھر بیان کیا گیا ہے۔ جس میں اس حکم کی حکمت و مصلحت، گھر کے ماحول کی اصلاح و درستگی بیان کی گئی ہے اور اس میں مقصد بھی بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح تم سے "رجس" دور رکھے گا اور تمہیں پاکیزگیوں کی بلندیوں تک لے جائے گا۔ اس کے برعکس اگر اس حکم کی پروا نہ کی تو پھر عورت آلودگی و ناپاکی میں مبتلا ہو جائے گی جس سے اللہ تعالیٰ اسے بچانا چاہتا ہے۔ گویا کہ جس قوم کی عورتیں "رجس" میں مبتلا ہو جائیں اس قوم کی بربادی اور تباہی میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے!

❑ فطری تقسیم کو بدلنے کا نتیجہ: اسی مضمون کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا: "میں اپنے بعد کوئی فتنہ ایسا نہیں پاتا جو مردوں کے لئے عورتوں سے بڑھ کر ضرر رساں ہو۔" (بخاری، کتاب النکاح)، (مسلم، کتاب الذکر)، (ترمذی ابواب استئذان)، (ابن ماجہ، کتاب الفتن)

مزید فرمایا: "دنیا سے اجتناب کرو اور عورتوں سے بچتے رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں بھی پہلا فتنہ عورتوں ہی کی وجہ سے اٹھا تھا۔" (صحیح مسلم، کتاب الذکر، باب 359)

اسلام — فطری نظام حیات: اسلام کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ انسانی فطرت کے خلاف لڑتا ہے نہ اس میں ترمیم و تنسیخ کرتا ہے بلکہ اس کے لئے وہی اصول و قانون وضع کرتا ہے جو اس کی فطرت سے ہم آہنگ ہوں۔ وہ انسانی فطرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ان کی بہترین انداز سے تربیت اور تہذیب کر کے اسے روحانی ترقی اور پاکیزگی سے بہرہ ور کرتا ہے تاکہ انسان اپنی خواہشات نفس کا بندہ نہ رہے بلکہ نیکی اس کی نگاہوں میں پسندیدہ ہو اور وہ نیکی اور احسان کے اعلیٰ ترین مقام کو بھی پا سکے اور انسانی معاشرہ بھی فلاح و کامرانی سے بہرہ ور ہو سکے۔

طبعی لحاظ سے عورت اور مرد کے درمیان کہاں مساوات ہے اور کہاں نہیں ہے؟

مرد اور عورت کے مسئلہ میں اسلام کا نقطہ نظر بڑا واضح اور صاف ہے اور انسانی فطرت سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔ جہاں انسانی فطرت دونوں کے درمیان مساوات چاہتی ہے وہاں تو اسلام دونوں کو یکساں سطح پر لاتا ہے اور جہاں خود فطرت امتیاز چاہتی ہے وہاں احکام و مسائل میں اسلام دونوں صنفوں میں فرق اور امتیاز قائم کرتا ہے۔ چنانچہ شرف انسانی اور ایمانی شرافت میں دونوں کا درجہ یکساں ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ** (بنی اسرائیل، آیت 70) یعنی ہم نے تمام بنی آدم کو عزت بخشی جس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔ دونوں ایک

باپ حضرت آدم اور ایک ماں حضرت حوا کی اولاد ہیں۔ شرافت ایمانی کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:
لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (سورہ آل عمران' آیت 195) "میں کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا' عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت۔" اس طرح نیکی اور تقویٰ میں دونوں کا اجر اور مرتبہ اللہ کے ہاں برابر ہے۔

بلکہ اگر کوئی عورت ایمان اور تقویٰ میں مرد سے آگے بڑھ جائے تو اس کا اللہ کے ہاں اجر اور رتبہ بھی ایمان و تقویٰ میں پیچھے رہ جانے والے مرد سے بڑا ہوگا۔ ملاحظہ ہو ارشاد قرآنی **اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ** "تم میں سے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے وہی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا ہے۔" (سورہ الحجرات' آیت 13)

بنیادی انسانی حقوق میں مرد و عورت کی مساوات:

اسی طرح بنیادی انسانی حقوق میں بھی مرد و عورت کے درمیان مساوات اور یک رنگی ہے بلکہ عورت کی عمر جوں جوں بڑھتی جاتی ہے اس کا مقام و مرتبہ بھی بلند ہوتا جاتا ہے۔ بیٹی' بہن' پھر اس کے بعد بیوی اور آخر میں ماں چاروں حیثیتوں سے اللہ و رسول ﷺ نے عورت کو بڑا مقام دیا ہے اور ماں کا مقام و مرتبہ تو اتنا بلند ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے رکھ دی گئی ہے۔ باپ کے مقابلے میں ماں تین گنا زیادہ حسن سلوک کی مستحق قرار دی گئی ہے۔ ②

صلاحیتوں اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے دونوں صنفوں کا فرق:

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: **لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ** (سورہ بقرہ)

"عورتوں کے بھی اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان کے فرائض ہیں مگر مردوں کو ایک درجہ زائد حاصل ہے۔"

سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے: **اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاۤءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ** "مرد حاکم ہیں عورتوں پر' اس وجہ سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر زیادہ صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔" صنف نازک کی جسمانی کمزوری تو سب کو معلوم ہے اور عقلی طور پر عورت کا مرد سے کم ہونا خود ارشاد رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ (صحیح بخاری' کتاب الشہادات' ج 1)

چنانچہ عورت کی صلاحیتوں' اس کے مزاج اور استعداد کار کے لحاظ سے ہی اس کو ذمہ داریاں دی گئی۔

عورت کے بارے میں یہودیت' عیسائیت اور ہندومت کے برعکس اسلام کا عزت واکرام کا رویہ:

عورت کے شرف و وقار کو صرف اسلام نے بحال کیا ہے' یہودیوں اور عیسائیوں کا نقطہ نظر تو یہ ہے کہ عورت ہی نے حضرت آدم کو بہکایا تھا اور انہیں شجر ممنوعہ کو چکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لہٰذا اس کی اکساہٹ سے حضرت آدمؑ نے غلطی کی اور پھر اس کی پاداش میں ان دونوں کو جنت سے نکلنا پڑا' یہی وجہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں عورت گناہ کی جڑ اور ناگزیر برائی ہے۔ وہ کسی عزت واحترام کی مستحق نہیں ہے بلکہ اس کا کام ہے کہ وہ ہروقت مرد کی خادم اور کنیز بن کر رہے اور ہمہ تن اس کی خدمت پر کمربستہ رہے نیز اس کی دلربائی کا فریضہ انجام دے۔ اسی طرح ہندومت میں بھی عورت کو پست' ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ خاوند کو پتی اور بیوی کو پتنی کہا جاتا ہے۔ یعنی مرد مالک ہے اور بیوی اس کی مملوکہ ہے' اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ مرد بیوی سے جو بھی سلوک کرے' عورت مجبور و بے بس ہے۔ اس کی کسی طرح کی دادرسی نہیں کی جا سکتی۔ حتیٰ کہ خاوند فوت ہو جائے تو وفادار بیوی کا یہی کام ہے کہ اس کی لاش کے ساتھ وہ خود بھی چتا میں جل کر ستی کی رسم ادا کرے۔ اس کے برعکس اسلام کا نقطہ نظر بالکل مختلف ہے۔ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر حضرت آدمؑ کا قصہ بیان فرمایا گیا ہے' تو وہاں حضرت حوا کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کی غلطی کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ اللہ نے جنت کا ممنوعہ پھل کھانے' جنت کے لباس سے محروم ہونے' پھر جنت کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانپنے' پھر جنت سے نکلنے کے ہر مرحلے کو تثنیہ کے صیغہ سے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکایا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں' ان کے سامنے کھول دے تو اس نے ان سے کہا: "تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔ پھر اس نے قسم کھا کر ان دونوں سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اس طرح دھوکہ دے کر رفتہ رفتہ وہ ان دونوں کو اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب ان دونوں نے اس درخت کا مزا چکھا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے' تب اِن کے رب نے دونوں کو پکارا: "کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟" اس پر دونوں بول اٹھے: "اے رب! ہم نے اپنے اوپر ستم کیا' اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔" (سورہ

اعراف' آیات 20 سے 23 تک)

اس پورے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں نے غلطی کی' دونوں کو سزا ملی اور پھر دونوں نے اللہ سے معافی مانگی۔

لہٰذا اسلام نے اور قرآن نے عورت پر سے یہودیت و عیسائیت کا الزام دور کر کے ہر شخص کو اپنی غلطی کا خود ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت اپنے شوہر کی معاون' اس کی وزیر' اس کی مشیر اور اس کی رفیقہ حیات ہے۔ اپنے گھر کی ملکہ ہے' وہ شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی ذمہ دار ہے۔ وہ انبیاء اکرام' صدیقین اور شہداء کو اپنی آغوش میں پروان چڑھانے والی اور ان کی تربیت کرنے والی ہے۔ وہ "خیر کی بنیاد" ہے۔ اسی کی تربیت سے نسل نو بنتی ہے اور سنورتی ہے' نیک عورت کو اپنے شوہر کے لئے دنیا کی بہترین متاع کہا گیا ہے اور اولاد کے لئے ماں سے حسن سلوک کا اتنا زیادہ حکم ہے کہ باپ سے تین درجہ زیادہ اسے حسن سلوک کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ جنت ماں کے قدموں تلے رکھ دی گئی ہے۔ غرض اسلام کے نزدیک عورت کا گھر اس کی جنت ہے جہاں وہ اپنے شوہر کی رفیق ہے اور شوہر اس کا ہمدرد' سب بچے اور گھر والے اس کے فرمانبردار' مطیع اور خیر میں اس کے ساتھ تعاون کرنے والے بچے اور مخلص ہمدرد ہیں۔ اب ہم مختصر طور پر اس مسئلے پر اسلام کا موقف بیان کرتے ہیں:

1. اسلام میں عورت و مرد میں بحیثیت انسان کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا درجہ اور فضیلت یکساں ہے۔ اول اور دوم درجہ کی درجہ بندی نہیں پائی جاتی۔
2. دینی معاملات میں بھی مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق یا امتیاز نہیں' دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں یکساں ذمہ دار اور یکساں جوابدہ ہیں۔
3. البتہ تہذیب و تمدن کو فروغ دینے کے لئے دونوں کو ان کی فطرت' جسم اور صلاحیت کے مطابق علیحدہ علیحدہ ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔ پھر انہی ذمہ داریوں کے لحاظ سے ان کے دائرہ کار مقرر کئے گئے ہیں' اسی دائرہ کار کے مطابق ان کو احکام دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ بیرون خانہ تمام کام مثلاً سیاست' معیشت' زراعت' تجارت' صنعت و حرفت' فوجی دفاع مردوں کے مزاج سے مطابقت رکھتے ہیں لہٰذا وہ ان کے ذمہ دار ہیں۔ جبکہ آئندہ نسل کی تخلیق' پرورش' کفالت اور تربیت' خانہ داری وغیرہ کے جملہ کام عورت کی فطرت سے مطابق رکھتے ہیں لہٰذا یہ تمام کام اس کی ذمہ داری قرار دیئے گئے' پھر اسی کے مطابق خواتین کو احکام بھی دیئے گئے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ** (بخاری) "عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد کی نگران ہے اور

ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔"

4. پھر اس فطری اور جسمانی اختلاف کی بناء پر کچھ احتیاطی اقدامات لازم کئے گئے ہیں۔ مثلاً:

- مومن مرد اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اسی طرح مسلم خواتین بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔
- گھر کے اندر بھی عورتوں کا پورا جسم ڈھکا ہوا ہو اور اس طرح سر پر دوپٹہ لیں جو سر اور سینہ ڈھانپ دے۔
- گھر کے اندر بھی غیر محرم رشتہ داروں کے سامنے زیب و زینت سے بچا جائے۔
- رشتوں میں محرم اور غیر محرم کی تمیز جو اسلام نے قائم کی ہے' اس کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔
- بے ضرورت گھر سے باہر جانے سے گریز ضروری ہے۔ اگر باہر جانا پڑے تو بھی سادگی سے برقعہ یا چادر کے ساتھ نکلے۔ غیر محرم رشتہ داروں کے ساتھ سفر کرنا منع ہے' چاہے وہ سفر حج ہی کیوں نہ ہو۔

5. اب یہ مسئلہ رہ گیا کہ گھر کے اندر کون بڑا ہو؟ یاد رہے کہ حسن انتظام کے لئے ہر ادارے میں بھی ایک سربراہ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا مرد کی طاقت' قوت' کما کر گھر والوں کو کھلانا' پھر اس کی عقل اور قوت فیصلہ اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ یہ منصب مرد کو دیا جائے' لہٰذا گھر کی سربراہی یا صدارت اللہ تعالیٰ نے مرد کو دی ہے۔

6. مرد کو اپنی بیوی سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور عورت کو شوہر کی فرمانبرداری و خدمت اور بچوں کی تربیت کے لئے گھر کا محاذ سنبھالنے کی تاکید کی گئی ہے۔ خواتین ان واضح ہدایات کی موجودگی میں کیسے مردوں کے شانہ بشانہ اور قدم بقدم چل سکتی ہیں' بلکہ وہ اشد مجبوری کے بغیر گھر کے باہر قدم ہی کیسے رکھ سکتی ہیں؟ پھر بچوں کی تعلیم و تربیت کیسے ہو' ان کو اخلاق و آداب' تہذیب و شرافت کیسے سکھائی جائے؟ لہٰذا چند اہم شعبے چھوڑ کر (جہاں خود خواتین ہی کی ضرورتوں کے پیش نظر ایسا کرنا ضروری ہے۔ مثلاً خواتین کی تعلیم یا ان کا علاج معالجہ وغیرہ)

عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا نقصان کے بہت سے پہلو اپنے اندر رکھتا ہے۔ ذیل کے چند اہم نکات پر غور کرنا اس کے لئے کافی ہو گا:

بچوں کے لئے والدہ کی اہمیت:

کسی بھی بچے کو پوچھ کر دیکھا جائے' اس کی پہلی ضرورت اس کی ماں ہے۔ بچے سکول سے یا باہر سے گھر آئیں تو سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ امی کہاں ہیں؟ اور اگر امی ہی گھر میں نہ ہو تو بچوں کے موڈ بگڑ جاتے ہیں' خوامخواہ ضد کرنے لگتے ہیں' گھر کا ساز و سامان توڑنے لگتے ہیں۔ دراصل وہ ماں کی موجودگی سے ایک غیر معمولی

فرحت وانبساط محسوس کرتے ہیں اور بصورت دیگر ان کے دل بجھ کر رہ جاتے ہیں۔

❑ گھر سے باہر نکلتے وقت مسائل:

ماں کام کے لئے دفتر' فیکٹری' کارخانہ وغیرہ جاتی ہے۔ باپ تو پہلے ہی گھر میں نہیں ہے' کیا گھر میں تالا لگا کر جائے' یا بچوں کو اکیلا چھوڑے' یا کوئی آیا وغیرہ گھر میں رکھے؟ گھر سے باہر نکلتے وقت سو بار عورتوں کو سوچنا پڑتا ہے۔ اگر تالا لگاتی ہے تو پھر بچے سکول سے آکر کیا کریں گے یا بچے گھر میں موجود ہیں تو ان کو اکیلا چھوڑ کر باہر سے تالا کیسے لگایا جائے؟ کیا کسی ملازمہ کا بندوبست کیا جائے؟ اس ملازمہ کو بھی تو آخر تنخواہ دینی پڑے گی' تو پھر اپنی کمائی سے کیا فائدہ ہوا؟ جمع حاصل کیا بنا؟ مگر ماں کی غیر موجودگی سے بچوں کے دل و دماغ' ان کی نفسیات اور ان کے عادات واخلاق پر جو اثر پڑا ان کی تلافی کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر وہ ملازمہ جاہل' گالم گلوچ کی عادی ہے تو بچوں کو خواہ مخواہ جھڑکے ڈانٹے گی۔ ان کو جنوں بھوتوں سے ڈرائے گی۔ گالم گلوچ کرے گی' اس طرح بچوں کے اخلاق کے بگاڑ کا باعث بنے گی اور اگر وہ شریف و قابل ہے تو پھر اس کو زیادہ تنخواہ چاہیے۔ اس کو تنخواہ دینے کے بعد آخر گھر سے باہر نکلنے والی عورت کے پلے کیا پڑا؟ بچوں کا مستقبل کتنا برباد ہوا؟ اس پہلو سے جتنا بھی سوچا جائے تو عورت کے گھر سے باہر نکلنے کے بے شمار نقصانات نظر آتے ہیں۔ انسان حاصل کم کرتا ہے مگر نقصان زیادہ ہے۔ اس کے مقابلے میں عورت گھر میں ہی رہے' میاں کی آمدن کو ہی کفایت شعاری سے استعمال کرے' اگر پھر بھی آمدنی کم پڑے تو گھر میں سلائی وغیرہ کر کے کمی پوری کر لے مگر باہر نہ جائے' باہر جانے کی شکل میں اس کے اپنے لعل وجواہر اور اس کے اپنے جگر کے ٹکڑے جو حسن تربیت ملنے سے دین و دنیا میں سرخرو کرنے کے ضامن ہیں' اس کی عدم توجہ سے وہی گالم گلوچ کرنے والے' بداخلاق' بدتمیز' تعلیم بیزار' تشدد مار دھاڑ کے عادی' چور اچکے بن جائیں' اللہ و رسولؐ سے دور اور دین بیزار بن جائیں تو پھر عورت کو چند ٹکے حاصل کر کے کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا؟ اپنی اصل دولت (اولاد) تو بگڑ گئی اور دنیا و آخرت میں بے سکونی و رسوائی کا سبب بن گئی۔

❑ فیملی پلاننگ

اگرچہ بعض افراد نے عورت کی ملازمت یا بیرون خانہ امور کی انجام دہی سے پیش آنے والے مسائل کا حل اس میں ڈھونڈ لیا ہے کہ فیملی پلاننگ پر کاربند ہوا جائے۔ بچے ہی سرے سے نہ ہونے پائیں۔ نہ رہے بانس اور نہ رہے بانسری یا پھر اگر بچے ہوں بھی تو انتہائی مختصر تاکہ مسائل کا دورانیہ زندگی کے معمولات کو زیادہ دیر تک اپ سیٹ نہ کر سکے۔ لیکن یہ حقائق سے نظر چرانے والی بات ہے۔ بچے دو ہوں یا تین۔ مسائل تو بہر صورت پیش آئیں گے اور پھر فیملی پلاننگ کی قباحتیں اس پر مستزاد ہیں۔ جن کی وضاحت باب نمبر5 "عورت کا مقصدِ وجود" میں کی گئی ہے۔ ③

مخلوط ثقافت:

مخلوط ثقافت جو مغرب کے نعرہ "آزادی نسواں" اور "حقوق نسواں" کی اصل جان ہے' اسلامی نظریہ کے بالکل برعکس ہے۔ جب عورتیں کمانے کی خاطر گھروں سے باہر

نکل آتی ہیں' تو پھر مردوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے آہستہ آہستہ شرم و حیاء کو بھی جواب دینا پڑتا ہے۔ برقعہ' چادر اترتی ہے پھر سر ننگے ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ گلے اور آستینیں عریاں ہونے لگتی ہیں پھر کپڑے' زیور' میک اپ' فیشن اور آرائش و زیبائش کی ایک دوڑ شروع ہو جاتی ہے اور عورتیں اپنی کمائی کا بیشتر حصہ اپنے ہی کپڑے' زیور اور میک اپ وغیرہ پر پھونک ڈالتی ہیں۔ دوسری طرف اس سے معاشرہ میں بے حیائی اور عریانی کا سیلاب شروع ہو جاتا ہے۔ ہوسناک نگاہیں تعاقب کرتی ہیں' چھیڑ خوانی شروع ہوتی ہے۔ پھر عورتیں شکایت کرتی ہیں کہ مرد ہمیں چھیڑتے ہیں' جب آپ خود ہی دعوت نظارہ دے رہی ہیں تو الزام مردوں پر کیوں؟ کچھ نگاہ اپنے طرز عمل پر بھی تو ڈالنی چاہئے۔ ایسی ہی خواتین کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

مَاتركت من بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء (بخاری' کتاب النکاح)

"میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ مردوں کے لئے ضرر رساں نہیں چھوڑا۔" آپؐ کا ایک اور فرمان ہے۔ (سنن ترمذی میں) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے:

"عورت پردہ کی چیز ہے۔ جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک جھانک کرتا رہتا ہے۔"

پھر دفتر' دکان' کارخانہ میں غیر مردوں کے ساتھ کام کرنا' ان کا سیکرٹری بننا' ان کی خدمت کرنا' کیا اس کا نام ترقی ہے؟ کیا یہی دور جدید کا تقاضا ہے کہ گھر میں اپنے شوہر اور اپنے بچوں کے کام نہ کرو؟ گھر کی چار دیواری میں رہنا تو قید کے برابر ہے' یہ تو رجعت پسندی اور دقیانوسیت ہے' یہ پرانا طریقہ ہے لیکن اگر وہی عورت ہوائی جہاز میں ایئر ہوسٹس بن کر چار سو آدمیوں کو کھانا کھلائے' ان کے سامنے ٹرے سجا کر لے جائے اور ان چار سو ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بنے یا ہوٹل میں ویٹرس بن کر ہر ایک کی خدمت کرے' کسی کی سیکرٹری بن جائے کہیں ٹیلیفون آپریٹر ہو جائے' سٹینو گرافر بن جائے' کال گرل بنے' گلوکار' فلمسٹار بن کر سامعین اور حاضرین کے دل لبھائے' ماڈل گرل بن کر جسم کی نمائش کرے تو یہ سب آزادی اور ترقی ہے مگر گھر میں شوہر' بچوں' والدین کے لئے کام کرے تو یہ رجعت پسندی ہے۔ اور دقیانوسیت خوب کہا کسی نے ؂

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آج کی مادہ پرستانہ تہذیب نے پیسے کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ تنخواہ اور مساوات کے لالچ میں عورت نے جو وقت گھر سے باہر خرچ کیا' اس میں کوئی خیر و برکت نہیں۔ اس میں کوئی راحت و تسکین نہیں۔ اس کے مقابلے میں وہ وقت جو ایک مومن عورت اپنے گھر میں اپنے شوہر اور بچوں پر خرچ

کرتی ہے' وہ اس کی زندگی کا حاصل اور اس کے لئے سچی راحت و خوشی و سکون کا باعث ہے۔ اس کے بعد اصل معاوضہ و اجر اللہ کے ہاں ملے گا (تاہم اگر کوئی عورت کسی واقعی مجبوری کے تحت پردہ و حجاب کی حدود کو ملحوظ رکھ کر کام کرے تو اسلام اس پر کوئی قدغن عائد نہیں کرتا۔ وہ بھی اللہ کے ہاں اجر کی مستحق ہے)

مسلمان عورت سے دین کے تقاضے:

آج تہذیب جدید نے کچھ ایسا فریب دے دیا ہے کہ "گھر کی نصف آبادی بے کار پڑی ہے' اس کو ملک کی خدمت کے لئے باہر نکالو۔" اور مسلمان عورت اس فریب کا شکار ہو گئی ہے۔ جب اللہ ہم سے یہی تقاضا کرتا ہے کہ تمہارے ذمے دنیا کے کسی فرد کی خدمت واجب نہیں' نہ تمہارے کندھوں پر کسی ذمہ داری کا بوجھ ہے' تم ہر بوجھ اور ذمہ داری سے آزاد ہو لیکن صرف ایک بات ہے کہ اپنے گھروں میں قرار سے رہو' اپنے شوہر کی اطاعت کرو' اپنے بچوں کی تربیت کرو' یہی تمہارا فریضہ ہے' اس کے ذریعے سے تم قوم کی تعمیر کر رہی ہو' ملکی ترقی' مسلمانوں کی ترقی' مستقبل کی تعمیر میں اپنا پورا حصہ ڈال رہی ہو —— آخرت میں اس کا پورا پورا اجر وصول کرو گی تو یہ جو عزت کا مقام ہمیں اللہ دے رہا ہے —— دنیا کا سکون اور آخرت کا اجر' کیا یہ بہتر ہے یا وہ ذلت کا مقام جو گھر سے باہر نکل کر عورت کو سہنا پڑتا ہے؟

پھر جب خواتین دوہرے بوجھ اٹھاتی ہیں' اپنے فطری وظائف بھی ادا کرتی ہیں اور کسب معاش میں بھی حصہ ڈالتی ہیں تو کیا اس طرح وہ اپنے گھر میں عزت کا مقام پا لیتی ہیں؟ میرا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ دوگنا کام کرنے کے باوجود شوہر کبھی عورت کا شکر گزار نہیں ہوتا' اس کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ عورت پر غلبہ و کنٹرول رکھے۔ بسا اوقات مرد یہ دیکھ کر کہ اب ان کی بیویاں کما رہی ہیں' خود کسب معاش میں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ سارا دن گھر پڑے اینڈتے رہتے ہیں اور تھکی ماندی عورت کے اوپر حکم چلاتے رہتے ہیں۔

آخر اکیلی عورت ہی قوم کی تعمیر کی ذمہ دار کیوں؟ کیوں عورت مردوں کے مقابلے پر آنے کے لئے اپنی جان ہلکان کر رہی ہے؟ لاکھ کمائی کرے مگر وہ مرد نہیں بن سکتی' رہے گی تو عورت ہی البتہ اس کی کمائی کے بل بوتے پر اس کا شوہر گلچھڑے ضرور اڑاتا ہے اور ساتھ اسے ذہنی دباؤ میں بھی مبتلا رکھتا ہے۔ مساوات کا نعرہ ہے ہی غیر فطری اور غیر طبعی۔ آخر مساوات مرد و زن کا نعرہ لگا کر عورت کو مرد بننے پر کیوں مجبور کیا جا رہا ہے؟ کبھی کسی مرد نے بھی عورت بننے کی کوشش کی ہے! اگر یہ مساوات فطری ہے تو پھر لازماً مردوں کو بھی عورتوں کے برابر آنے کے لئے مظاہرے اور جلسے جلوس کرنے چاہئیں تھے۔ عورتوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کی نسائیت کو اس نعرے سے کتنا شدید نقصان پہنچا ہے۔ اللہ و رسول ؐ نے تو عورت کو صنف نازک قرار دے کر اس کی دلجوئی کرنے کا حکم دیا تھا' یہاں عورتیں خود

ہی اپنی نزاکت کو لات مار کر مرد بننا چاہتی ہیں۔ اس سے وہ مرد تو نہ بن سکیں' لیکن مردوں کی نسبت دوہرے کام پر مجبور ہو گئیں۔

❑ **لمحہ فکریہ:** یہ پاکستان' وطن عزیز' جو نظریہ کی بناء پر وجود میں آیا ہے' اس کی سرحدیں دراصل نظریہ کی لکیریں ہی تو ہیں' اگر ہمارا نظریہ کمزور پڑا تو ہماری سرحدوں کی لکیریں بھی خدانخواستہ مٹ سکتی ہیں۔ ہم اتنے کوتاہ نظر کیوں ہیں کہ ہمیں ننگے سر' ننگے بازوؤں میں' آزادی کے ساتھ بنی بجی عورتوں کے باہر گھومنے میں اپنے نظریہ کی ٹوٹ پھوٹ کا پہلو نظر نہیں آتا! لادینیت (سیکولرازم) کے دعویدار (فرانس میں اور ترکی و مصر میں) مسلم طالبات کو سر پر سکارف لینے کی اجازت نہیں دے سکتے' کہ اس میں انہیں مذہبی پہلو نظر آنے لگتا ہے اور ہم نظریہ کے وارث ہوتے ہوئے لادینی کلچر' لادینی روایات اور لادینی ثقافت کو اپنے ہاں بھرپور فروغ دے رہے ہیں۔ آرٹ اور کلچر کے نام پر' آزادی نسواں اور مساوات مرد و زن کے نام پر' ہمارے نظریاتی پہلو کو کیوں کمزور کیا جا رہا ہے!④ اوپر سے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یہ کام تو اسلام میں جائز ہے۔ یہ تو ہے ہی اسلام کے مطابق' اسلام تو ترقی پسند دین ہے۔ یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے! آخر ہماری پڑھی لکھی خواتین کیوں اسلام کے احکام کو من پسند بنوانے کی کوششوں میں لگی ہیں!

کیا خلاف شریعت کام کرنے سے جو دل میں ٹیس اٹھتی ہے' ضمیر میں خلش محسوس ہوتی ہے ان کا مقصد ہے کہ وہ بھی ختم ہو جائے۔ چنانچہ قانوناً شریعت میں تبدیلی کروا لی جائے' ناجائز کو جائز کرا لیا جائے تاکہ دل مطمئن رہیں اور خلاف شریعت کام کرنے کی ملامت سے ہم اپنے نفس کو محفوظ کر سکیں۔

سچی بات یہ ہے کہ جس نے بھی اللہ سے بندگی کا عہد کر رکھا ہے' وہ اس مساوات کا قائل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ مساوات جو بالکل مصنوعی ہے اور مذموم مقاصد لئے ہوئے ہے' مسلمانوں میں کھلی عریانی و بے حیائی پھیلانے والی ہے۔ انہیں شریعت کا تمسخر اڑانے اور اُس کی حدود کو عمداً پامال کرنے کا درس دیتی ہے۔ ہر سچا مسلمان اس مخلوط ثقافت کا لازماً مخالف ہو گا۔ مسلمان مرد اس لئے کہ اس کے گرد بنی سنوری عورتوں کا جمگھٹا اس کے اپنے دین و ایمان کے لئے خطرہ ہے اور پاک دامن مسلمان عورت بھی اس صورت حال کو اپنے شایان شان نہیں سمجھ سکتی۔ پھر نسل نو کی بربادی و تباہی اور خاندانی نظام کی ابتری کے جو نقصانات ہیں' ان کی تلافی بھی کسی دوسرے طریقے سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔

میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں' محتاج کو داتا دے

اسلامی اور مغربی نظریہ کا تقابلی جائزہ

اہل مغرب مرد و زن میں جس مساوات کے قائل ہیں' اس کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو یکساں صلاحیتیں اور قوتیں دی ہیں۔ جو کچھ مرد کر سکتا ہے بعینہٖ وہ سب کچھ عورت بھی کر سکتی ہے۔ لہٰذا معاشرہ میں دونوں کا دائرہ کار بھی یکساں ہونا چاہئے اور حقوق و فرائض بھی یکساں ہونے چاہئیں۔ اس کے برعکس اسلام کے نزدیک دونوں کی صلاحیتیں الگ الگ ہیں۔ لہٰذا دونوں کا دائرہ کار بھی الگ الگ ہے۔ ہر جنس کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق تمدنی ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔ پھر دونوں اپنی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر اللہ کے ہاں یکساں قدر و قیمت اور اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

❑ **تجزیہ:** مساوات کے یہ دونوں نظریئے اپنی اساس 'بنیاد' دائرہ کار اور نتائج میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ جس طرح مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب ہے دونوں کو یکجا نہیں کیا جا سکتا' اسی طرح مساوات کے دونوں نظریات کو جمع کرنا ناممکن ہے۔ اگر کوئی مغربی نظریہ مساوات مرد و زن کا قائل ہے تو وہ اسلام کا نام لینا چھوڑ دے اور کوئی اسلام سے وابستہ رہنا چاہتا ہے تو مغربی نظریہ مساوات کو دل سے نکال دے۔ ان دونوں کا پیوند ایک دوسرے کے ساتھ نہیں لگایا جا سکتا اور اگر مسلمان رہتے ہوئے مغربی نظریہ مساوات کو اختیار کرنے کی کوشش کی گئی تو اس سے ہماری ساری حیات اجتماعی کے بگڑ جانے کا احتمال ہے۔ پورے اجتماعی نظام کو برباد کر کے ہمیں حاصل کچھ نہ ہو سکے گا۔ یہ منافقت ہمیں بالکل کھوکھلا اور بے وزن کر کے رکھ دے گی۔

مغربی نظریہ' مساوات اپنی ابتدائی حالت میں بڑا معصوم اور سادہ نظر آتا ہے اور ظاہر بین نگاہوں کو اپیل بھی بہت کرتا ہے۔ مگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے اور اس کو بنیاد بنا کر معاشرتی زندگی کی تعمیر شروع کی جائے تو فوراً اس کی خرابیاں آشکارا ہونے لگتی ہیں۔ مثلاً ذیل میں چند نکات ملاحظہ کیجئے:

❑ **الگ صلاحیتیں' الگ دائرہ کار:** اسلام تو مرد اور عورت دونوں کی فطری اور جسمانی صلاحیتوں کے لحاظ سے معاشرے میں ان کو الگ الگ ایسا دائرہ کار مہیا کرتا ہے' جس میں کام کر کے وہ بہترین طریقے پر معاشرے کو فائدہ پہنچا سکیں اور تعمیر تمدن میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ اس کے برعکس مرد و عورت دونوں کو مغربی نظریہ مساوات یکساں صلاحیتوں والا قرار دے کر دونوں کو ایک ہی حیثیت سے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورت اپنی فطری صلاحیتوں کے برعکس دوسرے مقام پر استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اپنا تشخص اور صحت بھی برباد ہوتی ہے

اور معاشرہ بھی اس کے خراب نتائج سے نہیں بچ سکتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مرد بار آور تو کر سکتا ہے مگر وہ حمل' زچگی اور رضاعت کی ذمہ داریاں نہیں ادا کر سکتا' نہ ہی وہ بچوں کی پرورش اور گھر گرہستی کی الجھنوں کو سلجھانے کا کام کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس عورت بار آور تو نہیں کر سکتی مگر وہ ذریعہ تخلیق ضرور ہے۔ پھر وہ گھر سنبھالنے کے لئے تو خداداد قابلیت رکھتی ہے' مردوں کی طرح میدان جنگ کے معرکے سر نہیں کر سکتی اور سڑکیں و پل نہیں بنا سکتی۔ یہ دونوں کے درمیان ان کی صلاحیتوں کی بنا پر فطری و قدرتی تقسیم ہے۔ اگر مرد کے لئے حاملہ نہ ہو سکنا' گھر کے معاملات کو سلجھا نہ سکنا' بچوں کی پرورش نہ کر سکنا' کوئی عیب نہیں ہے تو پھر عورت کے لئے مردانہ کام کیوں اور کس اصول کے تحت ضروری قرار دیئے جائیں؟ اگر عورت فطری حد بندیوں کو توڑ کر مرد کے دائرہ کار میں گھسنے کی کوشش کرے گی تو نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کی اپنی بقائے نسل اور خاندانی نظام کے تحفظ کی صلاحیتیں تو برباد ہوں گی ہی مگر مردوں کے کام بھی وہ اچھی طرح نہ کر سکے گی اور لازمی نتیجہ پوری معاشرتی زندگی کے بگاڑ کی شکل میں نمودار ہو گا۔

❑ عورت کی ذمہ داریوں کا احترام:

پھر اسلام تو عورت کی ذمہ داریوں کو بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے' اس کی نگاہ میں گھر کے ادارے انسان سازی کے ادارے ہیں جہاں اگلی نسلوں کی تعمیر ہو رہی ہے۔ یہ کام تمام بیرونی کاموں کے مقابلے میں اہم اور ضروری ہے۔ للذا عورت بحیثیت ماں اتنی قدر کی مستحق ہے کہ جنت اسی کے قدموں تلے رکھ دی گئی ہے اور مرد کے مقابلے میں اس کو تین گنا زیادہ مقام دیا گیا ہے۔ بحیثیت بیٹی وہ اللہ کی رحمت ہے' ہر بوڑھی خاتون سب کی ماں ہے اور بیوی کو وہ مقام حاصل ہے کہ دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس مغربی نظریہ کے مطابق عورت کے لئے ماں یا بیوی بننا باعث حقارت ہے۔ اس کی عزت اس میں ہے کہ وہ باہر نکل کر فیکٹریوں' کارخانوں' اداروں وغیرہ میں کام کرے' سڑکیں کوٹے' پل بنائے' کال گرل بنے۔ اب فیصلہ ہو جانا چاہئے کہ عورت کا وہ استعمال مناسب اور تعمیری ہے جو مغرب میں ہو رہا ہے یا وہ فرائض اور پھر قدر و منزلت اور اہم مقام جو اسے اسلام دے رہا ہے؟

اسلام اس نظریہ مساوات کا بہت سخت مخالف ہے جہاں دونوں اصناف کا ایک ہی میدان کار ہو۔ ہر دفتر' کارخانہ' کھیت' بازار' تعلیم گاہ' ہسپتال' ہوائی جہاز' پارلیمنٹ ہاؤس ہر جگہ شانہ بشانہ دونوں مصروف عمل ہوں اور ان میں کوئی محرم غیر محرم کا امتیاز نہ ہو۔ ایسی مخلوط سوسائٹی میں تو بے حیائی' فحاشی' عریانی کا وہ خوفناک طوفان اٹھتا ہے جسے اسلام کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتا' اسلام کو تو یہ بھی گوارا نہیں کہ عورتیں مردوں کا سا لباس پہنیں یا رفتار و گفتار میں ان جیسا بننے کی کوشش کریں۔ اللہ نے جس کو جو کچھ بنا دیا ہے وہ اس پر مطمئن اور قانع رہے' اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا رہے تو وہ اس کا

پورا پورا اجر و معاوضہ اللہ سے وصول پائے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِـيْمًا (النساء:32)

"جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں کو حصہ ملے گا اس میں سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کو حصہ ملے گا اس میں سے جو انہوں نے کمایا' اور اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے کی خصوصیات پر رشک کرنے کے بجائے اپنے اپنے حصہ کی نعمتوں پر اللہ کے شکر گزار رہیں اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ اللہ نے اپنی فیض بخشیوں سے مرد و عورت دونوں کو یکساں فیضیاب کیا ہے۔ اگر مرد کو مادہ تخلیق دیا ہے تو عورت کو ذریعہ تخلیق بنایا ہے اور تعمیر نسل کا فریضہ اس کو دیا ہے۔ اگر مرد حکمرانی و جہانبانی کی صلاحیت رکھتا ہے تو عورت گھر بنانے اور سنوارنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مرد کے اندر اگر سختی' قوت اور عزیمت کے اوصاف ہیں تو عورت کے اندر دلربائی' دلکشی' شیرینی نرمی اور محبت ہے۔ کچھ علوم و فنون سے لگاؤ مرد کو ہے تو کچھ خاص علوم و فنون سے عورت کو بھی فطری مناسبت ہے۔

غرض یہ کارخانہ قدرت اپنی زیب و زینت کے لئے مرد اور عورت دونوں کے اوصاف کا یکساں محتاج ہے۔ تمدن ان دونوں کی فطری صلاحیتوں کی ہم آہنگی سے ہی ترقی پذیر ہو سکتا ہے۔ اگر ایک بھی صنف تمدن کی تعمیر میں اپنا اصل رول ادا نہ کرے تو تمدن ٹھٹھر کر رہ جاتا ہے۔

ایک اہم تقاضہ:

فلسفہ مساوات کا ایک اہم تقاضہ یہ بھی ہے کہ عورتوں کی کتاب ہدایت الگ ہوتی' ان کی پیغمبر یا معلمہ الگ ہوتی اور اس سے براہ راست اللہ کے احکام حاصل کئے جاتے۔ مگر خالق کائنات نے ایسا نہیں کیا۔ تو کیا اس صورت میں مساوات کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے---؟

مرد کی نقالی کی ممانعت:

نہ تو مرد کے لئے زیبا ہے کہ وہ عورت کی ادائیں اختیار کرے یا اس کی دلربائی و دلکشی کی ریس کر کے مرد مونث بنے اور نہ یہ عورت کے لئے بات مناسب ہے کہ وہ مردانہ چال ڈھال رفتار و گفتار اختیار کرے یا مردانہ کام کر کے زن مذکر بنے۔ اس قسم کی چھچھوری حرکتیں کرنے والے دراصل اللہ کی تقسیم کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ پر (نعوذ باللہ!) لعن طعن کرتے ہیں اور "کوا چلا ہنس کی چال' اپنی بھی کھو بیٹھا" کے مصداق بن کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ کیجئے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ

انه لعن المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال

(ابوداؤد)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں، لعنت فرمائی ہے۔"

سنن ابی داؤد کی ایک اور روایت ہے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

فقالت لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الرجله من النساء "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زنان مذکر پر لعنت فرمائی ہے۔"

اس مضمون کی اور بھی کئی روایات ہیں، جن میں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر صنف کو اپنی اپنی حدود کے اندر رہ کر اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئیں اور اپنی ذمہ داریوں پر اللہ سے یکساں اجر کی امید رکھنی چاہئے۔ عورتوں کے لئے مردوں کی ادائیں اختیار کرنا نقصان دہ ہے۔ دنیاوی لحاظ سے اور آخرت میں ان کے لئے سزا تیار ہے۔ اس کے برعکس اپنی اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنا رضائے الٰہی کا باعث ہے اور تمدن کی ترقی کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔

ایک دفعہ ایک خاتون صحابیہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ نام اسماء بنت یزید انصاریؓ تھا۔ وہ خواتین کے ایک وفد کی طرف سے آپؐ کے سامنے پیش ہوئیں اور عرض کیا: "اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، چنانچہ ہم آپؐ پر ایمان لائیں، ہم نے آپؐ کی پیروی کی۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم خواتین پردے میں رہنے والی اور گھروں میں بیٹھنے والی ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں اور ہم ان کے بچے سنبھالتی ہیں۔ مرد نماز باجماعت اور نماز جمعہ، نماز جنازہ اور جہاد وغیرہ میں شامل ہو کر ہم سے اجر میں سبقت لے گئے۔ وہ جب جہاد میں جاتے ہیں، ہم ان کے گھر بار اور ان کے بچے سنبھالتی ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اجر میں ہم کو بھی حصہ ملے گا؟" نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کی تقریر سننے کے بعد صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "کیا تم نے اس سے عمدہ کسی عورت کی تقریر سنی ہے، جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہو؟"۔ صحابہ کرامؓ نے قسم کھا کر اقرار کیا: "نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" پھر نبی پاکؐ حضرت اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"اے اسماءؓ! میری مدد کرو اور جن خواتین نے تمہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے، ان تک میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ موافقت کرنا، مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے (ثواب میں) جو تم نے بیان کئے ہیں۔"

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر حضرت اسماءؓ خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی

واپس چلی گئیں۔

سید محمد قطب اپنی کتاب "اسلام اور جدید ذہن کے شبہات" میں صفحہ 187 پر لکھتے ہیں: "میں اب تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مرد و عورت کے درمیان کامل مساوات پر کھوکھلی تقریریں کرنے سے حقیقت کی دنیا میں اس مساوات کو کیونکر روبعمل لایا جا سکتا ہے؟ انسان ہونے کی حیثیت سے مرد و عورت میں مساوات ایک بالکل فطری اور معقول مطالبہ ہے۔ مرد اور عورت خانوادہ انسانیت کے دو یکساں اہم رکن ہیں اور ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ لیکن زندگی میں اپنے فرائض اور ان کی بجا آوری کے عملی طریقے میں کیا وہ آپس میں مساوی ہو سکتے ہیں؟ کیا اس قسم کی مساوات کبھی ممکن ہے؟ اگر دنیا بھر کی عورتیں بیک زبان اس کا مطالبہ کریں اور اس کے حق میں بڑے بڑے اجتماعات منعقد کریں اور قراردادیں منظور کریں تب بھی اس مساوات کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ یہ اجتماعات اور ان میں منظور کی ہوئی قراردادیں نہ مردوں کی فطرت بدل سکتی ہیں اور نہ عورتوں کی' نہ اس سے دونوں اصناف کے وظائف حیات میں کوئی تغیر و تبدل رونما ہو سکتا ہے کہ عورتیں مردوں کے کام کرنے لگیں اور مرد عورتوں کے بجائے حمل' بچوں کی پیدائش اور رضاعت کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ پھر عورت کی مخصوص ذمہ داریوں —— حمل اور رضاعت —— کے لئے مخصوص قسم کی ذہنی صلاحیتیں ناگزیر ہیں۔ انہی کی مدد سے عورت اپنی ان مشکل ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔"

❑ مغرب میں عورت کا بدترین استحصال:

نظریہ مساوات مرد و زن دراصل عورت کے بدترین استحصال کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ عورت کا طبعی وظیفہ حیات تو بہر صورت آج بھی عورت کو انجام دینا پڑتا ہے' تخلیق انسانی تو آج بھی ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے۔ بچہ کی پرورش بہر صورت ماں ہی کی آغوش میں ہوتی ہے' ان کاموں میں تو کوئی مرد عورت کا ہاتھ نہیں بٹا سکتا۔ البتہ ملازمت' کسب معاش میں عورت مرد کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ اس طرح معاشرتی زندگی کا ڈیڑھ گنا بوجھ تو عورت پر پڑ گیا اور صرف آدھا حصہ مرد کے حصہ میں آیا۔ کیا یہی وہ مساوات ہے جس کا ڈھنڈورا مغرب پیٹتا رہتا ہے اور جس کو وہ مسلمانوں میں زبردستی رائج کرنا چاہتا ہے؟ وہ چاہتا ہے کہ جس طرح مغرب میں اس نام نہاد مساوات کے نتیجے میں گھر کا آرام اور ذہنی سکون ختم ہو گیا ہے اور معاشرہ کے لئے بے شمار مسائل پیدا ہو گئے ہیں' مسلمانوں کو بھی اسی معاشرتی انتشار اور انارکی کا شکار بنا دیا جائے۔ انجام کار یہ راستہ تباہی و بربادی کا ہی ہے۔ مغرب کے زیر اثر یہ تحریک نہ صرف اس طبقے کے مصائب میں اضافہ کرے گی بلکہ معاشرے کو بھی بے شمار نقصانات سے دوچار کرے گی۔

اسلام —— خواتین کے حقوق کا واحد ضامن:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِ هِمْ (ابن ماجہ)
"تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہوں۔"
نیز آپ ؐ کا فرمان ہے: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي (ابن ماجہ ' ترمذی)
"تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہو (مجھے دیکھو) میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہوں۔"

دیکھ لیا آپ نے بزرگی اور نیکی کا معیار! پبلک زندگی میں تو ہر کوئی خندہ رو اور ہنس مکھ ہوتا ہی ہے' اصل خوش اخلاق وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ نرم اور مشفقانہ برتاؤ رکھتا ہے' صبر و تحمل سے اس کی کمی و کوتاہی کو برداشت کرتا ہے۔ عورت کوئی کنیز یا باندی نہیں جو ہاتھ باندھ کر آقا کے سامنے کھڑی رہے' جو سسرال میں ہر ایک کی خدمت کرتی رہے' مگر اس کا پرسان حال کوئی نہ ہو۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء) "بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔"

یہاں فعل امر کا صیغہ ہے' یعنی مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ بیوی سے بہرحال حسن سلوک کرو' وہ جوان ہو یا بوڑھی' خوبصورت ہو یا حسن و جمال سے محروم' امیر کبیر والدین کی بیٹی ہو یا خالی ہاتھ آنے والی' بہرصورت وہ تمہاری بیوی ہے۔ تمہاری عزت ہے' وہ ایک حیثیت اور مرتبہ رکھتی ہے۔ اسکی یہ حیثیت اور اس کا یہ مرتبہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیت وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ کے ذریعہ سے متعین کیا ہے' کہ جس طرح عورت کے ذمے مرد کے حقوق رکھے گئے ہیں بعینہ عورت کے حقوق بھی اللہ نے مقرر کئے ہیں' جو مرد کو ادا کرنا لازم ہیں۔

کیا مرد اپنی فطری ذمہ داریوں پر احتجاج کرتے ہیں؟

اسلام نے تہذیب و تمدن کی سلامتی' ارتقاء اور استحکام کی خاطر پابندیاں صرف عورت پر ہی تو نہیں لگائیں بلکہ مردوں پر بھی عائد کی ہیں اور مردوں کی پابندیاں عورتوں کے مقابلے میں بدرجہا شدید' صبر آزما اور مشقت طلب ہیں۔ مثلاً ملک کے دفاع اور جہاد کا حکم' پورے خاندان کی کفالت' بیوی کو مہر کی ادائیگی' نان نفقہ کی فراہمی' ناچاقی کی صورت میں بھی ماہانہ خرچہ' عدم ادائیگی کی شکل میں بیوی کو عدالتی چارہ جوئی کا حق وغیرہ۔

مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مردوں نے کبھی ان پابندیوں کے خلاف مظاہرے کئے ہیں؟ انہوں نے تو اپنے فرائض کی بجا آوری اور اپنی ماؤں بہنوں کی عصمت و حفاظت کے لئے کل بھی جان کے

نذرانے پیش کئے اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے تو دونوں صنفوں کو ان کی فطرت ' افتاد طبع اور مزاج کے مطابق ذمہ داریاں دی ہیں۔ اس تقسیم سے کوئی نہ تو اول درجے کا شہری بنتا ہے اور نہ کوئی دوم درجے کا۔ آخر مکمل مساوات کے حقیقی تقاضوں پر بھی غور کرنا چاہئے! کیا عورت پر ہر ماہ ' ہر سال یا دو سال بعد ایسے طویل دور نہیں آتے جن کے دوران میں وہ غیر معمولی جسمانی اور ذہنی محنت و مشقت کا کوئی کام نہیں کر سکتی ' پھر نسل انسانی کے حمل ' ولادت ' رضاعت ' پرورش اور تربیت کے ساتھ ساتھ فکر معاش کا بوجھ اس کے نازک کندھوں پر لاد دینا کیا عورت کے ساتھ ہمدردی ہو گی؟ ان کی فطرت اور جسمانی اھلیت کو مد نظر رکھ کر شریعت خود ان کو جو نرمی ' چھوٹ اور مراعات دے رہی ہے ' کیا ان کا چھین لیا جانا ان کے لئے باعث رحمت ہو گا یا باعث زحمت؟ مغربی عورت نے گھر ' جو عورت کی پناہ گاہ تھا ' اسے خیرباد کہہ دیا۔ چادر جو اس کے محاسن جسم کی محافظ تھی ' اسے اتار پھینکا۔ بچہ جو اس کے جگر کا ٹکڑا تھا ' اسے بچہ گاہوں اور ڈبے کے دودھ کے حوالے کر دیا۔ خاندان جس کی وہ معمار تھی ' اس کا شیرازہ بکھیر دیا۔ حجاب جو اسے غیروں کی ہوسناک نگاہوں سے بچاتا تھا اسے تار تار کر دیا ' شرم و حیا کو جو اس کا زیور تھی ' دور جہالت کا ڈھکوسلا قرار دیا۔ اب آپ خود اندازہ کر لیجئے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد عورت نے کچھ حاصل بھی کیا یا صرف اس کی پریشانیوں میں ہی اضافہ ہوا!!!!

---

① یہ آیت اہل بیت نبی ؐ (کی خواتین) کے حوالے سے تمام مسلمان خواتین کو لائحہ عمل عطا کر رہی ہے۔

② کیا کبھی کسی باپ نے بھی اس پر احتجاج کیا ہے کہ میرا درجہ ماں کے درجہ سے تین حصے کیوں کم تر ہے اور جنت میرے قدموں تلے کیوں نہیں

③ اسی موضوع پر راقم کی ایک اور کتاب "اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ" (صفحہ 223) کا مطالعہ بھی مفید رہے گا۔

④ ورلڈ کپ 96ء میں پاکستان کی کرکٹ ٹیم نے اور خود پاکستانی ٹی۔ وی نے جس ثقافت کا مظاہرہ کیا اس پر سونیا گاندھی (ہندوستان کے ایک فوت شدہ ہندو لیڈر راجیو کی بیوہ) نے یہ تبصرہ کیا کہ "ہم نے دو قومی نظریہ کو پاش پاش کر دیا ہے۔ پاکستانی ریڈیو اور ٹی۔ وی ہماری ہی ثقافت پیش کر رہے ہیں اور پاکستانی لڑکے لڑکیاں ہمارا لباس پہننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔"

یہ اُردو ترجمہ از محمد سلیم کیانی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور اس کا نام ہے

شبہات حول الاسلام

4

گھریلو نظم میں مرد کی سربراہی

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ

"مرد عورتوں پر قوام ہیں۔" (النساء:34)

- تمدن کی بنیاد
- زوجین کا تعلق الفت و محبت کا ہے
- **لتسکنوا الیھا** کا مفہوم
- مرد خاندان کا سربراہ کیوں ہے!
- قوام سے کیا مراد ہے؟
- خواتین کے حقوق
- مرد فطری طور پر حاکم ہے
- مادام بوائر کی تحریک --- اور پھر اس کی تحقیق
- مرد و عورت کا فرق پیدائشی اور فطری ہے
- مرد عقلی طور پر برتر ہے
- واقعتاً مرد نگران ہے گھر کا
- مرد مالی بوجھ برداشت کرتا ہے
- کیا عورت گھر کی سربراہ ہو سکتی ہے؟
- قوام ہونے کے تقاضے
- مغرب میں بھی مرد ہی گھر کا حاکم ہے
- مہم آزادی نسواں کی بانی خواتین کا رد عمل

گھریلو نظم میں مرد کی سربراہی

اسلام نظم وضبط کا بہت قائل ہے۔ جب دو آدمی سفر پر نکلیں تو حکم یہ ہے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں تاکہ سفر کے جملہ انتظامات اور پالیسی اس امیر کے فیصلے کے تابع ہو اور سفر میں کوئی بد نظمی پیدا نہ ہونے پائے۔

جو دین ایک چھوٹے سے سفر میں ایک امیر چن لینے کا حکم دے رہا ہے' وہ زندگی کے لمبے سفر میں زوجین میں سے کسی ایک کو سربراہ کیوں نہ بنائے گا!

□ تمدن کی بنیاد: کسی بھی تمدن کی بنیاد گھر ہے۔ یہ معاشرہ کا بنیادی یونٹ ہے' جہاں انسان پیدا ہوتا اور پلتا بڑھتا ہے۔ معاشرہ کے استحکام اور مضبوطی کے لئے لازمی ہے کہ اس کا بنیادی یونٹ بھی مضبوط و مستحکم ہو' وہاں ہر کام نظم وضبط سے ہوتا ہو' گھر کا ایک سربراہ ہو اور گھر کی پوری پالیسی اس کے فیصلے کے تابع ہو۔ یہ ایک دو دن کی بات نہیں' یہ تو زندگی بھر کا سفر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس زندگی بھر کے سفر میں سربراہ خانہ بننے کا حق دار کون ہے؟ قرآن حکیم اس بارے میں بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ مرد ہی سربراہ خاندان ہے۔ اپنی فطری اور جسمانی صلاحیتوں کی بناء پر مرد ہی اس بات کا مستحق بنتا ہے۔ مرد کی قوامیت یا حاکمیت کو سمجھنے سے پہلے اسلام کے خاندانی نظام کی ترکیب کو سمجھنا ضروری ہے:

□ زوجین کا تعلق الفت اور محبت کا تعلق ہے: دین فطرت نے میاں بیوی کا باہمی تعلق الفت اور محبت کی بنیاد پر استوار کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ اٰيَاتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الروم:21)

"اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔ یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔"

لِتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا (الروم:21) کا مفہوم
(تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو)

اللہ رب العزت نے اس آیت قرآنی میں چند امور واضح فرما دیئے ہیں:

(1) عورت مرد کے سکون کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

(2) خالق کائنات نے عورت کو مرد کا معاون و مشیر بنایا ہے اور مرد کو اس کا محافظ و وکیل' مرد کو اس سے ایک درجہ بلند رکھا ہے۔ اس فضیلت کے حصول میں مرد کی اپنی کسی خواہش یا کوشش کا کوئی دخل نہیں' یہ اس کی اپنی سکیم ہے جس کے تحت اس نے مرد و عورت میں یہ درجہ بندی کی ہے۔

(3) دونوں ہم جنس ہیں' اعمال خیر میں دونوں کا ثواب و اجر ایک جیسا ہے۔ دونوں ایک جیسے جذبات' احساسات اور بشری احتیاجات رکھتے ہیں' مگر خلافت کا فریضہ انجام دینے والا اور تمدن کا اصل کارپرداز مرد ہی ہے اور عورت ہر جگہ اس کی معاون و مشیر ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو بدست خود پیدا فرمایا مگر اماں حوا کو ان کی پسلی سے۔

(5) مرد دن بھر کام کاج کرنے کے بعد رات کو گھر آئے' آگے اس کو عورت خندہ پیشانی سے استقبال کرنے والی مل جائے تو اسے یک گونہ سکون ملتا ہے اور اس کی ساری تھکن دور ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر عورت گھر میں نہ ہو تو اس کا مزاج بگڑ کر رہ جاتا ہے۔

(6) جس مرد کی تربیت میں جتنا زیادہ عورت کا ہاتھ ہو' اتنا ہی آسودہ فطرت' مطمئن اور اپنے کام کو زیادہ اچھے طریقے سے انجام دینے والا ہو گا۔ جس مرد کو بچپن میں ماں (یا بہن) کے دست لطف و محبت نے نہیں چھوا اس کی تربیت خام اور ناقص رہ جاتی ہے' وہ مسلسل احساس محرومی و کمتری کا شکار رہتا ہے' بسا اوقات وہ کرخت مزاج' غصیلا اور ابنارمل بن جاتا ہے بلکہ بعض ایسے بچے تو جرائم پیشہ بن کر نکلتے ہیں۔

(7) دوران کام میں اگر مرد کو کوئی الجھن یا دشواری پیش آئے تو وہ گھر آ کر بیوی سے مشورہ کرتا ہے۔ پھر دونوں باہمی مشورہ سے اس کا بہتر حل نکال لیتے ہیں' اس طرح مرد کی دماغی کشمکش سکون و اطمینان میں بدل جاتی ہے۔

(8) عورت مرد ہی کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ یعنی مرد سے نسبت ہی اس کا تشخص ہے۔ مثلاً بنت فلاں اور فلاں کی اہلیہ' ام فلاں وغیرہ۔ وہ بادشاہ کے گھر میں چلی جائے تو ملکہ کہلائے گی' دھوبی کے گھر میں جائے گی تو دھوبن کہلائے گی' اسی طرح کسی چمار کے گھر میں جائے گی تو چمارن ہو گی اگرچہ وہ کسی بادشاہ کی بیٹی تھی' ماں باپ نے اسے شہزادیوں کی طرح پالا تھا مگر وہ اپنے شوہر ہی کی نسبت سے پہچانی جاتی ہے۔

(9) اللہ تعالیٰ نے اعمال خیر میں عورت کو ہر جگہ مرد ہی کی طرح مکلف بنایا ہے' ہر جگہ اجر و ثواب ان کے ذاتی اعمال پر ہی منحصر ہے۔ مگر تمدنی معاملات میں عورت مرد کے تابع ہی رکھی گئی ہے اور اسی سے تمدن صحیح چل سکتا ہے۔

(10) عورت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرد کی جنسی احتیاج کا جواب عورت ہی کے پاس رکھا ہے۔ ممتا کا جذبہ بھی عورت ہی کے پاس رکھا گیا ہے۔ اسی لئے جا بجا مرد کو عورت سے حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

صالح عورت کی ذمہ داریاں قرآن کریم کی روشنی میں:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (النساء:34)

"پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں۔ وہ مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔" پھر اس آیت کی وضاحت کئی احادیث سے ہوتی ہے۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جس میں آپؐ نے نیک اور صالح بیوی کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

اَلَّتِیْ تَسُرُّہٗ اِذَا نَظَرَ وَتُطِیْعُہٗ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُہٗ فِیْمَا یَکْرَہُ فِیْ نَفْسِھَا وَمَالِہٖ

(مسند احمد' نسائی)

"جب شوہر اسے دیکھے تو اسے خوش کرے' کوئی بات کہے تو اسے مان لے اور اپنے نفس اور شوہر کے معاملے میں وہ کام نہ کرے جس کو اس کا شوہر ناپسند کرتا ہے۔"

اسی طرح حدیث میں بہترین انسان اس کو کہا گیا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہترین ہے:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ (ترمذی)

"تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہوں۔" مرد و عورت کے باہمی محبت و الفت کی ایک لطیف مثال قرآن پاک میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ:187)

"وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔"

مراد یہ ہے کہ جس طرح جسم اور لباس آپس میں لازم و ملزوم ہیں اسی طرح میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ نہ عورت مرد سے بے نیاز ہو کر زندگی گزار سکتی ہے' نہ مرد عورت سے بے نیاز رہ سکتا ہے۔ دونوں کا گہرا باہمی تعلق ہے اور اسی گہرے باہمی تعلق کی درستی پر مثالی معاشرے کی تعمیر ممکن ہے۔

من تو شدم تو من شدی من جان شدم تو تن شدی
تاکس نہ نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

مرد خاندان کا سربراہ کیوں ہے؟

باوجودیکہ میاں بیوی دونوں کا باہمی تعلق محبت والفت کا ہے' مگر گھر کے ادارہ کو کامیابی سے تبھی چلایا جاسکتا ہے جب اس کا سربراہ انتظامی قابلیت رکھتا ہو۔ فطری صلاحیت' قوت وطاقت کے لحاظ سے اپنے منصب کو سنبھالنے کا اہل ہو' اہل خانہ کی جملہ مادی وروحانی ضروریات کا کفیل ہو۔ چنانچہ اپنی فطری صلاحیت کی بناء پر مرد ہی اہل ہے کہ یہ منصب اس کو دیا جائے۔ لہٰذا اسلام نے بھی گھر کا سربراہ مرد کو ہی بنایا ہے تاکہ گھر کے ادارے ٹھیک ٹھاک طریقے سے چلتے رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (النساء:34)

"مرد عورتوں کے محافظ ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

"قوام" سے کیا مراد ہے؟

"قوامون" کا لفظ جمع ہے' اس کا واحد "قوام" ہے۔ قوام کا مطلب ہے کسی کی حفاظت ونگرانی کرنے والا' بندوبست کرنے والا۔ مثلاً قرآن پاک کا ارشاد ہے: **کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ** کہ انصاف کے محافظ بن جاؤ (یعنی انصاف کا بہت خیال کرو) تو پھر مراد یہ ہے کہ مرد عورتوں کے محافظ ہیں' اخلاق اور معاملات کے نگران ہیں' گھر کے سربراہ ہیں۔ لیکن مرد کو گھر کا سربراہ بنانے کا یہ مطلب نہیں کہ عورت اس کی غلام ہے' وہ حاکم ہے اور عورت محکوم ہے بلکہ قرآن پاک نے وضاحت فرمادی ہے:

خواتین کے حقوق:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرہ:228)

"عورتوں کے لئے بھی اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان کی دستور کے مطابق ذمہ داریاں ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے۔" مرد کا یہ ایک زائد درجہ انتظامی سربراہ کا درجہ ہی تو ہے۔ یہی مغرب کے نظریہ مساوات مرد وزن کو رد کر دیتا ہے' جو مرد اور عورت کو ہر معاملے میں برابر قرار دینے کا علمبردار ہے۔

مرد فطری طور پر حاکم ہے:

حاکمیت کا جذبہ مردوں میں فطری طور پر موجود ہے۔ مرد ہر حال میں چاہتے ہیں کہ عورت اس کی اطاعت گزار ہو خواہ وہ بیوی ہو' بہن ہو بلکہ ماں ہو تب بھی اسے بیٹے کا فرمانبردار ہی ہونا چاہئے۔ یہ چیز برصغیر پاک وہند میں تو بہت زیادہ

پائی جاتی ہے۔ جب تک عورت اپنے شوہر کی بات مانتی رہے' اس کے کہنے پر رات کو دن کہہ دے اور اس کی اطاعت گزاری میں دن کو رات کہہ دے' تب تک مرد اس سے راضی ہے اور گھریلو امور بخیر و خوبی چلتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر عورت کسی معقول بات کا معقول طریقے سے بھی جواب دے دے' عموماً مرد کی مردانہ غیرت جاگ اٹھتی ہے کہ تو عورت ہو کر مجھے جواب دیتی ہے۔ معاملہ ڈانٹ ڈپٹ بلکہ مار پیٹ تک جا پہنچتا ہے۔① عورت چونکہ مرد کے مقابلے میں جسمانی طور پر کمزور واقع ہوئی ہے' لہٰذا عورتوں پر مردوں کے جسمانی تشدد میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں رہتی۔ یہ امر واقعی ہے کہ آج کے مہذب اور ترقی یافتہ مغرب میں بھی عورتیں اسی طرح پٹتی اور مردوں کا تشدد سہتی ہیں۔ اگر وہ آگے سے مزاحمت کرتی ہیں تو مرد اور غصے میں انہیں مارتے ہیں بلکہ مغرب میں تو اکثر سنگین قسم کی مار پیٹ بلکہ موت تک اس وقت واقع ہوتی ہے جب عورت آگے سے مزاحمت کرنا یا بھاگ جانا چاہتی ہے۔ مغرب کے دور قدیم میں اتنے وسیع پیمانے پر عورت کو مار پیٹ نہیں ہوتی تھی' نہ ہی یہ کوئی بڑا مسئلہ تھا۔ مگر آج نظریہ مساوات مرد و زن کے تحت یہ اتنا پیچیدہ معاشرتی مسئلہ بن گیا ہے کہ اس مسئلہ پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مارچ 1987ء کے "ریڈرز ڈائجسٹ" نے اس مسئلے پر خوب تحقیق کی اور یہ نتیجہ سامنے آیا: "کوئی بھی تشدد کرنے والا آپ کو بتا سکتا ہے کہ اس نے عورت کو کیوں مارا؟ اس نے عورت پر غلبہ اور کنٹرول حاصل کرنا چاہا' وہ چاہتا ہے کہ اس کی مرضی چلے۔"

"He Wanted Control over her, he wanted his own way"

("ریڈرز ڈائجسٹ" مارچ 1987ء' صفحہ نمبر 140)

"دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت بھی کسی ایسی مرد کو پسند نہیں کرتی جو کمزور ہو اور وہ اس کو آسانی سے دبا لے' بلکہ ایسے مرد سے وہ نفرت کرتی ہے۔ وہ آج بھی اسی مرد میں کشش محسوس کرتی ہے جو جسمانی لحاظ سے تندرست و توانا اور مضبوط ہو۔ خود مغربی ممالک میں جہاں عورت اور مرد کو قانوناً مساوی حقوق مل چکے ہیں' وہاں بھی وہ مرد سے مغلوب ہو کر ہی خوشی محسوس کرتی ہے۔" ("اسلام اور جدید ذہن کے شبہات / شبہات حول الاسلام" سید قطب شہید' صفحہ 198)

انگریزی رسالہ "نیوزویک" (News Week) کی اشاعت مورخہ 18 مئی 1981ء میں ایک مفصل تحقیقی رپورٹ شائع ہوئی' اس تحقیق کا ملخص یہ ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مرد و عورت کا فرق پیدائشی اور فطری ہے۔ مرد مسائل کو حل کرنے میں زیادہ بہتر ثابت ہوتے ہیں' جبکہ عورتوں کی سوچ میں جذباتیت غالب ہوتی ہے۔ پھر مرد قوت اور بہادری میں عورتوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ مرد میں سختی' قوت اور عزیمت ہے جبکہ عورت میں نزاکت' لطافت اور نرمی ہے۔ ریاضی میں بھی مرد عورتوں کے مقابلے میں افضل ہیں۔ وہ کسی بھی مسئلے میں آگے بڑھ کر اقدام کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ان میں

قائدانہ صلاحیتیں عورتوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ دراصل عورت و مرد کے ہارمون ہی جدا جدا ہیں' وہی دونوں صنفوں میں فرق پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

پھر کچھ محققین نے مزید تحقیق کی غرض سے نر کے ہارمون کو مادہ کے جسم میں داخل کیا تو مادہ کے اندر نر کی خصوصیات محسوس کی جانے لگیں' یعنی کچھ لڑکیوں میں ولادت سے قبل مردانہ ہارمون داخل کئے گئے تو نتیجہ یہ نکلا کہ ان لڑکیوں میں گڑیوں سے کھیلنے کا شوق کم ہو گیا اور لڑکوں کی طرح لڑنا بھڑنا ان کے مزاج میں شامل ہو گیا۔②

پھر یہ فرق نر اور مادہ کے دماغی ہارمونز میں بھی محسوس کیا گیا ہے۔ عموماً مردوں کا دماغ عورتوں کے دماغ سے 100 گرام بڑا ہوتا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق عورت کا دل بھی چھوٹا ہے' پھیپھڑے اور جگر بھی مرد سے چھوٹے ہوتے ہیں۔

ان سارے حقائق کی مثالیں ہمیں روز مرہ زندگی میں عام ملتی ہیں۔ مرد معاش کے لئے بڑی دوڑ دھوپ کر سکتا ہے' صنعت و حرفت' زراعت اور دوسرے میدانوں میں مشکل اور محنت طلب کام کر سکتا ہے' شدائد کا مقابلہ کرنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے میں اس کی صلاحیت عورتوں سے بڑھ کر ہے۔ حتیٰ کہ وہ کام جو عورت ساری عمر کرتی رہتی ہے' مثلاً کھانا پکانا' سلائی کڑھائی وغیرہ ان میں بھی مرد زیادہ صلاحیت و قوت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ پھر خوشی و غم کو اگرچہ عورت بہت زیادہ محسوس کرتی ہے' مگر ان کی تصویر کشی مرد عورت کے مقابلے میں بہت اچھی طرح کرتا ہے۔ چنانچہ ادب' آرٹ' شاعری وغیرہ میں مرد کی صلاحیتیں عورتوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔

مادام بوائر کی تحریک---اور پھر تحقیق

عورت کی فطری خصوصیات اور مستقل رجحانات کے بارے میں سب سے دلچسپ کام ایک فرانسیسی خاتون مادام بوائر نے کیا ہے۔ موصوفہ کا شمار بیسویں صدی کی تحریک آزادی نسواں کی صف اول کی خواتین میں ہوتا ہے۔ "سیکنڈ سیکس" کے نام سے اس کی معرکتہ الاراء تصنیف دنیا بھر میں آزادی پسند خواتین کے نقطہ نظر کی بہترین ترجمان ہے۔

اس کی آئیڈیل عورت کا منتہائے مقصود شادی نہیں۔ شادی تو ثانوی حیثیت رکھتی ہے' وہ اولین اہمیت عورت کی انفرادی آزادی کے تحفظ کو دیتی ہے۔ شادی تو اس کے نزدیک آزادی کو رہن رکھنے

کے مترادف ہے۔ اس کے نزدیک منکوحہ عورت اور بازاری عورت دونوں میں یہ فرق ہے کہ منکوحہ عورت اپنے جسم کا سودا ایک مرد سے زندگی میں ایک بار کرتی ہے جبکہ بازاری عورت ایسے سودے بار بار مختلف مردوں سے کرتی ہے۔ قدر مشترک البتہ دونوں میں ایک ہی ہے اور وہ ہے جسم کا سودا! زن بازاری کو گھر گھر ہستی پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ وہ صرف اپنے جسم کا سودا کرتی ہے جبکہ خاتون خانہ جسم فروشی کے ساتھ ساتھ روح کا سودا بھی کر لیتی ہے۔ اپنی دولت کا سہارا لیکر مرد اس سے سب کچھ چھین لیتا ہے۔ مادام بوائر کو ایسی عورتوں سے سخت چڑ ہے جو اپنا تشخص مرد سے ڈھونڈتی ہیں' اس کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں اور جن کی اپنی حیثیت اضافی ہے۔

(عورت کی نفسیات' صفحہ 150' از: ایم۔ اے ملک)

مردوں کے بنائے ہوئے قوانین پر اسے ذرا اعتبار نہیں کیونکہ مرد عیار ہے' ہمیشہ اپنے فائدے کی سوچتا ہے۔ اس کے وضع کردہ قوانین خواتین کے بارے میں یک طرفہ ہیں' تعصب' خود غرضی اور جانبداری پر مبنی۔ وہ بظاہر عورت کے بھلے کی بات کرتا ہے مگر بباطن اس میں اس کی اپنی ہی بھلائی کا کوئی پہلو پوشیدہ ہوتا ہے' وہ اپنے آپ کو ہمیشہ سچا سمجھتا ہے' وحشیانہ قوت سے کام لیتا ہے۔ وہ عورت سے پاک دامنی کی توقع رکھتا ہے جبکہ اس کا اپنا دامن عصیاں تار تار ہے۔

(عورت کی نفسیات' صفحہ 151' از: ایم۔ اے ملک)

مادام بوائر کے نزدیک اگرچہ مرد و عورت الگ الگ جسمانی ساخت اور خصوصیات رکھتے ہیں مگر یہ فرق فروعی' سطحی اور عارضی ہے۔ جب مرد عورت کے بغیر اپنا تشخص رکھتا ہے تو عورت کیوں مردانہ سہارے کی محتاج ہے؟ وہ کیوں نہیں اپنا الگ تشخص قائم کرتی؟ کیا وہ مکمل انسان نہیں---؟

(ایضا' صفحہ 150)

لیکن آگے چل کر یہی مادام بوائر یہ لکھنے پر مجبور ہو جاتی ہے:

"عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ کمزور اور اعصابی قوت میں کمتر ہے' خون کے سرخ ذرات کی مقدار بھی اس میں کم ہے' پھیپھڑوں کی قوت بھی زیادہ نہیں۔ وہ بھاگنے میں بھی ست رفتار ہے' وزن بھی کم اٹھا سکتی ہے۔ شاید ہی کسی کھیل میں مرد کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ لڑائی میں تو اس کے سامنے بالکل نہیں ٹھہر سکتی۔ اس میں عزم و استقلال کا فقدان ہے جو عظیم منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ازبس ضروری ہے---

مرد قد و قامت اور جثے میں بھی بڑا اور وزنی ہے' مضبوط اور سبک رفتار ہے' پٹھوں کی قوت عورت سے ایک تہائی زیادہ رکھتا ہے' دماغ کا سائز بھی نسبتاً اس کا بڑا ہے۔ طبعاً" آزاد منش اور حرکات و سکنات میں جرات مند اور غصیلا ہے اور کنبے میں اس طرح اتراتا ہے جیسے دودھیالے جانوروں میں

ز---

عورت کے لئے (جوان ہوتے ہی) بن بلائے آلام (یعنی حیض' نفاس' حمل' زچگی وغیرہ) کا نزول اس کثرت سے ہونے لگتا ہے' گویا اس کا جسم اپنا نہیں پرایا ہے' وہ کچھ سہمی سہمی اور گھبرائی گھبرائی سی لگتی ہے۔ اذیت ناک درد سر' متلیاں' چکر' بلیڈنگ نہ جانے کیسے کیسے انجانے روگ اسے گھیرے رہتے ہیں۔" (صفحہ 155'154)

میری بوناپارٹ کو فرائیڈ نے ایک خط میں لکھا:

"تین سال کی تحقیق کے باوجود اس کا جواب مجھے نہیں مل سکا کہ آخر عورت کیا چاہتی ہے---؟ وہ کیوں مجموعہ اضداد ہے؟ مثلاً آزادی کی پرستار مگر عدم تحفظ سے خوفزدہ' حاکمانہ اختیار کی خواہاں مگر سکون و قرار بھی اسے مرد ہی کے زیر سایہ ملتا ہے' حفظ ناموس کے لئے جان کی بازی لگائے گی مگر زندگی کے عام حقائق سے سمجھوتہ کرلے گی۔"

اس کا جواب والٹر شوارز نے دیا ہے: "وہ صرف "دماغ" ہی نہیں "رحم" بھی رکھتی ہے' کئی رشتوں میں منقسم ہے۔ وہ کیا کرے؟ وہ ایک ماں بھی تو ہے۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری اس کا رحم ہے۔"

□ مرد عقلی طور پر برتر ہے: عورتوں میں انتظامی صلاحیت مردوں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے۔ پھر وہ حافظہ میں بھی مردوں سے کم ہیں۔ ان کی طبیعت میں اثر پذیری ہے۔ عورت بہت جلد ہر واقعہ کا اچھا یا برا اثر لیتی ہے اور پھر فوراً اس کے مطابق فیصلہ کر ڈالتی ہے بغیر سوچے سمجھے' جبکہ مرد فوراً متاثر نہیں ہوتا' بلکہ سوچ سمجھ کر تحمل کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور اس پر جم جاتا ہے۔ یہ عام تجربہ اور روزمرہ کے مشاہدہ میں آنے والی بات ہے کہ اکثر استعمال میں آنے والی چابیاں بھی بیشتر عورتوں سے گم ہوتی رہتی ہیں' آدھے سے زیادہ وقت انہی کو ڈھونڈنے میں لگ جاتا ہے پھر اپنی جلد بازی کی بناء پر جذبات سے مغلوب ہو کر فوراً کارروائی کرنا اور بعد میں مدت العمر اس پر پچھتانا عورتوں کی فطرت میں شامل ہے۔ "کاش! میں اپنا غصہ پی جاتی' ساس کو آگے سے جواب نہ دیتی تو کتنا اچھا ہوتا' اب پتہ نہیں انجام کیا ہو گا؟ ہائے! میں نے اپنے سارے زیور فلاں پیر کو کیوں دے دیئے؟ میں کیوں اس کی پارسائی سے دھوکہ کھا کر لٹ گئی؟ کچھ تو سوچ لیا ہوتا' اب زیور کیسے ملے گا؟ نمود و نمائش کی خاطر بیٹی کی شادی پر اتنا قرض تو لے لیا' اب ادائیگی کیسے ہو گی؟" یہ اور اس قسم کے بہت سے امور ثابت کرتے ہیں کہ اگر عورت کو خانگی نظم میں سربراہ کا مقام دیا جائے تو گھر کا ادارہ بگڑ کر رہ جائے۔ لہٰذا ایک عورت ہونے کی حیثیت سے میرا ایمان ہے کہ اللہ نے مرد کو گھر کا سربراہ بنا کر ہم عورتوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ میرا رب' میرا خالق' میرا ہمدرد' میرے فائدے کو مجھ سے بڑھ کر جاننے والا مہربان

مالک مجھ پر کتنا احسان فرما رہا ہے کہ میری کمزوریوں کا لحاظ کر کے وہ مجھے بہت سی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر رہا ہے۔

□ واقعتاً مرد نگران ہے گھر کا: کیونکہ جب شوہر گھر میں ہوتا ہے تو عورت رات کو بے فکر ہو کر گہری نیند سوتی ہے اور اگر وہ گھر میں نہ ہو تو ساری رات نیند میں وہ بےفکری پیدا نہیں ہو سکتی۔۔۔ جب باہر جانا ہو تو عورت ضرورت محسوس کرتی ہے کہ کوئی مرد ساتھ ضرور ہو چاہے دو تین سالہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

پھر عورت اکیلی زندگی نہیں گزار سکتی' ہمارے معاشرے میں اسی عورت کو مقام و مرتبہ حاصل ہے جس کا اپنا گھر ہے۔ رہی وہ عورت جو غیر شادی شدہ ہے' بوڑھی ہو جائے تب بھی کبھی بھائی کے گھر اور کبھی بہن کے گھر ماری ماری پھرتی ہے' اس کا اپنا کوئی گھر نہیں ہوتا۔ وہ کتنی ہی پڑھی لکھی ہو' ملازمت کر کے خود کمانے اور کھانے والی ہو بلکہ دوسروں کو بھی کھلانے والی ہو تب بھی ریٹائر ہوتے ہی ایسی خواتین بالکل بے آسرا و بے آستانہ رہ جاتی ہیں۔ جب کوئی بات کرے تو یہی کرے گا: "بیچاری کیا کرے' کہاں رہے؟ اب مارے مارے پھرنا ہی اس کا مقدر بن کر رہ گیا ہے وغیرہ۔"

□ مرد مالی بوجھ برداشت کرتا ہے: قرآن پاک نے **وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ** کہہ کر اشارہ کر دیا ہے کہ اسلامی قانون کے تحت مرد پر عورت کا مہر' اس کا مکمل خرچہ' اس کے لئے لباس و رہائش کا بندوبست کرنا' دوا دارو پر خرچ کرنا واجب ہے۔ اللہ کا کتنا احسان ہے کہ عورت معاشی فکروں سے مکمل طور پر آزاد ہے۔ اس کے گھر بیٹھے بٹھائے تمام اخراجات پورے ہوتے رہتے ہیں' لہٰذا مرد کو گھر کا سربراہ ہونا ہی چاہئے اور عورت کو اس کا شکر گزار ہونا چاہئے۔
مجھے اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ و سلم کا ایک فرمان یاد آ رہا ہے۔ آپؐ نے ایک دفعہ عید کے موقع پر خواتین کو الگ خطاب کیا۔ دوران خطاب میں آپؐ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّيْ اُرِيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ۔۔۔ الخ

"اے گروہ خواتین! تم صدقہ زیادہ دیا کرو۔ کیونکہ مجھے تم دوزخ میں زیادہ دکھائی گئی ہو" انہوں نے عرض کیا: "یارسولؐ اللہ! ایسا کیوں ہے؟" فرمایا: "ایک تو تم لعن طعن بہت زیادہ کرتی ہو' اپنے شوہر کی ناقدری کرتی ہو' میں نے تم سے زیادہ کسی کو دین اور عقل میں ناقص نہیں پایا۔" کہ "عقل مند" آدمی کی عقل کو زائل ہی کر دیتی ہو (یعنی مسلسل بتکرار کر کے مردوں کو اپنی غلط بات بھی ماننے پر مجبور کر دیتی ہو) پھر خواتین نے پوچھا: "یارسولؐ اللہ! ہمارے دین اور ہماری عقل کا نقصان کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "کیا عورت کی شہادت مرد کی آدھی شہادت کے برابر نہیں ہے؟" عرض کیا: "جی

ہاں"" فرمایا: "یہ تو اس کی عقل کا نقصان ہو گیا۔ پھر جب اسے ایام آتے ہیں تو نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے' کیا ایسا نہیں ہے؟" "کیوں نہیں" انہوں نے عرض کیا۔ آپ ؐ نے فرمایا: "بس یہی اس کے دین کا نقصان ہے (کہ وہ ان دنوں میں ثواب سے محروم رہتی ہے)" (بخاری و مسلم)

مساوات مردوزن کے نظریہ کی قائل خواتین تو بے شک اس حدیث پر ناک بھوں چڑھائیں مگر حقیقت وہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان میں بتادی ہے کہ عورتوں کو اپنے شوہر کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے۔ ذرا سی تکلیف پہنچنے پر لعن طعن کرنے لگ جانا اور شوہر سے لڑائی جھگڑا شروع کر دینا مسلمان عورتوں کا شیوہ نہیں ہے۔ رسول ؐ کی فرمانبرداری کے بعد عورت کے لئے اپنے شوہر کی فرمانبرداری لازم ہے۔ ہاں! اگر وہ کسی گناہ کا مرتکب ہونے کو کہے جس کو دین نے منع کیا ہے تو اس وقت اس کی فرمانبرداری نہیں کی جائے گی۔

❑ کیا عورت گھر کی سربراہ ہو سکتی ہے؟

مندرجہ ذیل بحث سے واضح ہوتا ہے کہ گھر کا سربراہ بننے کے لئے مرد ہی موزوں ہے' عورت عقلی' علمی اور جسمانی ہر لحاظ سے مرد سے کمتر ہے' علاوہ ازیں ایک اہم وجہ مرد کا مالی بوجھ اٹھانا بھی ہے۔ یہاں اعتراض اٹھایا جاسکتا ہے کہ اب تو خواتین معاشی لحاظ سے خود کفیل ہو رہی ہیں' اس لئے وہ کیوں مرد کو اپنے سے برتر اور اپنا سربراہ مانیں؟ تو جواب یہ ہے کہ صرف معاش ہی زندگی میں فیصلہ کن امر نہیں ہے۔ عورت جذباتی لحاظ سے سہارے کی محتاج ہے۔ پھر بچوں کی معاش' ان کی نگہداشت' تعلیم و تربیت' شادی بیاہ' خاندان کے ساتھ تعلقات اور دیگر مختلف مسائل ہیں جو سربراہ خاندان کو حل کرنے ہوتے ہیں۔ کمانے والی عورت کیا یہ مسائل بھی حل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ہمارے ملک میں کمانے والی عورتوں کا تناسب کتنے فیصد ہے؟ بیشک مسلم معاشرے میں کمانے والی عورتیں بھی رہی ہیں' آج بھی ہیں اور آئندہ بھی ہوں گی' مگر بات صرف کمانے والی یا معاشی طور پر مضبوط خواتین کی نہیں ہو رہی' بات تو پورے طبقۂ اناث کی ہے اور پھر کمانے والی عورتیں بھی قسم کھا کر بتائیں کہ کیا وہ اپنی ضروریات کے لئے شوہر سے بے نیاز ہو سکتی ہیں؟

اصل حقیقت یہی ہے کہ عورت کو اپنی فطری کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ و رسول ؐ کے فرمان کے مطابق شوہر کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ اس کی سربراہی کو دل سے تسلیم کرکے اس کی خدمت اور اطاعت کرنی چاہئے۔ جب وہ ذاتی زندگی میں کسی لمحہ بھی (بیٹی ہو یا بیوی) مرد سے بے نیاز نہیں ہو سکتی' تو حقیقت کا انکار کرنے میں عار کیسی؟ مرد اپنی برتری کے باوجود یہ نہیں کہتا کہ وہ عورت سے بے نیاز ہے' تو پھر عورتوں کو ہی ایسی کونسی افتاد آن پڑی ہے کہ وہ مساوات کے چکر میں خوار ہو رہی ہیں!

"قوام" ہونے کے تقاضے:

یہاں ضمناً ایک اور بحث ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلام نے خانگی نظم میں مرد کو قوام بنایا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مرد حاکم ہے اور عورت محکوم، مرد آقا ہے اور عورت کنیز، بلکہ اس کو اپنے گھروالوں سے حسن سلوک کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً فرمان نبوی ہے:

"تم میں سے کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے اور تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھروالوں کے حق میں بہتر ہے۔"

آپ کا ایک اور فرمان ہے: **خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي** "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھروالوں کے حق میں بہتر ہوں۔" (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ) گویا نبی پاک نے مرد کے صالح اور کامل ایمان والا ہونے کی علامت یہ بتائی ہے کہ بیوی کے ساتھ اس کا سلوک اور رویہ اچھا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ بیشک مرد عورت کے لئے قوام ہے، مگر اس کے ساتھ مرد کا تعلق دوستی جیسا ہے لہٰذا یہ نرا آقا و کنیز والا تعلق نہیں۔ اس دوستی کے کچھ آداب اور تقاضے ہیں، اس تعلق میں مرد عورتوں کی ناز برداری بھی کرتے ہیں جس کو حاکم ہونے کے خلاف نہیں کہا جاسکتا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارک یہی ہے۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو، دونوں حالتوں کا مجھے علم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: "یارسول اللہ! آپ کو کس طرح علم ہو جاتا ہے؟" آپ نے فرمایا:

"جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو "**ورب محمد**" (محمد کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو **ورب ابراھیم** (ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو۔ اس وقت تم میرا نام نہیں لیتی بلکہ حضرت ابراہیم کا نام لیتی ہو۔" حضرت عائشہ نے فرمایا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں، آپ کے نام کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑتی۔" اندازہ کیجئے کہ ناراض کون ہو رہا ہے؟ حضرت عائشہ جو اتنی کم سن ہیں۔ اور ناراض کس سے ہو رہی ہیں؟ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ اس طرح ناز و ادا کے ساتھ کوئی بات فرما دیتی تھیں جس سے آپ کو معلوم ہو جاتا کہ وہ کچھ ناراض ہیں مگر آپ نے کبھی ان کے اس طرز عمل کو اپنی قوامیت کے خلاف نہ سمجھا، بلکہ خوش طبعی کے ساتھ فرمایا کہ مجھے تمہاری ناراضگی کا علم ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اسی طرح ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کے ہنسی مذاق، حسن سلوک، دلداری اور دلجوئی کے بے شمار واقعات کتب سیر میں ملتے ہیں، باوجودیکہ آپ کی ذمہ داری بڑی گراں بہا تھی یعنی پوری مخلوق تک اللہ کا پیغام پہنچانا۔

بعض مردوں کی یہ عادت ہے کہ بیوی کے ساتھ ان کا معاملہ تنگ دلی اور گھٹن والا ہوتا ہے' بیوی کے سلسلے میں ان میں کشادہ دلی نہیں پائی جاتی۔ گھر میں آئیں تو ایسے منہ پر تیوری چڑھائی ہوتی ہے کہ بیوی بچے دیکھ کر سہم جائیں۔ یہ شیوہ اسوہ نبویؐ کے بالکل برعکس ہے۔ عورتوں کے حقوق مرد کو ادا کرنا لازمی ہے۔ وہ اگر ان کو ادا نہیں کرے گا تو اللہ کے ہاں روز قیامت جوابدہ ہو گا' اور عورتوں کے یہ حقوق کیوں نہ ہوں؟ اس لئے کہ دونوں کا مادہ تخلیق ایک جیسا ہے' دونوں کے جذبات اور دونوں کی فطرت ایک جیسی ہے۔ اگر مرد کو راحت و آرام کی ضرورت ہے تو عورت بھی بے حس نہیں ہے' اگر مرد اپنی عزت اور انا کا بہت خیال رکھتا ہے تو عورت بھی اپنی بے عزتی' رسوائی اور توہین سے پریشان اور افسردہ ہوتی ہے۔ اسی لئے تو اللہ رب العزت بار بار اہل ایمان کو توجہ دلاتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (النساء:1)

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قرابتداری کا بھی خیال رکھو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی فرما رہا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بیک وقت تین باتیں بیان فرما رہا ہے:

(1) مرد و عورت دونوں کا رب ایک ہے۔ یہ نہیں کہ مرد کا رب بڑا رحیم ہے اور عورت کا رب بڑا ظالم۔

(2) نسل انسانی ایک ہے' مرد و عورت دونوں حضرت آدمؑ و حضرت حوا کی اولاد ہیں۔ لہٰذا جنس کی بنیاد پر مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں۔ نہ مرد برتر ہے نہ عورت کم تر۔

(3) مرد و عورت کے حقوق و فرائض بھی یکساں ہیں۔ یہ تصور کہ حقوق مرد کے حصے میں آتے ہیں اور فرائض کا بوجھ عورت کے کندھوں پر ڈالا جاتا ہے' ایک جاہلانہ تصور ہے' اسلام کی رو سے حقوق و فرائض کی ذمہ داری دونوں پر یکساں ڈالی گئی ہے۔ عورت کے باقاعدہ حقوق اللہ نے مقرر فرمائے ہیں جو مرد کو بہرصورت ادا کرنے ہیں۔ جب اللہ نے اس کو تمہارے لئے موجب سکون و راحت بنایا ہے' تمہارے اور اس کے درمیان محبت و رحمت کا رشتہ قائم کیا ہے۔ (روم:21) تو پھر لازم ہے کہ ایک دوسرے کی کمی' کوتاہی کو برداشت کرو۔ عورت کی سیرت میں' صورت میں "کوئی بھی عیب معلوم ہو تو تمہیں کیا خبر کہ جو شے تمہیں ناپسند ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی بڑی منفعت اور کوئی بڑی

مصلحت نہ رکھ دی ہو۔" (النساء:19) کہیں اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کے باہمی تعلق کی وضاحت هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ "وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو" (البقرہ:187) کہہ کر فرمائی ہے۔ لباس اور انسان میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ تمہارے لئے باعث زیب و زینت ہیں۔ وہ تمہارے اخلاق کی محافظ ہیں' تمہاری اولاد کی مائیں ہیں۔

مردانگی یہ نہیں کہ ایک آدمی مسلمان بھی ہو اور فخر کرتا پھرے کہ "جی! میں بیوی کو دبا کر رکھتا ہوں۔" نیک عورت تو نبی پاک ؐ کے فرمان کے مطابق "اللہ کی بخشی ہوئی بہترین نعمت ہے۔" اور اس فانی اور ناپائیدار "دنیا میں کوئی نعمت تقویٰ کے بعد نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔" اس نعمت کے ساتھ حسن سلوک کرنا' نرمی اور شفقت سے پیش آنا اور اگر ان سے کوئی غلطی و کوتاہی سرزد ہو جائے تو دینی خیر خواہی کی بنیاد پر ان کی اصلاح کرنا ضروری ہے۔

❑ کیا عورت اسلام میں دوسرے درجے کی شہری ہے؟

جدید تہذیب اور فرنگ زدہ مسلمان بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مغربی معاشرے تو عورت مرد کے درمیان مساویانہ حقوق کے قائل ہیں جبکہ اسلام عورتوں کو دوسرے درجے کا شہری قرار دیتا ہے۔

سوال یہ ہے اگر اسلامی معاشرے میں عورت دوسرے درجے کا شہری ہے تو پھر اسلام میں پہلے درجے کا حامل کون ہے؟ کیا مرد پہلے درجے کا حامل ہے؟ حقائق تو اس سے انکار کرتے ہیں یہ بات ٹھیک ہے کہ اسلام عورت و مرد کے درمیان چند بنیادی طبعی' نفسیاتی اور جسمانی اختلافات کی بنا پر ان پر الگ الگ ایسی ذمہ داریاں ڈالتا ہے جو ان کی طبعی و فطری مزاج سے میل کھاتی ہیں۔ اس کے علاوہ تو مرد و عورت اسلام کی نگاہ میں برابر ہیں۔ اگر عورت کو غض بصر کا حکم ہے تو مرد بھی اس حکم کا پابند ہے' اگر عورت کو اپنے جسم کو مناسب طریقے سے چھپانے کا حکم ہے تو یہ حکم مردوں کے لئے بھی ہے۔ اگر عورتوں کے لئے غیر محرم مردوں سے بے تکلفانہ ملنا ممنوع ہے' تو مردوں کے لئے بھی یہی حکم ہے' اگر مرد اپنی پسند سے شادی کر سکتا ہے تو عورت بھی ایسا کر سکتی ہے' اگر مرد کسی مجبوری کے باعث اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر سکتا ہے تو عورت بھی یہ حق رکھتی ہے۔ اگر مرد اپنے مال کا مالک ہے' تو عورت بھی اپنی ملکیت میں پورا اور مکمل تصرف رکھتی ہے' اگر مرد نیکی و تقویٰ کی بدولت اجر و ثواب کے اعلیٰ مدارج طے کر سکتا ہے تو عورت کے لئے بھی قرب الٰہی کا بلند مقام حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ بیٹی حقوق میں بیٹوں کے برابر مقام رکھتی ہے' بہن ہونے کی حیثیت سے وہ بھائی کی طرح اپنے حقوق کی مستحق ہے۔ ماں ہونے کی حیثیت سے وہ باپ سے تین گنا زیادہ مقام رکھتی ہے' البتہ بیوی ہونے کی حیثیت سے مرد کو اس پر ایک درجہ زائد حاصل ہے۔ مگر وہ انتظامی معاملات

کنٹرول کرنے کے لئے نہ کہ عورت کو دوسرے درجے کا شہری قرار دینے کے لئے۔

مغرب میں بھی مرد ہی گھر کا حاکم ہے:

مغربی معاشروں میں لمبی چوڑی تحریک نسواں چلنے کے باوجود آج بھی گھر (ٹوٹے پھوٹے جیسے بھی گھر ہیں) میں مرد ہی حاکم ہے۔ وہی اپنے گھر کی پالیسی طے کرتا ہے۔ پھر ملک کی پالیسیاں بھی مرد ہی طے کرتے ہیں۔ سول میں' فوج میں' ملازمتوں میں غرض ہر جگہ مرد ہی کا کنٹرول ہے۔ لہٰذا مغرب میں بھی خواتین اپنے نظریہ مساوات مرد و زن کا نئے زاویوں سے جائزہ لینے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ مگر ان کے نظریات میں ابھی تک ٹیڑھ موجود ہے' اب وہ ملازمت اور گھر دونوں میں اس طرح توازن پیدا کرنا چاہتی ہیں کہ اپنے مردوں کے ساتھ تصادم نہ ہو بلکہ ان کے ماتحت بن کر دونوں کام چلائیں۔ فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ وہ پہلے مردوں کو اپنا مدمقابل' فریق ثانی سمجھتی تھیں اور اب ان کے ساتھ موافقت کرنا چاہتی ہیں' لیکن معاملات ان کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں۔ مرد خود ان کے مدمقابل اور حریف بن چکے ہیں۔ اس لئے یہ بحث کہ مرد افضل ہے کہ عورت؟ یا دونوں برابر ہیں' سرے سے غلط ہے۔ جہاں کہیں عورتوں نے فطرت کی عطا کی ہوئی ذمہ داریوں سے گریز کرتے ہوئے مرد بننا چاہا' چاہے سڑکوں پر گھومیں' ہوائی جہاز اڑائیں' جج اور وکیل بنیں' عمر بھر شادی نہ کریں' مرد کے مساوی بننے کے شوق میں مسلسل اپنے شوہروں کو طلاق دیتی چلی جائیں' جوانی سے قبر تک برتھ کنٹرول کرتی چلی جائیں' مرد بننے کے لئے جو کچھ چاہیں کریں' کوئی مرد ان پر رشک کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ بلکہ ان سب حرکتوں سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہیں اور جتنا زیادہ وہ برتری کا اظہار کریں گی اسی حساب سے ان کے اندرونی احساس کمتری کا اندازہ ہوتا جاتا ہے۔ لہٰذا صحیح راہ یہی ہے کہ وہ مردوں کے ماتحت رہیں اور ان کے ساتھ موافقت سے اپنے معاملات چلائیں یعنی فطری ذمہ داریاں ادا کریں۔ چنانچہ اب مغرب کی دانشور خواتین جو خود کچھ عرصہ پہلے مساوات مرد و زن کے نظریہ کی شدت سے قائل تھیں' اپنے نظریات سے رجوع کرتے ہوئے خواتین کو گھروں میں واپس لوٹ آنے کے مشورے دے رہی ہیں۔

بے ٹی فریڈن (آزادی نسواں کی بہت بڑی علمبردار) نے 1963ء میں دی فیمنین مسٹک "The Feminine Mystique" نامی ایک کتاب لکھی تھی۔ اب خود ہی اپنے پرانے خیالات کی تردید میں اس نے ایک اور کتاب لکھی ہے: دوسری سٹیج "The Second Stage" اس میں وہ لکھتی ہے:

"اب میں نے وہ سب کچھ سننا شروع کر دیا ہے جسے پہلے سننے کی میں روادار نہ تھی۔ اب میں ان عورتوں کے خوف اور ان کے احساسات کی آواز سننے لگی ہوں جو ہماری تحریک کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتی تھیں۔۔۔ اب عورت کی نجات کی تحریک کا پہلا مرحلہ ختم ہو گیا۔ ہم نے کچھ انقلابی نعرے دیئے

تھے اور ان کا اثر بھی پڑا تھا۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ ہم مرد اور عورت کے باہمی تعلقات میں خاندان اور کیریئر کے درمیان توازن پیدا کریں--- پہلے ہم کیریئر کو خاندان اور مادرانہ ذمہ داریوں پر ترجیح دیتے تھے---

اب وقت ہے کہ ہم ان نظریات سے رجوع کرلیں۔ مرد ہمارے محبوب ہیں' ہمارے ہمدرد' ہمارے معاون' ہمارے دوست' ہمارے بیٹے۔ ہاں! کبھی کبھی ہمارے دشمن بھی ہیں اور جو دشمن ہیں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا۔ مگر جو ہمارے ہمدرد اور غمگسار ہیں ان کے ساتھ مل کر ایک ایسے سماج' ایک ایسے ماحول اور ایسے نظام کو تشکیل دینا ہوگا جو سب کے لئے' مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے باعث رحمت ہو--- اب ہمیں وہ مرحلہ شروع کرنا ہوگا جو کیریئر اور گھریلو زندگی دونوں کی ضرورتوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے گا۔"

اسی طرح ایک اور خاتون جرمن گیریئر نے 1970ء میں کتاب The Female Unique. (دی فیمیل یونیک) لکھی مساوات مردوزن کے حق میں' مگر یہی خاتون اپنی تازہ ترین کتاب "سیکس اینڈ ڈسٹنی" (Sex and Destiny) میں اپنے پرانے نظریات سے رجوع کرتے ہوئے لکھتی ہے:

"وقت آگیا ہے کہ ہم جائزہ لیں کہ ہم نے کیا کچھ کھویا اور کیا کچھ پایا ہے؟ ہمیں اپنے وجود کی بنیادی حقیقت کو پہچاننا اور نئے پیش آمدہ سوالوں کے جواب تلاش کرنے ہیں۔ ان نئے سوالوں اور بنیادی ضرورتوں کا تعلق عورت کی اپنی ذاتی شناخت' اس کے وقار اور خاندان کے ساتھ اس کے تعلقات سے ہے۔"

اس طرح اسلام مرد کو گھر کا حاکم بناتا ہے' گھر کی زیادہ ذمہ داریاں اس کے سر پر ڈالتا ہے اور عورت کے مادرانہ وظائف اور گھریلو ذمہ داریوں کو بنظر استحسان دیکھتا ہے۔ عورت کو عورت کی حیثیت سے معاشرے میں عزت و وقار اور احترام دیتا ہے۔ اس کی ناموس کو تحفظ دیتا ہے جبکہ یہ جدید مغربی خواتین مردوں کو گھروں میں حاکم سمجھنے پر بھی اپنے آپ کو مجبور پا رہی ہیں۔ ان کے مقابلے میں دوگنا کام بھی کر رہی ہیں جبکہ ان کی عصمت و عفت کے آبگینے بھی چور چور ہو رہے ہیں' معاشرے میں عزت و وقار بھی نہیں رہا۔ تو پھر کیا مسلمان خواتین کے لئے یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے احسانات پر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں اور برضا و رغبت اپنے مالک کے دیئے ہوئے عائلی نظام کے مطابق شوہروں کی قدر کرتے ہوئے مادرانہ وظائف اور خانگی ذمہ داریاں ادا کریں! بار بار یہ آیت پڑھنے کو جی چاہتا ہے گویا یہ آیت ہم مسلمان خواتین کو ہی مخاطب کرکے کہی گئی ہے: **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** (سورہ الرحمان) "تم اپنے رب کی کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

---

① برصغیر ہندو پاک میں اور مغرب میں ہر جگہ' مردانہ رعب داب کا یہی حال ہے البتہ مسلم علاقوں میں

اسلام کی دی گئی تعلیم اور تربیت کی وجہ سے عورتوں سے عموماً حسن سلوک کیا جاتا ہے 'گو بعض مسلمان بھی جہالت کی بناء پر اپنی خواتین سے ایسا ہی تشدد کرتے ہیں مگر عموماً مسلمان مرد ممکن حد تک اسلامی معاشرتی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

① مائیں یہ بات بڑی اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ لڑکیاں ابتدا ہی سے صلح کل ہوتی ہیں' ان کی پرورش لڑکوں کے مقابلے میں بڑی آسان ہوتی ہے جبکہ لڑکے شروع ہی سے مارکٹائی کے عادی ہوتے ہیں' وہ مستقل طور پر بڑی بہنوں کو بھی دبائے رکھتے ہیں۔

5

عورت کا مقصد وجود

والمراة راعية على بيت زوجها وولده وهى مسئولة عنهم —— فرمان نبویؐ (صحیح بخاری، کتاب الجمعہ)

ترجمہ:۔ "عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران بنائی گئی ہے اور (روز قیامت) اس سے اس کے بارے میں بازپرس ہوگی۔"

* عورت کی فطری ساخت
* گھریلو زندگی کی تباہی
* عورت پر دوہرا بوجھ
* عورت کا گھر چھوڑنا معاشرے کا زوال ہے
* اسلام میں عورت کا کردار
* مادرانہ وظائف پر اجر و ثواب
* یہ ثواب عظیم' یہ مراتب عالیہ
* گھریلو ذمہ داریاں ادا نہ کرنا گناہ ہے
* بچوں کی تربیت دنیا کا اہم ترین کام ہے
* گھر میں عورت کی غیر موجودگی سے پیدا ہونے والا خلا
* تجزیہ
* "بچے دو ہی اچھے"
* دیندار مسلم خواتین کا فرض

عورت کا مقصد وجود

ایک مسلمان مفکر یوں رقمطراز ہیں:

"حیاتیات' عضویات' نفسیات اور عمرانیات کے تمام علوم اس امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ بچے جننے اور پالنے کی خدمت کا عورت کے سپرد ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا فیصلہ خود فطرت نے کر دیا ہے۔ کسی مصنوعی تدبیر میں یہ طاقت نہیں کہ فطرت کے اس فیصلے کو بدل سکے۔ جو معاشرہ اس فطری تقسیم عمل کو بدلنے کی کوشش کرے گا' خود مٹ جائے گا۔ عورت اپنی افتادِ طبع اور اپنی فطری ساخت کے خلاف اگر کوشش کرے تو کسی نہ کسی حد تک مرد کے کاموں کا بوجھ سنبھال لے جائے گی لیکن مرد کسی طرح بھی بچے جننے اور پالنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔

تمام دنیا کے مرد چاہے کتنا ہی سر مار لیں وہ اپنی پوری صنف میں ایک معمولی درجہ کی ماں بھی پیدا نہیں کر سکتے' علم الحیات کی رو سے عورت ہی کو بچہ کی پیدائش اور پرورش کے لئے بنایا گیا ہے---

(عورت کی نفسیات' صفحہ 131' از: ایم۔ اے ملک)

بقائے نسل کا فریضہ اور ذمہ داری قدرت نے عورت پر ڈالی ہے۔ لہٰذا اس کے جسم کی ساخت بھی اسی طرح بنائی گئی ہے۔ بنیادی خلئے سے ہی عورت و مرد کا حیاتیاتی و نفسیاتی فرق واضح ہونے لگتا ہے۔ مرد کے ہارمونز الگ ہیں جبکہ عورت کے ہارمونز مختلف ہیں' یہ انسانی صنفوں کا فطری اختلاف ہے۔ ایک مغربی مفکر کوولڈ شواز (Qowald Schwarz) رقمطراز ہے' اس کی کتاب کا نام ہی "نفسیات جنس" ہے:

"عورت کے نظام جسمانی کا ایک بڑا شعبہ خاص طور پر حمل کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ اگر کسی عورت کو اس کی جسمانی اور ذہنی ساخت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے روک دیا جائے تو وہ مرجھا کر رہ جاتی ہے جبکہ ماں بن کر وہ ایک تازہ اور دوامی جمال حاصل کرتی ہے--- اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مردانہ شخصیت عورت سے انتہائی مختلف ہے' یہ سمجھنا مشکل بھی نہیں کہ ایسا کیوں ہے؟ دونوں میں سے ہر صنف کی ساخت بنیادی طور پر جداگانہ نوعیت رکھتی ہے---"

پھر وہ اپنی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے: "ہمارے جسم کا ہر عضو اپنا تقاضا پورا کرنا

چاہتا ہے۔ اگر اسے اس سے روکا جائے تو پورا جسمانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ عورت کے عورت ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے ہاں بچہ ہو۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کے اندر مادرانہ صفات ہیں' اس وجہ سے بھی نہیں کہ باہر سے اس پر اخلاقی فرض عائد کیا گیا ہے بلکہ اس کا اپنا عضویاتی نظام بنا ہی اس بات کے لئے ہے کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہو' تو پھر عورت کو اس کے جسمانی و عضویاتی تقاضوں کو پورا کرنے سے روکنے کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ یہ محرومی عورت کی پوری شخصیت پر اپنا برا اثر ڈالے!"

اسی طرح ایک اور مغربی مفکر ایلیکس کارل (Alexis Carrel) جو فرانسیسی سرجن ہے اور جسے نوبل پرائز بھی مل چکا ہے' اپنی مشہور کتاب "Man the unknown" میں لکھتا ہے:

"بنیادی حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نسوانیت کی ترقی کے علمبردار یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ دونوں صنفوں کی ذمہ داریاں یکساں ہونی چاہئیں۔ درحقیقت عورت مرد سے انتہائی طور پر مختلف ہے۔ اس کے جسم کا ایک ایک خلیہ اپنی صنفیت کی مہر اپنے اوپر لئے ہوئے ہے' یہی حال اس کے اعضاء کا اور آگے بڑھ کر اس کے نظامِ اعصاب کا ہے--- لہٰذا عورتوں کو چاہئے کہ وہ مردوں کی نقالی چھوڑ کر اپنی مخصوص فطرت کے تقاضوں کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو نشوونما دیں---

خواتین اپنا کمال ارتقاء حمل کے بعد ہی حاصل کر سکتی ہیں۔ جن عورتوں کا کوئی بچہ نہیں وہ پوری طرح متوازن نہیں ہوتیں اور دوسروں کے مقابلے میں بہت زیادہ اعصابیت زدہ ہوتی ہیں۔"

پھر آگے چل کر وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ہے:

"عورت کو حمل سے نفرت دلانا ایک بیکار کوشش ہے۔ عورت کو یکساں تعلیم' ذہنی و جسمانی تربیت اور ویسی ہی امنگیں نہیں دینی چاہئیں جیسی لڑکوں کو دی جاتی ہیں' اساتذہ کو چاہئے کہ وہ مردانہ اور زنانہ ذہنی و جسمانی خصوصیات اور ان کے فطری تقاضوں کی طرف خصوصی توجہ دیں' کیونکہ ان خصوصیات کو پوری توجہ دینا ایک مہذب دنیا کی تعمیر کے لئے بہت ضروری ہے۔"

چیخ چیخ کر مغربی مفکر اب عورت کو توجہ دلا رہے ہیں کہ تمہارا اصل مقام گھر ہے' بچہ ہے' شوہر ہے۔ ایک اور مفکر Anthony. M. Ludovici کا کہنا ہے: "عورت کے لئے لازم ہے کہ وہ ازدواجی زندگی کے مقابلے میں ہر دوسری چیز کو ثانوی حیثیت دے۔ ایسے لوگ جو تجرد کو غلط رنگ میں پیش کر کے عورت کو اس کی طرف دعوت دیتے ہیں اور پھر ترغیب دلاتے ہیں کہ اس کے لئے مادریت سے بڑھ کر یا اس کے ہم پلہ کوئی اور ذمہ داری بھی ہے' وہ نہ صرف عورت بلکہ پوری نسل انسانی کے دشمن ہیں۔" ایک اور جگہ وہ عورت سے دشمنی کرنے والے نام نہاد ترقی پسندوں کو جھنجھوڑتا ہے:

"وہ تمام لوگ جو عورت کو فریب دیتے ہوئے مرد اور بچے کے معاملے میں اپنا بنیادی موقف درست

کئے بغیر عورت کو کسی طرح کی خوشی' اطمینان اور تسلی کا جھانسہ دلاتے ہیں' وہ جھوٹے' لپاٹیئے اور مجرم ہیں۔"

بچوں کی تربیت اور نگہداشت عورت کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ اس تربیت اطفال کے لئے جو نفسیاتی خصوصیات ضروری ہیں وہ اس میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ مسٹر ہیولاک ایلیس مشہور ماہر نفسیات اپنی کتاب "MAN AND WOMAN" (مرد و عورت) میں لکھتا ہے: "عورت دوسروں کی ہمدردی کے لئے تڑپتی ہے۔ اس میں خود مختاری کا جذبہ اتنا زیادہ نہیں ہوتا جتنا مردوں میں ہوتا ہے۔"

یہ تو ہوئی مغربی مفکروں کی شہادت! جنہوں نے اپنے ماحول اور گردوپیش کی مشکلات کو محسوس کیا اور گہرے غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ عورت کو اس کی بنیادی ذمہ داریوں سے ہٹا کر باہر نکالنا ان کے لئے کتنی الجھنوں کا باعث ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ ایک طرف گھر برباد ہوئے' دوسری طرف گھروں کی بربادی سے خود پورے معاشرہ کا زوال وانحطاط نمودار ہوگیا۔ تیسری طرف ان کی عددی نفری میں خوفناک کمی واقع ہوگئی۔ اب یہ مغربی مفکرین ودانشور بار بار اپنے ہموطنوں کو اصلاح احوال پر توجہ دلا رہے ہیں:

گھریلو زندگی کی تباہی: ملازمت چھوڑنا اور بچوں کے ساتھ گھر بیٹھنا مغربی عورت کے مزاج کے خلاف ہے۔ لہٰذا گھر ہوٹل یا محض تفریح گاہیں بن کر رہ گئے ہیں۔ ایک محقق WILL DURANT گھریلو زندگی کی تباہی پر بڑا پریشان ہے' وہ لکھتا ہے:

"عورت کو صنعت میں لانے کا قدرتی نتیجہ گھریلو زندگی کی تباہی ہے۔ تھوڑا تھوڑا کرکے اس کا پرانا اصل مشغلہ اس سے چرا لیا گیا ہے اور اب "گھر" دلچسپی سے خالی ہو کر رہ گیا ہے اور خود عورت بے مقصد اور بے اطمینان زندگی گزار رہی ہے' گھر جب اس طرح خالی ہو جائے کہ نہ اس میں کوئی کام کیا جاتا ہو اور نہ اس میں زندگی بستی ہو تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلنا تھا کہ مردوں اور عورتوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور وہ ادارہ جو دس ہزار سال سے برقرار تھا ایک ہی دور نسل میں تباہ ہوگیا۔" اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مغربی عورت جوانی میں عیش کرتی ہے' بڑھاپے میں پچھتاتی ہے۔ پھر وہ اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لئے کتے' بندر اور خرگوش پال کر اپنا دل بہلاتی ہے۔

عورت پر دوہرا بوجھ: مشہور مورخ آرنلڈ ٹائن بی "ورلڈ ریویو" مارچ 1949ء کے شمارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

"آج کی "ترقی" کا ایک انوکھا نتیجہ یہ ہے کہ عورتوں پر کام کا بوجھ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اس سے پہلے یہ معاملہ کبھی پیش نہ آیا تھا۔ امریکی بیویوں کو نہ خانہ داری میں کوئی مدد حاصل ہو سکتی ہے' نہ وہ

خود یکسوئی سے خانہ داری میں کوئی دلچسپی لے سکتی ہیں۔ لہٰذا آج کی عورت یک دم دوہرا بوجھ اٹھانے پر مجبور ہے، گھر میں بحیثیت بیوی کے اور دوسرا بوجھ دفتر یا کارخانے میں بحیثیت اجیر کے۔ زمانہ جنگ میں انگلستان کی عورتوں میں دوگنا کام کی یہ وباء ہمہ گیر تھی۔ یہ چیز کسی طرح بھی امید افزا نہیں ہے۔"

عورت کا گھر کو چھوڑنا معاشرے کا زوال ہے:

پھر یہی مورخ ٹائن بی جو تاریخ کے موضوع پر اور قوموں کے عروج و زوال کے فلسفے میں گہرا درک رکھتا ہے، آگے چل کر لکھتا ہے:

"تاریخ میں کسی بھی قوم کے زوال کے دور بالعموم وہی ہوئے ہیں جن میں عورت نے گھر کو چھوڑا ہے۔ مثلاً پانچویں صدی میں یونان جب ارتقاء کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہا تھا، اس وقت عورت گھر میں موجود تھی۔ مگر الیگزینڈر کے دور میں جب شہری ریاستوں کی ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی، ٹھیک ایسی ہی تحریک نسواں وہاں بھی موجود تھی جیسے ہمارے ہاں آج کے دور میں۔"

ہمیں اللہ کے دیئے ہوئے نظام حیات نے پہلے سے ایک معتدل، ہر عیب و نقص سے پاک راستہ دکھا دیا تھا کہ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے، اس کا شوہر اور اس کے بچے ہیں مگر مغرب کی جدید تحریک مساوات مرد و زن نے بڑھ بڑھ کر مسلم ممالک پر تابڑ توڑ حملے کئے اور مسلمان عورت بھی آنکھ بند کر کے ترقی اور حقوق کے نام پر ان کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے اسی راستے پر چل پڑی، لیکن اب زبردست معاشرتی فساد رونما ہو گیا ہے۔ خود ان کے اپنے مفکر اپنی عورتوں کو گھروں میں واپس لانا چاہتے ہیں، وہ اپنے معاشی اور عمرانی بحران کا اصل حل یہی سمجھتے ہیں کہ عورتیں بیرون خانہ کے سارے کام چھوڑ کر اپنے اصل محاذ کو سنبھالیں۔ اب ان کا نقطہ نظر تبدیل ہو رہا ہے۔ اس وقت امریکہ میں وہ عورت قابل قدر سمجھی جانے لگی ہے جو بیرون خانہ کی ذمہ داریاں اٹھانے سے گریز کرے۔ حاملانِ کتابِ الٰہی اور وارثانِ سنت نبوی ﷺ کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ میری پیاری مسلمان بہنوں سے اپیل ہے کہ وہ ایک بار پھر شعور کے ساتھ اپنا ایمان تازہ کریں اور اسلام کی طرف برضا و رغبت رجوع کریں۔ جہاں ہمارے لئے ہمارے فطری وظائف یعنی حمل، زچگی، رضاعت وغیرہ میں جو بے پناہ اجر و ثواب پنہاں ہے، اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اسی میں ہمارے لئے حقیقی خوشی اور سچا اطمینان ہے۔

اللہ نے عورت کے وجود کو مرد کے لئے باعث سکون بنایا ہے اور عورت سراپا محبت اور تسکین ہے۔ اب اگر یہ سرچشمۂ تسکین بھی سوکھ جائے تو مرد کو جو پہلے ہی کرخت ہے، وحشی، درندہ، خونی، جنگجو اور فتنہ انگیز ہونے سے کون بچائے گا؟ لہٰذا ہمیں گھروں کو شوہروں کے لئے جائے سکون بھی بنانا

ہے۔

اسی میں ہمارے رب کی رضا ہے۔ یہی امہات المومنین اور خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنھن کی پیروی ہے۔ اس سے ہمارا معاشرہ فساد سے بچ سکتا ہے' بے حیائی و عریانی سے نجات پائی جا سکتی ہے اور اس میں تمدن کی صحیح تعمیر کا سامان موجود ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

1. "عورت اپنی حالتِ حمل' زچگی اور رضاعت' ان تینوں مرحلوں میں فضیلت میں ایسی ہے جیسے اسلام کی راہ میں سرحد کی نگرانی کرنے والا مجاہد (جو ہر وقت جہاد کے لئے تیار رہتا ہے) اور اگر درمیان میں اس کو موت آ جائے تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔" (طبرانی بحوالہ کنز العمال' ج 16' صفحہ 411)

2. "نبی پاک ﷺ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر سے حاملہ ہوتی ہے اور وہ شوہر اس سے راضی ہو تو اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسا اللہ کی راہ میں دن کو روزہ رکھنے اور رات کو قیام کرنے کا۔ پھر جب اس کو دردِزہ ہوتا ہے اس کے لئے اس پر جو اجر و ثواب مخفی رکھا گیا ہے' اس کو آسمان و زمین والوں میں سے کوئی نہیں جانتا (مراد یہ ہے کہ وہ اجر بے پناہ ہے) جب وہ بچہ جنتی ہے اور بچہ اس کا جتنے گھونٹ دودھ پیتا ہے اور اس کے پستان سے جتنی دفعہ دودھ چوستا ہے ہر دفعہ اس کو ایک نیکی ملتی ہے اور اگر بچے کے سبب اس کو رات کو جاگنا پڑے تو اس کو راہ خدا میں ستر غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔" پھر آپ ؑ نے فرمایا: "اے سلامت (سلامت آپ ؑ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ؓ کی آیا کا نام ہے اور وہی اس حدیث کی راوی بھی ہیں) کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری مراد کیا ہے؟ میں یہ بات ان خواتین کے بارے میں کہہ رہا ہوں جو ناز و نعمت میں پلنے کے باوجود صالح فطرت ہیں' اپنے شوہروں کی اطاعت شعار ہیں اور وہ اپنے شوہروں کی ناقدری نہیں کرتیں۔" (طبرانی' ابن عساکر بحوالہ کنز العمال' ج 16' صفحہ 405)

3. "جب کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے تو اس کو رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا ثواب ملتا ہے۔ پھر جب عورت اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے تو ہر گھونٹ دودھ پلانے پر اتنا اجر ملتا ہے گویا کسی جاندار کو زندگی دے دی۔ پھر جب دودھ چھڑاتی ہے تو فرشتہ شاباش دیتے ہوئے اس کے کندھے پر تھپکی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پچھلے گناہ تو سب معاف ہو گئے۔ (یعنی صغیرہ گناہ) اب آئندہ کے لئے عمل کر۔" (کنز العمال' ج 16' صفحہ 412)

- "جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ ثواب کی امید پر صبر کرے تو جنت میں داخل ہو

گی۔ اور وہ اس کے لئے دوزخ کی آگ کے مقابلے میں آڑ بن جائیں گے یعنی اس کو دوزخ کی آگ سے بچالیں گے۔" ایک عورت بولی: "یارسول اللہ! جس کے دو بچے فوت ہوئے ہوں؟" فرمایا: "دو کا بھی یہی ثواب ہے۔" (بخاری) ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے ایک بچے کے فوت ہونے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے اس کا بھی بڑا ثواب بتایا۔

✪ آپؐ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر کسی عورت کا حمل گر جائے اور وہ ثواب سمجھ کر اس پر صبر کرے تو وہ ناقص بچہ بھی اپنی ماں کو گھسیٹ کر جنت میں لے جائے گا۔" (احمد 'ابن ماجہ)

✪ "جو عورت زچگی کے وقت فوت ہو جائے وہ شہید ہے۔" (ابوداؤد 'نسائی)

✪ "دنیا کا بہترین خزانہ نیک بیوی ہے کہ خاوند اس کو دیکھے تو خوش ہو جائے 'جب شوہر اسے کوئی کام کہے تو اس کی اطاعت کرے اور جب شوہر گھر میں نہ ہو تو اپنی عزت و آبرو بچا کے گھر میں بیٹھی رہے۔"

(نسائی)

✪ "دنیا کی بہترین نعمتوں میں سے کوئی چیز نیک بیوی سے بہتر نہیں ہے۔" (ابن ماجہ)

✪ "قریش کی نیک عورتیں بھی خوب ہیں 'ان میں دو ایسی صفتیں ہیں جو دوسروں میں نہیں 'ایک تو اپنے بچے پر خوب شفقت کرتی ہیں 'دوم: "اپنے خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔" (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ)

ایک دفعہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی 'اس کے ساتھ دو بچے تھے۔ ایک کو گود میں اٹھائے ہوئے تھی 'دوسرے کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔ آپؐ نے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ عورتیں اول بچے کو پیٹ میں رکھتی ہیں 'پھر جنتی ہیں دودھ پلاتی ہیں 'پھر ان کے ساتھ کتنی محبت اور مہربانی کرتی ہیں! اگر ان کا شوہروں سے برتاؤ برا نہ ہو تو ان میں سے جو نماز کی پابند ہیں سیدھی جنت میں چلی جایا کرتیں۔" (مسند احمد 'طبرانی 'ابن ماجہ)

غور فرمائیں! یعنی ایک طرف تو عورتوں کا اپنے بچوں کی خاطر حمل و زچگی کی تکلیف برداشت کرنا 'پھر انہیں محبت و شفقت سے پالنا بہت اجر و ثواب کا باعث ہے مگر خاوندوں کی ناقدری کرنے کے باعث ان کا اجر کم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے شوہروں کی قدر کریں 'ان کی خدمت و اطاعت میں کمی نہ کریں 'تو سیدھی جنت میں چلی جائیں۔ اللہ! اللہ! عورتوں کو ان دو کاموں پر اتنا ثواب بتایا جا رہا ہے کہ مردوں کے ہمت و محنت طلب اور جہاد جیسے بڑے کاموں کے برابر ہے۔

جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو میت کی نماز جنازہ میں شرکاء اس کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ مگر معصوم بچے کی نماز جنازہ میں بچے کے لئے دعا نہیں کی جاتی۔ وہ تو معصوم ہے '

بے گناہ ہے بلکہ اس کو اللہ کے یہاں اپنا سفارشی اور وسیلہ بنانے کی دعا کی جاتی ہے۔ وہ دعا یہ ہے:

"اے اللہ! اس بچے کو ہمارے لئے اجر اور نیکیوں کا ذخیرہ بنا دے' اس کو آخرت میں ہمارے حق میں شفاعت کرنے والا بنا دے۔" گویا وہ بچہ اپنی ماں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔

یہ ثواب عظیم' یہ مراتب عالیہ ایک مسلمان عورت کو ہی ملتے ہیں۔ وہ آخرت میں بڑا اجر و ثواب حاصل کرنے کی آرزو مند رہتی ہے۔ حقیقی کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے' جنت کا حصول ہے۔ اس کے برخلاف مغربی عورت کا نہ تو آخرت پر ایمان ہے نہ مرنے کے بعد کسی اجر و ثواب کی توقع۔ پھر اپنے یہی فرائض ادا کرنے سے ہی مسلمان عورتوں کو دنیا میں بھی سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے' اپنے شوہر کی خدمت اور اپنے معصوم بچوں سے شفقت و پیار سے جو سکون حاصل ہوتا ہے' وہ بیرون خانہ بھاگ دوڑ میں نہیں مل سکتا۔ بلکہ باہر بھاگ دوڑ کرنے کے بعد تھکی ماندی عورت جب گھر آتی ہے تو گھر کے کام بھی بھاگم بھاگ کرتی ہے۔ دوران ملازمت میں گھر کی فکر' گھر میں ادارہ کی فکر' کہیں صحیح سکون نہیں مل سکتا۔ البتہ مستقل چڑچڑاپن اور بیزاری ضرور حصے میں آتی ہے' جو بالاخر بہت سے عوارض کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

دوسری طرف گھریلو ذمہ داریاں صحیح طرح ادا نہ کر سکنے پر قیامت والے دن عورت کی باقاعدہ باز پرس ہو گی جبکہ ملازمت نہ کرنے پر باز پرس نہیں ہے۔ مگر یہ گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنا تو عورتوں پر فرض ہے۔ ان کو نہ ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گا۔ ملاحظہ ہو حدیث نبوی "اَلْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ" (صحیح بخاری' کتاب الجمعہ)

ترجمہ: "عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگران بنائی گئی ہے۔ قیامت والے اس سے ان کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔"

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"جو عورت بیوہ ہو جائے وہ خاندانی بھی ہو اور مالدار بھی' وہ اپنے بچوں کی خدمت اور پرورش میں مصروف ہو کر اپنا رنگ میلا کر لے یہاں تک کہ وہ بچے بڑے ہو کر اپنے گھر والے ہو گئے یا فوت ہو گئے تو ایسی عورت جنت میں میرے اس طرح قریب ہو گی جیسے شہادت والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی۔" (طبرانی)

اندازہ فرمایئے کہ عورت کی محنت و مشقت اولاد کی خاطر بارگاہِ الٰہی میں کتنا اہم مقام رکھتی ہے! بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت شریعت اسلامی کی نگاہ میں بہت اہم وظیفہ ہے۔ علامہ ابنِ خلدون ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"دنیا کے اندر یوں تو بہت سے کام اہم اور ضروری ہیں۔ مگر بچوں کی تربیت اور ان کی دماغی وذہنی صلاحیتوں کی حفاظت سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان عورت دن ہو کہ رات' اس کام میں مصروف و منہمک رہتی ہے۔ وہ اپنے بچے کو اس لئے نہیں پالتی کہ یہ اس کا لخت جگر ہے' اس کا نور نظر ہے' اس کے بطن سے پیدا ہوا ہے یا بڑھاپے میں اس کے کام آئے گا بلکہ ان کی تربیت اور محنت و مشقت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی امانت ہے۔ اس کو اس طرح قوم کے سپرد کرنا ہے کہ وہ ملک وملت کی صحیح خدمت اور راہنمائی کر سکے۔ اس کے پیش نظر اپنے آرام و آسائش سے زیادہ دین و وطن کا آرام و آسائش ہوتا ہے۔"

("اسلام اور عورت" از: عبدالقیوم ندوی' صفحہ 118)

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں: "یہ فرائض عورت ہی کے لئے مخصوص ہیں کہ وہ کھانے پینے اور لباس تیار کرنے کی خدمت انجام دے' شوہر کے مال کی حفاظت کرے' بچوں کی تربیت کرے اور وہ تمام امور جن کا تعلق گھر اور گھر ہستی کے ساتھ ہے' ان کی انجام دہی کی وہ ذمہ دار ہے۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

حدیث نبوی ؐ ہے: عَلَيْكُنَّ بِالْبَيْتِ فَإِنَّهُ جِهَادُكُنَّ (عیون الاخبار' ج 4' صفحہ 78)

ترجمہ: "اے خواتین! تم گھروں میں رہو۔ امور خانہ داری انجام دینا ہی تمہارا جہاد ہے۔"

سید قطب ؒ لکھتے ہیں: "پرورش گاہوں میں پلنے والے بچے ناقص انسانیت کے حامل ہوتے ہیں۔ وہاں جو عورت ماں بن کر بچوں کو پالتی ہے وہ جذبہ مادری سے محروم ہوتی ہے' پھر بچوں کو ان تربیت گاہوں میں بھیجنے کے لئے ایک اور احمقانہ حرکت کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ماں خود ملازمت کرے تاکہ بچے کی تربیت کرنے والی آیا کی تنخواہ دے سکے۔" نوکروں کے ہاتھوں پلنے والے بچے جب باہر کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو معاشرتی برائیوں کو جلد قبول کر لیتے ہیں۔ سینماؤں' شراب خانوں' جواخانوں' کلبوں میں جانا شروع کر دیتے ہیں۔ کورس کی کتابوں کے بجائے گندا اور فحش لٹریچر پڑھنے لگتے ہیں۔ لہٰذا اللہ و رسول ؐ کے نافرمان ہوتے جاتے ہیں۔

لہٰذا عورت کی حسن تربیت سے بچے نیک اور شریف بنتے ہیں۔ گھر میں محبت' ہمدردی' ایثار وتعاون کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ پھر عورت رفیقہ حیات کی حیثیت سے بھی وفاداریوں اور جانثاریوں کا پیکر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان کی ساری رونقیں اس کے دم سے ہیں اور اس کی غیر موجودگی سے جو خلاء پیدا ہوتا ہے' وہ کسی طرح بھی پر نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے خواتین کا رات کو سوتے وقت بچوں کو قرآنی قصے' انبیاء ؑ کے واقعات' صحابہ کرام ؓ کی ایمان افروز کہانیاں سنانا بچوں کو بہت متاثر کرتا تھا اور وہ بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کے لئے بے تاب ہو جاتے تھے۔ مگر آج ایک طرف نئی۔ وی کلچر' دوسری طرف ماؤں کا اپنے دائرہ کار سے انحراف —— مل کر گھر کے ادارہ کو

منہدم کر رہے ہیں' جو کسی طرح بھی ہمارے لئے مبارک فال نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے عورت کے فرائض منصبی کے بارے میں شریعت اسلامی کا قانون! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (سورہ الطلاق)

"جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا۔"

گویا عورت کا فطری فرائض میں کمی بیشی یا ردوبدل کرنا دراصل اپنی ہی ذات پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

❑ **تجزیہ:** ایک طرف تو مغرب کا نظریہ مساوات مردوزن ہے' جس کے مطابق عورتیں کسب معاش کے لئے گھروں کو خیرباد کہہ کر باہر نکل آئیں۔ کمانے میں بچے جننا اور پالنا دونوں ہی مشکل کام تھے' لہٰذا عورتوں کو مادرانہ فرائض ادا کرنے بلکہ شادی کرنے سے بھی نفرت دلائی گئی' نتیجہ یہ ہوا کہ مخلوط معاشرے میں جنسی خواہش تو انہوں نے ہر جگہ پوری کرلی' مگر اس کے قدرتی و فطری نتیجہ "حمل" سے حتی الامکان جان چھڑانا چاہی۔ بے شمار مانع حمل ادویات کا استعمال شروع ہوا۔ پھر بھی حمل قرار پاتے رہے' ان سے ولادت سے قبل Abortion کے ذریعے سے جان چھڑانے کی کوشش کی گئی۔ پھر بھی جو بچے پیدا ہوئے' عورتوں نے ان کو اپنے عیش اور کمائی دونوں کے راستے میں رکاوٹ سمجھ کر ان سے جان چھڑانے کی بھرپور کوشش کی' بے دردی سے اپنے بچوں کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کی گئی۔ نوزائیدہ بچوں کو گٹروں میں پھینکنا' گاڑی کے نیچے دے دینا' کیل مار مار کر ان کو ختم کر دینا' پارکوں میں پھینک دینا جیسے دلدوز مناظر وجود میں آتے رہے۔ مائیں خود (جن کو خالق کائنات نے ممتا عطا کی ہے' اپنی فطرت کو مسخ کر کے) اپنے بچوں کے حق میں جلاد بنتی رہیں۔ پھر بھی بچ جانے والے بچے اکثر ماں اور باپ کے درمیان نزاع کا باعث بنتے رہے۔ طلاقوں کی کثرت کی وجہ سے بچوں کا بیشتر حصہ بھی عورتوں ہی کے حصے میں آیا۔ ان کو گھروں میں تالے لگا کر کام پر جانا' بسا اوقات ایسے واقعات ہوئے کہ بچے گھروں میں بند ماں کا انتظار کر رہے ہیں اور ماں کسی وجہ سے پہنچ نہ پائی تو دونوں تینوں بچے جتنے گھر میں موجود تھے ماں کا انتظار کرتے کرتے اس جہانِ فانی ہی سے کوچ کر گئے۔ پھر کچھ بچے ماں کی ممتا اور شفقت بھرے لمس سے محروم بچہ گھروں یعنی DAY CARE CENTRES. میں پرورش پانے لگے۔ کچھ بچوں نے اپنی محرومی اور احساس تنہائی کو ختم کرنے کے لئے منشیات کا سہارا لیا۔ جبکہ کچھ بچوں نے خودکشی کی راہ اپنائی' کچھ بچوں نے تشدد' مار دھاڑ اور قتل و غارت جیسے جرائم میں پناہ لی۔ اس خاندانی خلفشار کے دور میں بہت کم بچے ایسے خوش قسمت نکلے جو ماں باپ دونوں کی توجہ اور شفقت اور پھر مناسب تعلیم و تربیت پا کر معاشرے کے باوقار شہری بن سکے۔ بلکہ وہاں "ڈاگ کلچر" عام ہو رہا ہے۔ کتے سے پیار اور کتے کے لئے تو وصیت' مگر اپنی نسل پیار' وصیت ہر چیز سے محروم ہے۔

یہ اہل مغرب کا اپنی آئندہ نسل کے ساتھ سلوک ہے۔ وہ کتے بلی سے زیادہ پیار کرتے ہیں مگر اپنی نسل کو پالنے کے لئے ان کے پاس نہ نفسیاتی جذبے ہیں اور نہ وقت ہے۔ اس سے ایک تو ان کی آبادی خوفناک حد تک کم ہو گئی ' دوم اگلی نسل اخلاق و تہذیب سے یکسر عاری ' جرائم پیشہ اور منشیات کی عادی بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت مغربی معاشرہ بڑی ابتری کا شکار ہے۔ اب ان کے مفکرو دانشور پریشان حال عورت کو اس کے فطری فرائض یاد دلا رہے ہیں۔

جب اہلِ مغرب نے مسلمانوں پر غلبہ پایا تو ان پر رجعت پسند اور دقیانوسی ہونے کی پھبتی کسی ' عورتوں کو ستر و حجاب کی بندشوں سے آزاد کرنے کی ترغیبیں دیں ' خاندانی منصوبہ بندی کے ڈول ڈالے۔ ٹی۔ وی ' وی۔ سی۔ آر بلیو پرنٹس کے ذریعے سے ہماری معاشرت تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ مسلمان عورت کو بھی کسب معاش میں اپنا حصہ ڈالنے کے لئے تیار کیا گیا۔ "بچے دو ہی اچھے" "چھوٹا خاندان ' زندگی آسان" جیسے دلفریب نعرے رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ اب بھی ہر سال فیملی پلاننگ کے لئے امریکہ سے اچھی خاصی "ایڈ" آ رہی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ مسلم خواتین بھی اہل مغرب کی طرح گھروں سے باہر نکل کر مخلوط ثقافت کو رواج دیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف عورتیں اپنے شوہروں کا کماحقہ احترام نہیں کرتیں ' ان کے تعلقات میں اب مقابلے کا رنگ پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے اور دوسری طرف دو تین سے زیادہ بچے جننا کوئی بھی عورت اپنے لئے باعث عار سمجھنے لگتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان **تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ** (ابوداؤد ' نسائی) "ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو خاوندوں سے محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوں ' بیشک میں تمہاری کثرت کی بناء پر روز قیامت دوسری امتوں پر فخر کروں گا" طاق نسیاں پر رکھ دیا گیا ہے۔ فیملی پلاننگ یا بہبود آبادی کے پراپیگنڈے کا اتنا نمایاں اثر ہو رہا ہے کہ یہاں لاہور میں عمومی فضا یہ بن گئی ہے کہ جس عورت کو تیسرا چوتھا حمل ٹھہر جائے وہ محلے کی خواتین سے چھپتی پھرتی ہے کہ میری رشتہ دار اور ہمسائی خواتین مجھے کیا کہیں گی ① ہم نے آپس میں مل کر قسم کھائی تھی کہ ہم اب اپنا چوتھا بچہ نہیں ہونے دیں گی۔

گزشتہ سال ماہ ستمبر 1995ء میں بیجنگ (چین کا دارالخلافہ) میں اقوام متحدہ کی طرف سے خواتین کی چوتھی بڑی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کے ایجنڈے میں اسقاط حمل ' بچے پیدا کرنے کے معاملے میں عورت کی خود مختاری اور ہر شعبہ زندگی میں عورت کی مرد کے ساتھ مکمل مساوات جیسے مطالبات سرفہرست تھے ' مسلم ممالک کی خواتین نے بھی اس ایجنڈے پر اتفاق کیا ' پھر اس کے مطابق اپنے اپنے ممالک میں لائحہ عمل طے کرنے اور اس ایجنڈے کو بروئے کار لانے کا معاہدہ کیا۔ خود پاکستانی وزیر اعظم بے نظیر نے بھی اس ایجنڈے پر دستخط کرتے ہوئے ان دفعات کو وطن عزیز ——

ایک نظریاتی مملکت —— پاکستان میں عملاً قائم کرنے کا وعدہ کیا۔

پاکستان میں اس وقت یو۔ این۔ او کی طرف سے "ہیومین رائٹس کمشن" (جس کی صدر عاصمہ جہانگیر ہیں) اور بے شمار این۔ جی۔ اوز (یعنی غیر سرکاری تنظیمیں' جو زیادہ تر یہودیوں پر مشتمل ہیں) خواتین کو بے راہرو کرنے' انہیں گھر کے محاذ سے باہر نکالنے اور اختلاط مرد وزن کو فروغ دینے کے خصوصی ہدف کے تحت کام کر رہی ہیں۔ مزید برآں سرکاری میڈیا' لٹریچر' پریس بھی اسی مشن میں مشغول ہیں' قومی سطح پر ان والدین کو انعامات دیئے جا رہے ہیں جو اپنے بچے دو سے زیادہ نہیں ہونے دیتے۔

اب یہ دیندار مسلم خواتین کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس مغربی پراپیگنڈے کے آگے بند باندھیں' اپنے گھریلو محاذ کو مضبوط بنائیں' اسلامی تعلیمات کو خواتین کے اندر عام کریں۔ میڈیا' پریس اور مخرب اخلاق لٹریچر کے پھیلائے ہوئے زہریلے اور مسموم اثرات کو زائل کرنے کے لئے جہاد کریں' اسی میں ہمارے لئے عزت اور فلاح و کامیابی کا راز مضمر ہے۔

---

(1) یہ بالکل سچا واقعہ ہے۔ میں اپنے گھر کے قریب ایک ہمسائی کے ہاں بیمار پرسی کے لئے گئی تو اس نے پریشانی کے عالم میں بتایا کہ میں اب کیا کروں؟ ہم پانچ چھ خواتین نے مل کر یہ قسم کھائی تھی' اب مجھ سے یہ قسم ٹوٹ گئی ہے' اب میں ان کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گئی —— جہالت کا یہ عالم ہو گیا کہ مسلمان کہلانے والی خواتین آنے والی روح کو روکنا خود اپنے اختیار میں سمجھنے لگی ہیں۔

6

اسلام اور پاکدامنی

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

(القرآن)

ترجمہ: ”بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔“ (الانعام:151)

- حیاء کا جذبہ فطری ہے
- حیاء اسلام کا اہم جز ہے
- پاک دامنی اور حیاء کا گہرا تعلق
- پاک دامنی کی تاکید
- فواحش کی ممانعت
- فواحش کی دنیوی واخروی سزائیں ونقصانات
- قانون رجم
- پاکدامنی قائم رکھنے کی تدابیر
- محرمات
- حرمت زنا
- نکاح کی تاکید
- لباس اور ستر
- ستر کی حدود
- استیذان
- تخلیہ اور لمس کی ممانعت
- حجاب
- مبادیات زنا سے بچنے کی تاکید
- فتنہ نظر
- جاہلی بے پردگی سے بچنے کی ممانعت
- اپنے عیب علانیہ بیان کرنے سے اجتناب
- تہمت لگانے کی ممانعت
- فحاشی پھیلانے کی ممانعت
- عمل قوم لوط
- ہم جنس پرستی
- فتنہ زبان
- فتنہ آواز
- خوشبو کا فتنہ

اسلام اور پاکدامنی

□ مغربی تہذیب کا مقدمہ اہل مغرب کو اسلام کے شرم وحیاء اور ستر وحجاب کے احکام پر شدید اعتراض ہے۔ وہ عورت اور مرد کے آزادانہ اختلاط کے قائل ہیں اور ستر یا حجاب کی پابندیوں کو عورت کی نشو ونما اور ترقی کے حق میں سم قاتل قرار دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورت بھی مغربی عورت کی طرح یہ تمام پابندیاں توڑ تاڑ کر گھر سے باہر نکل آئے اور زندگی کے ہر میدان میں مرد کے شانہ بشانہ کام کرے۔

□ حیاء ایک بہت بڑی قوت ہے لیکن اسلام اس بات کا قائل ہے کہ شرم وحیاء ایک بہت بڑی قوت اور طاقت ہے۔ جب تک شرم وحیاء معاشرے میں برقرار رہے وہ معاشرہ ہر لحاظ سے ترقی پذیر رہتا ہے' لیکن جب عفت و عصمت اور شرم وحیاء پامال ہونے لگیں۔ اس کے برعکس بے حیائی اور فحاشی کا رواج عام ہو جائے تو یہ چیز اجتماعی اور انفرادی دونوں لحاظ سے معاشرے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا کر رہتی ہے۔ اس لئے اسلام کے حیاء اور عفت و پاکدامنی کے احکام پر تفصیلاً روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

اسلام کا نظام عفت و عصمت

□ حیاء کا جذبہ فطری ہے: حیاء کے معانی شرم اور جھجک کے ہیں' کوئی برا یا فحش کام کرتے وقت دل میں کچھ جھجک' بے چینی اور بے قراری سی پیدا ہوتی ہے' اسے حیاء کہا جاتا ہے۔ یہ حیاء دل میں جتنی زیادہ ہو گی' انسان اتنا ہی برائیوں سے دور رہے گا کیونکہ جب کبھی اس کو برائی کا خیال آئے' اس کے دل میں یکدم اضطراب و بے چینی پیدا ہو گی' اس کا ضمیر اسے جھنجوڑے گا کہ یہ کام مت کرو یہ اچھا نہیں ہے۔ اب اگر وہ آدمی اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہے گا' تبھی سکون و اطمینان پائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندہ کے اندر یہ حیاء کا جوہر رکھا ہے۔ انسان فطرتاً نیکی پسند ہے اور برائی سے نفرت رکھنے والا ہے۔

اسی طرح بعض فرائض انسان پر عائد ہوتے ہیں' انسان ان سے پہلو تہی کرنا چاہے تب بھی دل

میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہوتا ہے' اندر سے آواز آتی ہے کہ تمہیں یہ کام ضرور کرنا چاہئے۔ پس یہ حیاء کا جذبہ ہی ہے جو اسے اپنا فرض ادا کرنے پر ابھار رہا ہے۔ جس شخص کے دل کی ایسی کیفیت ہو' جو اسے اپنا فرض چھوڑنے یا برا کام کرنے پر اندر سے ملامت کرے اور اس میں بے چینی اور اضطراب پیدا کرے' اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حیا' دار ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ برائی کی طرف جاتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہ کریں' آرام سے اپنے فرائض چھوڑ دیں' ان کو اس پر کوئی افسوس وملامت نہ ہو تو ان کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ وہ "بے حیاء" ہے۔

❑ حیاء اسلام کا اہم جز ہے:

حضرت ابو ہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔" (بخاری) آپ ؐ نے مزید فرمایا:

اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَّخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ (رواہ مالک مرسلا)

"ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیاء ہے۔"

یعنی جس طرح ایمان اور اسلام انسان کو برائیوں سے روکتے ہیں' اسی طرح حیاء بھی برائیوں سے روکتی ہے لہٰذا حیاء ایمان اور اسلام کا بہت اہم جز ہے۔ مزید آپ ؐ نے فرمایا:

اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ (بخاری) "جب تجھ میں حیا نہیں تو تیرا پھر جو جی چاہے کرے۔"

مراد یہ ہے کہ برائیوں کی طرف جانے سے "حیا" ہی روکتی ہے جب حیاء ختم ہو جائے اور فطرت ہی گناہوں کی وجہ سے بدل گئی ہو تو پھر انسان ہر گناہ اور برائی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بے حیائی جس چیز میں بھی ہو اسے عیب دار بنا دیتی ہے اور حیاء جس کام میں بھی موجود ہو اسے خوبصورت بنا دیتی ہے۔" (ترمذی) حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا فرمان ہے: "جو قوم بے حیائی کی طرف قدم بڑھائے گی' اللہ اسے مصیبتوں میں مبتلا کر دے گا۔"

عفت و عصمت (پاک دامنی) اور حیا کا گہرا تعلق:

اسلامی اخلاق میں حیاء کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے' چنانچہ زندگی کا وہ شعبہ جو انسان کی صنفی زندگی سے تعلق رکھتا ہے' اس میں بھی اصلاح احوال کے لئے حیاء ہی سے کام لیا گیا ہے۔ مرد و عورت کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے لئے شدید کشش رکھ دی ہے مگر ان کے درمیان تعلقات کو نکاح کا پابند کر دیا ہے جو مرد و عورت اس پابندی کا پوری طرح

خیال رکھے اور ادھر ادھر توجہ نہ کرے اسے پاکباز' پاک دامن' عفیف' حیاء دار اور باعصمت کہا جاتا ہے۔ مگر جو انسان (مرد ہو یا عورت) اس پابندی کو توڑ دے' ادھر ادھر منہ کالا کرنے لگ جائے' وہ بدکردار اور بدچلن ہے۔ یہ بدکاری اسلام میں بہت بڑا گناہ سمجھا گیا ہے۔

حیاء اور پاکدامنی کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ حیاء انسان کو ان تمام برائیوں سے روک دیتی ہے جو انسان کی پاک دامنی کو خراب کرنے والی ہیں۔ ایمان کے بعد مسلمان مرد یا عورت کا سب سے بڑا حسن اس کی پاکدامنی ہی ہے۔ انبیاءؑ وصالحین نے ہمیشہ اپنی پاک دامنی کی حفاظت کی۔ قرآن وسنت میں پاکدامنی یا عصمت وعفت کو برقرار رکھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

❏ پاک دامنی کی تاکید:

چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہوتا ہے۔ (مرد عورت دونوں کو یکساں تاکید کی گئی ہے):

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (النور۔30'31)

"اے نبیؐ! مومن مردوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو (غیر عورتوں کو دیکھنے سے) باز رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے اور اے نبیؐ! مومن عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو (غیر مردوں کی دید سے) باز رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ پاک دامن رہنا چاہتے ہو تو اپنی نگاہ کی حفاظت کرو۔ غلط نگاہ اصل گناہ یعنی زنا تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس طرح نگاہوں کی بیباکی فتنے جگاتی ہے۔ لہٰذا غضِ بصر کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

نفس کا سب سے بڑا چور بے باک نگاہ ہے۔ لہٰذا قرآن و حدیث دونوں سب سے پہلے اس کی گرفت کرتے ہیں۔ نگاہ نیچی رکھنے سے مراد نگاہ کو ان چیزوں سے ہٹا لینا ہے جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے اور شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں' ان سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ مثلاً زنا' لواطت وغیرہ۔ غلط نگاہ دراصل قاصد اور پیغامبر ہوتی ہے۔ لہٰذا نگاہ کی حفاظت شرمگاہ کی حفاظت ہے۔ جو شخص اپنی نگاہ آزاد چھوڑ دے' اپنی بیوی یا اپنی محرم خواتین کے سوا کسی دوسری عورت کو نگاہ بھر کر دیکھے —— پھر دوبارہ سہ بارہ دیکھے تو یہ آنکھوں کا زنا ہے —— اس کی دبی دبائی چنگاری انگارہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

عورتوں کی نگاہ تو اور بھی فتنے جگاتی ہے۔ جذبات میں عورتیں مردوں سے بڑھ کر ہیں' وہ جلد

متاثر ہو جاتی ہیں لہٰذا عورتوں کو اپنی آنکھوں کی حفاظت کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

پھر شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد صرف ناجائز شہوت رانی سے پرہیز نہیں بلکہ اپنے ستر کو دوسروں کے سامنے کھولنے سے بھی پرہیز ہے۔

اسلامی معاشرہ کو خصوصاً عورت کی عفت و عصمت اور پاکیزگی کا بے حد پاس ہے' عفت اور عصمت سے مراد ہی یہ ہے کہ عورت کے چہرے پر کسی غیر مرد کی نگاہ نہ پڑے۔ اس کی محبت اور تعلق کا محور و مرکز صرف اور صرف ایک ہی شخص ہو یعنی اس کا شوہر اور صرف وہی اس کے جمال اور زیبائش سے محظوظ ہو سکتا ہو۔ عائلی زندگی کی اساس "زوجین کا باہمی محبت اور اخلاص" ہے۔ جب یہ محبت و اخلاص زوال پذیر ہوتا ہے تو قومیں زوال پذیر ہونے لگتی ہیں اور جب تک اس محبت و اخلاص کی قدر کی جاتی ہے اور اس کی حفاظت کی جاتی ہے' معاشرہ پر سکون اور ترقی پذیر رہتا ہے۔

مرد اور عورت دونوں کو الگ الگ اور یکساں اپنی عفت کی حفاظت کی تاکید کی گئی ہے۔ ایک جگہ عفت و عصمت کی حفاظت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (احزاب:35)

"اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور بکثرت اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور عورتیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف خصوصاً بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ (سورہ یوسف)

"واقعی میں (زلیخا) نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی مگر یہ (یوسف) پاک صاف رہا۔"

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفت یوں بیان فرمائی:

سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ "وہ سردار ہوں گے' اپنے نفس کو بہت روکنے والے (نفس کے فریب میں مبتلا نہ ہونے والے) اور نبی ہوں گے اور بہت نیک صالح ہوں گے۔" (آل عمران:4)

حضرت مریمؑ پر دشمنوں نے بدکاری کی تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے برات فرمائی:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم:4)

"عمران کی بیٹی مریم' جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔"

ام المومنین حضرت عائشہؓ پر دشمنوں نے تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عفت و پاکدامنی کا

اعلان زوردار انداز میں فرمایا۔ رہتی دنیا تک قرآن نے ان کی پاکدامنی کو اپنے دامن میں محفوظ کر لیا:

أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورہ نور:3)

"یہ اس بات سے پاک ہیں جو وہ کہتے ہیں، ان کے واسطے مغفرت اور عمدہ رزق ہے۔"

پاکیزہ نفس، پاک دامن لوگ اللہ کو کتنے محبوب ہیں! اس کا اندازہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتا ہے کہ "روز قیامت اللہ تعالیٰ سات لوگوں کو اپنے عرش کے سایہ تلے جگہ دے گا جبکہ اس کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ تو ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس کی نشو و نما ہی اللہ کی بندگی میں ہوئی ہو اور ایسا شخص بھی جس کو کسی صاحب مرتبہ اور عالی نسب عورت نے اپنے پاس بلایا اور زنا کرنے کی دعوت دی مگر اس خدا کے بندے نے یہ کہہ کر انکار کر دیا: "میں اللہ سے ڈرتا ہوں" اور ایسا شخص بھی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے، اپنے اعمال کا خیال کر کے اس کی آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔" (بخاری)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز تبلیغ ہی سے مسلمانوں کو پاکدامنی کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ ہرقل شاہ روم کے دربار میں ابو سفیان نے، جس نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا (ہرقل کے اس سوال پر کہ وہ نئے نبی تمہیں کس بات کی تعلیم دیتے ہیں؟) یہ بات کہی: آپ ہمیں نماز، صدقہ، پاکدامنی اور صلہ رحمی کی تاکید فرماتے ہیں۔" (بخاری)

چنانچہ صحابہ کرامؓ کے بہت سے ایسے واقعات سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد ان کو حسب سابق کچھ خواتین نے گناہ کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ مثلاً مرثد بن ابی مرثد غنوی۔ یہ سب وہ کردار ہیں جو قیامت کے خوف سے وجود میں آتے ہیں۔ اسلام ایسی ہی اعلیٰ صورت کی توقع ہر مسلمان سے کرتا ہے۔

آنحضورؐ کی دعائیں بھی اس سلسلہ میں مروی ہیں۔ مثلاً:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعِفَافَ وَالْغِنٰی

"اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور غنا کی درخواست کرتی / کرتا ہوں۔"

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ

"اے اللہ! مجھے راہ راست کی توفیق عطا فرما اور نفس کی برائی سے مجھے اپنی پناہ میں رکھ۔" (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ)

خواتین کے گوہر عفت و عصمت کی حفاظت کا اسلام نے بہت اہتمام فرمایا ہے۔ اسلام کے سوا ہر تہذیب اور نظام نے عورت کے اس حق کو مسل کر رکھ دیا ہے۔ اسلام میں عورت کی شرم و حیاء ہی

اس کی اصل خوبی بتائی گئی ہے۔ تفہیم القرآن، ج 5، ص 268 پر مولانا مودودی "فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ ①" کی تشریح میں لکھتے ہیں: "یہ عورت کی اصل خوبی ہے کہ وہ بے شرم اور بے باک نہ ہو بلکہ نظر میں حیاء رکھتی ہو۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کے درمیان عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے ان کے حسن و جمال کی نہیں بلکہ ان کی حیاء داری اور عفت مابی کی تعریف فرمائی"۔ پھر اسلام عورت کی موتی جیسی آبرو کی حفاظت بھی بہت کرتا ہے۔ کوئی شخص اگر عورت پر غلط طور پر بدکاری کی تہمت لگائے اور عدالت میں ثبوت پیش نہ کر سکے، تو اسلام ایسے شخص کو اسی (80) کوڑوں کی سزا دیتا ہے اور آئندہ اس کی شہادت کسی معاملہ میں قبول نہیں کی جاتی۔ عورت کی عصمت کی حفاظت کا قانون صرف اور صرف اسلام ہی میں ہے۔ آپؐ جب مردوں سے بیعت لیتے تو اس میں یہ بات خصوصاً شامل ہوتی تھی کہ وہ پاکدامنی اختیار کریں گے اور بدکاری نہیں کریں گے۔ اسی طرح خواتین سے بیعت لیتے وقت بھی یہ بات اسمیں خصوصاً شامل ہوتی (وَلَا يَزْنِينَ) کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "اے امت محمدؐ! اللہ سے زیادہ کوئی اس بات پر غیرت کرنے والا نہیں کہ وہ اپنے بندے یا بندی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھے۔ اے امت محمدؐ! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے" (بخاری)

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بدکاری بہت بڑا گناہ ہے۔ تمہارا بے دھڑک اللہ کے احکام کی نافرمانی کرنا اور غفلت میں ہنستے رہنا اس بات کی علامت ہے کہ تم اپنے انجام سے غافل ہو۔ ان بداعمالیوں سے جو ناپاک لذت ملتی ہے، وہ تو عارضی ہے مگر ان کی سزا کے طور پر جو عذاب ہو گا وہ اتنا ہولناک ہو گا کہ لمحے کے لئے سہنا بھی ناقابل برداشت ہو گا، پھر وہ دائمی بھی ہو گا۔

☐ فواحش کی ممانعت:

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

"بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔" (الانعام:151)

"فواحش کا اطلاق ان تمام افعال پر ہوتا ہے جن کی برائی بالکل واضح ہے۔ قرآن میں زنا، عمل قوم لوط، برہنگی، جھوٹی تہمت اور باپ کی منکوحہ سے شادی کرنے کو فحش افعال میں شمار کیا گیا ہے۔ حدیث میں چوری، شراب نوشی اور بھیک مانگنے کو من جملہ فواحش کہا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے تمام شرمناک افعال بھی فواحش میں داخل ہیں اور ارشاد الٰہی یہ ہے کہ اس قسم کے افعال نہ اعلانیہ کئے جائیں نہ چھپ کر" (تفہیم القرآن)

"فواحش فاحشہ کی جمع ہے اور لفظ فحش، فحشاء اور فاحشہ سب مصدر ہیں، جن کا اردو میں ترجمہ

بے حیائی سے کیا جاتا ہے اور قرآن و حدیث کی اصطلاح میں ہر ایسے برے کام کے لئے یہ الفاظ بولے جاتے ہیں جن کی برائی اور فساد کے اثرات برے ہوں اور دور رس ہوں۔ فحش اور فحشاء کے اس عام مفہوم میں تمام بڑے گناہ داخل ہیں خواہ اقوال سے متعلق ہوں یا افعال سے، ظاہر سے متعلق ہوں یا باطن اور قلب سے۔ بدکاری اور بے حیائی کے جتنے کام ہیں وہ سب بھی اس میں داخل ہیں۔ اسی لئے عام زبانوں پر یہ لفظ بدکاری کے معنوں میں بولا جاتا ہے---- حکم یہ دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کے پاس بھی نہ جاؤ۔ پاس نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ ایسی مجلسوں اور مقامات سے بچو جہاں جاکر اس کا خطرہ ہو کہ تم گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔" (معارف القرآن)

بدکاری کی ممانعت پر قرآن کریم کے مزید احکام:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۗ وَسَآءَ سَبِيْلًا

"بدکاری کے قریب بھی نہ پھٹکو، وہ بہت برا کام ہے اور بہت ہی برا راستہ۔" (بنی اسرائیل، آیت نمبر32)

سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی کچھ صفات بیان فرمائی ہیں۔ ان کی ایک صفت یہ بھی ہے: وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا--- (آیت نمبر68، 69) "یعنی وہ بدکاری نہیں کرتے، اور جو کوئی ایسا کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پاکر رہے گا اسے روز قیامت دوگنا چگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلیل و خوار ہو کر اس میں ہمیشہ کے لئے پڑا رہے گا۔" اس سے ثابت ہوا کہ زنا بہت بڑا گناہ ہے۔

- نبی پاک ؐ کا فرمان ہے: "شرک کے بعد کوئی گناہ اس نطفہ سے بڑھ کر نہیں ہے جس کو کوئی شخص ایسے رحم میں رکھے جو شرعاً اس کے لئے حلال نہ تھا۔" (ابن کثیرؒ ج 3، ص 38)
- "جب کوئی شخص زنا کرتا ہے اسوقت وہ مومن نہیں ہوتا" (مشکوٰۃ، باب الایمان)

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا (اور مصری خواتین) نے بدکاری کے لئے دعوت دی تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا اللہ بچائے! وہ میرا مربی ہے۔ اس نے مجھے کتنی اچھی طرح رکھا۔ ایسے حق فراموش لوگ فلاح نہیں پاسکتے" (گویا زانی ظالم ہے۔ رب کی دی ہوئی قوتوں کو اسی کے منشاء خلاف استعمال کرتا ہے۔" چنانچہ انہوں نے اس فعلِ بد کے مقابلے میں اپنے لئے قید خانہ کو ترجیح دی اور نو سال تک قید میں رہنا (اس بے حیائی کے مقابلے میں) قبول فرمالیا۔ یہی عصمتِ پیغمبرانہ ہے۔

بدکاری کے دنیوی واخروی نقصانات وسزائیں:

حیاء اور پاکدامنی ایک بہت بڑی قوت ہے اور بدکاری انسان کو بزدل، کمزور اور کھوکھلا بنادیتی ہے۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس قوم کے پاس وسائل زیادہ ہوں، فوج اور

اسلحہ موجود ہو' لوگ ہنرمند و تعلیمیافتہ اور پڑھے لکھے ہوں وہ قوم طاقتور ہوتی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کے لوگ فحاشی اور بدکاری میں بدمست ہوں تو قوت و طاقت رکھنے کے باوجود وہ دلیرانہ دشمن کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے۔ جس طرح جنگ عظیم میں فرانس کے ساتھ پیش آیا اور پہلے ہی حملے میں انہوں نے حملہ آوروں کے آگے سپر ڈال دی۔ تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہر قوم کے زوال میں جنسی بے راہ روی' عیاشی اور فحاشی سرفہرست رہی ہیں۔ وہاں "دل لگی اور تفریح" کے نام پر ایسی شرمناک بے حیائی موجود تھی۔ جو بالآخر اسی معاشرے کی بربادی کا باعث بن گئی۔

کسی گناہ کی شدت کا اندازہ اس پر دی جانے والی سزا کی شدت سے لگایا جا سکتا ہے۔ سورہ نور' آیت نمبر 20 میں ارشاد ہوتا ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ---

"زانی عورت ہو یا مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمہیں اللہ تعالیٰ معاملہ میں ان دونوں پر ذرا رحم نہ آئے۔"

- پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی جماعت کو حاضر رہنا چاہئے یعنی اس سزا کی خوب تشہیر بھی ہو تاکہ آئندہ کوئی ایسا کام نہ کر سکے۔

قانون رجم: احادیث میں وضاحت ہے کہ اگر زانی شادی شدہ ہو تو اس کی سزا یہ بتائی گئی ہے کہ اسے رجم کیا جائے یعنی پتھر مار مار کر اسے ہلاک کر دیا جائے۔ اردو میں اسے سنگسار کرنا کہتے ہیں۔ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے دور میں اس عمل کے مرتکب لوگوں کو سنگسار کیا گیا تھا اور آپؐ کی سنت کے مطابق خلفاء راشدینؓ کے دور میں بھی سنگساری کے واقعات پیش آئے۔

- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: "کون سے اعمال لوگوں کو زیادہ جنت میں لے کر جائیں گے؟" آپؐ نے فرمایا: "خدا سے ڈرنا اور اچھا اخلاق۔" آپؐ سے پوچھا گیا کہ کون سے امور لوگوں کو زیادہ تر دوزخ میں ڈالے جانے کا باعث بنیں گے؟ فرمایا: "زبان اور شرم گاہ۔" (ترمذی)
- آپؐ نے فرمایا: "کون مجھے ضمانت دیتا ہے اس چیز کی جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کی جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں" مراد یہ ہے کہ پاکدامنی تو جنت میں لے جانے والی ہے جب کہ بدکاری اور زنا دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔
- "آپؐ نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے مرد کی گواہی جائز نہیں نہ خیانت کرنے والی عورت کی۔ نہ بدکار مرد یا بدکار عورت کی اور نہ اس کی جو اپنے بھائی کے لئے کینہ رکھے۔ (ابوداؤد)

یعنی اپنی پاکدامنی کی حفاظت نہ کرسکنے والوں کے لئے دنیا میں رسوائی کی یہ بہت بڑی شکل ہے کہ اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان قابل غور ہے' ارشاد ہوتا ہے۔

- "جب کسی قوم میں زنا پھیل جاتا ہے تو اسے قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور جب کسی قوم میں رشوت کی گرم بازاری ہوتی ہے تو اس پر (دشمن کا) رعب و خوف طاری کردیا جاتا ہے۔" (مشکواۃ 'کتاب الحدود)
- "جب کسی قوم میں زنا عام ہو جائے اور کھلم کھلا ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو طاعون کی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور ان میں ایسی بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں جن سے ان سے پہلے لوگ ناواقف تھے۔" (جیسے آجکل ایڈز کا مہلک خوفناک مرض پھیلا ہوا ہے' (ابن ماجہ)

مغربی ممالک میں کھلم کھلا بے حیائی کے نتیجے میں جو مہلک نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ ایٹم بم سے بھی زیادہ مہلک اور لاعلاج ثابت ہو رہے ہیں۔ دنیا کے سارے علاج زناکاری کے دنیاوی عذاب یعنی نت نئی بیماریوں اور دیگر نقصانات (جس میں حسب و نسب کا خلط ملط ہونا' حرامی بچوں کا احساس محرومی کا شکار ہونا' خواتین کی عزت کا پامال ہونا وغیرہ شامل ہیں) سے نہیں بچا سکتے۔

قربان جایئے! اللہ و رسول ؐ نے عفت و عصمت کو محفوظ رکھنے والے قوانین دے کر دنیا پر کتنا احسان کیا ہے! حقیقت یہ ہے کہ جس معاشرے میں حیاء و پاکدامنی ہو' وہاں گھروں کے اندر بھی فضا پرامن اور پراعتماد ہو گی اور باہر معاشرے میں وہ مضر اثرات اور تخریبی سرگرمیاں نہیں پھیلیں گی' جو معاشرے کے افراد کی صحت' دولت اور وقت کا بہت سا حصہ ہضم کر جاتی ہیں۔ یہی صحت' دولت' وقت جب مضر سرگرمیوں سے بچ کر مثبت اور تعمیری کاموں پر صرف ہوتے ہیں تو لازماً معاشرے کیلئے قوت اور طاقت کا باعث بنتے ہیں۔ اس طرح اللہ کے احکام انسان کیلئے باعث رحمت و برکت ثابت ہوتے ہیں۔

خود بھارت جو اس گندے فحش پروگرام کا خالق ہے۔ اس نے فحاشی کے مضر اثرات کے پیش نظر اب اپنے ملک میں اس پر کڑی پابندیاں عاید کرنا شروع کر دی ہیں۔ مثلاً

(1) "قوم پرست ہندوؤں نے کہا ہے کہ حسیناؤں کا پیراکی کے لباس میں آنا ملک کی ثقافتی اقدار کے منافی ہے۔ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کی بھارتیہ جنتا پارٹی سے وابستہ دو گروپوں نے حسیناؤں کے مناسب لباس کو یقینی بنانے کے لئے ایک شو میں شرکت کی۔ اس طرح انہوں نے مقابلہ حسن کے منتظمین کو پیراکی کے لباس میں حسیناؤں کے "درشن" کرانے کا پروگرام ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔
(روزنامہ نوائے وقت لاہور 98-4-2)

(2) نئی دہلی۔ (اف پ) بھارت کے مغربی صوبہ مہاراشٹر کی حکومت نے فحش ڈانس شو' ڈراموں اور کنسرٹ پر پابندی لگا دی ہے۔ صوبائی وزیر ثقافت "پراموونوالکر" نے بھارتی اخبار انڈین ایکسپریس" سے گفتگو کرتے ہوئے کہا "ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ سنسر کے قوانین کو سختی سے نافذ کیا جائے۔ ہم اپنی ثقافت پر مغربی یلغار کو روکنا چاہتے ہیں۔" (نوائے وقت 98-4-8)

چنانچہ انہوں نے بیرونی کمپنیوں کو ٹی۔ وی کے وہ پروگرام دکھانے کی ممانعت کر دی ہے۔ جو بھارتی ثقافت پر حملہ تصور کئے جاتے ہیں اس سلسلہ میں بھارتی حکمرانوں نے یہ حکم بھی صادر کیا ہے کہ سیٹلائٹ ٹیلی وژن کمپنیوں کو براہ راست گھروں تک رسائی رکھنے والے پروگراموں سے روک دیا گیا ہے۔ جو کہ ان پر کاری ضرب ہے۔ اس طرح ڈش کے استعمال کو بھی غیر قانونی قرار دے دیا گیا ہے۔ (نوائے وقت 18اور 20اگست 97ء)

اسی طرح بھارتی وزیر ثقافت پراموونوالکر نے مائیکل جیکسن کا بھارت میں منعقد ہونے والا ایک مجوزہ پروگرام یہ کہہ کر منسوخ کر دیا "مائیکل جیکسن اپنے شو میں جو پروگرام پیش کرتا ہے اس سے بھارتی ثقافت کو خطرہ ہے انہوں نے کہا کہ بمبئی میں اس کے ایک شو میں متعدد نوجوانوں نے اپنی قمیص اتار دیں۔ ہم یہ خرافات برداشت نہیں کر سکتے' لہٰذا ہم اس کا استقبال نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کی راہ میں کانٹے بچھائیں گے۔ (نوائے وقت 96-7-9)

اسی طرح وسطی بھارت کے ایک گاؤں کے تمام دیہاتیوں نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ گاؤں میں کسی کو ٹیلی وژن لانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ 1500 کی آبادی والے گاؤں کے سربراہ رام پرکاش نے حکام کو بتایا کہ ان کے گاؤں کی خواتین اور بچے روزانہ 10 گھنٹے کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور ٹی۔ وی سے ان کی کارکردگی متاثر ہو گی۔ جس سے دھان اور دوسری فصلوں کی پیداوار کم ہو گی۔ (نوائے وقت 96-11-10)

یہ صورت حال ہندوستان کی ہے۔ جن کی عبادت کے اندر ناچ گانا شامل ہے انہوں نے حد سے بڑھی ہوئی فحاشی کے مضر اثرات سے بچنے کے لئے مندرجہ بالا اقدامات کئے ہیں۔ وہ خود اپنے ملک کو مغرب سے آنے والی فحاشی سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر مسلم ممالک میں فحش آڈیو' وڈیو فلموں کا ایک پورا جال انہوں نے بچھا دیا ہے تاکہ اس طرح ان سے معقول زرمبادلہ بھی کمائیں۔ دوسری طرف ان کے اخلاق و کردار کو مکمل طور پر تباہ کر سکیں۔

(2) خود فرانس میں اپنی ثقافت کے تحفظ کے لئے بڑا تعصب پایا جاتا ہے وہ امریکی فلموں انگریزی زبان اور کوکاکولا کو اپنی تہذیب کے لئے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں چنانچہ ایک گروہ "دی بوفون" امریکی فلموں کے خلاف بھرپور مہم چلا رہے ہیں۔

(3) چین نے بھی امریکی ثقافت کو اپنے لئے خطرہ قرار دیتے ہوئے ڈش کے پروگراموں کو سنسر کرنا شروع کر دیا ہے۔

(4) مسلم ممالک میں سوڈان' ایران اور ملائیشیا مغربی فحاشی اور موسیقی کے خلاف اپنے اپنے ممالک میں مہم چلا رہے ہیں۔

مگر افسوس پاکستان میں بے حیائی کی کوئی روک تھام سرکاری سطح پر کرنے کا اہتمام نہیں کیا جا رہا۔ اگرچہ وزیراعظم نواز شریف' صدر پاکستان جناب رفیق تارڑ اور متعدد اہل فکر نے اس کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ مگر عملاً ابھی تک کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔ اس وقت ہمارے ہاں جو تہذیب پروان چڑھ رہی ہے اس کا ایک عکس اس خبر میں ملاحظہ فرمایئے۔

لاہور (نیوز ڈیسک) پاکستان ٹیلی وژن کو معاشرتی اقدار کا کہاں تک خیال ہے اس کا مظاہرہ گزشتہ روز پاکستان ٹی۔ وی سنٹر لاہور میں اس وقت دیکھنے میں آیا جب ٹی۔ وی کی شوخ و شنگ اداکارہ شہناز شیخ "ورزش کا لباس" یعنی بنیان اور نیکر پہن کر لاہور ٹی۔ وی' سنٹر میں آزادانہ گھومتی پھرتی رہیں' جس پر ٹی۔ وی ملازمین بھی حیران رہ گئے اور انہوں نے تبصرہ کیا کہ "یہ روشن پاکستان ہے" (نوائے وقت 98-4-21)

پھر اس مادر پدر آزادی بے باکی اور بے حیائی سے معاشرہ جس طرح کے جرائم کی آماجگاہ بنتا جا رہا ہے اس پر آئی۔ جی پنجاب نے تبصرہ کیا بلکہ ان کو کہنا پڑا "سزائیں دینا ضروری ہیں ورنہ ہر گھر پر پہرہ لگا کر بھی ہم جرائم ختم نہیں کر سکتے۔" (نوائے وقت 97-7-28)

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے وطن عزیز پاکستان میں قرآن وسنت کے احکامات نافذ کرتے ہوئے اس غیر ملکی بیہودہ ثقافت کو دیس نکالا دے سکیں کہ اب اس ثقافت کے خالق بھی اس کے ہاتھوں مجبور و لاچار ہو رہے ہیں۔

❑ پاکدامنی قائم رکھنے کی تدابیر:

اپنی پاکدامنی اور عفت و عصمت کو برقرار رکھنے کے لئے اسلام نے ہمیں باقاعدہ ایک نظام دیا ہے۔ جس کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں۔

❑ (1) مُحَرَّمات کا قانون:

پہلے تو محرمات کا قانون ہے۔ جس سے یہ مراد ہے کہ وہ مرد اور عورتیں جو انتہائی قریبی رشتہ داری کی وجہ سے اکٹھے رہنے پر مجبور ہیں' ان کو محرمات قرار دے دیا گیا ہے۔ مثلاً ماں بیٹا' باپ بیٹی' بھائی بہن' چچا اور بھتیجی' بھتیجا اور پھوپھی' خالہ اور بھانجا' ماموں اور بھانجی سوتیلا باپ اور ربیٹی' سوتیلی ماں اور ربیٹا' ساس اور داماد' سسر اور بہو' اور رضاعی مائیں' رضاعی بہنیں اور رضاعی باپ۔ (سورۃ نساء' آیت نمبر 23'24) یہ سب رشتے محرم رشتے

شمار کیے جاتے ہیں یعنی یہ رشتے رکھنے والے مرد اور عورت ایک دوسرے کی طرف جنسی میلان کا تصور نہیں کر سکتے۔ (سوائے ان بدنیت لوگوں کے جن پر حیوانیت غالب آچکی ہو)۔

❑ **(2) حرمت زنا:** محرمات کے بعد ہر وہ عورت جو عملاً کسی کے نکاح میں ہے' اس سے بھی نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ **وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ** (النساء: آیت نمبر24) اس کے بعد جو عورتیں بچتی ہیں ان کے ساتھ بھی ہر قسم کا بلاضابطہ منفی تعلق چاہے علانیہ ہو چاہے مخفی ہو' حرام قرار دیا گیا ہے۔ **وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا** (بنی اسرائیل' آیت نمبر32) "زنا کے قریب نہ جاؤ! یہ بے حیائی اور بہت برا راستہ ہے۔" پھر اسلام نے بے حیائی کے پیشہ پر بھی پابندی عائد کی ہے۔②

❑ **(3) نکاح:** اس طرح صنفی انتشار کے تمام راستے بند کر کے ایک باضابطہ راستہ قائم رکھا گیا ہے اور وہ نکاح ہے کہ نکاح کی شکل میں تم اپنی جنسی ضرورت پوری کرو۔ یہ نکاح باضابطہ ہونا چاہئے اور اس کا اعلان ہونا چاہئے تاکہ سارے معاشرے کو پتہ ہو کہ فلاں عورت اور فلاں مرد آپس میں میاں بیوی بن چکے ہیں۔ (سورۃ نساء' آیت 24 اور 25 میں) ارشاد ہوتا ہے:

"ان عورتوں کے سوا جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ تم ان کو مال (مہر) دے کر نکاح کرو پاکدامنی کی خاطر--- نہ کہ آزاد شہوت رانی کی خاطر۔ پس ان عورتوں کے وارثوں کی رضامندی سے ان سے نکاح کرو--- اس طرح کہ وہ بھی شریفانہ زندگی گزارنے والی ہوں نہ یہ کہ کھلے بندوں یا چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں۔"

اس طرح جو صنفی تعلق نکاح کے بغیر ناجائز' حرام اور بہت برا راستہ قرار دیا گیا ہے' وہی دائرہ ازدواج کے اندر نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اس کو کار ثواب قرار دیا گیا ہے' اس کے مقابلے میں تجرد کی زندگی اختیار کرنا یعنی نکاح نہ کرنا بہت زیادہ ناپسند کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پیش کیے جاتے ہیں۔ جن سے اس تاکید کا پتہ چلتا ہے:

- **عَلَيْكُمْ بِالْبَاءَةِ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ** (ترمذی' بخاری)
  "تمہیں نکاح کرنا چاہئے کیونکہ وہ آنکھوں کو بد نظری سے روکنے' اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے کی بہترین تدبیر ہے۔"
- "بخدا میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کی ناراضی سے بچنے والا ہوں' مگر مجھے دیکھو کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں' رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں' یہ میری سنت ہے۔ جو شخص میری سنت سے اجتناب کرے' اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔" (متفق علیہ)

- عکاف بن بشر تمیمی ؓ ایک روز آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے استطاعت ہونے کے باوجود شادی نہیں کی تھی' آپ ؐ نے فرمایا: "تب تو تم شیطان کے بھائی ہو۔" نکاح تمام رسولوں کی سنت ہے کیونکہ یہ پاک دامنی کو قائم رکھنے کا ضامن ہے۔
- نبی کریم ؐ کا ایک اور ارشاد ہے: "جو شخص پاکدامن اور عفیف ہو کر اللہ سے ملنا چاہے اس کو شریف عورت سے شادی کرنی چاہئے۔" (مشکوٰۃ' کتاب النکاح)

نکاح اگر ایک طرف عفت و عصمت کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف بقائے نسل کے لئے بھی ضروری ہے۔ نبی کریم علیہ الصلواۃ والسلام کا ارشاد ہے:

- **تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌبِکُمُ الْاُمَمَ** (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداوٗد' نسائی) "خوب محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو' اس لئے کہ تمہاری کثرت سے میں دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔"
- ایک اور حدیث میں نکاح کو نصف دین فرمایا گیا ہے۔
- **اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ نِصْفَ الدِّیْنَ** (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان) "بندہ نے جب شادی کر لی تو (عصمت محفوظ ہونے کی بناء پر) نصف دین پورا کر لیا۔" یعنی شرعی حدود میں اپنی خواہشات پوری کرنے کے باعث بے راہ روی کے امکانات ختم ہو گئے۔ دونوں کا مستقبل محفوظ ہو گیا۔ دائرہ عمل معین ہو جاتا ہے۔ اپنی اپنی ذمہ داریوں کی نوعیت بھی طے ہو جاتی ہے۔ لہٰذا دونوں جم کر اپنی صلاحیتیں اپنے فرائض پر لگا دیتے ہیں۔
- سورۃ نور' آیت 32 میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو بھی بے نکاح ہوں (مرد یا عورت' خواہ ابھی نکاح نہ ہوا ہو یا وفات و طلاق کی وجہ سے اب تجرد ہو گیا ہو) تم ان کا نکاح کر دو--- جو غریب ہوں تو (نکاح کے سبب) اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ کشائش والا ہے۔

اس طرح نکاح بے شمار معاشی اور معاشرتی فوائد کے ہمراہ انسان کو پاک دامن رہنے میں بہت زیادہ مدد دیتا ہے۔ نکاح سے خاندان وجود میں آتا ہے۔ میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے لئے باعث سکون و راحت بنایا ہے۔ پھر اس خاندانی نظام میں مرد کو صدارت عطا کی گئی ہے۔ بیرون خانہ کی تمام ذمہ داریاں یعنی کسب معاش اور دیگر کام مرد کے ذمہ ہیں' جبکہ عورتوں کو حکم ہے کہ گھروں میں رکی رہیں اور اندرون خانہ کے تمام کام انجام دیں۔ چونکہ عورت کا دائرہ کار اس کا گھر ہی بنایا گیا ہے لہٰذا اسے بغیر ضرورت باہر نہیں نکلنا چاہئے اور اگر ضرورت کی بناء پر باہر جانا پڑ جائے تو کچھ پابندیوں کے ساتھ ایسا کر سکتی ہے' جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

(4) لباس اور ستر:

پاکدامنی قائم رکھنے کے لئے ایک ضروری حکم یہ ہے کہ انسان برہنہ نہ رہے بلکہ لباس کا اہتمام کرے خصوصاً جسم کے وہ حصے جن کو ظاہر کرنے میں انسان کی فطری حیاء مانع ہے' ان کا خصوصی خیال رکھے۔ ستر کو نہ ڈھانپنا بھی بے حیائی کی ایک شکل ہے اور اس سے تاکید کے ساتھ روکا گیا ہے۔

قرآن پاک میں سورۃ اعراف' آیت نمبر 24 میں ارشاد ربانی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ "اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس نازل فرمایا تاکہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانپے اور تمہارے لئے باعث زینت بنے۔ اور بہترین لباس تو تقویٰ کا لباس ہے۔"

اس آیت کی رو سے جسم ڈھانپ کر رکھنا ہر مرد و عورت کے لئے فرض کر دیا گیا ہے۔ اللہ نے اس میں شرم و حیاء کا مادہ رکھا اور پھر اس فطری شرم کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے اسے اپنے آپ کو ڈھانپ کر رکھنے کے لئے لباس فراہم کرنا سکھایا۔ یہ لباس ایک طرف تو اس کی فطرت کا تقاضا ہے' دوسری طرف اس کو گرمی و سردی کے موسمی اثرات سے بھی بچاتا اور اس کو خوبصورتی عطا کرتا ہے۔ گویا انسان کو زینت اور خوبصورتی لباس پہننے سے حاصل ہوتی ہے' نہ کہ عریاں رہنے سے یا نیم عریاں یا باریک' مختصر تنگ' چست لباس پہننے سے یا کمر' سینہ' بازو' پنڈلیاں ننگی کرنے سے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تقویٰ کا لباس بہترین ہے۔ یعنی لباس کے معاملے میں خدا خوفی سے کام لینا ضروری ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ لباس ستر پوش ہو۔ اعتدال کے ساتھ ذریعۂ زینت بھی ہو۔ اسے غرور و تکبر اور ریا کا ذریعہ نہ بنایا جائے' نہ لباس پر بے دریغ خرچ کیا جائے۔ اسی طرح دوسروں کی بیہودہ نقالی کرنے سے بھی بچا جائے۔ مرد عورتوں والا لباس نہ پہنیں اور نہ عورتیں مردانہ پن کی نمائش کرنے لگیں۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ بے تکلف ننگے ہو جاتے تھے۔ غسل اور قضائے حاجت کے وقت پردہ ضروری نہ تھا بلکہ کعبہ کا طواف بھی برہنہ ہو کر کیا جاتا تھا اور اسے کار ثواب سمجھا جاتا تھا' خواتین تک طواف کے لئے برہنہ ہو جاتی تھیں۔ عموماً عورتوں کا لباس اس طرح کا تھا جس میں سینے کا کچھ حصہ' بازو' کمر اور پنڈلیاں کھلی رہتی تھیں (بالکل یہی کیفیت آجکل مغربی خواتین کے لباس میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ ب مشرق میں بھی ہر جگہ یہی کچھ ہونے لگا ہے)۔ اس پر آیت مبارکہ نازل ہوئی:

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (سورۃ نور' آیت 31) "عورتیں اپنے سینوں پر پنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رکھیں (جسے آجکل دوپٹہ کہتے ہیں)۔" تب مسلمان خواتین نے اپنے نہ بند لئے' انہیں کناروں کی طرف سے پھاڑ کر ان سے اپنے سینوں کو ڈھانپ لیا۔ (بخاری)

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کی بھتیجی حفصہ ؓ بنت عبدالرحمٰن ان کے پاس آئیں۔ انہوں

نے باریک دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے وہ باریک دوپٹہ پھاڑ دیا اور حفصہؓ کو ایک موٹی چادر اوڑھادی (موطا امام مالک)

باریک یا نیم عریاں لباس' لباس کے دونوں مقاصد پورے نہیں کرتا' نہ وہ ستر ڈھانپ رہا ہے اور نہ باعث زینت ہے۔ مثلاً اوڑھنی کا مقصد سر' سینہ اور گردن کو ڈھانپنا ہے' وہ اوڑھنی اگر اتنی باریک ہے کہ اوڑھے ہونے کے باوجود سب کچھ ننگا ہو رہا ہے تو پھر اس اوڑھنی کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ لباس باریک ہے اس لئے مکمل زینت بھی نہیں دے رہا۔ ستر ڈھانپنے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ کیجئے:

- "کوئی مرد کسی مرد کو اور کوئی عورت کسی عورت کو برہنہ نہ دیکھے۔" (مسلم)
- "خبردار! برہنہ ہونے سے بچو۔ تمہارے ساتھ وہ ہیں جو کبھی تم سے جدا نہیں ہوتے (یعنی کراماً کاتبین) سوائے قضائے حاجت اور وقت مباشرت کے۔" (ابن ماجہ)
- "جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس وقت بھی ستر ڈھانکے اور گدھوں کی طرح بالکل ننگا نہ ہو جائے۔" (ابن ماجہ) یعنی ایک دوسرے کے ستر کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

ستر کی حدود:

شرعی اصطلاح میں ستر جسم کے ان حصوں کو کہا جاتا ہے جنہیں بیوی یا شوہر کے سوا ہر ایک سے چھپانا ضروری ہے۔ مرد کے لئے ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ستر ہے جبکہ عورت کے لئے ستر کی حدود مختلف ہیں۔ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا پورا جسم سب لوگوں سے چھپائیں۔ ایک بار حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ (جو حضرت عائشہؓ کی بہن تھیں) آپؐ کے سامنے باریک لباس پہن کر آئیں۔ جسم اندر سے جھلک رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً نگاہ پھیرلی اور فرمایا: "اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس کے جسم کا کچھ حصہ نظر آئے سوائے اس کے اور اس کے۔" یہ فرما کر آپؐ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا (ابوداؤد)

- نبیؐ پاک کا ارشاد ہے: "اللہ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو لباس پہن کر بھی ننگی کی ننگی رہیں۔"
- "وہ عورتیں جو لباس پہنے ہوئے ہیں مگر عریاں ہیں' خود دوسروں کی طرف مائل ہوتی ہیں اور دوسروں کو اپنی طرف (ناز و ادا سے) مائل کرتی ہیں' وہ جنت میں داخل نہ ہو سکیں گی نہ اس کی خوشبو پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو پانچسو برس کی مسافت سے آتی ہے۔" (موطا امام مالک)

ایک دوسرے کے ستر کو چھونا یا ہاتھ لگانا اور دیکھنا بھی حرام ہے۔ پس جو لوگ دوسروں کے سامنے بے تکلف گھٹنے کھولتے اور تیل کی مالش کراتے ہیں انہیں اس پر ضرور غور کرنا چاہئے۔

(5) استیذان: یہ بھی عفت و عصمت کو قائم کرنے کی ایک تدبیر ہے کہ کسی دوسرے کے ہاں جب جاؤ تو بے دھڑک ان کے گھر نہ چلے جاؤ' بلکہ اجازت لیکر جاؤ' تاکہ عورتیں اپنی اوڑھنی اور پردہ وغیرہ ٹھیک کرلیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

•• يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا (النور: 27)

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اہل خانہ سے پوچھ نہ لو اور جب داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔"

مقصد یہ ہے کہ اپنے گھر میں عورت مرد اجنبیوں کی نگاہ سے محفوظ رہیں' ان کی نظر اس حال میں نہ پڑے جو ان کو ناگوار محسوس ہو۔ اس حکم کے ساتھ ہی آپ ؐ نے یہ حکم بھی دیا کہ کوئی گھر کے باہر سے گھروں کے اندر نہ جھانکے' کیونکہ اجازت مانگے مگر ساتھ اندر بھی جھانک لے تو اجازت مانگنے کا مقصد فوت ہوگیا۔

پھر سورۃ احزاب میں حکم نازل ہوا: "جب تم عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں کے لئے بھی پاکیزگی ہے اور ان کے دلوں کے لئے بھی" (احزاب:53)

کہ اجنبی مرد و عورت میں خلط ملط اور بے تکلفی نہ ہونے پائے۔ (احزاب:53)

یہ اجازت مانگنے یا پردے کی اوٹ سے چیز لینے کا حکم گھر کے خادموں کے لئے بھی ہے۔ حضرت انس ؓ اور حضرت بلال ؓ نبی پاک ؐ کے خادم خاص تھے۔ آپ ؐ کے پاس مستقل رہتے تھے۔ انہوں نے حضرت فاطمہ ؓ سے آپ کا بچہ مانگا تو حضرت فاطمہ ؓ نے پردہ کی اوٹ میں سے پکڑایا۔

(6) خلوت کی ممانعت ایک پابندی پاک دامنی کی خاطر مسلمانوں پر یہ بھی لگائی گئی ہے کہ شوہر کے سوا کوئی مرد کسی عورت کے پاس علیحدگی میں نہ بیٹھے' نہ اس کے جسم کو مس کرے خواہ اس کا قریب ترین عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی تخلیہ اور لمس سے منع کیا گیا ہے۔

- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار! عورتوں کے پاس تنہائی میں نہ جاؤ۔ ایک انصاری نے عرض کیا: "دیور اور جیٹھ کے متعلق کیا ارشاد ہے؟" فرمایا: "وہ تو موت ہے۔" (ترمذی)③
- "شوہروں کی غیر موجودگی میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ کیونکہ شیطان تمہارے اندر خون کی طرح گردش کر رہا ہے۔" (ترمذی)
- "آج کے بعد سے کوئی شخص کسی عورت کے پاس اس کے شوہر کی غیر موجودگی میں نہ جائے جب تک اس کے ساتھ ایک دو آدمی اور نہ ہوں۔" (مسلم)

لمس (یعنی غیر عورت کو چھونا) کے بارے میں نبی ؐ پاک کا ارشاد ہے:

- جس شخص نے کسی عورت کا ہاتھ چھوا جس کے ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو تو اس ہتھیلی پر قیامت کے روز انگارہ رکھا جائے گا۔" (صفحہ 291 بحوالہ نصب الرایہ ج 4 صفحہ 240 "پردہ" ص ۲۹۱

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود جب عورتوں کی بیعت لیتے' تو ان کے زبانی اقرار کو کافی سمجھتے۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے کبھی ایسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا جو آپؐ کے نکاح میں نہ ہو۔ (بخاری)

یہ احکام جو ان عورتوں کے لئے ہیں رہ گئی سن رسیدہ عورتیں' جو بہت بوڑھی ہو چکی ہیں' معاشرتی ضروریات کے پیش نظر ان کے ہاں علیحدگی میں بھی جایا جا سکتا ہے اور ان کو چھونا بھی ممنوع نہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا بوڑھی نابینا عورت کے ہاں جا کر اس کے گھر کا کام کاج کرنا۔ اسی طرح جسم کو ہاتھ لگانے میں محرم اور غیر محرم کے درمیان فرق ہے۔ مثلاً ماں اپنے بیٹے کا بوسہ لے' بھائی اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کر اسے سواری سے اتارے یا اس پر چڑھائے وغیرہ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے حضرت فاطمہؓ کو گلے لگا کر ان کے سر کا بوسہ لیتے —— اس طرح ضرورت پڑنے پر ڈاکٹر مریض عورت کی نبض وغیرہ دیکھ سکتا ہے۔

(7) پردہ (حجاب):

ایک اور قانونی بندش عصمت و عفت کے تحفظ کی خاطر حجاب کا قانون ہے۔ پردہ یا حجاب دو طرح کا ہوتا ہے:

(1) گھر کے اندر محرم رشتہ داروں کے سامنے وہ اظہار زینت کر سکتی ہے۔ مگر اس طرح کہ سر' سینہ وغیرہ موٹے دوپٹے اور اوڑھنی سے ڈھکے ہوئے ہوں۔ مگر گھر کے اندر جو غیر محرم رشتہ دار ہیں ان سے چہرے کا پردہ بھی کیا جائے گا مگر گھونگھٹ وغیرہ سے پردہ اس طرح کا نہیں جیسے باہر کے اجنبی لوگوں سے ہوتا ہے ورنہ گھریلو زندگی اجیرن ہو جائے' مثلاً خالو زاد' ماموں زاد' دیور' جیٹھ وغیرہ۔ تاہم ان کے ساتھ نہ تو بے تکلفی سے گفتگو ہو اور نہ ضرورت سے زائد ہو۔ سادگی اور وقار کے ساتھ ممکن حد تک پردے کے ساتھ ضروری کام سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔

(2) لیکن گھر سے باہر نکلنے کے احکام بالکل دوسری نوعیت کے ہیں۔ عورت کا اصل مقام اور دائرہ عمل تو اس کا گھر ہی ہے۔ مگر جب ضرورت پڑے تو چند پابندیوں کے ساتھ سادگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے گھر سے باہر جا سکتی ہے (پردہ کے احکام کی پوری تفصیل اگلے باب میں دی جا رہی ہے)۔

(8) مبادیات زنا سے بچنے کی تاکید:

بے حیائی' بدکاری' زنا وغیرہ مخصوص جنسی فعل کا نام ہے جس کا ارتکاب دائرہ ازدواج سے باہر کیا

جائے' مگر اخلاقی لحاظ سے دوسروں کی طرف ہر طرح کا میلان اور جھکاؤ دراصل زنا ہی ہے۔ ایک لمبی حدیث میں نبی اکرمؐ کا فرمان ہے:

"آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' کانوں کا زنا سننا ہے' زبان کا زنا بات کرنا ہے' ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے' پاؤں کا زنا چلنا ہے' دل کا زنا آرزو اور تمنا کرنا ہے۔ پھر شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے۔" (مشکوۃ' باب الایمان)

چنانچہ غیر محرم اور اجنبی کے حسن سے آنکھ کا محظوظ ہونا' اس کی آواز سے کانوں کا لذت پانا' اس سے گفتگو کرنے میں ملائم زبان استعمال کرنا' اس کے کوچے کی خاک چھاننے کے لئے قدموں کا بار بار اٹھنا' ہاتھوں سے شہوت انگیز ناول' رسالے' فلمیں پکڑنا یا غیر عورت کو چھونا' دل کا برائی کی نیت کرنا' یہ سب مبادیات ہیں گناہ کی' قانونی طور پر تو ہم ان کو زنا نہیں کہہ سکتے مگر حیاء اور پاکدامنی کے کوتوال دل کے ان چوروں کو ضرور پکڑ لیتے ہیں۔ مندرجہ بالا حدیث میں ان سب فتنوں کی مفصل طور پر نشاندہی کی گئی ہے۔

❑ (1) **فتنۂ نظر:** قرآن پاک میں سورۃ نور' آیت 30 میں مومن مردوں اور آیت 31 میں مومن خواتین کو اجنبیوں کو دیکھنے سے منع کرتے ہوئے نگاہ نیچی رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فتنہ نگاہ کی وضاحت اس طرح فرمائی:

"اے علیؓ! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو' پہلی نظر (جو اچانک پڑ گئی تھی) وہ تو معاف ہے' مگر دوسری نظر معاف نہیں" کیونکہ وہ ارادتاً ڈالی جائے گی۔ مراد یہ ہے کہ پہلی نظر کے بعد فوراً نگاہ پھیر لو۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی مسلمان کی جب پہلی مرتبہ کسی عورت کے حسن پر نظر جا پڑے پھر وہ اپنی نگاہ پست کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی عبادت میں حلاوت اور شیرینی پیدا کر دیتا ہے۔" (مشکوۃ باب النظر الی المخطوبہ)

❑ (2) **جاہلی بے پردگی سے ممانعت:** عورتوں کا بن ٹھن کر گھروں سے باہر نکلنا اپنے حسن کی نمائش کرتے پھرنا اور ناز و ادا سے چلنا شریعت کی نگاہ میں بہت معیوب ہے۔ ہر وہ زینت اور ہر وہ آرائش جس کا مقصد شوہر کے سوا دوسروں کے لئے جاذب نظر بننا ہو شریعت نے اس کے لئے ایک جامع اصطلاح "**تبرج جاھلیہ**" استعمال کی ہے۔ لباس' بالوں کی آرائش' چہرے کا میک اپ' باریک و شوخ کپڑوں کا انتخاب حتیٰ کہ خوب صورت اور خوش رنگ برقعہ جو دوسروں کو جاذب نظر محسوس ہو' سب اسی "**تبرج جاھلیہ**" کے ضمن میں آتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى "اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور

دور جاہلیت کی طرح سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔" (احزاب:34)

عورت کے اندر فطرتاً آرائش و زیبائش کا جذبہ ہوتا ہے' چنانچہ وہ اپنے گھر میں آرائش کر سکتی ہے' اپنے شوہر کے لئے آرائش کرنا ضروری ہے مگر جس آرائش میں ذرا بھر بھی بری نیت (دوسروں کو دکھانے کی) شامل ہو وہ جاہلیت کی آرائش ہے۔

پھر عورتوں کو گھروں میں بیٹھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے سے جو مخلوط معاشرہ قائم ہوتا ہے اس میں عفت اور پاکدامنی کا قائم رہنا محال ہے۔ مرد و عورت کے آزادانہ و بے باکانہ میل جول کے غلط نتائج مغرب میں صدیوں سے نکل رہے ہیں اور اب مشرقی معاشرہ بھی پیچھے نہیں رہ گیا' خود ہمارے پاکستان میں صورت حال بہت خراب ہو چکی ہے۔

چنانچہ تجربات نے یہ ثابت کیا ہے کہ خواتین کے لئے پردہ کا شرعی حکم معاشرہ کو پاک صاف رکھنے کے لئے سراپا رحمت ہے۔

(3) فتنۂ زبان:

اسلام کا حکم ہے کہ اگر عورت کو کسی غیر مرد سے بات کرنا پڑ جائے تو وہ پردہ کی اوٹ سے ہی ہو' باتوں میں شیرینی اور حلاوت پیدا نہ ہونے پائے مبادا کہ اسی سے بد طینت کو شرارت کا موقع مل جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا

(احزاب:32) "دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں (بدنیتی کی) بیماری ہے وہ تم سے کچھ امیدیں وابستہ کر لے گا' بات سیدھے سادھے طریقے سے کرو۔"

غیر مرد سے حلاوت اور شیرینی سے بات کرنا' دوسروں کی غلط ملط کہانیاں مزے لے لے کر بیان کرنا اور مزے لے لے کر سننا' شاعرانہ غزلیں' عشق و محبت کے افسانے بیان کرنا ان سب کی ممانعت ہے۔ ان پر قانون کا پہرا تو نہیں بٹھایا جا سکتا مگر تقویٰ' پاکدامنی ضرور ان سب فتنوں سے آگاہ کرتی ہے۔

(4) زیوروں کی آواز کا فتنہ:

عورتوں کو منع کیا گیا ہے کہ وہ زیور پہنے ہوں اور ان کے چلنے سے زیوروں کی جھنکار' پائیل اور گھنگرو وغیرہ کی آوازیں آ رہی ہوں۔ سورۃ نور' آیت 31 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے (زیور وغیرہ) اس کا حال معلوم ہو جائے (یعنی ان کی جھنکار سنائی دے)۔

(5) خوشبو کا فتنہ:

خوش بو بڑا تیز رو قاصد ہے جو بہت جلد ایک شریر النفس انسان کا پیغام دوسرے شریر تک پہنچا دیتا ہے۔ عورت چاہے کتنے پردے کے اندر رہو' وہ خوشبو لگائے کہیں سے گزر رہی ہو' سب مرد مڑ مڑ کر اس کی طرف نگاہ اٹھائیں گے' اس کی خوشبو فضا میں

پھیل پھیل کر دوسروں کے جذبات کو متحرک کرے گی' لهٰذا اسلام نے اس فتنہ کا (جسے بڑا معمولی سمجھا جاتا ہے) بہت سخت نوٹس لیا ہے' اس حوالے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ملاحظہ ہوں:

- "جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے۔" (ترمذی)

حتیٰ کہ مسجد میں آتے ہوئے بھی عورت خوشبو استعمال نہیں کر سکتی۔

- "جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے تو خوشبو نہ لگائے۔" (موطا' مسلم)

اگر عورت گھر میں خوشبو لگائے ہوئے ہو' اسے اتفاقاً باہر جانا پڑ جائے تو غسل کر کے خوشبو کا اثر زائل کرے' تب گھر سے باہر نکلے۔ پھر آپ ؐ نے فرمایا:

- "مردوں کے لئے وہ خوشبو مناسب ہے جس کی خوشبو نمایاں ہو مگر رنگ نمایاں نہ ہو اور عورت کے لئے وہ خوشبو مناسب ہے جس کا رنگ نمایاں ہو مگر خوشبو مخفی ہو جیسے (مہندی)۔"

(6) ستر کا چھپانا

ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی چند اور بھی باتیں ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ مثلاً: "کوئی مرد دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے' نہ عورت کسی دوسری عورت کا ستر دیکھے۔" (مشکوٰۃ)

- "کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹے (کیونکہ اس سے شہوت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ چیز بسا اوقات سحاق اور کبھی لواطت کی طرف مائل کرتی ہے' یہ دونوں بہت برے فعل ہیں)۔

(7) اپنے عیوب اعلانیہ بیان کرنے سے اجتناب:

بے حیائی سے تعلق رکھنے والے کاموں کا بار بار ذکر کرنا بھی حیاء کے خلاف ہے کیونکہ جب معاشرے میں بار بار فحش اور گندی باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور مزے لے لے کر عشقیہ قصے کہانیاں بیان کی جاتی ہیں تو پھر آہستہ آہستہ ان اعمال کی برائی کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ ان کے متعلق جھجک اور حیاء ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ پھر لوگ ان برے افعال کو خود عملاً کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ساتھ اپنے ان کاموں کو نمک مرچ لگا کر معاشرے میں بیان بھی کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح وہ مزید برائیوں کے دروازے کھولتے رہتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے گناہ بخش دیئے جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جو خود اپنے گناہوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی وہ رات کو برا فعل کرتے ہیں اور اللہ اس کے اوپر پردہ ڈال دیتا ہے۔ مگر وہ خود کہنے لگتے ہیں: "اے فلاں! میں نے تو رات کو فلاں فلاں کام کیا تھا" حالانکہ اللہ نے اس کے عیب پر پردہ ڈال دیا تھا۔" (مسلم) تو اب خود ہی اس عیب کو مزے مزے سے لوگوں میں بیان کر کے مزید فحاشی پھیلانے کا سبب بن رہا ہے۔

(8) تہمت لگانے کی ممانعت:

سورہ نور' آیت 4 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں--- "پھر وہ چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ ایسے لوگ خود ہی فاسق ہیں۔" پھر آگے چل کر سورہ نور' آیت نمبر23 اور 25 میں ارشاد ہوتا ہے: "جو لوگ پاکدامن بے خبر عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں' ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (وہ اس دن کو بھول نہ جائیں) جب ان کی اپنی زبانیں اور ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ ان کو وہ بدلہ بھرپور دے گا جس کے مستحق ہیں اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا۔"

دوسروں پر بدکاری کی تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے' اسلام نے اس سے سختی سے منع کیا ہے۔ عصمت مرد کی بھی اتنی ہی قیمتی ہے جتنی کہ عورت کی' عموماً سمجھا جاتا ہے کہ صرف عورت کی عصمت قابل حفاظت ہے' مرد کی کیا بات ہے' اس کی عصمت دری کا کسی کو کیا پتہ چلتا ہے؟ دنیادار تو ایسی بات کہہ دیتے ہیں جبکہ ہمارے دین نے مرد کے اوپر تہمت لگانے والے کی سزا بھی اسی (80) کوڑے رکھی ہے اور عورت پر الزام لگانے والے کی سزا بھی اسی کوڑے ہے۔ واضح رہے کہ خود جرم زنا کی سزا (غیر شادی شدہ کے لئے) سو کوڑے ہے۔ یعنی الزام لگانے کی سزا اصل جرم کے مقابلے میں صرف 20 کوڑے کم۔ تاکہ آئندہ کبھی ایسی بات بلا ثبوت اپنی زبان سے نکالنے کی جرات نہ کرے۔ اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص غلط یا صحیح واقعات مزے لے لے کر دوسروں سے بیان کرتا ہے' دوسرے اس میں مزید نمک مرچ لگاتے ہیں' اس طرح بے حیائی کی ایک رو چل پڑتی ہے اور برے میلانات رکھنے والوں کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ کہاں کہاں ان کے لئے قسمت آزمائی کے مواقع ہو سکتے ہیں۔ بالفرض کسی نے ارتکاب کیا بھی ہے تب بھی چار گواہوں کی موجودگی کی شرط اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ کوئی بھی شخص ایسے ہی بلا ثبوت اٹھ کر دوسروں کی عصمت کو داغدار نہ کرنے لگے۔ کوئی مرد یا کوئی عورت کسی شریف مرد یا عورت پر زنا کا الزام لگائے تو لازماً اس سزا کا مستحق ہے۔ اگر کسی نے گناہ کیا بھی ہے اور الزام لگانے والے نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر چار گواہ نہیں لا سکتا تو پھر خاموش رہے تاکہ گندگی جہاں پڑی ہے وہیں پڑی رہے' آگے نہ پھیل سکے۔ اسلام کا منشاء تو گندگی کو سمیٹنا ہے نہ کہ مزید آگے پھیلانا۔

(9) فحاشی پھیلانے کی ممانعت:

ہر وہ سرگرمی جس کا تعلق معاشرے میں فحاشی پھیلانے سے ہے' اس پر تنبیہ فرماتے ہوئے سورہ نور' آیت 19 میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ "جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں فحاشی پھیلے وہ دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔ (اس کی خرابی) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

"آیت کے الفاظ فحش پھیلانے کی تمام صورتوں پر حاوی ہیں۔ فحاشی پھیلانے والی سرگرمیوں میں افراد مصروف ہوں یا ادارے، اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ انہیں ایسا کرنے سے روکے اور انہیں قرار واقعی سزا دے۔ بدکاری کے اڈے، قحبہ خانے بھی اس ضمن میں شامل ہیں اور ہیجان پیدا کرنے والے ذرائع مثلاً فحش لٹریچر، عریاں تصویریں، ریڈیو، ٹی۔ وی، وی۔ سی۔ آر، ڈش انٹینا وغیرہ یہ سب چیزیں، جنہوں نے مل کر معاشرے میں آگ لگا رکھی ہے، یہ سب مجرم ہیں اور سب سزا کے مستحق ہیں، ان سے اجتماعی زندگی کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ پر اعتماد کرو اور ان تمام برائیوں کو پوری قوت سے مٹانے اور دبانے کی کوشش کرو۔ یہ کوئی معمولی باتیں نہیں ہیں جن کو نظر انداز کر دیا جائے۔ دراصل یہ بہت بڑی بڑی خرابیاں ہیں جن کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزا ملنی چاہیے۔" (تفہیم القرآن)

حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی جو پہلا خطبہ دیا تھا اس میں خصوصاً ذکر فرمایا: "کبھی ایسے نہیں ہوتا کہ قوم اللہ کی راہ میں جدوجہد چھوڑ دے اور اللہ ان پر ذلت مسلط نہ کرے اور کسی قوم میں فحش باتیں پھیلیں اور اللہ تعالیٰ اس کو عام مصیبت میں مبتلا نہ کر دے۔"

عمل قوم لوط: اس کی دو قسمیں ہیں: (1) وطی فی الدبر (2) ہم جنس پرستی دونوں اسلام میں حرام ہیں۔ نبی پاکؐ کا ارشاد ہے: "جو شخص حائضہ سے، یا اپنی بیوی سے دبر میں اپنی خواہش پوری کرے یا کاہن کے پاس آئے اس نے نبی پاکؐ کے لائے ہوئے دین سے انکار کیا۔" (ترمذی)

یعنی وطی فی الدبر اپنی عورت (بیوی) کے ساتھ ہو یا کسی غیر کے ساتھ، کسی حال میں جائز نہیں۔

ہم جنس پرستی: (استلذاذ بالمثل) یعنی مرد کا مرد سے اپنا جنسی میلان پورا کرنا یا عورت کا عورت کے ساتھ مصروف ہونا، یہ بھی عمل قوم لوط کہلاتا ہے۔ قوم لوط نے ہی اس کا آغاز کیا اور قرآن پاک کے بیان کے مطابق ان کی خباثت اس سلسلہ میں اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ حضرت لوطؑ کے بار بار سمجھانے پر بھی باز نہ آئے حتیٰ کہ مہمان کی بھی پروا نہ تھی، حضرت لوطؑ سے ان کے مہمانوں (جو دراصل فرشتے تھے) کا تقاضا کرنے آ گئے۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ جتنا برا ان کا کام تھا، اتنی ان کو سخت سزا دی گئی کہ زمین کا اوپر والا تختہ نیچے کر دیا گیا (یعنی ان کو تہ و بالا کر دیا)، پھر ان پر لگاتار کنکر کے پتھر برسائے گئے جن پر رب کی طرف نشان لگے ہوئے تھے۔ سورۃ ہود: آیت 82 اور 83

یہ بیماری بھی تاریخ میں ہر دور میں موجود رہی ہے، مگر جتنی شدت کے ساتھ بیسویں صدی کے

آخری نصف میں پھوٹی ہے اتنی پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ بالآخر امریکہ ' فرانس ' برطانیہ ' سویڈن جیسے مہذب ممالک نے اس کو قانوناً جائز قرار دے دیا ' امریکہ کے گزشتہ انتخابات میں صدر جانسن کی کامیابی کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ اس نے انتخابی منشور میں امریکی فوج میں ہم جنس پرستی کو قانونی طور پر جائز قرار دینے کا وعدہ کیا تھا ' اسی بیماری کی وجہ سے آج مغرب ایڈز کے خوفناک مہلک مرض میں مبتلا ہے۔ ان کی اپنی تحقیق کے مطابق ایڈز کا مرض ان کے لئے ایٹم بم سے زیادہ خطرناک ہے کہ ایڈز کا مریض کسی حال میں نہیں بچ سکتا۔

عمل قوم لوط کے مرتکب کی سزا اسلام میں بڑی سخت رکھی گئی ہے ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تم جس کو بھی عمل قوم لوط میں مبتلا دیکھو تو فاعل (جو کرنے والا ہے) اور مفعول بہ (جس کے ساتھ یہ عمل ہو رہا ہے) دونوں کو قتل کر ڈالو ' ان دونوں کے لئے خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ معافی کی کوئی صورت نہیں ' یہ غیر فطری فعل زنا سے کئی گنا زیادہ برا ہے۔ یہ وہ ملعون فعل ہے جس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار لعنت فرمائی۔ اس سے بچنے کی ترکیب حافظ ابن حجر نے (مفتاح الخطابہ ' ص 217 میں) یہ بیان کی ہے کہ مالدار لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کیا جائے کیونکہ یہ اپنی شکل و صورت اور لباس و پوشاک میں سراپا فتنہ ہیں ' بسا اوقات یہ عورتوں سے بڑھ کر فتنہ ثابت ہوتے ہیں۔ پھر انہوں نے امام سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ کے حوالوں سے لکھا ہے کہ قریب البلوغ خوبصورت لڑکوں سے جتنا ممکن ہو پرہیز کرنا چاہئے۔

---

① سورہ رحمٰن میں آیت قرآنی: "جنت میں نیچی نگاہوں والی عورتیں ہوں گی۔"

② **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ثمن الکلب ومھر البغی** "آپ ﷺ نے کتے کی قیمت اور بیسوائی کی آمدنی سے فائدہ اٹھانا منع فرمایا۔" (بخاری)

③ یعنی وہ تو گھر میں آتے جاتے رہتے ہیں ' ان سے اگر پردہ نہ کیا گیا تو دوسروں کی نسبت یہاں فتنہ کا امکان زیادہ ہے۔

② مائیں یہ بات بڑی اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ لڑکیاں ابتدا ہی سے صلح کل ہوتی ہیں ' ان کی پرورش لڑکوں کے مقابلے میں بڑی آسان ہوتی ہے جبکہ لڑکے شروع ہی سے مار کٹائی کے عادی ہوتے ہیں ' وہ مستقل طور پر بڑی بہنوں کو بھی دبائے رکھتے ہیں۔

7

ستر و حجاب کے احکام

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (القرآن)

"(عورتیں) اپنے اوپر چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔" (الاحزاب:59)

پردے کے لئے عقلی دلائل

- پردہ کے حق میں عقلی دلائل
- باپردہ خواتین عملی میدان میں
- عفت وپاکدامنی کے فوائد
- مخالفین پردہ کی سرگرمیاں
- مسلمان متغربین کے پھیلائے ہوئے شبہات
- بعض مستشرقین کا اسلام کے عائلی سسٹم کو خراج تحسین

مخالفین پردہ کے دلائل اور انکا جائزہ

- کیا ہمیں اپنی خواتین پر اعتماد نہیں؟
- اللہ تنگی نہیں دینا چاہتا
- پردہ صحت کے لئے مضر ہے
- پردہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے
- بے پردگی میں عورت کی عزت ہے' پردہ میں غلامی ہے
- شرم وحیاء تو دل میں ہوتی ہے
- خواتین کو گھروں سے نکالنا ملکی ضرورت ہے
- عورت کو گھر سے نکالنے کا اصل مقصد

ستر و حجاب کے احکام

□ بے پردگی بڑا فتنہ ہے: اسلام امن و سلامتی کا ضامن اور فتنہ و فساد کا دشمن ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ** (البقرہ: 191) "فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے" کیونکہ قتل سے تو صرف ایک یا دو جانوں کا اتلاف ہوتا ہے لیکن فتنہ سے ہزاروں جانوں کے ضیاع کا احتمال ہے۔ قرآن پاک کے نزدیک فتنہ ہر وہ چیز ہے جو انسان کے دل و دماغ میں کشمکش کا باعث بن جائے اور آخر کار اس کی عقل، ضمیر اور اس کے عزم و استقامت میں ضعف پیدا کر دے، جس کی بناء پر حق و صداقت پر قائم رہنا ناممکن ہو جائے۔ خطرناک ترین فتنہ شیطان کا ہے جس نے انسان کی ضلالت و گمراہی کا آغاز ہی بے پردگی اور بے حجابی سے کروایا، اس کو بہلا پھسلا کر اس کا لباس اتروا دیا (یعنی حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام) جس سے ان کے جسم کے مستور حصے ننگے ہو گئے اور وہ جنت سے نکال دیئے گئے۔ ارشاد ربانی ہے: **يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا** (الاعراف: 27)

ترجمہ: "اے بنی آدم! کہیں تمہیں شیطان اس طرح نہ بہکا دے جس طرح (بہکا کر) اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس اتروا دیئے تھے تاکہ ان کے ستر انہیں دکھا دے۔"

اس طرح بے پردگی بہت بڑا فتنہ ہے، مگر بد باطن انسانی شیطان، بڑے تعلیم یافتہ پروفیسر بزعم خود اتنے دلفریب دلائل دیتے ہیں کہ خود اللہ نے انسان میں ذوق جمال و دیعت کیا ہے۔ اس ذوق جمال سے وہ فطرت کے تمام مناظر سے لطف اندوز ہوتا ہے تو پھر انسانی جمال سے وہ کیوں لطف اندوز نہ ہو۔ چنانچہ مرد و عورت دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے کے لئے بے باکی سے گھور گھور کر ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، آہستہ آہستہ یہ دیدہ بازی نفس کے شیطان کی انگیخت پر شوق وصال کو تیز کر دیتی ہے۔ لہٰذا اسلام جہاں مرد اور عورت دونوں کو غض بصر کا حکم دیا گیا اور حصار نکاح قائم کیا گیا، وہاں اس کے ساتھ ہی خواتین کا دائرہ عمل گھر تک محدود کر دیا گیا ہے۔ دوسری طرف چند محرم رشتہ داروں کو چھوڑ کر باقی سب سے بھی پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس کا حسن عام نہ ہو۔ ستر و حجاب کے احکام شریعت اسلامیہ میں مہتم بالشان ہیں۔ معاشرتی نظام میں نکاح و طلاق کے احکام جتنے اہم ہیں اتنے ہی اہم

یہ ستر و حجاب کے احکام ہیں تاکہ شیطان نفس کے لئے کہیں سے چور دروازہ نہ نکلے۔ اس کے باوجود اگر پھر بھی کوئی شرارت کرے تو سخت عبرتناک سزا سے دوچار ہو۔

ستر اور حجاب کے ضمن میں کچھ ہدایات تو وہ ہیں جو گھر کے اندر اختیار کرنا ضروری ہیں۔ گھر میں دو قسم کے رشتہ دار ہوتے ہیں: محرم اور غیر محرم۔ محرم کے احکام مختلف ہیں جبکہ غیر محرم کے بارے میں ہدایات دوسری ہیں' جو سب ترتیب وار بیان کئے جاتے ہیں:

گھر کے اندر عورت اپنے جن عزیزوں کے سامنے اظہار زینت کر سکتی ہے ان میں شوہر' باپ' سسر' بھائی' بھتیجے' بھانجے' سگے ماموں' سگے چچا' میل جول کی مسلمان عورتیں اور کمسن بچے شامل ہیں' مگر گھر میں بھی اوڑھنی کا اہتمام ضروری ہے۔ اوڑھنی کی اس طرح بکل ماری جائے جس سے سر' سینہ اور گردن ڈھکی ہوئی ہو۔ پھر اسے اپنے زیور کی جھنکار بھی پیدا نہیں کرنی چاہئے۔ سورہ نور میں گھر کے اندر عورت کے پردے کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ○

ترجمہ: "اے نبی! آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ طریقہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں اور آپ مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مار لیا کریں اور اپنا بناؤ سنگار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے: شوہر' باپ' خسر' بیٹے' سوتیلے بیٹے' بھائی' بھتیجے' بھانجے' اپنی عورتیں' اپنے غلام' وہ مرد خدمتگار جو عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے اور وہ لڑکے جو ابھی عورت کی پردہ کی باتوں سے آگاہ نہیں ہوئے' اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔" (سورہ نور: 30'31)

ان آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور عورتوں دونوں کو غضِ بصر (یعنی نگاہیں بچا کر

چلنا) اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کی تلقین فرمائی ہے' پھر عورت کے اس پردے کی تفصیل بیان فرمائی ہے جو اسے گھر کے اندر اپنے محرم رشتہ داروں سے کرنا ہے۔ یعنی اسکا سر' سینہ وغیرہ اچھی طرح بکل (اوڑھنی) سے ڈھکا رہے۔ پھر ان محرم مردوں کے سامنے بھی زیب وزینت کے اظہار کو روکا گیا ہے۔ یہ گھر کے اندر پردے کی تفصیل ہے جس کی پابندی مسلمان عورت کو اختیار کرنا لازمی ہے۔

اس آیت میں جہاں بھائی کا ذکر ہے' اس سے اپنا حقیقی بھائی مراد ہے۔ چچازاد ماموں زاد' پھوپھا زاد' خالہ زاد اور اس طرح کے وہ بھائی جن سے شادی جائز ہو سکتی ہے' وہ یہاں ہرگز مراد نہیں ہیں۔ ان خالہ زاد' چچازاد بھائیوں سے بھی (جو اگرچہ قریبی ہیں مگر ان سے نکاح جائز ہے) پردہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح غیروں سے۔ ہندوستان اور دیگر ممالک میں چچازاد اور ماموں زاد وغیرہ سے جو بے پردگی کا رواج ہے یہ شریعت کے خلاف ہے۔ اسی طرح یہاں بہن بھائی کے لڑکے سے سگا بھانجا اور سگا بھتیجا ہی مراد ہے' سوتیلہ مراد نہیں۔ آیت میں لفظ "اپنی عورتیں" سے اپنے میل جول کی دینی بہنیں مراد ہیں' جن کے طور اطوار اور اخلاق نیک شریف عورتوں والے ہیں۔ کیونکہ کافر یا غیر متعلق عورتوں کے سامنے زینت کے اظہار کی وجہ سے بسا اوقات عورتیں اخلاقی اور مالی دونوں قسم کی آفتوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں بلکہ بعض حالات میں اس کی وجہ سے جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ اسی طرح وہ ملازم مراد ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے جنسی میلان سے خالی ہوں (نوجوان ملازم سے پورا پردہ کیا جائے گا۔ یہ بے قاعدگی بھی ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے) اسی طرح وہ بچے جو ابھی بلوغ کے تقاضوں سے ناآشنا ہوں' ان کے سامنے بھی زینت ظاہر کی جاسکتی ہے۔

غضِ بصر: اس آیت میں پہلا حکم جو مسلمان مرد اور عورتوں کو دیا گیا ہے' وہ غض بصر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اجنبی عورتوں کے حسن اور ان کی زینت سے لطف اندوز ہونا مردوں کے لئے اور اجنبی مردوں کو دیکھنا عورتوں کے لئے فتنہ وفساد کا موجب ہے۔ فتنہ کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے لہٰذا پہلے اسی دروازے کو بند کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غض بصر کے فوراً بعد شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ بدکاری اور زنا کی پہلی سیڑھی خراب نظر ہی تو ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو نگاہ کی حفاظت کا تاکیدی حکم ہے اور اگر اتفاقاً نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے اور نگاہ فوراً پھیر لینی چاہئے' دوسری بار ادھر نظر کرنا گناہ ہے۔ نبی پاکﷺ کا ارشاد ہے: "اے علیؓ! ایک بار نظر پڑ جانے کے بعد دوبارہ نہ دیکھو کیونکہ پہلی نظر تو تمہیں معاف ہے دوسری نہیں۔" (مشکوٰۃ بحوالہ سنن ابی داؤد' سنن ترمذی)

یہاں اوڑھنی یا دوپٹے کا ذکر کیا گیا ہے' لازمی ہے کہ یہ دوپٹہ موٹا ہو تاکہ جسم نظر نہ آئے۔ گھر کے اندر پردہ کے بارے میں کچھ مزید احکام بھی شریعت نے دیئے ہیں جو ذیل میں بیان کئے جا رہے ہیں:

کسی شخص کے زنان خانے میں جہاں اس کے بیوی بچے رہتے ہوں' دوسرے شخص کو داخل

ہونے کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے:

(1) صاحب خانہ کے ساتھ اس کو "استیناس" حاصل ہو۔ "استیناس" کا مادہ انس بمعنی محبت ہے۔ اس تعلق اور ربط وضبط سے چاہے یہ تعلق رشتہ داری کا ہو' محبت والفت کا ہو یا ملازمت اور غلامی وغیرہ کا ہو' بہرحال اس قسم کے تعلق کے بغیر کسی کے زنانہ مکان میں داخل ہونے کی کوئی گنجائش نہیں دی گئی۔

(2) صاحب خانہ سے "استیذان" یعنی زنانہ مکان میں داخل ہونے سے پہلے اہل خانہ سے اجازت حاصل کرلی جائے۔ اس اجازت کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا جائے۔ اگر سلام کا جواب مل جائے تو سمجھو کہ اجازت ہے ورنہ الٹے پاؤں واپس چلے آؤ۔ حدیث میں وضاحت کی گئی ہے کہ تین بار سلام کرو' اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس آجاؤ۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (نور: 27)

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اہل خانہ سے پوچھ نہ لو اور جب داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو' یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔"①

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کے عزیز واقارب بھی اس کے زنانخانہ میں صرف اسی صورت میں داخل ہو سکتے ہیں' کہ انہوں نے شرعی طریقے سے اجازت لے لی ہو۔ اس صورت میں ان پر لازم ہے کہ نگاہیں نیچی رکھیں' گھر کی عورتوں کو گھورنے یا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے باکی سے ان سے گفتگو کرنے کی کوشش نہ کریں۔ دوم یہ کہ گفتگو بھی تہذیب وشائستگی کے دائرے کے اندر ہو اور شرم وحیاء کے منافی نہ ہو۔ نیز اپنے حدود ستر کا پورا اہتمام رکھیں اور کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو نفس کے فاسد میلانات کو ابھارنے والی ہو۔

اس وقت گھر کی خواتین کو بھی چند باتوں کا اہتمام کرنا ہو گا:

(1) وہ بھی نگاہیں نیچی رکھیں اور بے باکی سے آنے والے مردوں کی آنکھوں میں آنکھیں نہ ڈالیں۔

(2) اپنے سروں پر اوڑھنیاں ڈال لیں اور اچھی طرح ان کی بکل مار لیں۔

(3) اظہار زینت نہ کریں' سمٹ سمٹا کر رہیں' اپنے آپ کو سنبھال کر رکھیں تاکہ دوسروں کی نگاہ خواہ مخواہ ان کی طرف نہ اٹھے۔

(4) اس دوران اگر کسی ضرورت سے گھر کے اندر آنے جانے کی ضرورت پیش آئے تو دبے پاؤں آئیں جائیں' زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں کہ زیوروں کی جھنکار سنائی دے۔

(5) اگر کسی مرد سے بات کرنے کی نوبت آئے تو گفتگو میں لوچ اور نزاکت پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ سیدھے سادھے الفاظ میں مطلب کی بات کہہ کر فوراً گفتگو ختم کر دیں۔ قرآن پاک میں سورۃ احزاب میں ارشاد ربانی ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا

"دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں کوئی خرابی ہے وہ تم سے کچھ توقعات نہ وابستہ کر بیٹھے' بات سیدھے سادے انداز میں کرو۔" بڑے اخلاق سے ہنس ہنس کر اور بنا بنا کر مردوں سے باتیں کرنا شریعت کے نزدیک کسی طور پر جائز نہیں ہے۔

(6) پھر غیر محرم مردوں سے کچھ لینا دینا ہو تو پردے کی اوٹ سے لیا دیا جائے۔ سورۃ احزاب میں ارشاد ہوتا ہے: اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ "جب تم کو ان عورتوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو' یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لئے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لئے بھی۔" (آیت 53)

گھروں کے اندر پردہ کی تفصیلات از روئے حدیث:

احادیث میں ان قرآنی احکامات کی مزید وضاحت ملتی ہے مثلاً:

(1) ایک شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے دروازے کے سوراخ سے آپؐ کے گھر کے اندر جھانک رہا تھا۔ آپؐ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس سے اپنا سر کھجلا رہے تھے' جب آپؐ نے اسے دیکھا تو فرمایا: "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم اندر جھانک رہے ہو تو میں اس چیز سے تمہاری آنکھ پھوڑ دیتا۔" پھر آپؐ نے فرمایا: "مکان کے اندر داخل ہونے کے لئے اجازت لینے کی شرط تو نگاہ ہی کے سبب لگائی گئی ہے۔" (صحیح بخاری)

امام بخاریؒ نے یہ روایت بیان کرکے باب باندھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر کے اندر جھانکنے کی کوشش کرے اور صاحب خانہ کسی چیز سے اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس کے ذمے کوئی دیت یا تاوان عائد نہیں ہوگا۔

(2) غلام کے بارے میں ہدایت گزر چکی ہے کہ اس سے پردہ نہ ہو۔ اس سے وہ غلام مراد ہے' جو مکمل طور پر زیر بار ہے۔ اگر کسی شخص کا غلام مکاتب بن جائے جس کے پاس ادا کرنے کے لئے رقم موجود ہو تو اس سے پردہ کرنا چاہئے۔ (سنن ابی داؤد)

مگر اس سے آجکل کے ملازم مرد مراد نہیں لئے جا سکتے' کیونکہ یہ ہمارے زیر دست نہیں ہوتے۔ ان کے کام کے اوقات مقرر ہیں' وہ اس وقت تک کے لئے ماتحت ہیں۔ دوم یہ کہ وہ

اپنی اصل حیثیت میں آزاد ہیں۔ چاہے تو ہمارے ہاں کام کریں چاہے نہ کریں۔ سوم: اکثر اس قسم کے مرد ملازم جب بھی موقعہ ملتا ہے' اہل خانہ پر دست درازی کرنے' عزتیں لوٹنے' گھر میں چوری کروانے میں مددگار بنتے ہیں۔ لہٰذا ان مرد ملازموں سے بہرحال پردہ ضروری ہے۔

(3) ایک دفعہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں' وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر منہ پھیرلیا اور فرمایا: "اے اسماءؓ! جب عورت بالغ ہو جائے تو بجز اس کے' اور اس کے' اسکے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آنا چاہئے" یہ کہہ کر آپؐ نے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ (سنن ابی داؤد)

یہ اسماءؓ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں' ام المومنین حضرت عائشہؓ کی بہن۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کے کھولنے کی اجازت دینے والی حدیث کا تعلق گھر کے اندر کے پردہ سے ہے نہ کہ باہر کے پردہ سے۔

(4) اپنے عزیزوں میں جس قسم کی احتیاط کی ضرورت گھر کے اندر ہے اسی قسم کی احتیاط ملحوظ رکھ کر وہ باہر بھی ایک دوسرے کے قریب ہو سکتے ہیں مثلاً سنن ابی داؤد (کتاب المناسک) میں حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ (آنحضورؐ کی سالی) ہی کی ایک روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کے لئے نکلے۔ جب مقام عرج میں پہنچے تو نبی پاکؐ بھی اترے اور ہم بھی اترے' حضرت عائشہؓ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئیں اور میں اپنے باپ کے پاس بیٹھ گئی۔

(5) اسی طرح جو چادر گھر کے اندر سر پر ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے وہ بھی موٹی ہونی چاہئے۔ حضرت دحیہؓ بن خلیفہ کلبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قباطی (یعنی مصری) کپڑے آئے۔ آپؐ نے ان میں سے ایک کپڑا مجھے بھی عنایت فرمایا اور فرمایا کہ اس کے دو حصے کر کے ایک حصہ کی اپنی قمیض بنوالو اور دوسرا اپنی بیوی کو دوپٹہ بنانے کے لئے دو۔

مگر اسے کہنا کہ وہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تاکہ یہ (پتلا دوپٹہ) جسم کی غمازی نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

اظہار زینت کی ممانعت:

مندرجہ بالا بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک خاص دائرہ ہے جس کے اندر عورت اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے (اس کے باہر زینت کے اظہار سے پرہیز لازم ہے)۔ زینت ظاہر کرنے سے مراد یہ ہے کہ لباس اور ستر کا پورا خیال رکھے۔ چہرے اور ہاتھوں کے سوا عورت کا پورا جسم ستر ہے' جس کو باپ' بھائی' بیٹے' چچا' ماموں تک کے سامنے کھولنا جائز نہیں۔ حتیٰ کہ عورت پر بھی عورت کے ستر کا کھلنا ممنوع ہے (یعنی ایک عورت کو دوسری عورت کا ناف سے لیکر گھٹنے تک کا حصہ دیکھنا حرام ہے' باقی حصہ جسم کو دیکھنا مکروہ ہے)۔

قابل غور امر یہ ہے کہ جس زینت کے اظہار کی اجازت ان محرم رشتہ داروں کے سامنے دی گئی ہے' وہ ستر عورت کے علاوہ ہے یعنی زیورات' اچھے لباس سے آراستہ ہونا' لپ سٹک' میک اپ وغیرہ۔ بالوں کی تراش خراش اور وہ تمام آرائشیں جو عورتیں طبعی ذوق کی بناء پر عموماً گھروں میں کیا کرتی ہیں' اس قسم کی زینت کا اظہار صرف محرم رشتہ داروں کے سامنے جائز ہے یا ان لوگوں کے سامنے جن کے اندر صنفی میلانات نہیں ہیں (اَوِالتَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ سے یہی لوگ مراد ہیں) یا ان لوگوں کے سامنے جو فتنے کا سبب نہ بن سکتے ہوں (یعنی نسائهن اپنے میل جول کی عورتیں یا وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہیں ہیں)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ عورتوں کے اظہار زینت کو ایسے حلقہ تک محدود کر دیا جائے جس میں ان کے حسن اور آرائش و زیبائش سے کوئی فتنہ سامانی پیدا ہونے کا خدشہ نہ ہو' یا صنفی انتشار کے اسباب فراہم ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

اس حلقے سے باہر جتنے بھی مرد ہیں ان کے سامنے زینت کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ خواتین چلتے وقت پاؤں بھی اتنے آہستہ رکھیں کہ چھپی ہوئی زینت (زیور وغیرہ کی جھنکار) ظاہر نہ ہو اور اس ذریعہ سے وہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل نہ کر سکیں۔ اگر عورتیں بن ٹھن کر ایسے لوگوں کے سامنے آئیں جو صنفی میلانات رکھتے ہیں تو لامحالہ اس کے غلط اثرات مرتب ہو کر رہیں گے۔ ضروری نہیں کہ عورتوں کے ایسے اظہار زینت سے ہر عورت فاحشہ بن کر رہے یا ہر مرد لازماً بدکار ہو جائے' مگر بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ آزادانہ زینت اور بے باکانہ اختلاط مرد و زن معاشرے میں بے شمار مفاسد پیدا کرنے کا ضامن ہے۔ سوال یہ ہے کہ عورتوں کا اس طرح بن ٹھن کر نکلنا' آرائش کا اتنا شوقین ہونا' پھر اس طوفان میں روز افزوں اضافہ آخر کس بات کی غمازی کرتا ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ مردوں سے داد تحسین کی متمنی ہیں! یہ آغاز بیشک بڑا معصوم ہو مگر اس کے نتائج بہت بھیانک ہیں' جو تمام معاشرے پر قیامت کی سی تاریکی پھیلا دیتے ہیں۔ فرمان نبویؐ ہے:

- مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِي الزِّيْنَةِ فِيْ غَيْرِ اَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَانُوْرَلَهَا
"اجنبیوں میں نازو ادا سے چلنے والی عورت ایسی ہے جیسے روز قیامت کی تاریکی جس میں کوئی نور نہیں۔" (ترمذی' باب ماجاء فی کراهیته خروج النساء فی الزینه)
- "ہر آنکھ زنا کرتی ہے (اس لئے عورت کو چاہئے کہ وہ مردوں کی نگاہوں سے بچ کر گزر جائے) پھر جب کوئی عورت عطر لگا کر مجلس سے گزرتی ہے تو وہ ایسی اور ایسی ہوتی ہے (یعنی زانیہ)" (ترمذی' ایضاً)

قرآن پاک میں جہاں غیر لوگوں کے سامنے زینت کے اظہار کی ممانعت ہے وہاں ایک استثناء بھی ہے: اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زینت جو خود بخود ظاہر ہو جائے۔

لوگوں نے اس استثناء سے بہت کچھ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر اس کا ٹھیک مفہوم مفسرین کی آراء کے مطابق یہی ہے کہ عمداً دوسروں کے سامنے اپنی زینت ظاہر نہ کرو' ہاں! جو زینت خود بخود دوسروں کے سامنے ظاہر ہو جائے۔ مثلاً قد و قامت' جسمانی تناسب وغیرہ یا کام کاج کے لئے ہاتھ کھولنا پڑ جائے یا کبھی ضرورت کی خاطر چہرہ کھولنا پڑ جائے' اس میں آپ کی نیت زینت کے اظہار کی نہ ہو تو اس کا کھولنا جائز ہے۔

گھر سے باہر نکلتے وقت پردہ کے احکام:

سورۃ احزاب' آیت نمبر 59 میں ارشاد ہوتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ "اے نبی! اپنی بیویوں' اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔ اس تدبیر سے توقع یہ ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں ستایا نہ جائے۔"

"اس آیت میں چہرے کو چھپانے کا حکم ہے۔ لفظ **جلابیب** جمع ہے **جلباب** کی' جس کا معنی ہے: بڑی چادر جو سارے جسم کو چھپا لے۔ دوسرا لفظ ہے **يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ** اس کا مطلب ہے: اوپر سے نیچے کوئی چیز لٹکانا۔ تو پھر **يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ** کا مفہوم ہوگا: "اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں۔" اسی کو گھونگھٹ نکالنا کہتے ہیں' مگر مقصد گھونگھٹ یا وہ خاص وضع نہیں ہے بلکہ مقصد چہرے کو چھپانا ہے' چاہے وہ گھونگھٹ سے چھپایا جائے یا نقاب یا کسی اور طریقہ سے۔ اس کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب مسلمان عورتیں اس طرح مستور ہو کر باہر نکلیں گی تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ شریف عورتیں ہیں بے حیاء نہیں ہیں لہذا کوئی ان سے تعرض نہ کرے گا۔" (پردہ: صفحہ 316)

"امام المفسرین حضرت ابن عباس ؓ نے اس آیت کی تفسیریوں بیان کی ہے: "اللہ تعالیٰ نے مسلمان خواتین کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے نکلیں تو سر کے اوپر سے اپنی چادروں کے دامن لٹکا کر اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا کریں۔" (بحوالہ تفسیر ابن جریر طبری)

امام محمد بن سیرین ؒ نے حضرت عبیدہ ؓ بن حارث الحضرمی سے اس آیت کی علمی تفسیر دریافت کی تو انہوں نے خود چادر اوڑھ کر بتایا اور اپنی پیشانی اور ناک اور ایک آنکھ کو چھپا کر ایک آنکھ کھلی رکھی۔ خود امام جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اے نبی! اپنی بیویوں' بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ جب اپنے گھروں سے

کسی حاجت کے لئے نکلیں تو لونڈیوں کے لئے لباس نہ پہنیں کہ سر اور چہرہ کھلے ہوں بلکہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں تاکہ کوئی فاسق ان سے تعرض نہ کر سکے اور سب جان لیں کہ وہ شریف عورتیں ہیں۔" (تفسیر طبری' ج 22' صفحہ 29)

آغاز سے لیکر چودھویں صدی ہجری تک اس آیت کا مذکورہ بالا ایک ہی مفہوم سمجھا گیا ہے۔ یعنی چہرہ کو چھپانا مسلمان عورت کے لئے ضروری ہے' احادیث سے وضاحت ہوتی ہے کہ اس آیت کے نزول کے فوراً بعد (5ھ میں) خواتین چہروں پر نقاب ڈالنے لگی تھیں اور کھلے چہرہ کے ساتھ پھرنا ختم ہو گیا تھا۔ صرف حالت احرام میں (حج کے دوران) عورتوں کو نقاب چہرے پر ڈالنے اور دستانے پہننے سے منع کر دیا گیا تھا۔ کتب حدیث کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد مبارک میں چہروں کو چھپانے کے لئے نقاب اور ہاتھوں کو چھپانے کے لئے دستانے کا رواج عام ہو گیا تھا' صرف احرام کی حالت میں اس سے منع کیا گیا کہ احرام کی فقیرانہ وضع میں نقاب عورت کے لباس کا جزنہ ہو کیونکہ اس حالت میں سب مرد و عورت ذکر الٰہی' تقویٰ اور مناسک حج ادا کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ اس وقت جذبات رضائے الٰہی کے حصول کے لئے بے تاب ہوتے ہیں۔ اس وقت دلوں میں شہوانی جذبات بالکل نہیں ہونے چاہئیں —— مگر اس کے باوجود احادیث میں وضاحت موجود ہے کہ حالت احرام میں بھی ازواج مطہرات ؓ اور عام خواتین نقاب کے بغیر اپنے چہروں کو غیر مردوں سے چھپانے کا اہتمام کرتی تھیں۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے: "سوار ہمارے قریب سے گزرتے تھے اور ہم عورتیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالت احرام میں ہوتی تھیں۔ پس جب لوگ ہمارے سامنے آجاتے تو ہم اپنی چادریں اپنے سروں کی طرف سے اپنے چہروں پر ڈال لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم منہ کھول لیتے"۔۔۔ اسی طرح فاطمہ ؓ بنت منذر نے بھی حالت احرام میں منہ پر چادر کا پلو ڈالنے کا ذکر کیا ہے۔"

"اس چادر یا نقاب سے اہل مغرب چاہے کتنی نفرت اور بیزاری کا اظہار کریں' ان کے اتباع میں ان کے مشرقی شاگرد بھی کتنی ناک بھوں چڑھائیں' مغرب زدہ خواتین کتنا واویلا کریں' مگر ان کے واویلا کرنے سے اسلام کے احکام نہیں بدل سکتے۔ اسلام کا معیارِ حسن و زشت اور ہے جبکہ مغرب کے معیارات بالکل دوسرے ہیں۔ جو حضرات مغرب کے دلدادہ ہیں' وہ اس نقاب اور حجاب کو برداشت نہیں کر سکتے تو اسلام میں ترمیم کرنے کی زحمت نہ کریں' اس سے علی الاعلان برات کا اعلان کر دیں! کس نے آپ کو مجبور کیا ہے کہ اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے کا اعلان بھی ضرور کریں اور پھر ترمیم واصلاح کے کلہاڑوں سے اسلام کی مرمت بھی کرتے رہیں۔ یہ شریعت خدا کی بنائی ہوئی ہے' کسی کی ترمیم کرنے سے اس میں ذرا بھر تغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ شریعت حیاء دار اور عفت ماب

مسلمانوں کے لئے ہے۔ اس حکم نقاب کے اندر عفت و عصمت کی حفاظت کے سارے سامان موجود ہیں اور چہرے کا نقاب اترتے ہی بہت سے فتنے سر اٹھانے لگتے ہیں۔"

چہرہ کا پردہ کیوں؟ انسان کی دلکشی کا مرکز و محور تو اس کا چہرہ ہے' جسم کا سب سے زیادہ جاذب نظر حصہ۔ ایک طرف پورا جسم بغیر چہرہ کے ہو دوسری طرف صرف چہرہ بغیر جسم کے ہو تو دونوں میں سے زیادہ دلکشی کیا اس تصویر میں نہیں جہاں صرف چہرہ (بغیر جسم کے) نظر آرہا ہے۔ جب اصل مقصود صنفی انتشار کو روکنا ہو' باقی مذکورہ بالا تمام سامان کئے جائیں صرف چہرہ کھلا چھوڑ دیا جائے' تو کیا مقصود حاصل ہو جائے گا؟ اس کا جواب عقل یہی دیتی ہے کہ چہرے پر نقاب لازماً ہونا چاہئے تاکہ عفت و عصمت کو محفوظ رکھنے کی جملہ تدبیریں صحیح نتائج دے سکیں۔

نقاب کی پابندی کے ساتھ باہر نکلنے کے احکام

یہ احکام درج ذیل ہیں:

(1) وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی (الاحزاب:33)

ترجمہ: "اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھی رہو اور زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔" زمانہ جاہلیت میں عورتیں بن سنور کر دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلو پیچھے پھینک دیا کرتی تھیں۔ پھر ان کی چال بھی بڑی ناز و ادا والی ہوتی کہ ہر قدم زمین پر نہیں بلکہ دیکھنے والوں کے دلوں پر پڑے۔ لہٰذا اس طرح بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنے سے منع کر دیا گیا۔ تبرج کے لفظی معانی نمایاں ہونا' ابھرنا' کھل کر سامنے آنا کے ہیں۔

آیت کا منشاء یہ ہے کہ تمہارا اصل مقام گھر ہے' اس لئے گھروں میں وقار سے اپنی ذمہ داریاں انجام دیتی رہو اور اگر کبھی تمہیں باہر جانے کی ضرورت پڑ جائے تو سادہ انداز میں گھر سے نکلو۔ زیب و زینت گھر کے اندر کی جا سکتی ہے مگر گھر سے باہر نکلتے وقت سادگی اور پردہ کا اہتمام لازمی ہے۔ باہر نکلتے وقت نمایاں ہونے کا اہتمام کرنا دور جاہلیت کا کام تھا' اب اس سے مکمل گریز کرو۔

(2) وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ (النور:31)

ترجمہ: "اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں جس سے ان کی مخفی زینت (یعنی زیوروں کی جھنکار وغیرہ) ظاہر ہو جائے۔" اونچی ایڑی کی جوتی جو ٹک ٹک کر کے دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے' وہ بھی اس میں شامل ہے۔ گھنگرو دار پراندے پازیبیں وغیرہ نہ استعمال کی جائیں اور اگر کی جائیں تو پاؤں بہت آہستہ رکھے جائیں۔

(3) وَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ (الاحزاب:32)

ترجمہ: "دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں مرض ہو وہ کسی طمع میں نہ مبتلا ہو جائے۔" جب آواز میں شیرینی پیدا کرنے کی ممانعت ہے تو پھر عورت کے منہ سے نکلا ہوا نغمہ اور موسیقی غیر محرم کے سامنے کتنی سختی سے ممنوع ہے' بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(4) خوشبو لگا کر بھی عورت کو گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے اور اگر پہلے سے خوشبو لگا رکھی ہے اور اچانک باہر جانا پڑ گیا ہے تو خاص اہتمام سے دھو کر اس خوشبو کا اثر زائل کرنے کے بعد گھر سے نکلنا چاہئے۔ سنن ابی داؤد کی ایک روایت ہے کہ ایک عورت حضرت ابو ہریرہ؄ کے پاس سے گزری' اس نے خوشبو لگا رکھی تھی۔ آپ؄ نے پوچھا: "کیا تو مسجد سے آرہی ہے؟" اس نے کہا: "ہاں" اس پر حضرت ابو ہریرہ؄ نے فرمایا: "میں نے اپنے محبوب حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو عورت مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگائے گی اس کی کوئی نماز قبول نہ ہو گی' جب تک وہ واپس جا کر اسی طرح غسل نہ کرے جس طرح غسل جنابت کیا جاتا ہے۔"

بلکہ عورتوں کے لئے وہ خوشبو جائز ہے جس میں رنگ ہو اور خوشبو نہ ہو۔ ترمذی کی ایک روایت میں مذکور ہے: طیب النساء لون لا ریح لہ "عورتوں کی خوشبو تو رنگ والی ہوتی ہے نہ کہ مہک پھیلانے والی۔"

(5) گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں سفر کچھ لمبا ہو اور وہاں کچھ وقت لگنے کا امکان ہو تو ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے۔ عورت بغیر محرم کے سفر نہیں کر سکتی۔

(6) اسی طرح گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں غض بصر کی تاکید ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کی طرف بے باکانہ نگاہ سے نہ دیکھیں اور اگر کسی پر اتفاقیہ نظر پڑ جائے تو فوراً نگاہ پھیر لی جائے۔

آزادانہ اختلاطِ مرد و زن کی ممانعت:

عورتوں کو ضرورت کی بناء پر گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے مگر اس کو صرف حقیقی ضرورت تک ہی محدود رکھا جانا چاہئے اور باہر نکلنے کی جملہ شرائط کی پابندی کے ساتھ۔ قرآن کریم میں سورۃ احزاب' آیت نمبر 53 میں ارشاد ہوتا ہے:

"اے ایمان والو! نبی ؐ کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اس کی اجازت نہ دی جائے' کھانا کھانے کے لئے نہ کہ کھانے کی تیاری کا انتظار کرتے ہوئے۔ پھر جب تمہیں بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ' پھر جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور بیٹھے باتوں میں نہ لگے رہو۔ یہ بات نبی ؐ کے لئے باعث اذیت تھی مگر وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ تو حق کے اظہار میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا اور جب تم کو ازواج نبی ؐ سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو' یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لئے بھی زیادہ

پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لئے بھی۔"

یہ بات اس آیت سے واضح ہے کہ عورتوں اور مردوں کا آزادانہ میل جول' ایک ہی مجلس میں مل بیٹھ کر گپ شپ لڑانا' دعوتوں میں اکٹھے کھانا پینا' تفریحات میں ایک ساتھ شامل ہونا' دفتروں' کلبوں' پارکوں میں باہم خوش گپیاں کرتے پھرنا' مخلوط انجمنیں' مخلوط تقریبات' اسلام کی تہذیب نہیں ہے' مخلوط سکول و کالج بلکہ مخلوط تعلیم ہی سے بھی یہ آیت منع کر رہی ہے۔ یہ آیت اگرچہ ظاہر الفاظ کے لحاظ سے ازواج نبیؐ سے متعلق معلوم ہوتی ہے' مگر ان کا حکم عام ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قرآنی احکامات کی وضاحت میں جو ہدایات اور احکام دیئے ہیں' ان سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس آیت کا حکم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو شامل ہے۔

❑ نماز اور مسجد: آپؐ نے عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا لیکن مسجد میں آنے سے ان کو روکا نہیں البتہ گڈمڈ ہونے سے منع ضرور فرمایا۔

- حمزہؓ بن ابو اسید انصاری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل رہے تھے کہ آپؐ نے دیکھا کہ مرد اور عورت راستے میں باہم مل گئے ہیں' تو آپؐ نے عورتوں سے فرمایا: "تم پیچھے ہٹ جاؤ' تمہارے لئے راستے کے درمیان میں چلنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ راستہ کے کنارے کنارے چلو۔" چنانچہ اس حکم کے بعد عورتیں دیواروں کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں' یہاں تک کہ ان کی چادریں دیواروں کے ساتھ الجھتی تھیں۔ (ابوداؤد)
- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اہتمام فرماتے کہ نماز سے فارغ ہونے پر کچھ دیر مرد وہیں ٹھہرے رہیں تاکہ عورتیں پہلے اٹھ کر چلی جائیں پھر مرد جائیں' اس طرح راستے میں مرد و عورت کا اختلاط نہ ہونے پائے۔ (سنن ابی داؤد)
- سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے کہ نبی پاکؐ نے مسجد نبوی کا ایک دروازہ صرف عورتوں کے لئے مخصوص فرما دیا تھا۔ آج تک وہ دروازہ موجود ہے اور اس کا نام باب النساء ہے یعنی صرف خواتین کے آنے جانے کے لئے دروازہ۔ اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی عورتوں کو شامل ہونے کی تاکید تھی' مگر ان کا اجتماع مردوں سے الگ تھلگ ہوتا تھا۔ نبی پاکؐ پہلے مردوں کو خطاب کرتے' وہاں سے فارغ ہو کر آپؐ خواتین کی طرف تشریف لاتے اور پھر ان کو خطاب فرماتے۔
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان سے چلے۔
- آپؐ نے فرمایا: "مردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور بدترین مقام پچھلی صف ہے' جبکہ عورتوں

کے لئے نماز میں بہترین مقام آخری صف ہے۔ اور بدترین مقام پہلی صف ہے۔ چنانچہ نماز میں بھی مرد اور عورتوں کی صفیں الگ الگ ہونی چاہئیں۔ مرد و عورت ایک دوسرے کے پاس کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھیں خواہ وہ شوہر اور بیوی ہوں یا ماں بیٹا۔" پھر نماز میں خوشبو لگا کر آنے سے بھی منع فرما دیا۔ (موطا)

❏ **حج:** اسی طرح حج میں طواف کے دوران بھی مرد و خواتین کو باہم خلط ملط ہونے سے روکا گیا ہے۔ بخاری میں عطاء سے روایت ہے کہ "عہد نبوی میں عورتیں مردوں کے ساتھ طواف کیا کرتی تھیں مگر مردوں سے الگ رہ کر۔" حضرت عمرؓ نے بھی طواف میں مردوں و عورتوں کو گڈمڈ ہونے سے روک دیا تھا۔ ایک دفعہ آپؓ نے ایک مجمع میں (جو عورتوں کا تھا) ایک مرد کو دیکھا تو پکڑ کر کوڑے لگوائے۔ نیز صحابہ کرامؓ اس بات کا اہتمام کرتے کہ وہ اپنی عورتوں کو صبح سویرے مزدلفہ سے منیٰ روانہ کر دیں۔ تاکہ وہ لوگوں کے آنے سے پہلے صبح کی نماز اور رمی سے فارغ ہو جائیں۔

❏ **زیارت قبور اور جنازوں میں شرکت:** مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں جنازے میں شرکت بڑی اہمیت کی حامل ہے مگر خواتین کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ صحیح بخاری میں ام عطیہؓ کی روایت ہے:

نُهِينَا عَنْ اِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ "ہمیں جنازوں میں شرکت سے منع کیا گیا تھا، مگر اس امر میں آپؐ کی طرف سے سختی نہیں کی گئی تھی۔" ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے کہ **لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ** "نبی پاکؐ نے بکثرت قبروں پر جانے والیوں کو لعنت فرمائی تھی۔"

نماز ایک مقدس عبادت ہے، مسجد پاکیزہ مقام ہے، حج میں انسان انتہائی پاکیزہ جذبات کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے، جنازوں اور قبروں کی حاضری میں ہر شخص کے سامنے موت کا تصور ہوتا ہے، یہ سب مواقع ایسے ہیں جن میں صنفی جذبات یا تو بالکل مفقود ہوتے ہیں اور اگر ہوتے بھی ہیں تو مغلوب ہوتے ہیں، مگر پھر بھی اسلامی شریعت ان موقعوں پر بھی عورتوں اور مردوں کے اختلاط کی اجازت نہیں دے رہی۔ پاک مقاصد کے لئے عورتوں کے جذبات کی رعایت کرتے ہوئے انہیں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت تو دی ہے مگر حجاب کی اتنی پابندیاں لگا دی ہیں کہ فتنے کے تمام امکانات ختم ہو کر رہ جائیں۔ کیا یہ قانون درسگاہوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، کلبوں، پارکوں، انجمنوں، کارخانوں، دفتروں، تھیٹروں، سینماؤں، رقص گاہوں میں مرد و عورت کو گپ شپ اور باہم تفریح منانے کی اجازت دے سکتا ہے؟

جہاد میں خواتین کی شرکت:

خواتین کی سرگرمیوں کا اصل میدان ان کا گھر ہے' لہذا وہ جہاد سے مستثنٰی ہے۔ نبی ؐ پاک کا فرمان ہے: وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ (بخاری' کتاب الجمعہ) "عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔ چنانچہ ام ورقہ ؓ بنت نوفل نے غزوہ بدر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے شرکت کی اجازت مانگی تو آپ ؐ نے فرمایا: "جا کر اپنے گھر بیٹھو۔" (ابوداؤد)

حالانکہ جنگ بدر میں افراد کی بہت زیادہ ضرورت تھی کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ مگر آپ ؐ نے اس وقت بھی غزوہ بدر میں عورتوں کی شرکت کو ناپسند فرمایا۔ آپ ؐ نے عورتوں سے فرمایا کہ تم اپنے گھر ٹکی رہو' یہی تمہارا جہاد ہے۔① ایک صحابیہ ؓ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: "اللہ نے مردوں پر جہاد فرض کیا ہے' وہ اگر کامیاب ہوں تو مال غنیمت حاصل کرتے ہیں۔ اگر شہید ہوتے ہیں تو رب کے پاس زندہ ہیں جہاں ان کو روزی ملتی ہے۔ ہمارا کونسا عمل ان کے اس عمل کے برابر ہو سکتا ہے؟" تو آپ ؐ نے جواب دیا: "اپنے شوہروں کی اطاعت کرنا اور ان کے حقوق پہچاننا" (ترغیب و ترہیب)۔ ایک دفعہ آپ ؐ نے حج کو عورتوں کا جہاد قرار دیا۔

دور جاہلیت سے یہ رواج چلا آ رہا تھا کہ میدان جنگ میں عورتیں ساتھ جاتیں' زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں' پانی پلاتیں' دوا دارو کرتیں' مردوں کے حوصلے بڑھاتیں۔ اگر کبھی ضرورت پیش آتی تو خود بھی اسلحہ اٹھا لیتی تھیں۔

چنانچہ نبی ؐ پاک نے جنگوں میں خواتین کی شرکت کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی۔ اس لئے صرف چند خواتین جنگ میں حصہ لے سکیں اور جنگوں میں شامل ہوتی رہیں مگر لڑنے کے لئے نہیں بلکہ ان کا کام پانی پلانا' مرہم پٹی کرنا' لڑنے والوں کے لئے کھانا پکانا' مجاہدین کے پیچھے کیمپ کی حفاظت کرنا وغیرہ ہوتا۔

اس دوران ان کا لباس ساتر ہوتا' اگرچہ پردے کی حدود میں ایمرجنسی کی وجہ سے کچھ کمی واقع ہو جاتی۔ یہ طریقہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی باقی رہا۔

جنگ احد میں جب مجاہدین اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے اس وقت بھی حضرت عائشہ ؓ اور حضرت ام سلیم ؓ اپنی پشت پر پانی کے مشکیزے لاد لاد کر لڑنے والوں کو پلاتی رہیں۔ حضرت ام سلیط ؓ اور ام عمارہ ؓ بھی جنگ احد میں بہادری سے لڑتی رہیں بلکہ خواتین کی ایک جماعت تھی جو زخمیوں کی مرہم پٹی میں مشغول تھی۔

حضرت ام عطیہ ؓ نے سات لڑائیوں میں شرکت کی۔ کیمپ کی حفاظت' مجاہدین کے لئے کھانا پکانا' زخمیوں اور بیماروں کی تیمارداری کرنا ان کے سپرد تھا۔ مگر یاد رہے کہ یہ صرف چند خواتین تھیں جو

لڑنے کے علاوہ دیگر خدمات انجام دیتی تھیں۔ جبکہ آپؐ اس بات کا اہتمام فرماتے کہ یہ خواتین بھی اپنے محرم مردوں کے ساتھ جائیں' اکیلی نہیں جا سکتیں۔ پھر یہ بھی پابندی تھی کہ وہ آپؐ کی اجازت کے بغیر شریک نہ ہوں۔ ایک مرتبہ غزوہ خیبر میں پانچ چھ عورتیں آپؐ کی اجازت کے بغیر فوج کے ہمراہ ہو گئیں تو آپؐ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی: "تم کس کی اجازت سے گھر سے نکلیں اور کس کے ساتھ نکلیں؟" (مسند احمد)③

❑ **تجزیہ:** ظاہر بات ہے کہ ایسے موقعوں پر حجاب کی پابندیاں کچھ نرم ہو جاتی ہیں' چہرہ اور ہاتھ ضرورت کے مطابق کھل جائیں تو مضائقہ نہیں مگر جونہی حالات نارمل ہوں حجاب کو فوراً اپنے اصل حدود پر واپس آ جانا چاہئے۔ جیسے اضطراری کیفیت میں حرام کا استعمال بقدر سد رمق جائز ہے مگر ضرورت ختم ہوتے ہی وہ حرام ہو جائے گا' اسی طرح جنگ ختم ہوتے ہی وہ چند عورتیں جو محاذ جنگ پر گئی تھیں' اپنے اصل محاذ یعنی گھر کو سنبھال لیں گی اور پہلے کی طرح حجاب کی پابندی کرنے لگیں گی۔

بحث ختم کرنے سے پہلے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابیاتؓ سے (جو اس امت کی بہترین اور صالح ترین خواتین تھیں) بیعت لیتے تو آپؐ عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتے تھے بلکہ ایک پیالہ میں پانی ڈال کر سامنے رکھ لیتے۔ خواتین اس میں ہاتھ ڈالتی جاتیں' آپؐ بھی اس میں ہاتھ ڈالتے۔ بس اسی کو خواتین کی بیعت فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا: "میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا۔" جب خود رسول خداؐ اتنے محتاط ہیں تو پھر ہم جیسی خواتین کے لئے مرد و زن کے آزادانہ اختلاط' خواتین کے سیر سپاٹے اور بازاروں میں شاپنگ کی گنجائش کہاں سے نکلتی ہے؟

---

① اس قرآنی حکم کی وضاحت فرماتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے گھر میں جھانکنے سے بھی منع فرما دیا۔

② مسند احمد

③ خواتین کے لئے ایک اور پابندی یہ بھی تھی کہ میدان جنگ میں ان کی خدمات کا دائرہ اپنے خویش و اقارب اور عزیزوں کی حد تک محدود رہتا تھا۔ وہ حتی الوسع خلط ملط ہونے سے پرہیز کرتی تھیں۔ اپنے محرم بزرگوں کی اجازت سے اور ان کے ہمراہ آتی جاتیں۔

پردے کے لئے عقلی دلائل

بے پردگی اور آزادئ نسواں کے بارے میں علامہ اقبال کا نقطہ نظر:

آزادی نسواں کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے ایک مرتبہ مفکر پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے فرمایا:

"جس قوم نے عورتوں کو ضرورت سے زیادہ آزادی دی' وہ کبھی نہ کبھی ضرور اپنی غلطی پشیمان ہوئی ہے۔ عورت پر قدرت نے اتنی اہم ذمہ داریاں عاید کر رکھی ہیں کہ اگر وہ ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے تو اسے کسی دوسرے کام کی فرصت ہی نہیں مل سکتی۔ اگر اسے اس کے اصلی فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں پر لگا دیا جائے جو مرد ہی انجام دے سکتا ہے تو یہ طریق کار یقیناً غلط ہو گا' مثلاً عورت کو' جسکا اصل کام آئندہ نسل کی تربیت ہے' ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانون فطرت کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرہ کو درہم برہم کرنے کی افسوسناک کوشش بھی ہے۔" (روزگار فقیر' صفحہ 66)

فقیر سید وحید الدین آگے چل کر "شمع خانہ یا شمع محفل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر محمد اقبال اور سید امجد علی انگلستان میں مقیم تھے' ایک دن ڈاکٹر صاحب لندن کی مشہور دکان "سیلفٹ " پر ضرورت کی چیزیں خریدنے گئے اور سیلز گرل کو جرابیں دکھانے کو کہا' وہ لڑکی تیزی کے ساتھ سامان لینے چلی گئی۔ جب واپس آئی تو ڈاکٹر صاحب پر استغراق کی کیفیت طاری ہو چکی تھی' وہ یہ تک بھول گئے کہ یہاں کیوں آئے ہیں' کہاں کھڑے ہیں اور لڑکی کو کیا آرڈر دیا تھا؟ سیلز گرل جب یہ چیزیں لیکر ان کے سامنے پہنچی تو ڈاکٹر صاحب نے اس سے پوچھا: "تم یہاں کس لئے کھڑی ہو؟" لڑکی یہ سن کر آبدیدہ ہو گئی۔ ڈاکٹر اقبال کی باتوں میں اسے غمخواری اور ہمدردی کی جھلک نظر آئی' اور غمخوار و ہمدرد کے سامنے ہر کوئی اپنا دکھ درد بیان کرنے کے لئے بے تاب رہتا ہے' لڑکی بولی: "میرے والدین کی آمدنی بہت ہی کم ہے' اس لئے مجھے اپنی اور اپنے گھر کی کفالت کے لئے نوکری کرنا پڑتی ہے۔ آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟" ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا: "اس خاتون کو تو کسی گھر کی روشنی

بنتا تھا۔ اولاد کی صحیح تربیت کا فرض انجام دینا تھا' اس کی تخلیق کا مقصد بازار کی رونق بن کر جرابیں فروخت کرنا تو نہ تھا---" (روزگار فقیر' صفحہ 137' 138)

اور اگر علامہ اقبال پاکستان میں کام کرنے والی آج کی ماڈل گرلز کو کمانے کی خاطر مختلف پوز بنا بنا کر ماڈلنگ کرتے دیکھتے تو پھر ان کی کیفیت کیا ہوتی؟ بہرحال اس مسلمان قوم کا منصب کیا تھا اور اب یہ کس طرح تحت الثریٰ تک پہنچ چکی ہے' ساڑھے تیرہ سو سال تک عورت پردہ کے اندر تھی' اسلامی حدود و قیود کی پابند تھی تو اس کو ایسی کوئی مجبوری لاحق نہ تھی۔ افسوس! آج اس کو کیسی بھیانک اور خوفناک قسم کی مجبوریاں یکدم لاحق ہو گئی ہیں اور ابھی یہ نوبت خدا معلوم کہاں تک پہنچے گی؟"

محو حیرت ہوں یہ مسلم عورت کیا سے کیا ہو جائے گی؟

پردہ قدیم اقوام میں بھی رائج تھا:

یونانی تہذیب میں پردے کا مکمل رواج تھا۔

اسی طرح روم میں بھی موجود تھا۔ خود عرب میں بھی پردے کی پابندی موجود تھی' حمیری بادشاہ مدتوں تک چہرے پر نقاب ڈالتے رہے۔ خود کئی عباسی خلفاء بھی پردے کی اوٹ سے احکام صادر کیا کرتے تھے۔

"یونان میں تو پردے کا یہ عالم تھا کہ دو ہزار سال تک ایکٹنگ خاص مردوں تک محدود رہی۔ قدیم دور میں عورت کبھی سٹیج پر آکر کام نہ کرتی تھی--- کامیڈی اور ٹریجڈی ہر قسم کے سٹیج ڈراموں میں لڑکے ہی لڑکیوں کا پارٹ ادا کیا کرتے--- خود شکسپیئر کے تمام ڈراموں میں بھی لڑکیوں کے کردار لڑکوں نے ہی ادا کیے۔

اس دور میں ڈاکٹر اپنے کمرے میں پتلے رکھتے' مریضہ عورت اس پتلے پر انگلی رکھ کر اپنی تکلیف کی جگہ بتاتی۔ پھر ڈاکٹر کپڑے کے اوپر سے مریضہ کے جسم پر ہاتھ لگا کر دیکھتا' یہ بھی مریضہ کے شوہر یا اس کی ماں کے سامنے ہوتا۔ کسی عورت کا اکیلے ڈاکٹر کے پاس جانا بے شرمی سمجھا جاتا تھا۔" (1)

☐ بے پردگی کے نقصانات:

نبی پاک ؐ کا فرمان ہے: "عورت پردے کی چیز ہے۔ جب یہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا رہتا ہے۔" حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دنیا شیریں اور ہری بھری ہے' اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں حاکم بنانے والا ہے۔ پھر وہ دیکھے گا کہ تم اس میں کیسے عمل کرتے ہو؟ پس دنیا (میں محو ہو جانے) سے بچو اور عورتوں سے بچو کیونکہ بنو اسرائیل کا سب سے پہلا فتنہ عورتوں سے شروع ہوا تھا۔" (مسلم)

یہاں عورتوں سے بچنے کی ہدایت دینے سے یہ مراد نہیں کہ رہبانیت اختیار کرلی جائے کیونکہ نکاح کو تو شریعت نے آدھا دین قرار دیا ہے اور اس سے بلاوجہ گریز کو سخت برا سمجھا گیا ہے' بلکہ یہاں عورت سے بچنے کی ہدایت دینے کا مفہوم یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے اعصاب پر سوار کرلینے اور ان کے معاملے میں غیر شرعی طرز عمل اختیار کرنے سے بچا جائے' کیونکہ اس سے انجام کار قوم تباہی کے گڑھے میں جا گرتی ہے۔ بسا اوقات تاریخ میں عورتوں کی وجہ سے بڑی بڑی جنگیں ہوئیں۔ خود تاریخ اسلام میں ایسے واقعات اکثر ہوئے کہ غیر مسلم خواتین نے مسلمان ذمہ داروں کو بیوقوف بنا کر دین اسلام اور اسلامی مملکت کو زبردست نقصان پہنچایا۔ جن کے اعصاب پر نامحرم عورتیں سوار ہوں' ان کا معاملہ ان کی ذاتی عیاشی تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ اپنی محبوب عورتوں کے اشاروں پر ناچتے ہوئے اپنی حقیر اور ناپاک خوشیوں کے عوض ملک و ملت کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

لہٰذا اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ محرم اور غیر محرم عورتوں کی تمیز رکھو۔ پھر محرم عورتوں کو بھی اپنے اعصاب پر اتنا سوار نہ کرلو کہ ان کے ہاتھوں میں کھلونے بن جاؤ اور نیکی' بدی کی پہچان ہی بھول جاؤ' دین اور ایمان' ملک و ملت اور معاشرہ و خاندان کے لئے ضرر رساں بن جاؤ۔ دوسری طرف دوسرے متعلقین کے حقوق ادا کرنے سے غافل ہو جاؤ اور بے گناہوں پر ظلم کرنے میں دلیر ہو جاؤ۔

پردہ کا حکم واجب الادا ہے۔ یہ نصِّ قرآنی ہے۔ اس کو ترک کرنا اتنا ہی بڑا گناہ ہے جس طرح نماز نہ پڑھنا' زکوٰۃ ادا نہ کرنا وغیرہ۔ اگر وہ قرآن پاک کے حکم ہیں تو یہ بھی قرآن پاک ہی کا تاکیدی حکم ہے بلکہ اسلام کے معاشرتی نظام کی اساس ہے۔ جس طرح اسلام کے مالی نظام میں سود حرام ہے' اسی طرح معاشرتی نظام میں بے پردگی حرام ہے۔ کیونکہ یہ اپنے جلو میں بہت سے مفاسد لیکر آتی ہے' پہلے بے حجابی پھر فیشن پرستی' پھر بے باکی و شوخ نگاہی اور پھر عریانی و بے حیائی وغیرہ۔

بے حیائی کے مہلک نتائج تاریخ کی روشنی میں

دنیا میں کفر و شرک سے بڑھ کر بے حیائی مہلک ہے۔ کسی پیغمبر کی بیوی بے حیاء نہ تھی اگرچہ مشرک کئی گزری ہیں۔ شیطان بھی اس نکتے کو بخوبی سمجھتا ہے لہٰذا:

(1) حضرت آدمؑ و حوا سے جو گناہ کروایا اس کے نتیجہ میں وہ بے ستر ہو گئے۔

(2) حضرت لوطؑ کی قوم پر اسی بے حیائی کی بناء پر پتھر برسائے گئے اور نیست و نابود کر دیئے گئے۔

(3) یونانی تہذیب بڑے عروج پر تھی' آخر ان میں بے حیائی پھیلی اور یہی ان کے زوال کا باعث بنی۔

(4) رومی تہذیب نے بہت ترقی کی' مگر اسے بھی یہی بے حیائی نگل گئی۔

(5) فلورا کے نام پہ ان میں بے حیائی کے میلے لگتے تھے۔ یہ ان میں سب سے زیادہ بے حیاء عورت تھی، جو ننگی رہا کرتی تھی۔

(6) ظہور اسلام کے وقت بھی یہی بے حیائی عروج پر تھی۔ مرد، عورتیں حمام میں اکٹھے ہو کر ننگے نہاتے، خانہ کعبہ کا طواف ننگے کرتے۔

(7) 37ھ میں جب مسلمانوں نے بیت المقدس پر حملہ کیا، تو عیسائیوں نے دو رویہ خوبصورت عورتیں کھڑی کر دیں کہ اگر مسلمانوں نے ان پر نظر اٹھا کر دیکھ لیا تو ہم نے سمجھ لیا کہ یہ ہم سے بیت المقدس نہیں لے سکتے، لیکن اگر مسلمان فوج نے ان کو نہ دیکھا تو ہم اس کا یہ مطلب لیں گے کہ ان کا بیت المقدس پر قبضہ ہونا لازمی ہے لہٰذا ہم ان کو چابیاں دے دیں گے۔ چنانچہ جب مسلم فوج وہاں سے گزری تو ایک فوجی نے بھی ان پر نگاہِ غلط انداز نہ ڈالی تو ان کے پادری چابیاں مسلمانوں کے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے۔

(8) 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں بھی اسرائیل نے یہی چال چلی، رات کو مصر، اردن اور شام تینوں ملکوں کے جرنیلوں کے پاس خوبصورت عورتیں بھیج دیں۔ پروگرام کے مطابق ایک رات تینوں مقامات پر رات کو جرنیلوں نے خوب دادِ عیش دی، رات شباب وکباب میں گزاری صبح نشہ میں مست پڑے تھے کہ یکدم اسرائیلی فضائیہ نے ان تینوں فوجوں پر بمباری شروع کر دی اور تینوں ملکوں کے کافی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح خود اسرائیل کا رقبہ پہلے سے دوگنا ہو گیا، علاوہ ازیں بیت المقدس پر بھی اس کا قبضہ محکم ہو گیا۔

(9) حالیہ قاہرہ کانفرنس اور پھر اس سے اگلے سال بیجنگ کانفرنس بھی مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے ہی کی سازشیں ہیں، مسلمانوں کے اندر کنڈوم کلچر، ہم جنس پرستی، سکولوں کے معصوم بچوں میں جنسی تعلیم کا باقاعدہ آغاز وغیرہ یہ عالم اسلام کے خلاف بڑی گہری صیہونی سازشیں ہیں۔

☐ بے پردگی کے نتائج تاریخ کی روشنی میں:

انیسویں صدی کے انسائیکلو پیڈیا میں مذکور ہے: "رومیوں کی خواتین خانہ داری کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد سوت کاتتیں، اس کو صاف کر کے اس کے کپڑے بناتیں۔ وہ سخت پردہ کرتی تھیں، حتیٰ کہ جو عورت دایہ گیری کا کام کرتی تھی وہ بھی گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپاتی۔ اس کے اوپر موٹی چادر اوڑھتی جو ایڑی تک لٹکتی رہتی۔ پھر اس چادر پر بھی ایک اور عبا اوڑھتی جس کے سبب اس کی شکل تو کجا اس کے جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا۔"(2)

اس دور میں رومی تمام شعبہ ہائے زندگی میں بھی ترقی پذیر تھے۔ پھر جب ان میں عیش پرستی اور

لہو ولعب کا شوق پیدا ہوا تو انہوں نے عورتوں کو بھی بے پردہ کر دیا' کچھ ہی دنوں میں عورتیں شمع محفل بننے لگیں' پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ عظیم الشان حکومت تباہ و برباد ہو گئی اور اس تباہی کا بڑا سبب عورتوں کی آزادی تھی۔ تاریخ کی روشنی میں علامہ فرید وجدی تحریر کرتے ہیں: "پھر جب ان عورتوں کو بے پردہ بنا دیا گیا تو باقتضائے فطرت مردان پر مائل ہونے لگے۔ ان کے لئے آپس میں کٹنا مرنا شروع ہو گئے' یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو ماننے میں کوئی شخص بحث نہیں کر سکتا۔"(3)

❑ موجودہ بے حجابی کے مغربی دنیا پر اثرات:

مغرب میں اس حد تک حالات بگڑ چکے ہیں کہ غیرت اور شرم ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ امریکہ میں بہت سے خاوند بیویوں کو ان کی مرضی کے برعکس آپس میں وقتی طور پر تبدیل کر لیتے ہیں' جس کو WIFE SWAPPING کہا جاتا ہے۔ بالجبر زیادتی کے واقعات بڑھتے چلے جا رہے ہیں' مگر پولیس تک اس کی بہت کم اطلاعات پہنچتی ہیں۔ رپورٹ کے مقابلے میں اصل جرائم کم از کم دوگنا ہوتے ہیں۔ یعنی ہزار عورتوں کے ساتھ امریکہ میں روزانہ بالجبر زیادتی کی جاتی ہے' اس جرم میں امریکہ میں 1970ء سے 1975ء تک 48% اضافہ ہوا۔ دو ماہ سے لیکر 85 سال تک کی عورت اس ظلم کا شکار ہوتی ہے۔"(4) یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں مغرب کے بعد عورتوں کو باہر نکلنے سے منع کیا جاتا ہے اور اگر نکلنا پڑے تو سیٹی پاس رکھیں' ممکنہ خطرے کے پیش نظر سیٹی بجادیں تاکہ پولیس ان کی مدد کو پہنچ سکے۔

مغرب میں ایک نئی تحریک "حجاب میں آزادی" (FREEDOM IN HIJAB.) شروع ہو چکی ہے یعنی "اکتوبر 1996ء میں روزنامہ ڈان میں "حجاب میں آزادی" کے عنوان سے ایک پاکستانی مسلمان نے ایک مضمون تحریر کیا تھا' یہ امریکہ میں نو مسلم خواتین کی تحریک ہے' جس کا منشور "حجاب میں آزادی" ہے۔ آج امریکہ میں عورت اس حد تک عدم تحفظ کا شکار ہو چکی ہے کہ اب وہ خود پردہ کی خواہاں ہے تاکہ اس طرح مردوں کی ہوسناک نگاہوں سے اور جنسی تشدد سے بچ سکے' کیوں نہ ہو! محسنِ نسواں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی اجتماعی بھلائی کے لئے جو متوازن طرز معاشرت تجویز فرمایا ہے' اس کی حقانیت کے متعلق مغربی عورت بھی آگاہی حاصل کر چکی ہے۔ وہ جنسی ہوسناکی سے بچنے کے لئے اب حجاب کو اپنے لئے ایک نعمت سمجھتی ہے۔ وہ اپنی آزادی' وقار اور تحفظ کی خاطر حجاب کو ضروری سمجھنے لگی ہے۔

❑ عورت میں حیاء کی کمی —— دشمن کی کامیابی:

(5) ایک ماہر نفسیات لکھتے ہیں: "حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک زوال پذیر نہیں ہوتی جب تک اس کی عورتیں زیور حیاء سے مزین اور اس کے مرد شمشیر غیرت سے مسلح ہوں۔ عورت میں حیاء اور مرد میں غیرت دو ایسی خصوصیات ہیں جن کی اساس ماحول اور

معاشرے پر نہیں انسانی جبلت پر ہے۔ جب تک گمراہ کن تصورات اور ترغیب و تحریص سے ان کی فطرت بالکل مسخ کر کے نہ رکھ دی جائے' مرد بے غیرت اور عورت بے حیاء نہیں ہوتی۔ کوئی مرد اپنی بیوی' بہن یا بیٹی کو کسی نامحرم کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پا کر اشتعال میں آئے بغیر نہیں رہ سکتا' دوسری طرف مردانہ جارحیت سے اپنی عفت و عصمت کا تحفظ نسوانی جبلت ہے۔ چھپنا' چھپانا' شرمانا' بلش کرنا' جھینپنا جنہیں بعض مغربی ماہرین نے محض ناز و ادا اور غمزہ و عشوہ قرار دیکر ان کی اہمیت گرانے اور شرم و حیاء کی جڑ کاٹنے کی کوشش کی ہے' درحقیقت بنیادی نسوانی اوصاف ہیں' جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کوئی عورت سوائے طوائف کے جنسی پیشقدمی نہیں کرتی۔"

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ عصمت ماب بیبیوں نے حفظ ناموس کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے اور عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی' مگر جب مرد غیرت سے اور پھر عورتیں حیاء سے محروم ہو جائیں تو پھر شکست و ذلت ان کا مقدر بن جاتی ہے--- مرد جب مار کھاتا ہے اپنے ہی گھر سے کھاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ دشمن جب کسی قوم کو اپنے زیر تسلط لانا چاہتا ہے تو اس کے حوصلے پست کرنے کے لئے سب سے پہلے وہ اس قوم کی بہو بیٹیوں کو حیاء سوز افعال و کردار کی ترغیب دیتا ہے تاکہ شرم و حیاء نام کی کوئی چیز ان کے دامن میں نہ رہے۔ پھر جب عورتیں بے حیاء ہو جائیں اور مرد بے غیرت تو پھر اقوام اپنے دفاع سے غافل ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ کامیاب جنگیں وہی رہیں جو اپنی خواتین کے ناموس کی حفاظت کی خاطر لڑی گئیں۔ جب تک مردوں میں اپنی خواتین کے لئے غیرت موجود رہی اور عورتوں میں حیاء و وقار کی حفاظت کا جذبہ بیدار رہا' اس قوم پر کوئی غیر حکومت نہ کر سکا۔ اسی لئے علامہ اقبال نے لکھا ہے:

نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد

□ قیمتی متاع کی حفاظت:

لوگ اپنے سامان' کپڑے' زیور غرض ہر چیز کی حفاظت کا پورا بندوبست کرتے ہیں۔ گھروں کو تالے لگاتے ہیں' زیورات بنکوں میں رکھتے ہیں' گھروں پر چوکیداروں اور کتوں کا بندوبست کرتے ہیں تو کیا خاتون جو بیٹی ہے' ماں ہے' بہن ہے' بیوی ہے کے حسن کی حفاظت کا بندوبست کرنا ضروری نہیں؟ عفت و عصمت انسان کی قیمتی متاع ہے۔ شرم و حیاء انسان کا قیمتی زیور ہے۔ اپنے اس قیمتی سامان کی حفاظت کرنا ضروری نہیں؟ اپنی بیویوں' بہنوں اور بیٹیوں کو اوباشوں کی نگاہوں سے بچانا ضروری نہیں ہے؟ جس کی معمولی سی خیانت بھی دلوں کے امن' چین اور سکون کو تباہ کر دے گی' گھر کو برباد کر دے گی' بچوں کی پریشانیوں میں اضافہ کر دے گی۔ افسوس ہے ان مردوں پر جو اپنی عورتوں کو خود بے پردہ دیکھنا چاہتے ہیں' پردہ کا اہتمام کرنے والوں کا مذاق اڑاتے اور ان کو رجعت پسند کہتے ہیں' دیندار لوگوں کو مشورے دیتے ہیں کہ زمانہ کے ساتھ چلو' وقت کے تقاضوں کو

پہچانو' اس طرح علماء اور ملا کا مذاق اڑاتے ہیں! حالانکہ یہ جو کچھ فیشن کے نام پر کرتے ہیں' سب پرانے رواج ہیں۔ مثلاً اونچی ایڑی کی جوتی کا رواج بنی اسرائیل کی خواتین میں موجود تھا۔ ساڑھی پانچ ہزار سالہ پرانا لباس ہے جب انسان کو ابھی سینا نہیں آتا تھا' اس وقت کپڑے کو اسی طرح عورتیں لپیٹ لیتی تھیں' سندھی لباس بھی کئی ہزار سال پرانا لباس ہے' مگر پہن کر عورتیں غرور سے اچھلتی پھرتی ہیں کہ ہم نے جدید ترین فیشن اختیار کر لیا ہے۔ مگر اللہ اور اس کا رسول ؐ تو تکبر اور شیخی کے لباس کو سخت ناپسند فرماتے ہیں۔ اسی طرح وہ بے پردہ رہ کر ماڈرن اور تہذیب یافتہ کہلانا پسند کرتی ہیں۔ حضرت فاطمہ ؓ اور حضرت عائشہ ؓ کا پردہ تو مشہور ہے' اب جو خواتین اللہ کے حکم حجاب اور ان صحابیات ؓ کے فعل کو برا سمجھتی ہیں تو کیا وہ اپنے آپ کو مسلمان کہہ سکتی ہیں؟ جہنم کی آگ سے ڈرنا چاہئے کہ وہ بہت سخت عذاب ہے۔

مولانا مودودی ؒ رقمطراز ہیں: "آج ملک کی ترقی کا مفہوم صرف معاشی پیداوار کی ترقی سمجھ لیا گیا ہے۔ اس کے لئے عورتوں اور مردوں سب کو لا کر معاشی میدان میں کھڑا کر دیا گیا ہے' حالانکہ ترقی صرف معاشی پیداوار بڑھانے کا نام نہیں ہے۔ اگر عورتیں گھروں میں بیٹھ کر نئی نسل کو تربیت دیں' انہیں انسانی اقدار سے باخبر کریں' ان کے اندر اعلیٰ اخلاق اور خدا پرستی پیدا کرنے کی کوشش کریں تو یہ بھی ترقی کا ایک اہم ذریعہ ہے' ملک کی ترقی کا صرف یہی ایک ذریعہ نہیں ہے کہ مرد بھی کارخانوں میں کام کریں اور عورتیں بھی کارخانوں میں کام کریں' ترقی کا یہ بھی ایک بڑا ذریعہ ہے کہ گھروں میں بچوں کو انسانیت کی تربیت دیکر تیار کیا جائے تاکہ وہ دنیا میں انسانیت کے راہنما بن سکیں۔" (6)

باپردہ خواتین عملی میدان میں:

"ڈاکٹر خدیجہ فیروز الدین نے اپنی ملازمت کی ابتداء مدارس میں بطور ٹیچر سے کی۔ پھر ہیڈ مسٹریس بنیں۔ بعد ازاں انسپکٹر آف سکولز' پھر گورنمنٹ گرلز کالج امرتسر کی پرنسپل بنیں۔ آپ نے ساری مدتِ ملازمت میں طبقہ نسواں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کیا۔ جس شہر میں بھی انکا تقرر ہوا' انہوں نے وہاں

اس شہر کی خواتین کے لئے اجتماعات کا اہتمام کیا' خواتین کو اپنی حالت سدھارنے' فضول رسم و رواج ترک کرنے اور اسلامی عقائد' اسلامی اصول و ارکان کی پیروی کرنے کی تلقین کی۔ وہ ہمیشہ پاؤں میں جرابیں اور ہاتھوں میں دستانے پہنے رہتی تھیں اور باپردہ تھیں۔ ان کی زندگی واضح ثبوت ہے کہ عورت پردہ کے ساتھ بھی باہر نکل کر عورتوں کی فلاح و بہبود کے کام کر سکتی ہے۔" (7)

آجکل پردہ تعلیمی اداروں اور خصوصاً جامعات میں اجنبی اور غیر مانوس نہیں رہ گیا' بہت سی طالبات یونیورسٹیوں میں حجاب کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ دراصل یہ اعتراض کہ اس سے عورت کو گھر سے باہر ملازمت یا دیگر فرائض کی انجام دہی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے' مشاہدے کے

برعکس ہے۔ خواتین لیڈی ڈاکٹرز پردہ کے ساتھ آپریشن کر رہی ہیں۔ خواتین پردہ کے ساتھ وکالت' ٹائپنگ وغیرہ جیسے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔ بہت سی ڈاکٹرز' وکیل اور جج خواتین باپردہ بھی ہیں اور قابلیت کا لوہا منوا چکی ہیں۔

انہی دنوں ایک باپردہ پائلٹ خاتون کیپٹن شہناز لغاری صاحبہ نے تو باپردہ خواتین کی ایک انجمن بھی بنائی ہے۔ جس کا نام ہے: "انٹرنیشنل ویمن حجاب تحریک" وہ اس تحریک کی چیف آرگنائزر ہیں۔ علاوہ ازیں وہ "پاکستان ویمن پائلٹ ایسوسی ایشن" کی بھی چیئر پرسن ہیں۔ خود فیلڈ میں باپردہ کام کرتی ہیں۔ کمرشل پائلٹ ہیں اور خواتین میں حجاب کو فروغ دینے میں بہت کوشاں ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ پردہ تعلیم میں رکاوٹ نہیں بلکہ معاون اور مددگار ہے۔ جب کہ بے پردگی حصول تعلیم میں رکاوٹ ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی نگاہ کو پاک رکھے تو حق تعالیٰ اس کے قلب و ذہن کو علم اور معرفت عطا فرمائیں گے جو اسے پہلے حاصل نہ تھی۔ گویا علم کی ترقی تو اخلاق فاضلہ' حیاء و پاکدامنی اور تقویٰ و طہارت سے عبارت ہوتی ہے اور یہ چیزیں پردہ سے حاصل ہوتی ہیں:

امام شافعی کا ایک حکیمانہ قول ہے۔

شکوتُ الی وَکِیعٍ سوء حفظی
فَدَلّنِیْ علی ترک المعاصی
فان العلم نور من اله
ونور الله لا یُعْطٰی لعاصی

"میں نے استاد امام وکیع سے کمزوری حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ گناہ چھوڑ دو کیونکہ علم تو انوار الٰہی میں سے ایک نور ہے اور اللہ کا نور گنہ گاروں کو نہیں ملا کرتا۔"

مغرب میں خواتین میں اسلام تیزی سے مقبول ہو رہا ہے۔ فرانس' جرمنی' امریکہ' برطانیہ وغیرہ میں خواتین کی کثیر تعداد مغربی دنیا میں عورت کی تذلیل کو دیکھ کر اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ وہ برضا و رغبت پردہ اور حجاب کے احکام اپنے اوپر لاگو کرتی ہیں اور پردہ کو ایک عظیم نعمت سمجھتی ہیں۔ بلکہ بیشتر مغربی خواتین پردے ہی کی نعمت کے باعث حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ ان میں سے ایک نومسلم خاتون جو جاپان سے تعلق رکھتی ہیں' "خولہ لکاتا" انہوں نے پردے کے بارے میں اپنے تاثرات ایک مضمون "حجاب کے اندر" بیان کئے۔ جس میں حجاب کے گرانقدر فوائد خصوصی طور پر بیان کئے ہیں۔

☐ عفت و پاکدامنی کے فوائد:

کسی بھی شخص کی عفت اور پاکدامنی کا معاملہ صرف اس کی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے دوررس سماجی اثرات

ہیں۔ مرد و عورت دونوں کیلئے ایک دوسرے میں کشش اس لئے رکھ دی گئی ہے کہ مل کر انس و محبت کی زندگی گزار سکیں۔ پھر وہ دونوں افراد حصار نکاح میں آنے کے بعد اس تعلق کو پائیدار بناتے ہیں تاکہ خانگی زندگی کو استحکام حاصل ہو۔ اس طرح ان کی زندگی یکسو ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں ایک مخصوص دائرے میں لگا دیتے ہیں تاکہ اپنے درخت کے پھل سے خود ہی فائدہ اٹھا سکیں۔ وہ اپنی اس قوت و صلاحیت میں نہ تو کسی اور کو شریک کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی دلچسپیاں اس دائرے سے باہر صرف کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ان کی اپنی زندگی اصولی طور پر گزرتی ہے' اسی اصول پرستی سے وہ اپنی اگلی نسل کو بھی روشناس کرا سکتے ہیں۔ معاشرہ بھی پھر سکون کی دولت سے مالامال ہوتا ہے۔ ملکی تعمیر و ترقی کے کاموں کے لئے یہ خاندانی استحکام اور معاشرتی سکون بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

❑ مخالفین پردہ کی سرگرمیاں:

مگر ہمارا یہ سکون و اطمینان ہمارا یہ خاندانی نظام' یہ معاشرتی استحکام ان مغرب زدہ لوگوں کو نہیں بھاتا' وہ دن رات عورت کی مظلومی کا رونا روتے ہیں کہ اس کو گھر کی چار دیواری میں قید کر دیا گیا ہے۔ وہ مردوں کے تشدد کا شکار ہے' بدترین غلامی کی زندگی گزار رہی ہے۔ لہٰذا اسے باہر نکالو۔ وہ باہر کی آزاد فضا میں سانس لے' اس میں خود اعتمادی پیدا ہو۔ دراصل وہ اپنی عیاشی کی خاطر عورتوں کو گھروں سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ وہ اباحیت پسندی اور معاشرتی انارکی پھیلانا چاہتے ہیں۔

مصر کے ایک غیر مسلم ادیب سلامہ موسیٰ کی تحریریں اسلام دشمنی کا نمونہ تھیں۔ وہ اپنے ہفتہ وار جریدہ کے ذریعہ سے مسلمان عورتوں کو بار بار ترغیب دلاتا: "اپنی بوسیدہ روایات توڑ پھینکو اور گھروں سے باہر نکلو۔" جرات و حوصلہ کے ساتھ مردوں سے ملو جلو۔ کارخانوں اور دفتروں میں ملازمتیں سنبھال لو۔ یہ سب کچھ تمہیں اس لئے نہیں کرنا کہ تمہیں ان کاموں کے انجام دینے کی کوئی حقیقی ضرورت درپیش ہے' بلکہ اس لئے کہ تم ان ذمہ داریوں سے بچ سکو جو نسل انسانی کی ماں کی حیثیت سے تم پر ڈالی گئیں ہیں۔۔۔ سڑک پر سے گزرتے ہوئے جو عورت نظر نیچی کر کے چلتی ہے' وہ دراصل جرات و خود اعتمادی سے محروم اور مردوں کے خوف میں مبتلا ہوتی ہے۔ مگر جب تجربے کے بعد اس میں روشن خیالی پیدا ہو گی تو اس کا خوف خود بخود زائل ہو جائے گا اور پھر وہ جرات مندی سے صنف مخالف کا سامنا کرنے لگ جائیگی۔"

پاکستان کے ادیب اس انارکی میں مصری ادیب سے کچھ کم نہ رہے۔ اس طرح کی تحریروں' ریڈیو' ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ سے ہمارے ہاں بھی زبردستی بے پردگی پیدا کی گئی۔ تعلیمی اداروں میں مینا بازاروں' ورائٹی شوز اور ڈریس شوز کے اہتمام ہونے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پردہ رجعت پسندی کا نشان ٹھہرا' لباس چست ہونے لگے' جنسی آوارگی بڑھنے لگی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سے ہمارے ہاں

کھلے چہروں' زرق برق لباسوں اور بناؤ سنگار کا طوفان امڈا ہے' اس وقت سے اخلاقی حادثات اور جرائم کا تناسب بڑھ گیا ہے۔

مستشرقین کے اعتراضات اور ان کی تقلید میں بعض "مسلمان متغربین" کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کی ایک جھلک ہیں ایک ترقی پسند مصنف مظہر الحق خاں کی کتاب "پردہ اور تعدد ازواج" میں نظر آتی ہے' جس میں وہ لکھتا ہے (ص 107):

"حرم (پردہ) کا رواج خلیفہ ولید دوئم کے عہد میں شروع ہوا۔ خلافت عباسیہ (عباسی خلفاء نقاب پہن کر دربار میں بیٹھتے) کے قیام کے بعد اس کا رواج اشرافیہ (بیگمات) سے پھیل کر متوسط بلکہ غریب طبقوں تک پہنچ گیا--- اس نے عباسی دور کی عورت کو مغرور اور مجبور بنا دیا---- سسٹم کے نفوذ' غیر محدود کثرت ازواج اور کنیز داشتگی کی وجہ سے مسلمان عورت کی ذلت اور رسوائی انتہا کو پہنچ گئی۔ اسے اپنے قرابتداروں کی ملکیت اور مملوکہ سمجھا جانے لگا۔ ظاہر ہے کہ ایسی عورت کے لئے باہر کی دنیا کے لئے کام کاج' سرگرمیوں اور تکمیلات میں حصہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس کے نزدیک پردہ' برقع' حرم' زنانخانہ قسم کی چیزیں قرون اولیٰ یعنی عہد نبوی' خلفاء راشدین میں نہیں تھیں بلکہ عباسی خلفاء کے دور میں شروع ہوئی تھیں۔" (ایضاً' ص 103)

مگر ان اعتراضات کے جوابات خود مغربی دانشوروں سے سنئے کہ وہ کیا سوچتے ہیں؟

بعض مستشرقین کا اسلام کے عائلی و تمدنی نظام کو خراج تحسین:

گستاؤلی بان رقمطراز ہے: "لفظ "حرم" عربی میں عموماً ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے جن کی حرمت کی جاتی ہے۔ یوں "حرم سے مراد مکان کا وہ حصہ ہے جو بالکل الگ تھلگ اور فی الواقع ہر مسلمان کی نظر میں محترم ہے یعنی عورتوں کی سکونت کا حصہ۔" (8) آگے چل کر وہ لکھتے ہیں: "اہل یورپ عموماً حرم کو ایک مقام عیش و عشرت سمجھتے ہیں جہاں مصیبت زدہ قیدی عورتیں کاہلی کی زندگی بسر کرتی ہیں' لیکن یہ خیال بالکل خلاف واقع ہے کیونکہ مشرقی بیویوں کو (یورپی بیویوں کے برعکس جو معاملات' جھگڑوں اور جسمانی تکالیف میں مبتلا ہیں) ماسوائے خانہ داری کے اور کوئی شغل نہیں اور یہی شغل ان کے لئے موزوں بھی ہے۔" (9)

تعدد ازواج کو مظہر الحق خاں تمام معاشرتی خرابیوں کی جڑ اور تذلیل انسانیت کی بنیاد سمجھتا ہے۔ مگر گستاؤلی بان اس کا بھی اعتراف کرتا ہے:

"یورپی مؤرخین سمجھتے ہیں کہ تعدد ازواج اسلام کے تمدنی نظام کی اساس ہے یہی دین اسلام کی

اشاعت کا سبب بنا۔ پھر وہ اسی کو مشرقیوں کے تنزل کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ وہ اس طرح ان بدنصیب عورتوں کی نسبت بہت زیادہ واویلا مچاتے ہیں جو حرم کی دیواروں کے اندر بند اور مہیب خواجہ سراؤں کے پنجہ میں گرفتار ہیں' جو اپنے مالکوں کی ادنیٰ ناراضی پر بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہیں۔ مگر یہ تصویر بالکل خلاف واقع ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس باب کے پڑھنے والے اگر تھوڑی دیر کے لئے اپنے یورپی تعصبات کو ایک طرف رکھ دیں تو وہ قائل ہو جائیں گے کہ مشرق کو تعدد ازواج کی رسم نے اخلاقی ترقی تک پہنچایا ہے اور ان کے خانگی تعلقات کو مستحکم بنایا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یورپی عورت کے مقابلے میں مشرقی عورت کا اعزاز و اکرام زیادہ ہے۔ (10)

موسیو ڈے امس کے بقول "شوہر اپنی بیوی کے ساتھ بڑی خوش خلقی سے پیش آتا تھا۔ کوئی مرد عورت سے مزدوری کرا کے اس کی کمائی نہیں لیتا تھا بلکہ مرد ہی عورت کو دیتا تھا' اور ماں کی عزت تو پرستش کی حد تک کی جاتی تھی۔" (11)

امس لکھتا ہے کہ ہم انکار نہیں کر سکتے کہ عربوں کی خانگی زندگی کا مذاق بہت مفید اور اعلیٰ درجہ کا ہے۔ (12)

☐ پردہ کی مخالفت میں دلائل اور ان کے جوابات:

مخالفین پردہ اپنے جو دلائل پیش کرتے ہیں پردہ پر جو اعتراض جڑتے ہیں وہ (بمعہ جواب) ترتیب وار درج ذیل ہیں:

☐ اعتراض نمبر1

"اسکا مطلب تو یہ ہے کہ ہمیں اپنی ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں پر اعتماد نہیں ہے' اس لئے ہم ان کو پردہ کا پابند کرتے ہیں۔"

جواب: حقیقت یہ ہے کہ پردہ کا سہارا لینے والی عورت بڑی عزت دار' باحیاء اور غیرت والی ہے۔ وہ حملہ آور کے مقابلہ میں اپنے نفس کی حفاظت دو قوی ہتھیاروں سے کرتی ہے۔ ایک تو فطری جذبہ شرم و حیاء' دوم: اس کا ظاہری پردہ۔ حملہ آور اس کو باپردہ دیکھ کر اس کے دامن عفت کو ہاتھ لگانے کی جسارت بھی نہیں کر سکتے۔ میں خود برقع کے اندر محسوس کرتی ہوں کہ مردوں کی ہوسناک نگاہیں صرف میرے برقع تک ہی پہنچ سکتی ہیں' میرے لباس اور جسم تک نہیں پہنچ سکتیں' میرے چہرے کو نہیں دیکھ سکتیں۔ جب کہ اگر یہ برقع کا حصار نہ ہو تو ان کی نگاہیں براہ راست میرے چہرے اور میرے جسم تک پہنچیں۔ مجھے تو برقع کا حصار بہت ہی مضبوط حصار معلوم ہوتا ہے۔ اس کے اندر میں اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتی ہوں۔

☐ اعتراض نمبر2

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ** کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں آسانی دینا چاہتا ہے اور تنگی نہیں دینا چاہتا۔" تو پردہ کرنا تو بذات خود بڑی مصیبت ہے لہٰذا شریعت کا منشاء پردہ نہ کرنے سے پورا ہوتا ہے۔"

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ شروع شروع میں ہر کام مشکل معلوم ہوتا ہے' مگر جب انسان اس کو

مسلسل کرتا رہے تو عادی ہونے کی وجہ سے وہ کام اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں نماز کی مثال دی ہے: اِنَّ كَانَتْ لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ (بقرہ) "نماز پڑھنا بڑا مشکل ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے چنداں مشکل نہیں ہے۔" بعینہ اللہ سے ڈرنے والی خواتین کیلئے پردہ ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ فرض کیا یہ وقتی طور پر مصیبت بھی ہو تب بھی یہ بہت بڑی مصیبتوں سے نجات دلانے والا بھی تو ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اس مزاحمانہ کشمکش میں جو قدم پیچھے ہٹا وہ پھر ہٹتا ہی چلا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ کوشش کے ساتھ اور گہرے شعور کے ساتھ پردہ کی پابندی کرتی ہیں۔

❑ اعتراض نمبر3 "پردہ صحت کے لئے مضر ہے۔ چونکہ حجاب سے فطری جذبات اندر ہی اندر سلگتے رہتے ہیں تو پھر موقع ملنے پر وہ زیادہ شدت کے ساتھ ابھرتے ہیں اور مزید بھیانک نتائج سامنے لاتے ہیں۔"

جواب: اگر واقعی پردہ صحت کے لئے مضر ہوتا تو پھر مسلمان خواتین جو ساڑھے تیرہ صدیوں تک مسلسل پردہ کرتی رہی ہیں اگر یہ ایک معلوم حقیقت ہوتی کہ عورتوں میں شرح اموات مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی اور ان میں بیماری و رامتا چلتی رہتی' آنے والی نسلیں ان بیماریوں کا ضرور شکار ہوتیں' مگر یہ سب باتیں تاریخ اور مشاہدہ دونوں کے خلاف ہیں۔ علم الحیات (Biology) نے تو یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ پردہ نشیں عورتوں کی اولاد بے پردہ عورتوں کے مقابلے میں زیادہ قوی الجثہ ہوتی ہے' اسی طرح دور حاضر میں مغرب و مشرق کے بدکاری و زناکاری کے ریکارڈ اور شرح اموات کا مقابلہ و موازنہ بھی کر لیں! خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ اعصاب مشرقی عورتوں کے زیادہ کمزور ہیں یا مغربی عورتوں کے اور خودکشی کی شرح کدھر زیادہ ہے! پردہ دار ممالک میں یا بے پردگی کے شکار ممالک میں؟ حقیقت ہے کہ وہاں عشق و محبت سے ناکامی کی وجہ سے لاکھوں کی تعداد میں عورتیں خودکشی پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

خود مغرب کے تجربات یہ بتانے کے لئے کافی ہیں کہ بے حجابی اور مرد و زن کے اختلاط سے جنسی جذبات زیادہ بھڑکتے ہیں۔ زنا اور بدکاری عام ہوتی ہے۔ ان آزادانہ جنسی تعلقات کے نتیجے میں بے شمار جسمانی' دماغی اور اعصابی امراض پھیل رہے ہیں' جن سے مغربی تہذیب کی چولیں ہل چکی ہیں۔ کیا ایڈز کا مرض کسی ناگہانی آسمانی عذاب سے کم ہے؟ ان بھیانک نتائج کو دیکھنے کے بعد تو ہر سلیم الفطرت آدمی بے پردگی کو مذموم قرار دیتے ہوئے قانون حجاب کو زیادہ ضروری قرار دے گا۔ مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے علم کامل کی بناء پر اپنے بندوں کو یہ عظیم الشان قانون دے دیا ہے۔ اہل مغرب اپنے ہاں کے نتائج کو دیکھ کر اب خود عورتوں کو گھر بٹھانے کے لئے مجبور ہوتے جا رہے ہیں۔ اٹلی' جرمنی میں "عورتیں گھروں کی طرف واپس ہوں" کی تحریک آج سے پچاس سال پہلے سے شروع ہو چکی ہے۔ روس میں 1987ء میں روسی صدر خروشیف نے کہا تھا

کہ عورتیں اپنے چولہوں کی آگ جلائیں اور مرد محاذ جنگ کی آگ جلائیں، یعنی عورتوں کو گھروں میں پابند کیا جائے۔ خود مغرب میں اب ایک نئی تحریک چل رہی ہے۔ جس کا نام ہے: "FREEDOM IN HIJAB" کہ ہمیں حجاب اور پردہ میں ہوسناک نگاہوں سے آزادی کی نعمت نصیب ہو رہی ہے۔

☐ اعتراض نمبر4

"پردہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے؟ اس سے ملک کی نسلیں پیچھے چلا جائے گا۔" (اگست 1982ء میں وفاقی حکومت کے شعبہ خواتین کی چیئرمین کا بیان جو اخباروں میں چھپا تھا)

جواب: یہ بھی ایک مفروضہ ہے۔ مسلمان خواتین نے پردہ میں رہ کر جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں، تاریخ کے صفحات ان کے ذکر سے بھرے پڑے ہیں۔ خواتین کے کارنامے اپنی عظمت اور شان میں کسی طرح بھی مردوں سے کم نہیں ہیں، حضرت عائشہ ؓ کے علمی مرتبہ سے کون انکار کر سکتا ہے، ایک تہائی دین ان کے ذریعے امت تک پہنچا ہے۔ بڑے بڑے صحابہ کرام ؓ حتیٰ کہ خلفائے راشدین تک اکثر کام میں ان سے مشورہ کرتے اور ان کے مشورے پر عمل بھی کیا جاتا۔

شفاء بنت عبداللہ کے سامنے بڑے بڑے علماء و محدثین نے زانوئے تلمذ طے کیا، کیا حضرت ام سلمہ ؓ، اسماء بنت ابی بکر ؓ، فاطمہ ؓ بنت خطاب، خنساء ؓ نے اعلیٰ وارفع مقام حاصل نہیں کیا تھا! ایک طرف وہ علم کی انتہائی حدوں تک پہنچیں دوسری طرف اپنے وقت کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی رجحانات پر بھی اثرانداز ہوتی رہیں۔ پھر ان کی گودوں میں وہ لعل وجواہر پروان چڑھے، جنہوں نے تاریخ کو درخشاں وتابناک بنا دیا۔ ایسے بڑے بڑے مجاہدین، جرنیل، حکمران، آئمہ فن اور علماء ان کی تربیت سے پیدا ہوئے جن کے علمی اور تہذیبی احسانات سے دنیا آج تک فیضیاب ہو رہی ہے۔ اس طرح وہ پورے حجاب کے ساتھ ملی وقومی خدمات بجالاتی رہیں۔ لہٰذا یہ کتنا غلط ہے کہ پردہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

ہاں! اگر ترقی سے آپ کی مراد آج کے فنون لطیفہ کے نام پر عریانی، فحاشی اور رقص وموسیقی کی ترقی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پردہ اس ترقی کی راہ میں واقعی رکاوٹ ہے۔ ایک پردہ نشین مسلمان خاتون تو عفت وحیاء، لطف ومحبت اور اطاعت ووفاشعاری جیسی اعلیٰ قدروں کی امین ہے۔ اسلام کا اس سلسلہ میں اپنا خاص نقطہ نظر ہے۔ اس کے نزدیک ترقی وہی ہے جو انسان میں اعلیٰ اخلاق پیدا کرے۔ لہٰذا وہ ترقی جن سے یہ قدریں پامال ہوں، اس کو اسلام ترقی تسلیم ہی نہیں کرتا۔ بے پردہ عورت چاہے عالمہ فاضلہ ہی کیوں نہ ہو مگر تعلقات کے لحاظ سے ضرور اس کی نگاہیں وسیع ہوتی ہیں۔ جو نگاہیں وسعت کی عادی ہو چکی ہیں، انہیں سمیٹ کر ایک مرکز پر لانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

آج بہت سی خواتین "فنون لطیفہ" سے ہٹ کر واقعی علوم وفنون میں بھی ترقی کر رہی ہیں اور علمی و تحقیقی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف بے پردگی کی بناء پر ایسا کرنے میں کامیاب ہو سکی ہیں' حالانکہ یہ ترقی بے پردگی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی محنت' جدوجہد اور خلوص و لگن سے کام کرنے کا نتیجہ ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ جو بھی خلوص اور لگن سے کام کرتا ہے ضرور پھل پاتا ہے۔ پھر باپردہ خواتین نے بھی بہت سے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ خدیجہ فیروز کا نام کون نہیں جانتا! باپردہ خواتین ڈرائیور بلکہ پائلٹ تک موجود ہیں۔

دراصل ترقی کا تعلق حجاب اور بے حجابی سے نہیں بلکہ ان سہولتوں سے ہے جو عورت کو ملتی ہیں۔ آپ باپردہ خواتین کو پوری سہولتیں مہیا کر دیں' وہ بے پردہ عورتوں کے مقابلے میں زیادہ یکسوئی سے

کام کر سکتی ہیں اور زیادہ بہتر نتائج دے سکتی ہیں۔

آج تو ہماری خواتین کا مسئلہ ہی یہی ہے کہ ان کو مخلوط اداروں میں داخلہ لینا پڑتا ہے' جو اصل میں لڑکوں کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اسی مردانہ نصاب اور مردانہ ماحول میں عورتوں کو پڑھنا پڑھتا ہے۔ اگر آپ مخلوط تعلیم کا خاتمہ کر دیں' خواتین کے لئے الگ یونیورسٹیاں ہوں' عورتوں کی ضرورت کے مطابق ان کے الگ نصاب ہوں تو یقیناً نہایت خوشگوار نتائج سامنے آئیں گے۔ آج امریکہ' بھارت' جاپان' روس' جرمنی وغیرہ میں خواتین کے اعلیٰ تعلیمی ادارے موجود ہیں--- تو یہاں وطن عزیز پاکستان میں کیوں نہیں بن سکتے! آخر ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے بڑی شان سے پوری دنیا پر حکومت کی ہے۔ اس دور میں مسلمان خواتین مکمل طور پر باپردہ ہوتی تھیں--- ان کے پردے نے مسلمانوں کی ترقی میں کونسی رکاوٹ ڈالی تھی؟

اعتراض نمبر5

"بے پردگی میں عورت کی عزت ہے' آزادی ہے جبکہ پردہ میں غلامی ہے"

جواب: یہ مخالفین حجاب کا استدلال تو ہو سکتا ہے کہ بے پردگی میں عورت کے لئے عزت ہے' آزادی ہے جبکہ پردہ میں غلامی ہے' مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ روس' چین' امریکہ و یورپ میں عورت کو آزادی ہے' مگر اس طرح کہ اس کو قلی بنا کر رکھ دیا۔ جو کبھی سڑکوں پر جھاڑو دیتی نظر آتی ہے' جو کبھی مردوں کی طرح بھاری بھاری بوجھ اٹھاتی' پتھر ڈھوتی اور دیگر مردانہ کام کرتی ہیں' اس طرح صنف نازک کی نزاکت کو ختم کر کے اسے دوہرے بوجھ اٹھانے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ وہ بچے جنے' ان کو پالے پوسے' ملازمت بھی کرے' بازار سے سودا سلف بھی لائے' حقیقت میں مردوں نے عورتوں کو آزادی کا دھوکا دے کر عورتوں کو بیوقوف بنا دیا ہے۔ وہ دوہرا کام کرنے کے باوجود اس کو اپنے لئے عزت اور آزادی سمجھ رہی ہیں' کجا وہ رتبہ کہ عورت گھر بیٹھی ہے اور مرد کما کر اس کے ہاتھ پر آمدنی رکھ دے۔ وہ زمانے کے گرم

دوسرے محفوظ گھر میں بیٹھی امن سے اپنی گھرداری چلاتی رہے' اور کجا یہ دور کہ مرد آرام سے گھر لیٹے ہوئے ہیں۔ بیوی بازار شاپنگ کے لئے گئی ہوئی ہے' اپنا سامان تو اس نے لانا ہی ہے میاں کی عینک' جوتی اور اس کے کپڑے بھی' گھر میں پکنے والی سبزی گوشت بھی عورت ہی لا رہی ہے۔ یا دفتر' کارخانے میں وہ کام کرنے گئی ہوئی ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا' جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بے پردگی کے حامی کہتے ہیں کہ یورپ میں عورت کی بڑی عزت ہے وہاں اس کو سڑکوں پر کوئی نہیں چھیڑتا' حالانکہ یہ بالکل سفید جھوٹ ہے۔ مغربی ممالک میں بھی عورتوں پر اسی طرح آوازے کسے جاتے ہیں' زور زور سے مرد سیٹیاں بجاتے اور چھیڑتے ہیں' وہاں اندھیرے کے بعد عورتوں کا گھروں سے نکلنا مشکل ہے۔ وہاں کی پولیس نے عورتوں پر حملہ کے ڈر سے ان کو ہدایت کر رکھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پاس سیٹی رکھیں اور خطرہ کے وقت فوراً بجادیں' تاکہ پولیس کا سپاہی ان کی مدد کو پہنچ سکے۔ پھر یہ جنسی جرائم اور تشدد ان ممالک میں اتنا زیادہ ہے' زنا بالجبر اور جنسی طور پر خوفزدہ کرنے کے واقعات بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔

لندن کے روزنامہ ڈیلی ٹیلی گراف (18 ستمبر 1987ء) کے مطابق ایک پولیس افسر نے کہا:

"اب جنسی جرائم کے خاتمے کے لئے پھانسی اور دوسری سخت ترین سزائیں تجویز ہونی چاہئیں کیونکہ ان کے بغیر جنسی جرائم کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔"

جہاں تک عزت کا تعلق ہے' عزت تو خاوند کی خدمت کرنے والی گھر کی مالکہ خاتون مشرق ہی کو حاصل ہے' ملازمت کرنے والی تو ہر جگہ اپنے باس کو خوش کرنے کی فکر میں لگی رہتی ہے۔ اس طرح یہ آزادی اس کے لئے بجائے رحمت کے زحمت بن جاتی ہے' بجائے عزت کے ذلت بن جاتی ہے۔

□ اعتراض نمبر 6

مخالفین پردہ کی ایک دلیل یہ ہے کہ "شرم و حیاء تو دل میں ہوتی ہے' آنکھوں میں ہوتی ہے۔ الحمدللہ! ہم میں وہ موجود ہے' پردہ سے تو ہم الٹا لوگوں کا نشانہ بنتے ہیں۔"

جواب: امہات المؤمنین اور صحابیات رضوان اللہ علیہن اجمعین سے بڑھ کر آج کونسی خاتون پاکیزہ نفس اور باحیاء ہو سکتی ہے! ان کو تو اللہ تعالیٰ نے پردہ سے مستثنیٰ نہ فرمایا' کیا نعوذ باللہ! ان کے دل میں حیاء نہ تھی' آنکھوں میں نہ تھی۔ ان کو تو یہ حکم ہوا کہ "اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکایا کریں تاکہ وہ پہچان لی جائیں (کہ وہ شریف خواتین ہیں) اور ان کو نہ ستایا جائے۔" اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حجاب چاہے وہ چادر کی شکل میں ہے یا برقع وغیرہ کی شکل میں' خواتین کی شرم و حیاء اور شرافت کی پہچان ہے اور جو عورت پردہ

میں نہیں ہے' وہ بہت جلد مردوں کی چھیڑ چھاڑ کا نشانہ بن سکتی ہے بلکہ بنتی رہتی ہیں۔

اب آپ خود بتائیں کہ خواتین خود تو بن سنور کر گھر سے نکلیں اور مردوں پر پابندی لگائیں کہ وہ ہماری طرف نہ دیکھیں۔ حیاء آپ کے بقول آپ کے دل میں تو ہے مگر آپ دوسروں کے دل پر تو پابندی نہیں لگا سکتے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ دوسروں کی چھیڑ چھاڑ کا گلہ کرنے کے بجائے اپنے آپ کو ڈھانپ لیں۔ آج کل جو فحاشی' اجتماعی زنا (.GANG RAPE)' زنا بالجبر کے روز افزوں واقعات ہیں (ہر اخبار' رسالہ ان واقعات کا منہ بولتا ثبوت ہے) کیا وہ بے پردگی کے ہی تلخ ثمرات تو نہیں! کیا یہ

باپردہ خواتین کے ساتھ پیش آرہے ہیں یا بے پردہ خواتین کے ساتھ؟ یہ اتنے بیوٹی پارلرز' پاپ سنگنگ کے مراکز' میوزک سینٹرز کیوں بڑھتے جا رہے ہیں؟

ہر عمل کی ایک روح ہوتی ہے اور ایک قالب' آپ کے کہنے کے مطابق پردہ کی روح تو دل کی شرم و حیاء ہے جو آپ میں موجود ہے۔ لہٰذا پردہ کی کیا ضرورت؟ تو پھر کہنے دیجئے کہ نماز کی روح تو عاجزی و انکساری ہے۔ روزے کی اصل روح تقویٰ ہے۔ قربانی کا اصل مقصد جذبہ قربانی ہے' حج کا حقیقی مقصد ذہنی انقلاب ہے۔ تو کیا ان تمام عبادات کی ظاہری شکلوں کو ختم کر دیا جائے اور صرف ان کی روح کو دوسرے طریقوں سے حاصل کر لیا جائے؟ کیا نماز بغیر وضو کے اور رکوع و سجود کے' روزہ بغیر سحری و افطاری کے اور حج خانہ کعبہ کی زیارت و طواف کے بغیر درست تصور ہوگا؟ اگر نہیں ہو سکتا تو پھر شرم و حیاء کا جذبہ چہرے اور جسم کو چھپائے بغیر کیسے نشوونما پا سکتا ہے! یاد رکھیں! یہی جواب دل کے پردے آنکھ کی حیاء اور نیت کی پاکیزگی کا مظہر ہے۔ بے شک اللہ ہماری نیتوں کو جانتا ہے' مگر نیک نیت ہونے کے ساتھ ساتھ نیک عمل ہونا بھی ضروری ہے۔ کیا یہی بات ہمارا سر شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی نہیں کہ فرانس کی طالبات تو سکارف کی خاطر قانونی جنگ لڑیں' امریکی نو مسلم خواتین پردہ کی غرض سے پاکستان سے برقعوں کے نمونے منگوائیں جبکہ ہماری اپنی مسلمان بہنیں برقعوں سے جان چھڑانے کے لئے دل اور آنکھ کی حیاء کے فلسفے پیش کرتی پھریں!

❏ اعتراض نمبر 7

"پردہ کی وجہ سے ہماری آدھی سے زیادہ آبادی گھروں میں بیکار پڑی ہے۔ جبکہ پاکستان جیسا غریب ملک اتنی بڑی آبادی کو بیکار چھوڑنے کا متحمل نہیں ہو سکتا' عورت کا کسب معاش کرنا وقت کا تقاضا ہے۔"

جواب: عورت گھر میں رہ کر جو ذمہ داریاں سرانجام دیتی ہے یعنی گھرداری' شوہر کی خدمت' اگلی نسل کی تربیت' کیا یہ سب فضول کام ہیں اور اصل کام کمانا ہی ہے؟ اور کیا یہ واقعی ایک معقول بات ہے؟ یورپ و امریکہ میں جنگ عظیم کے موقع پر بہت سے مرد جنگ میں کام آگئے تو عورتوں کو آگے بڑھ کے کارخانے اور دفتر سنبھالنے پڑے۔ جب ان کو باہر کی دنیا میں کچھ آزادی ملی تو پھر انہوں نے از خود

گھرداری' شوہر کی خدمت اور تربیت اطفال جیسے کاموں سے جان چھڑانا چاہی۔ پھر اس سے جو بھیانک نتائج نکلے' اس سے کون واقف نہیں! حقیقت یہ ہے کہ خاندانی زندگی کا استحکام' افراد خانہ میں محبت و خلوص تبھی پیدا ہو سکتا ہے جب عورت گھر کے اندر رہے۔ معاشرہ تبھی مستحکم ہو گا جب معاشرہ کی بنیادی اکائی یعنی "گھر" مضبوط ہو گا۔

(2) شوہر اپنے اپنے میدان کار میں اسی وقت صحیح کام سرانجام دے سکتے ہیں' جب ان کو یہ یقین ہو

کہ گھر اور بچوں کو سنبھالنے والی میری بیوی گھر میں موجود ہے۔ اگر مرد اپنے گھر کی طرف سے ہی مطمئن نہ ہو تو وہ کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتا۔ گویا مردوں کے بڑے بڑے اور عظیم الشان کارناموں کے پیچھے وہ سکون کام کر رہا ہے' جو گھر میں ان کو بیویاں مہیا کر رہی ہیں--- کیا یہ معاشرہ کی خدمت نہیں' قوم کی تعمیر نہیں' کیا اس کا نام بیکاری ہے؟

(3) بچوں کی پرورش' مناسب دیکھ بھال اور ان کی حسن تربیت عورت کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ بچے کی خاطر عورت کو چوبیس گھنٹے کی بے لوث ڈیوٹی دینا پڑتی ہے۔ انسان سازی کوئی معمولی کام تو نہیں' جوتے بنانا' کپڑے بنانا' سیلز گرل بننا' ڈرائیور' نرس' ٹائپسٹ وغیرہ بننا تو اس کے مقابلے میں بہت معمولی کام ہیں اور کوئی بھی شخص ان کاموں کو کر سکتا ہے' مگر بچوں کی ماں صرف ایک ہے۔ اس کا متبادل دنیا کی کوئی چیز نہیں۔ بچوں کو تو صرف "ماں" چاہئے۔ ان کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ ہماری ماں گھر میں موجود ہو تو ہمیں ذہنی سکون ملتا ہے' کام کرنے کو دل چاہتا ہے اور اگر ماں نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اگر ماں کی بیرون خانہ ملازمت سے اگلی نسل بگڑ جائے' احساس محرومی کا شکار ہو جائے' نشہ' تشدد' مار دھاڑ اور جرائم کی عادی ہو جائے' تو کیا یہ معاشرہ کی ترقی ہوئی یا تخریب؟ وہ خواتین جن کے بچوں کا کوئی متبادل بندوبست ہو سکتا ہے' ان کی قریبی عزیز خاتون ان کو سنبھالنے والی ہے یا بچے بڑے ہو چکے ہیں' ایسی صورت میں عورت جز وقتی کام کر لے' ان شعبوں میں جہاں اس کی واقعی ضرورت ہے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں' مگر شرط یہی ہے کہ یہ کام اسلامی احکام اور شرعی حدود کے اندر رہ کر انجام دیا جائے۔

پاکستان کے معاشی و معاشرتی حالات کی روشنی میں دیہات میں رہنے والی خواتین بڑی چادریں لے کر کھیتی باڑی کے کاموں میں مردوں کا ہاتھ بٹا سکتی ہیں' بلکہ ان کے تعاون کے بغیر دیہی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً وہ جانوروں کو چارہ دیتی ہیں' ان کی دیکھ بھال کرتی اور ان کا دودھ دوھتی ہیں' وہ کھیتوں پر اپنے مردوں کے لئے کھانا لے کر جاتی ہیں' عورتوں کے ساتھ مل کر فصل کی کٹائی اور چنائی کرتی ہیں۔ یہ اور اس نوعیت کے دیگر کام شرعی حدود میں رہتے ہوئے انجام دیئے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کو خود عورتوں کے علاج کے لئے طبی پیشہ اختیار کرنا چاہئے۔ گھروں کے

اندر سلائی کڑھائی کے ذریعہ سے بھی وہ کما سکتی ہیں۔
ایسے کارخانے جہاں صرف عورتیں کام کرتی ہیں' ضرورت کے تحت ان کے اندر کام کرنے میں مضائقہ نہیں۔ خواتین کے ایسے بازار بھی قائم کئے جا سکتے ہیں' جہاں خریدار بھی خواتین ہی ہوں۔ خواتین کے سکول' کالج اور یونیورسٹیوں میں خواتین اساتذہ کی تدریس بلکہ طالبات کو پڑھانے کے لئے خواتین اساتذہ ہی ہونی چاہئیں۔ خواتین کی یونیورسٹی بھی ہو' جہاں سارا عملہ خواتین پر ہی مشتمل ہو۔
غرض وہ تمام شعبے جن میں خواتین اسلامی حدود میں رہتے ہوئے خدمت کر سکتی ہیں' صرف ان میں کام کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔
ملک کی آدھی آبادی کو گھر سے باہر نکالنے کا مقصد دراصل اور ہے۔ یہ اس مغربی کلچر کو پھیلانے کا ذریعہ ہے' جس کو پھیلانے میں ہمارے ذرائع ابلاغ صبح و شام مصروف ہیں' سرکاری اور غیر سرکاری کوششوں سے ملک میں ایک ہلڑ بازی برپا ہے' ثقافت اور کلچر کے نام پر رقص و سرود کے بازار گرم ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس نام نہاد آزادی سے خواتین محروم ہی بھلی ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف اسلام کے نام پر خواتین کے مکمل تحفظ' عزت احترام اور ترقی و رفعت کا نام لیا جاتا ہے' دوسری طرف ہالی وڈ کی ثقافت زبردستی یہاں رائج کی جا رہی ہے۔
علماء اگر سلف صالحین کی پیروی کرتے ہیں تو ہمارا مغرب زدہ طبقہ انہیں اندھے فضلا اور لکیر کا فقیر گردانتا ہے' حالانکہ ان حضرات کا اپنا یہ حال ہے کہ مغرب کے اصول و قوانین کی اندھی پیروی میں یہ لوگ ان سے بھی چار قدم آگے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قربانی ایک وحشیانہ رسم ہے۔ ادھر سے جواب ملتا ہے کہ ہمارے دین میں قربانی تو ہے ہی نہیں' یہ تو ملا کی ایجاد ہے۔ ادھر سے پردے کی مخالفت میں آواز اٹھتی ہے اور ادھر سے جواب ملتا ہے کہ یہ پردہ تو مولویوں کی اختراع ہے۔ ہمارے ہاں تو صرف شرم وحیاء کی تعلیم دی گئی ہے۔
ادھر سے گھر کی چار دیواری سے عورتوں کو نکالنے کی تلقین ہوتی ہے تو یہاں آزادی نسواں کی تحریکیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ادھر سے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی صدا بلند ہوتی ہے تو اس کو فوراً قرآن سے برآمد کرنے کی کوششیں ہونے لگتی ہیں۔
سوشلزم اور کمیونزم کی تحریکیں چلتی ہیں تو ہمارے مفکرین اس ملحدانہ اور لادینی نظام کو بڑے شد ومد سے عین اسلامی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ ان بے کردار لیڈیز کی تقلید میں ہمارے ہاں بھی فحاشی آرٹ اور ثقافت کا لباس پہن لیتی ہے۔ اس فکری غلامی کا یہ حال ہو گیا ہے کہ آج عالم اسلام کا کوئی بڑے سے بڑا عالم و محقق خواہ کتنی ہی معقول بات کہے' اس کی طرف ہمارا مغرب زدہ طبقہ نگاہ التفات ڈالنا پسند نہیں کرتا' مگر ادھر سے کتنی بھی فضول اور لچریات آ جائے تو ہمارے ہاں

وہ سائنٹیفک حقیقت کے نام سے ایمان و اعتقاد کا حصہ بن جاتی ہے۔۔۔ اس روش کا یہ نتیجہ نکل رہا ہے کہ اب اپنے پیغمبرؐ کی باتیں بھی ترقی پسندوں کے نزدیک دریا برد کرنے کے قابل نظر آ رہی ہیں لیکن اگر وہی بات کوئی مغربی مفکر کہہ دے تو اسے بلند پایہ علمی دریافت کا نام دے دیا جاتا ہے۔

دل نہ چاہے تو رسالتؐ کا بھی ارشاد غلط
من کو بھا جائے تو بھانڈوں کی خرافات بجا

ڈاکٹر رچرڈ لیون سائن

A HISTORY OF SEXUAL CUSTOMS, BY: DR. LEWINSOHN M.D. PAGE:286

(2) اسلام کا نظام عفت و عصمت، از: مولانا ظفیر الدین، ص 328 بحوالہ علامہ لوئس پیرول کا مضمون "ریویو آف ریویوز" ج 11، مضمون "پولیٹکل فساد"

(3) (اسلام کا نظام عفت و عصمت، از: مولانا ظفیر الدین، صفحہ 326، 327)

(4) (رسالہ منہاج "حیثیت نسواں نمبر" حصہ سوم، صفحہ 82)

(5) (از: عورت کی نفسیات، صفحہ 133، 132، از: ایس۔ ایم۔ اے ملک)

(6) (مولانا مودودیؒ کے انٹرویوز، 1979ء، صفحہ 486، از: ابو طارق)

(7) (اسلام کی نامور خواتین، صفحہ: 226 اشاعت اول)

(8) (تمدن عرب، مترجم: سید علی بلگرامی، صفحہ 552)

(9) (حوالہ ایضاً، صفحہ 553)

(10) (تمدن عرب، صفحہ 537)

(11) (تمدن عرب، صفحہ 550)

(12) (تمدن عرب، صفحہ 549)

www.KitaboSunnat.com

8

عورت اور معاشی مسائل

فرمان نبویؐ:

ان تطعمها اذا طعمت وتکسوھا اذا اکتسیت

(احمد۔ ابن داؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: "جب خود کھاؤ تو اپنی بیوی کو بھی کھلاؤ اور جو لباس خود پہنو ویسا بیوی کو بھی پہناؤ۔"

- عورت کا دائرہ کار
- معاشی بوجھ مرد پر
- عورت کا نان نفقہ مرد کے ذمے ہے
- کیا عورت مرد کی طرح کما سکتی ہے؟
- کیا عورت کی معاشی جدوجہد عورت کے اپنے حق میں ہے؟
- عورت کی معاشی جدوجہد معاشرے کے حق میں
- اسلام میں عورت کی معاشی پوزیشن مضبوط ہے
- عورت کی حقیقی مجبوری
- چند تمدنی ضروریات
- معاشی جدوجہد کے لئے چند حدود
- کیا دور جدید میں عورت کے لئے کمانا واقعی ضروری ہے؟
- ایک نظم
- کیا عورت کی مرد سے صرف معاشی احتیاج ہے؟
- اسلام اور سرمایہ داری
- الغرض عورت کی ملازمت سے
- ایک نظم

عورت اور معاشی مسائل

مغرب میں آج عموماً یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ عورت کو معاشی جدوجہد کرنے کی آزادی اور حق حاصل ہے مگر اسلام نے اسے اس حق سے محروم کر رکھا ہے' وہ معاشی طور پر مرد کی محتاج ہونے کی بناء پر حقیر سمجھی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں آج مہنگائی اتنی بڑھ گئی ہے کہ ہر ایک کے لئے کام کرنا اور کمانا ضروری ہو گیا ہے۔ لہٰذا عورت کو مرد کی طرح ہر شعبہ زندگی میں کام کرنے کی آزادی ملنی چاہئے۔

مندرجہ بالا مسائل بار بار مغرب اور ان کے ہمنوا مغرب زدہ مسلمان حضرات و بیگمات کی طرف سے دہرائے جاتے رہے ہیں۔ ذیل میں انہی سوالوں کا جواب اختصار سے دیا گیا ہے:

دائرہ کار: جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' اسلام میں مرد و زن کی کوئی حریف یا مخالف جنس نہیں ہے' نہ ان میں کوئی معرکہ کارزار گرم ہے۔ اس کا مقصد نہ تو مردوں کی حمایت ہے نہ عورتوں کی۔ اس کے پیش نظر تمام ذکور و اناث من حیث الانسان برابر ہیں اور مقصد اسلامی معاشرہ کی تخلیق ہے۔ اسلام انسان کی بھلائی اور اصلاح کے لئے کام کرتا ہے۔ دوسری طرف وہ نظام فطرت بھی ہے۔ لہٰذا اسلامی نظام زندگی کے فرائض و واجبات کے تعین میں بھی فطری راستہ اختیار کرتا ہے۔ مرد اور عورت کو وہی فرائض سپرد کرتا ہے جو ان کی فطری صلاحیتوں کے عین مطابق ہیں۔ کوئی بھی انسان جب غیر جانبداری سے اسلامی نظام حیات کا مطالعہ کرے' خصوصاً اس میں مرد و زن کے باہمی تعلقات کی نوعیت کا گہرا جائزہ لے تو وہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مرد و زن کے الگ الگ دائرہ کار کے باوجود دونوں میں باہم انس ہے' محبت ہے' شفقت ہے' ہمدردی و تعاون ہے' ایثار و قربانی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قدردان ہیں۔ اور اپنے اپنے فرائض خوشدلی سے ادا کرتے ہیں۔

معاشی بوجھ مرد پر: کسب معاش کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ عورت کی نرمی اور نزاکت اور جذباتیت' نفسیات' فطرت اور جسمانی ساخت ـــــ یہ تمام امور بس اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ عورت گھر میں رہے اور نسل نو کو پالنے پوسنے کی ذمہ داری سنبھالے۔ جب کہ مرد کی فطرت اور اس کی جسمانی قوت و صلاحیت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بیرون خانہ کے مشکل اور پر مشقت کام انجام دے۔ ظاہر ہے کہ معاش کی خاطر' کمانے کی خاطر بڑی دوڑ دھوپ کرنا پڑتی

ہے۔ گرم سرد حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ ملک کا دفاع کرنا' دشمن سے لڑنا' سڑکیں' پل' کارخانے' فیکٹریاں' صنعت' زراعت وغیرہ جیسے کام عورت کے بس کا روگ نہیں مگر مرد کی فطرت کے عین مطابق ہیں' لہٰذا کما کر لانے کی ذمہ داری مرد کی ہے۔ ویسے بھی کمانا کوئی حق نہیں ہے' یہ تو فرض ہے بلکہ مشکل فرض۔ اگر کسی مرد کو گھر بیٹھے بٹھائے باعزت طور پر روزی مل رہی ہے تو وہ باہر جا کر روٹی کمانے کی مشقت کیوں برداشت کرے گا؟ کیوں در بہ در کی ٹھوکریں کھائے گا؟

عورت کا نان نفقہ مرد کے ذمے ہے:

بیٹی ہو یا بہن ہو' بیوی ہو یا ماں ہر حال میں عورت کا مالی بوجھ شریعت اسلامیہ نے مرد پر ڈالا ہے۔ عورت گھر کی ملکہ ہے۔ وہ گھر کے امور انجام دے اور مرد' سالانہ' ماہانہ' ہفتہ وار اور یومیہ جس طرح اسے سہولت ہو اپنے اہل و عیال کا خرچہ برداشت کرنے کا ذمہ دار ہے۔ عورت کا کام یہ ہے کہ مرد کی لائی ہوئی کمائی کو سلیقہ سے استعمال کرے۔ اس میں اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔ نہ مرد سے اس کی استطاعت سے زیادہ سوال کرے۔

ہاں! اگر مرد استطاعت ہونے کے باوجود عورت کو خرچ کم دیتا ہے جس سے گھر کے مصارف پورے نہیں ہوتے' تو ضرورت کے مطابق عورت خود بھی مرد کی جیب میں سے اخراجات لے سکتی ہے۔ مگر یہ ضرورت کے مطابق ہونا چاہئے' فضول خرچی اور چٹخارے بازی کے لئے نہیں۔

دور رسالتؐ میں حضرت ابو سفیانؓ کی بیوی ھندؓ بنت عتبہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابو سفیان تو خرچ دینے میں تنگی سے کام لیتے ہیں۔ میرا اور بچوں کا خرچ صحیح طور پر پورا نہیں ہو پاتا۔ کیا میں اس کو علم ہوئے بغیر اس کے مال سے کچھ لے لیا کروں؟" فرمایا: "ہاں! اتنی رقم تم لے سکتی ہو جس سے تمہارا اور بچوں کا خرچہ مناسب انداز میں پورا ہو جائے۔" (بخاری' مسلم)

اور جو آدمی سرے سے اپنے گھر والوں کو خرچہ دیتا ہی نہیں (اس کی وجہ خواہ اس کی اپنی عیاشی یا سستی یا کام کرنے کی اس میں اہلیت نہ ہو) تو وہ عورت عدالت میں مقدمہ کر سکتی ہے۔ عدالتی چارہ جوئی سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر بذریعہ عدالت ان دونوں میں تفریق ڈال دی جائے گی (بشرطیکہ عورت علیحدہ ہونا چاہتی ہو)۔

کیا عورت مرد کی طرح کما سکتی ہے

اول تو عورت مرد کے مقابلے میں کمزور ہے۔ جب بھی کمانے کی خاطر باہر نکلے گی جگہ جگہ اس کو مرد سے پالا پڑے گا' لہٰذا ہر مشقت والی ڈیوٹی سے وہ خود بخود نکلتی جاتی ہے۔ پیچیدہ اور وقت طلب کاموں میں اس کی ناکامی اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ پر خطر مہمات کے لئے' دشمن سے مقابلہ کے لئے کبھی اس کا انتخاب نہیں

ہوتا' وہ پائلٹ اور کپتان نہیں بنتی' بھاری گاڑیاں وہ نہیں چلا سکتی' ہلکی پھلکی ملازمت اس کو دی جاتی ہے' مثلاً سیلز گرل' ٹائپسٹ' کلرک' سیکرٹری' ٹیچر' نرس' ڈاکٹر وغیرہ۔ پھر ان ہلکی پھلکی ملازمتوں میں بھی اس کی قوت کار مرد کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔ کیونکہ اسے ماہواری' حیض ونفاس وغیرہ کے مراحل سے وقتاً فوقتاً گزرنا پڑتا ہے اور اگر کام کر بھی لیتی ہے تب بھی مرد کے مقابلے میں اس کو تنخواہ کم ملتی ہے' حتیٰ کہ وہ ممالک جنہوں نے مساوات مرد و زن کو بطور اصول اپنے ہاں رائج کر رکھا ہے وہ بھی مرد و عورت کی تنخواہ میں فرق کرتے ہیں۔

عورت کی معاشی جدوجہد عورت کے اپنے حق میں ہے یا خلاف ہے؟

عورت نے باہر نکل کر مردوں کی طرح کمانے کی کوشش تو ضرور کی مگر عملاً یہ طاقتور اور کمزور کا مقابلہ تھا۔ مرد اپنی قوت وصلاحیت کی وجہ سے آگے ہی رہا' حتیٰ کہ وہ کام جو عورت مدتوں سے گھر میں کرتی چلی آئی ہے' ان میں بھی مرد کی کارکردگی عورتوں سے بہتر ہے' مثلاً مرد باورچی ہو' درزی ہو' دھوبی ہو' ان میدانوں میں بھی اس کی مہارت عورت سے زیادہ ہے۔ پہلے کی طرح آج بھی ہر جگہ قیادت مرد ہی کی ہے' گھر میں بھی اور گھر سے باہر بھی۔ تمام عہدے اور ذمہ دار پوسٹیں اسی کے پاس ہیں اور زندگی کے تمام شعبوں پر وہی چھایا ہوا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان سب باتوں کے باوجود آج عورت کی معاشی پوزیشن پہلے سے کچھ اچھی ہو گئی ہے مگر کس قیمت پر؟ دین و اخلاق کی قربانی دے کر' دامن عفت و عصمت کو داغدار کرنے کے بعد! کیونکہ سارے ذرائع معاش تو مردوں کے پاس ہیں اور عورت اس کے کاروبار کی پبلسٹی کے لئے ایک ذریعہ ہے۔ ہر معمولی سے معمولی چیز پر بھی عورت کی دل کش تصویر ضرور موجود ہو گی۔ کھلے بازار میں بیٹھ کر مرد کے لئے اس کی مصنوعات ناز و ادا سے فروخت کرے' ہوٹلوں اور کلبوں میں مہمانوں کا استقبال کرے' ان کی خاطر تواضع کرے' ہوائی جہاز میں ایئر ہوسٹس بنے' بیمار مردوں کی اپنی دلکش مسکراہٹ سے تیمارداری کرے۔

ہر روز بن سنور کر تو آتی ہے اس طرح
سسرال جیسے جاتی ہے سج کر کوئی دلہن

(عنایت علی خان)

عورت کی معاشی جدوجہد معاشرہ کیلئے مفید ہے یا نقصان دہ؟

عورت کے باہر جا کر کمانے سے خاندان کا ادارہ برباد ہوتا ہے' بچے پریشان اور بوڑھے ضعیف والدین الگ حیران۔ گھر ہوٹل بن کر رہ گئے۔ مرد کما کر گھر آیا' رات گزار کر چلا گیا۔ بعینہٖ عورت کما کر

گھر آئی' تھکی ماندی بستر پر جا پڑی۔ پھر اٹھ کر جلدی جلدی گھر کی صفائی کی' برتن صاف کئے' کھانا بنایا' بچوں کو کھلایا اور پھر ملازمت کے لئے نکل کھڑی ہوئی اور بچے ہیں کہ ماں کی جھلک دیکھنے سے محروم۔ دوسری طرف معاشرہ میں ہر جگہ مرد و عورت کے اکٹھا رہنے سے بے حیائی و فحاشی کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ ناجائز بچوں کی کثرت ہو گئی۔ اسقاط حمل' جنسی امراض کی کثرت' جنسی اور اخلاقی جرائم میں بے حد اضافہ ہوا۔ خاندان برباد ہو گئے' شیرازے بکھر گئے' بچے ماں باپ کی محبت و شفقت سے محروم ہو کر شراب اور نشہ میں پناہ ڈھونڈنے لگے۔ طلاقوں کی شرح 50% تک پہنچنے لگی۔ حاصل کیا ہوا؟ دنیا و آخرت کی بربادی ہی بربادی!

اسلام میں عورت کی معاشی پوزیشن مضبوط ہے:

مسلمان عورت کو گھر سے باہر جا کر کمانے کی ضرورت نہیں۔ بیٹی ہے تو باپ کی ذمہ داری ہے' بیوی ہے تو شوہر اس کے لئے ذمہ دار ہے۔ بہن کی کفالت بھائی کرے گا اور ماں کی بیٹا۔ وجہ یہ ہے کہ عورت کی گھریلو ذمہ داریاں اسلام کی نگاہ میں بہت اہم ہیں' اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت اپنی معاش کی طرف سے بالکل بے فکر ہو کر اپنے یہ خانگی فرائض سرانجام دے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت پر کوئی معاشی بوجھ نہیں رکھا گیا۔ آخر یہ خانگی ذمہ داریاں جو کل وقتی یعنی چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی ہے' یہ انجام دینے کے بعد اگر اس پر کسب معاش کا بوجھ بھی ڈالا جاتا تو یہ عورت پر انتہائی ظلم ہوتا۔

بات صرف اتنی نہیں کہ عورت کو اپنے معاشی مسائل سے بے فکر رکھا گیا ہے بلکہ اس کی معاشی پوزیشن کو مضبوط بنایا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک طرف اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد کے ذمے ہے' دوسری طرف وہ وراثت میں اپنا باقاعدہ حق وصول کرتی ہے' ماں باپ' شوہر' بیٹا' بیٹی کی وراثت میں سے اسے لازماً یہ حق ملتا ہے۔ بعض اوقات بھائی بہن کے مال میں سے بھی وراثت کا حصہ مل سکتا ہے۔ پھر مرد کی طرف سے اس کو مہر ملتا ہے' جو خالص اسی کا حق ہے۔ پھر اس کو جو تحفے تحائف ملتے ہیں' ان کی بھی وہ مالک ہوتی ہے۔

ان ذرائع سے عورت کو جو آمدنی حاصل ہوتی ہے' اس کی وہ خود مالک ہے اور یہ آمدنی اس کے پاس محفوظ ہے کہ جیسے چاہے خرچ کرے۔ چاہے تو اپنے شوہر کے لئے خرچ کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ اس کے مقابلے میں مرد کے اوپر بے شمار معاشی ذمہ داریاں ہیں۔ وہ جو کچھ کماتا ہے یا وراثت میں حاصل کرتا ہے' زیادہ تر ان ذمہ داریوں پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو اسلام میں عورت کی معاشی پوزیشن مضبوط بنا دی گئی ہے' دوسری طرف معاشرہ کو ان تمام خرابیوں سے بچانے کی مؤثر طور پر تدبیر کی گئی ہے۔ جو عورت کے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں رونما ہوتی ہیں۔

□ عورت کی حقیقی مجبوری:

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی عورت کا واقعتاً کوئی کفیل نہیں ہوتا مثلاً بیوہ خاتون اپنے یتیم بچے کیسے پالے؟ یا کسی مرد کی آمدنی اتنی محدود ہے کہ اس میں گھر کا دال دلیہ نہیں چل سکتا' اور عورت اپنے گھریلو معاملات پورے کرنے کے لئے مرد کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہے۔

اس صورت میں اسلام کا اپنا ایک کفالتی نظام ہے۔ وہ سرکاری بیت المال سے تمام محتاجوں کو حصہ دلواتا ہے۔ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسے تمام ضرورتمند' محتاج اور معذور لوگوں کی مالی مدد کرے اور ان کے اخراجات کی کفیل بنے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "اگر دریائے فرات کے کنارے ایک بکری بھی بھوکی مر گئی تو مجھے روز قیامت اس کا جواب دینا پڑے گا۔" پھر اسلام ہر صاحب استطاعت پر زکوٰۃ فرض کرتا ہے' صدقات و خیرات کے نظام کے ذریعے سے اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں کی خبر لینے کی تلقین کرتا ہے۔ اس طرح اسلامی معاشرہ میں کسی خاتون کو اپنے یا اپنے یتیم بچوں یا اپنے چھوٹے بھائی بہنوں یا بوڑھے ماں باپ کے لئے کمانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

▼ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "کیا میں تمہیں بہترین صدقہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ اپنی اس بیٹی پر خرچ کرو جو بیوہ یا مطلقہ ہو کر تمہارے پاس آ گئی ہے اور اب اس کا کوئی کمانے والا نہیں ہے۔" (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ)

▼ اب دیکھئے! خود مغربی مفکر عورت کے لئے اجتماعی کفالت پر زور دے رہے ہیں۔ مفکر آگسٹ کونٹ "النظام السیاسی" میں لکھتا ہے:

"شوہر یا کسی اور قریبی رشتہ دار کی عدم موجودگی میں سوسائٹی کا فرض ہے کہ عورت کی ضروریات کا اپنی دولت سے انتظام کرے تاکہ اسے معاش کی ضرورت سے مجبور ہو کر گھر سے باہر کی زندگی میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کرنا پڑے' کیونکہ حتی الامکان عورت کی زندگی کو منزلی دائرے میں محدود رہنا چاہئے اور ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ عورت خارجی زندگی کے مصائب اور تکلیفوں سے محفوظ رہے اور قدرت نے اس کو جس دائرے میں محدود کر دیا ہے' اس سے باہر نکلنے پر مجبور نہ ہو۔"①

لیکن موجودہ حالات میں جبکہ دنیا میں کہیں بھی اسلامی حکومت نہیں ہے' مسلمان بھی اہل مغرب کی طرح مادیت اور نفسا نفسی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اپنے غریب رشتہ داروں اور ہمسایوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے بلکہ خود چچا اپنے یتیم بھتیجے بھتیجیوں کی ساری جائیداد ہتھیا کر انہیں گھر سے باہر نکال دیتے ہیں۔ ان حالات میں خواتین مجبور ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنے بچوں کا معاشی بار بھی اٹھائیں۔ یہ صورت حال اسلامی احکام کی پامالی کی بناء پر پیش آ رہی ہے۔ ان حالات میں عورت کے کمانے پر اسلام کوئی قدغن نہیں لگاتا۔ اس کے لئے گھریلو دستکاریاں موجود ہیں۔ مثلاً سلائی کڑھائی کا شعبہ' گھر میں کپڑے'

گندم اناج وغیرہ فروخت کئے جاسکتے ہیں۔ اگر معاش کا بندوبست گھر میں ہو سکے تو بہتر ہے وگرنہ حجاب کی پابندی برقرار رکھ کر بیرون خانہ بھی کوئی ذریعہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ کسانوں کی خواتین ان کے ساتھ کھیتوں میں برابر کام کرتی ہیں۔ بالکل سادگی اور حیاء کے ساتھ وہ اپنے کام میں مصروف رہتی ہیں۔ خود عہد نبوی ؐ میں بعض صحابیات ؓ بھی گھر سے باہر جا کر کام کیا کرتی تھیں۔ مثلاً حضرت اسماء ؓ بنت ابی بکر ؓ اپنے شوہر کی زمین پر ان کی معاونت کیا کرتی تھیں' ایک صحابیہ ؓ جمعہ کے روز چقندر پکا کر فروخت کیا کرتی تھیں۔

❑ تمدنی ضروریات:

بعض تمدنی ضروریات بھی ہیں جو عورت سے بیرون خانہ فرائض کی انجام دہی کا تقاضا کرتی ہیں۔ مثلاً زنانہ تعلیمی اداروں میں بچیوں کی تعلیم و تربیت خواتین ہی کے ہاتھوں انجام پانا ناگزیر ہے۔ بلکہ زنانہ اداروں میں استاد' کلرک' وارڈن' ٹائپسٹ وغیرہ خواتین ہی ہونی چاہئیں۔ ان کے لئے خواتین ہی ڈاکٹر ہوں۔ پھر خواتین کے عدالتی حقوق کی چارہ جوئی کے لئے خواتین وکیل کا ہونا بھی ضروری ہے۔

مگر خواتین کے لئے اس "شوقیہ" ملازمت کی اجازت ہرگز نہیں جو ستر و حجاب کی پابندیوں کے بغیر مکمل ہار سنگار کے ساتھ کی جائے۔ جس میں ہر روز عورت گھر سے اس طرح بن سج کر نکلے جس طرح کوئی دلہن اپنے سسرال جا رہی ہے۔ جو خواتین محض اپنے "سوشل سٹیٹس" کو بلند کرنے کے لئے اور "آؤٹنگ اور تفریح" کے نکتہ نظر سے ملازمت کرتی ہیں' وہ حیاء اور عفت کے نام پر بدنما داغ ہیں۔ قوانین قدرت کو توڑنے اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے کا نتیجہ سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں نکلتا۔ ایک طرف گھر گھر نہیں رہے' اولاد کو تربیت نہیں ملتی' مرد کو عورت کی توجہ اور محبوبیت نہیں ملتی' گھروں میں آتش محبت سرد ہو چکی ہے' عورت خوش مزاج اور شوہر کی مزاج شناس بیوی نہیں رہی بلکہ مردوں کے برابر محنت و مشقت برداشت کرنے کی وجہ سے اپنے مردوں کی مدمقابل اور حریف بن گئی ہے۔ پردہ چھوڑ کر گھر سے باہر نکل کر اس کے مصائب میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے' اس کے پاس اب اخلاقی اور دماغی عاجزی و انکساری نہیں رہ گئی۔ دوسری طرف بے حیائی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

کہنے کو یہ سب ہیں تو مسلمان

دوپٹے گلے میں' زلفیں پریشان
نہ شرم وحیا ہے اپنے بڑوں کا
وی۔ سی۔ آر' ٹی۔ وی زیور گھروں کا
والدین ہیں بے بس اور شوہر مجبور
فحاشی کا ہوتا ہے ڈش سے نزول

یہ مشرق کی بیٹی تہذیبوں کی رانی
مغرب میں کھو کر ہوئی ہے دیوانی
عنایت اڑیں گی کہاں تک یہ نادان
آخر ہوں گی اک دن پشیمان

(عنایت علی خان)

❑ عورت کی معاشی جدوجہد کے لئے بعض حدود:

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عورت کے لئے کسب معاش بالکل ممنوع بھی نہیں ہے 'مگر اس کے لئے کچھ حدود اور ضابطے ہیں جن کی پاسداری کرنا لازم ہے۔

کوئی جزوقتی ملازمت ہو' جس سے خانگی ذمہ داریاں متاثر نہ ہوں۔ کیونکہ اس کی خانگی ذمہ داریاں اصل اور بنیادی ہیں۔ ان کے نقصان کی قیمت پر ملازمت کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کسب معاش اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اپنے مردوں (شوہر' باپ' بھائی وغیرہ) کی اجازت سے ہونی چاہئے ورنہ اس سے خاندانی نظم بگڑتا ہے۔ تیسری پابندی یہ ہے کہ عورت حجاب اور سادگی کا اہتمام کرے' علاوہ ازیں یہ کام کسی نسوانی ادارے میں ہو۔ اختلاط مردوزن کی کسی مرحلے میں گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس اختلاط سے پیدا ہونے والی خرابیوں کے مقابلے میں عورت کی کمائی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی۔

موجودہ حالات میں عملاً ان پابندیوں کے ساتھ کام کرنا بڑا مشکل ہے کیونکہ مسلمان معاشروں میں بھی ہر جگہ مخلوط معاشرہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ خالص زنانہ اداروں میں بھی مردوں کا اتنا عمل دخل ہے کہ وہاں بھی قدم قدم پر حجاب کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ پھر آج کی "ثقافت" اور "کلچر" نے ان نسوانی اداروں کی سرگرمیاں بھی اس طرح بدل کر رکھ دی ہیں کہ شریعت کی حدود کے اندر کام کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ بہرحال یہ مسلمان معاشروں کی کمزوری ہے کہ وہ ضرورتمند خواتین کے لئے شریعت کے ضابطوں کے مطابق کسی معاشی نظام کا بندوبست نہیں کر سکے۔

کیا دور جدید میں واقعی عورت کیلئے کمانا ضروری ہو گیا ہے؟

آج ہر مرد اور عورت کی زبان پر ایک ہی بات ہے کہ جی! آجکل تو مہنگائی اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ اکیلے مرد کی کمائی سے گزارا ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا عورتوں کو ضرور معاشی جدوجہد میں اپنا حصہ ڈالنا چاہئے تاکہ خاندان کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ میں نے اس مسئلہ پر جتنا بھی غور کیا ہے' مجھے یہ بات بالکل بے معنی نظر آئی ہے۔ عورت اصلاً گھر کی مالکہ ہے۔ قیامت والے دن اس سے یہ سوال نہیں ہو گا کہ تو نے کتنا کمایا یا نہیں کمایا تو کیوں نہیں کمایا؟ اس سے سوال یہ ہو گا کہ خاوند کی خدمت کتنی کی' بچوں کی

تربیت کیسی کی، ان کو مخلص مسلمان اور سچا دیندار بنایا یا نہیں؟ میری نگاہ میں خود کما کر لانے والی بلکہ بچوں کو سونے کے نوالے کھلانے والی خواتین کے مقابلے میں وہ خواتین زیادہ محترم اور قابل قدر ہیں جنہوں نے گھر میں کچھ نہ ہونے کی وجہ سے خود بھی فاقہ کیا اور بچوں کو بھی فاقہ کروایا، مگر ساتھ ان کو قناعت کا سبق ذہن نشین کروایا کہ آج تو ہم اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ آج ہمارے گھر سنت نبویؐ پر عمل ہو رہا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم باری تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! مجھے ایک دن کھلانا تاکہ اس دن میں کھا کر تیرا شکر ادا کروں اور ایک دن مجھے نہ کھلانا تاکہ اس دن میں صبر کروں اور دونوں صورتوں میں اجر و ثواب حاصل کر سکوں۔"

اصل میں آج ہماری تمام دینی و اخلاقی اقدار بدل گئی ہیں۔ اب ہمارے سامنے صرف مادی اقدار رہ گئی ہیں۔ مغرب کا معیار زندگی ہم نے بلا کم و کاست اپنا لیا ہے، جس کے مطابق پیسہ اور چمک ہی سب کچھ ہے۔ اس نظام کے مطابق تقویٰ، اخلاق اور کسب حلال سب فرسودہ اور دقیانوسی چیزیں ہیں۔ اس تہذیب سے یہی سبق ملتا ہے کہ ہمارے پاس پیسہ ہونا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے، لہٰذا آج کے حالات میں عورتوں کا کمانا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ آج یہ بات بھی صحیح ہے کہ جس طرح پہلے رشتہ دار بیوہ عورت اور یتیم بچوں کی کفالت کیا کرتے تھے، آج سگے چچا بھی توجہ نہیں کرتے بلکہ یتیم بچوں کا سارا مال بھی چھین لیتے ہیں (تاہم یہ خرابی تو موجودہ مسلم معاشرے کی ہے۔ اس کا ذمہ دار اسلام نہیں ہے۔ اسلام تو بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کا پورا بندوبست کرتا ہے)۔ آج ایسی عورت اگر اپنے یتیم بچوں کو کھلانے کے لئے معاشی جدوجہد کرتی ہے تو اسلام کی نگاہ میں ایسی عورت دوہرے اجر و ثواب کی مستحق ہے، جو واقعی ضرورت کی بناء پر کمانے پر مجبور ہے۔ مگر عموماً عورتوں کی کمائی مالی لحاظ سے پورا فائدہ نہیں دے پاتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت روزانہ باہر جانے کے لئے نت نئے کپڑوں اور میک اپ کا بندوبست کرتی ہے۔ کمائی کا کم و بیش آدھا حصہ تو انہی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ جتنی دیر گھر سے باہر رہتی ہے اتنی دیر کے لئے ایک دو ملازموں کا بندوبست بھی کرے گی، کافی پیسہ ان پر بھی اٹھ جاتا ہے، پھر چونکہ وہ کماتی ہے لہٰذا گھر کی آرائش اور ٹیپ ٹاپ، عمدہ فرنیچر وغیرہ گھر میں ضرور ہونا چاہئے۔ بچوں کے کپڑے بھی ریڈی میڈ ہوں (کیونکہ سینے کا وقت نہیں ملتا) بچوں کی ٹیوشن فیس بھی دینی ہے (کیونکہ ان کو پڑھانے کے لئے وقت نہیں درزی، دھوبی کا غرض کون کون سے زائد اخراجات ہیں، جو عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی وجہ سے اٹھانا پڑتے ہیں۔ ساری جمع تفریق کر لیں، عورت کی کمائی گھر کی بنیادی یا حقیقی ضرورت کوئی بھی پوری نہیں کرتی، سب اوپر کے اخراجات پر ہی اٹھ جاتا ہے۔

اس کے بجائے اگر عورت کفایت شعاری کو اپنا مطمع نظر بنائے، خود اپنے بچوں کو (ٹیوشن کے بجائے) پڑھائے، ان کے کپڑے خود سیئے (ریڈی میڈ لینے کے بجائے)، گھر کی تمام ضرورتوں کو مرد کی کمائی کے

اندر سلیقہ شعاری سے پورا کرے تو اسے یقیناً ملازمت کی کمی محسوس نہ ہو گی۔ اپنی ضروریات کو محدود کرنا کوئی ایسا مشکل بھی نہیں ہے۔ اپنے اور بچوں کے آٹھ آٹھ اور دس دس جوڑے نہ ہوں' چار پانچ کے اندر گزر بسر کی جا سکتی ہے۔ کھانے اعلیٰ اور بیش قیمت نہ ہوں' دال روٹی پر بھی گزارا کیا جا سکتا ہے۔ نمود و نمائش اور رسوم ورواج پر نہ خرچ کیا جائے' غرض اگر عورت چاہے تو کتنی بچت بھی کر سکتی ہے اور کتنے مسائل اپنے ناخن تدبیر اور سلیقہ سے سلجھا سکتی ہے۔ لہٰذا بڑھتی ہوئی ضروریات تو ایک مفروضہ ہے۔ جن کو اپنے اپنے زاویہ نظر کے مطابق کم بھی کیا جا سکتا ہے اور بڑھایا بھی جا سکتا ہے۔ یہ مادی دوڑ تو اتنی بری چیز ہے کہ جب اس راہ پر انسان چل نکلے تو پھر قارون کا خزانہ بھی کم پڑ جائے اور **هل من مزيد** کی طلب پھر بھی باقی رہے۔ لہٰذا اپنے آپ کو محدود کرنا اور کفایت شعاری اختیار کرنا عورت کے اپنے اختیار اور مفاد میں ہے۔

دوسری طرف عورت کے گھر میں رہنے سے افراد خانہ کو جو محبت اور ہمدردی ملتی ہے' عورت کی پوری توجہ گھر کی طرف ہونے سے تمام افراد خانہ کو جو خوشگوار طمانیت کا احساس ہوتا ہے تو کیا اس کا مقابلہ ان گھرانوں سے کیا جا سکتا ہے جہاں خواتین کمانے کے لئے گئی ہیں اور گھر کا سکون درہم برہم ہے' خاوند الگ ناراض' بچے پریشان' بوڑھے صورت حال پر حیران! غرض الامان الحفیظ

سوال یہ ہے: کیا واقعی عورت کی معاشی جدوجہد ضروری ہے' خاندان اور معاشرہ کے اتنے بڑے نقصان کی قیمت پر؟ کیا ہمارے معاشرے میں واقعتاً مردوں کی اتنی کمی واقع ہو گئی ہے کہ اب عورتیں کمانے لگ جائیں؟ کیا مرد ہزاروں کی تعداد میں روزگار کی تلاش میں سرگرداں نہیں ہیں؟ تو پھر عورتوں کو مردانہ کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ رہا سوال کا اگلا حصہ کہ اگر عورت معاشی طور پر خود کفیل ہو تو وہ مردوں کی محتاج نہیں رہے گی' مگر کیا دنیا میں صرف ایک معاشی احتیاج ہی ہے اور کوئی احتیاج اس کے علاوہ نہیں ہے؟ معاشی ضرورت ٹھیک ہے' ایک بڑی ضرورت ہے مگر صرف یہی ایک

ضرورت نہیں اور بھی کتنی ضرورتیں ہیں جو عورتوں کو مردوں سے ہیں۔ کیا جنسی ضرورت سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ پھر انہیں مردوں کا تحفظ چاہئے' مردوں کی شفقت چاہئے' مردوں کا تعاون چاہئے۔ کوئی بھی ادارہ یا گھر صرف عورتوں کے ہاتھوں نہیں چل سکتا۔ قدم قدم پر عورتوں کو مردوں کے تعاون کی ضرورت ہے' کیونکہ باہر کے کام بہرحال مردوں نے ہی کرنے ہیں۔ تو پھر معاشی طور پر عورت کے لئے مرد سے مانگنے میں کیا خرابی ہے؟ اس سے عورت کے احترام اور وقار میں فرق نہیں آتا' کیونکہ وہ پھر بھی ماں ہے' بیٹی ہے' بہن ہے' بیوی ہے' اسلام نے اس کی معاشی ضروریات پوری کرنا مردوں پر فرض قرار دیا ہے۔ لہٰذا عورت کا نہ کمانا اس کے وقار اور نسائیت میں کوئی فرق نہیں پیدا کرتا۔ آخر مردوں کو بھی تو عورتوں سے کئی قسم کی احتیاج ہے جس سے ان کی مردانگی کی تحقیر نہیں ہوتی' اس لئے عورتوں کو بھی اپنا خداداد حق

کرنے میں کسی تحقیر کا خیال ذہن میں نہیں لانا چاہئے۔

اسلام اور سرمایہ داری:

اب ذرا ذکر ہو جائے اشتراکی اور سرمایہ دارانہ معاشروں کا کہ وہاں طلاق اور بیوگی دونوں شکلوں میں عورت ہی بچوں کی کفالت کی ذمہ دار ہے' جبکہ اسلام میں عورت کسی بھی شکل میں بچوں کے مالی اخراجات کی ذمہ دار نہیں ہے' نہ شوہر کے گھر' نہ طلاق کی شکل میں' نہ بیوگی کی صورت میں۔ بیوگی کی صورت میں بچوں کا چچا' ماموں' دادا' جو کوئی بھی موجود ہو ان کی کفالت کا ذمہ دار ہے۔ اس کے برعکس یورپ اور امریکہ میں عورت روٹی کپڑے اور نان نفقہ کے لئے عدالت میں مقدمہ نہیں کر سکتی' نہ اس کو وراثت کا حق ہے۔ تو پھر وہ وہاں کمانے کے لئے دربدر کی ٹھوکریں کیوں نہ کھائے؟

اسلام کا اپنا کفالتی نظام موجود ہے' جہاں بیوہ اور محتاج خواتین کی ذمہ داری اس کے قریبی رشتہ داروں' ہمسایوں اور بیت المال پر ہے' عورت کو کبھی بھی کمانے پر مجبور نہیں ہونا پڑتا۔

لیکن بالفرض عورت ملازمت کرنا چاہے تو اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق کر سکتی ہے۔ مگر یہ فرض ہرگز نہیں ہے جبکہ مغربی معاشرہ اس کو ناگزیر قرار دیتا ہے۔

اور پھر جس نے ملازمت کرنی ہے وہ مشنری جذبے سے اور عوام کی خدمت کے جذبے سے کرے معاشی نقطہ نگاہ سے نہ کرے۔ معیشت کو اتنا بالادست سمجھنا مغرب کا نقطہ نظر ہے' یہ اسلام کا موقف ہرگز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں معاشی نقطہ نظر سے عورت کی ملازمت منفی پہلو بھی رکھتی ہے۔

الغرض عورت کی ملازمت سے:

(1) گھر گھر والی سے' بچے ماں سے' شوہر بیوی سے اور بوڑھے معذور افراد خدمت کرنے والوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔

(2) ملازمت میں عہدوں پر نااہل افراد بھرتی ہونے سے کام کی ترقی کی رفتار رک جاتی ہے' دوسری طرف مردوں میں بے روزگاری بڑھتی ہے۔

(3) دوران ملازمت دفاتر' فیکٹریوں غرض ہر جگہ عورتوں کا مردوں کے شانہ بشانہ اٹھنے بیٹھنے سے مردوں میں بھی انتشار اور انارکی بڑھتی ہے' اس طرح بے حیائی اور فحاشی کو فروغ ملتا ہے۔

(4) عورتوں کو مردوں کی نگاہ میں جاذب نظر بننے کے لئے نت نئے ملبوسات اور میک اپ پر بیش قیمت اخراجات کرنے پڑتے ہیں' جس سے عورتوں کی آدھی کمائی انہی فضولیات پر صرف ہو جاتی ہے۔

(5) گھر کے کاموں کے لئے ملازمہ' آیا اور کئی نوکروں کا بندوبست کرنا پڑتا ہے۔ پھر اپنی حیثیت کے مطابق گھر' فرنیچر اور بنگلوں کے سٹیٹس پر خرچ کرنا ہوتا ہے۔ گویا آدھی کمائی اپنے سٹیٹس کو بنانے پر اور

آدھی ملازموں پر اٹھ جاتی ہے' مگر امور خانہ پھر بھی ابتر اور پریشان رہتے ہیں۔

(6) جائے ملازمت تک کی آمدورفت بھی ایک بڑا مسئلہ ہے اور دوران ملازمت بھی بے شمار ناخوشگوار واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ بہرصورت عورتوں کا گوہر آبدار (یعنی عفت و عصمت) پامال ہوتا ہے۔ ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بننے سے ان میں بھی بے باکی پیدا ہوتی ہے۔ پھر مردوں کے میدان میں ان سے مسابقت کا جذبہ ابھرتا ہے۔ لہٰذا شرم و حیاء اور نسوانیت آہستہ آہستہ رخصت ہوتی جاتی ہے۔

(7) خود کمانے والی عورت کا شوہر بھی بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ اس کا خیال ہوتا ہے آخر ماں ہے' بچوں کو بھوکا تو نہیں مرنے دے گی۔ پھر بعض مرد اپنی کمائی جوئے' شراب خوری و عیاشی میں لگا دیتے ہیں' بعض دوسری شادی رچا لیتے ہیں۔ بہرصورت کمانے والی عورت کو اپنے بچے خود ہی پالنا پڑتے ہیں۔ عورت کو دوہری ذمہ داریوں کے تلخ نتائج کا اس وقت اندازہ ہوتا ہے جب وہ مسلسل تھکن' چڑچڑے پن اور کئی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ دوسری جانب گھریلو نظام ابتر' تیسری طرف بچوں کا جرائم میں ملوث ہونا بھی ایک لمحہ فکریہ ہے۔ چنانچہ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے ایک شاعر بے اختیار کہہ اٹھتی ہے ؎

ورت نے گھر چھوڑ دیا   عہد وفا کو توڑ دیا
صبر و رضا کی پتلی نے   صبر کا دامن چھوڑ دیا
کاٹ میں لیٹا بچہ پوچھے   ماں کی نرم آغوش کہاں؟
نت کی خوشبو میں بسا   بستر جیسا دوش کہاں؟
خواہش پیسہ کمانے کی   دفتر تک لے آئی ہے
حرص وطمع کی سبقت نے   کیسی قیامت ڈھائی ہے
س کے تقدس کا شیشہ   بھوکی نظر نے توڑ دیا
ورت نے گھر چھوڑ دیا   عہد وفا کو توڑ دیا
گھر کے اندر چھائی ہے   قبرستان کی خاموشی
ر اک فرد پہ طاری ہے   زریابی کی مدہوشی
ہذیب افرنگ نے ہے   ان کی آنکھ کو پھوڑ دیا
گراہی نے سب اس کا   حسن' شباب نچوڑ دیا
انجانی منزل پہ   غفلت میں آ پہنچی ہے
ھر کا اک چراغ تھی   جو محفل میں جا پہنچی ہے

عورت نے گھر چھوڑ دیا عہد وفا کو توڑ دیا
صبر و رضا کی پتلی نے صبر کا دامن چھوڑ دیا
(راہ حق سے دور)

① (علامہ فرید آفندی مصری کی کتاب "المراۃ المسلمہ" کا اردو ترجمہ بعنوان "مسلمان عورت" از: ابوالکلام آزاد' صفحہ 52)

9

ولایت نکاح کا مسئلہ

لَانِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيّ (فرمان نبویؐ)

ترجمہ: "ولی کے بغیر کسی عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا۔"

(ابو داؤد' احمد' ترمذی)

- لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے
- ولی کی لغوی واصطلاحی تعریف
- خاندان میں ولی کا کردار
- شادی کے موقع پر ولی کی اہمیت
- ازروئے شریعت نکاح کا مقصد
- اخلاق کی حفاظت' مودت و رحمت
- انتخاب زوج کے لئے نبوی معیار
- محبت کی شادی کی نفسیات
- مولانا زاہد الراشدی کا مراسلہ
- شاہ ولی اللہ دہلوی کا قول
- ولی کی شرط کیوں؟
- ازروئے قرآن ولی کی رضا ضروری ہے
- احادیث کی راہنمائی
- ولی کی ضرورت باکرہ کو بھی ہے' ثیب کو بھی
- عقلی جواز
- خاندان کا استحکام
- گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں کا انجام
- مغربی کلچر کو شائع کرنے کا منظم پروگرام
- ایک اشکال اور اس کا حل —— تکمین
- مولانا عبدالمالک کا فتویٰ
- سول میرج ایکٹ 1872ء (ضمیمہ)

ولایت نکاح کا مسئلہ

لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے

26 ستمبر 1996ء کے اخبارات میں لاہور ہائیکورٹ کا ایک اہم فیصلہ شائع ہوا۔ جس میں فاضل عدالت نے ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر نوجوان لڑکی کے از خود شادی کر لینے کو ناجائز قرار دیا اور لڑکیوں کا اغوا اور لَو میرج کے بڑھتے ہوئے رجحان پر سخت تشویش کا اظہار کیا۔ نیز ان معاملات میں عدالتوں کی طرف سے اسلامی قوانین کے اطلاق کی بجائے ان سے گریز و اعراض پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔

مگر پھر کچھ عرصہ بعد یعنی 11 مارچ 1997ء کو لاہور ہائیکورٹ کے جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے اور جسٹس ملک قیوم نے مشہور زمانہ "صائمہ ارشد کیس" میں صائمہ اور ارشد کی لَو میرج کو جائز قرار دے دیا۔

عدالت کے یکے بعد دیگرے ان دو متضاد فیصلوں پر دنیا بھر میں مختلف رد عمل کا اظہار کیا گیا۔ کسی نے عدالت کے پہلے فیصلے کو سراہا اور بعد والے فیصلے پر اپنی تشویش کا اظہار کیا' تو کسی نے پہلے فیصلے کے خلاف سخت احتجاج کیا اور دوسرے فیصلے پر خوشی سے بھنگڑے ڈالے اور خواتین کو "اپنے حقوق" مل جانے پر فرط مسرت کا اظہار کیا' نتیجہ یہ ہوا کہ چند دنوں کے اندر اندر لاہور ہائیکورٹ میں لو میرج (محبت کی شادی) کے اتنے کیس سامنے آنے لگے کہ خود جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے (جنہوں نے صائمہ اور ارشد کی شادی کو جائز قرار دیا تھا) کو تشویشناک لہجے میں یہ کہنا پڑا کہ "لڑکیوں کو خود مختاری دینے کا یہ مطلب تو نہیں کہ پورے ملک کی لڑکیاں گھروں سے بھاگ کر خود شادی کر لیں" (روزنامہ 'خبریں مورخہ 18.3.97)

بہرحال وطن عزیز پاکستان میں لو میرج کی وباء روز افزوں ہے' ہفت روزہ "ندائے ملت" کی رپورٹر عارفہ صبح خاں نے ایک فیچر میں اپنی رپورٹ پیش کی کہ اس وقت پاکستان میں لومیرج کی سالانہ شرح 23 ہزار ہے۔ صرف لاہور میں سالانہ 600 لڑکیاں محبت کی شادی کر رہی ہیں۔ کراچی' حیدر آباد' لاہور' رحیم یار خاں' ملتان' سکھر' سرگودھا' اوکاڑہ غرض ہر جگہ شہروں میں صورت حال

بہت گھمبیر ہے' لاہور کے دارالامان میں روزانہ ایک لڑکی لومیرج کر کے حدود کیس میں آتی ہے' یہ تعداد بسا اوقات 4 تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ لیکن ایسا کوئی دن نہیں گزرتا کہ لاہور کے دارالامان میں کوئی لڑکی قدم نہ رکھے۔ (ہفت روزہ "ندائے ملت" مورخہ 17.8.97)

اس وقت مغرب میں خاندانی نظام بالکل برباد ہو چکا ہے' وہاں ہر ایک مادر پدر آزادی چاہتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا خاندانی نظام دنیا کا بہترین اور اعلیٰ نظام ہے۔ اہل مغرب ہمارے اسی خاندانی نظام کو بگاڑنا چاہتے ہیں' لہٰذا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا' اخبارات و رسائل' آرٹ اور ثقافت غرض ہر ہر طریقے سے مسلمانوں میں بے حیائی پھیلائی جا رہی ہے۔ اب نوجوان دوشیزہ خصوصی ٹارگٹ ہے کہ اسے اپنی مرضی کی شادی کا اختیار ہونا چاہئے۔

پھر بعض سادہ لوح لوگوں کو عورت کی نام نہاد آزادی کے نعرہ سے ہمنوا بنانے کے لئے فقہائے امت میں اختلافات کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے حالانکہ کوئی دانا بینا مسلمان مفرور لڑکی کی شادی کی حمایت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی مرعوب زدہ خواتین کی طرف سے ایک یہ اعتراض بھی بڑے زور و شور سے اٹھایا جا رہا ہے کہ اسلام عورت کو نکاح اور شادی کے سلسلے میں پورے حقوق نہیں دیتا۔ اس نے ولی کی رضا کی شرط عاید کر کے عورت پر زیادتی کی ہے بلکہ بالغوں کے ایک جائز حق پر ڈاکہ ڈالا ہے۔

لہٰذا اس اعتراض کا جواب دینے کے لئے ہمیں پہلے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ولی کہتے کسے ہیں' خاندانی زندگی میں اس کا رول کیا ہے اور آیا نکاح کسی فرد کا ذاتی معاملہ ہے یا دو خاندانوں کا اور خود معاشرہ کا اس سے کتنا تعلق بنتا ہے؟

ولی کی تعریف اور خاندانی زندگی میں اس کا کردار

❑ **لغوی معانی:** ولی عربی کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معانی سرپرست' دوست' مددگار' کام کا منتظم' رشتہ دار اور وارث کے ہیں۔ ①

کہا جاتا ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّكَ: "اللہ تیرا حافظ و نگران ہے۔"

❑ **اصطلاحی معانی:** اصطلاح میں ولی کا لفظ سرپرست اور ذمہ دار کے لئے بولا جاتا ہے' جو اخلاص اور محبت سے مدد کرنے والا ہو اور لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لئے مدد کرنے والا نہ ہو۔ (مترادفات القرآن' صفحہ 800)

قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: مَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

(البقرہ:107)

یعنی "اللہ کے سوا کوئی تمہارا حمایتی اور مددگار نہیں۔"

خاندان میں ولی کا کردار:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی انتہائی درجے کا مخلص اور ہمدرد ہوتا ہے۔ کسی خاندان کا ولی عموماً اس کا بزرگ ترین شخص ہوتا ہے' جو اپنی عقل اور سمجھ کی بناء پر پورے خاندان کے مفاد کا ذمہ دار ہوتا ہے' اس طرح گھر کا سربراہ اس کا ولی ہوتا ہے۔ وہ افراد خانہ کے مشورے سے ان کی خوراک' تعلیم' رہائش' علاج اور جملہ امور کا انتظام کرتا ہے۔ گھر سے باہر کے معاملات ہوں یا گھر کے اندر کے' سب معاملات کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنے بچوں کے نکاح و طلاق کے مسائل کا بھی وہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہی گھر کا ولی اپنے ہاں جنائز کا بھی بندوبست کرتا ہے۔ مردم شماری کا معاملہ ہو یا انتخابی فہرستوں کی تیاری' ہر گھر کے ولی سے ہی پوچھا جاتا ہے۔ گھر والوں کے برادری کے ساتھ مراسم' کوئی مقدمہ بازی' لڑائی جھگڑا ہر ایک میں اسے ہی اپنی ذمہ داری نبھانا ہوتی ہے۔ کسی بچے بچی کا کسی تعلیمی ادارہ میں داخلہ ہو' جب تک اس پر ولی کے دستخط نہ ہوں گے' تعلیمی ادارہ اس کو داخلہ نہیں دیتا۔ حالانکہ پڑھنا تو بچے نے ہے مگر جب تک اس کا ولی ذمہ دار نہیں بنتا' ادارہ اس کو قبول نہیں کرتا۔ خاندانی زندگی میں ولی کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ جب گھر کا ولی فوت ہو جاتا ہے تو فوراً گھر والے میٹنگ کر کے کسی کو (میت کے بھائی یا بیٹوں میں سے کسی ایک کو) ولی نامزد کرتے ہیں۔ برادری کا ولی فوت ہو جائے تو اس کے لئے بھی اسی طرح تمام برادری والے مل کر ولی کا انتخاب کرتے ہیں۔

زندگی کے ہر معاملہ میں:

یہ ولی تو زندگی کے ہر موڑ اور ہر شعبہ میں موجود ہوتا ہے۔ کالج کا پرنسپل اس کا ولی ہے' فوج کا کمانڈر انچیف اس کا ولی ہے' کوئی پبلک ادارہ ہو یا پرائیویٹ کمپنی' ہر کسی کا ولی (ذمہ دار) ہوتا ہے۔ نام بیشک مختلف ہو جائیں مگر ہر چھوٹے بڑے' سرکاری و غیر سرکاری اداروں یا گروہوں کے لئے مختلف ناموں اور القاب سے ان کے ولی (یا قیم) موجود ہوتے ہیں اور اس ادارے کے تمام کام اس ولی کے ذریعے سے سرانجام پاتے ہیں۔

اہمیت و ضرورت:

کیا کسی تعلیمی ادارے کا ملازم اپنے پرنسپل سے اجازت لئے بغیر دس پندرہ دن کی رخصت پر جا سکتا ہے؟ حالانکہ سال میں پچیس چھٹیاں لینا اس کا حق ہے اور اس حق کو پرنسپل ختم نہیں کر سکتا۔ مگر یہ حق پرنسپل سے اجازت لیکر ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ پرنسپل کہہ سکتا ہے کہ ان دنوں پہلے ہی دو اساتذہ رخصت پر ہیں' آپ چند دن ٹھہر کر یہ رخصت حاصل کریں یا ابھی پندرہ دن کی رخصت نہیں بلکہ آٹھ دن کی لے لیں' بقیہ سات دن کی کچھ عرصہ بعد لے لینا وغیرہ۔

اب ملازم کا حق واضح ہے، قانونی طور پر تسلیم شدہ ہے، پرنسپل اس کا یہ حق ختم نہیں کر سکتا، پھر بھی وہ پرنسپل کو نظرانداز کیے بغیر رخصت پر نہیں جا سکتا بلکہ اس سے مشورہ کرے گا۔ بغیر کسی جھگڑے کے یہ فیصلہ ان کے مابین طے ہو گا۔

❏ شادی کے موقع پر ولی کی اہمیت:

بالکل یہی معاملہ شادی، نکاح کے معاملات میں لڑکی اور اس کے ولی کا ہے۔ یہ نکاح لڑکی کی مرضی و مشورے سے ہو گا، مگر ولی کے ذریعے سے طے پائے گا۔ اس نکاح کے تمام انتظامات اسی نے کرنے ہیں۔ پہلے موزوں رشتے کا انتخاب، پھر شادی کا انعقاد اور پھر تا حیات اس شادی سے پیدا شدہ اچھے یا برے مسائل کا بندوبست بھی اسی نے کرنا ہے۔ اہل مغرب کے ہاں شادی تو ایک معمولی معاملہ ہے، جیسے ڈبل روٹی کے توس بنا لئے مگر مسلمانوں کے ہاں یہ زندگی کا اہم ترین مرحلہ ہے۔ یہ ایک دینی رابطہ و معاہدہ ہے، یہ محض دو شخصوں کا تعلق نہیں بلکہ دو خاندانوں کی عزت اور وقار کا معاملہ ہے اور اس معاملہ کو دونوں خاندانوں کے ولیوں نے ہفتوں، مہینوں اور بسا اوقات سال سال بھر کے غور و خوض کے بعد طے کرنا اور پھر اسے عمر بھر نبھانا ہوتا ہے۔

❏ از روئے شریعت نکاح کا مقصد:

1- اخلاق و عصمت کی حفاظت: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح② کے بارے میں فرمایا ہے کہ: "یہ نصف ایمان ہے۔"

إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

پھر اس نکاح کا جو مقصد قرآن پاک میں بتایا گیا ہے وہ اخلاق و عفت کی حفاظت ہے۔ نکاح کو لفظ "احصان" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "حصن" کا مطلب ہے قلعہ اور "احصان" سے مراد قلعہ بندی ہے۔ جو مرد نکاح کرتا ہے وہ "محصن" ہے اور جس عورت سے نکاح کیا جاتا ہے وہ "محصنہ" ہے یعنی وہ قلعہ کی حفاظت میں آ گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ "(یعنی ایسی عورت سے نکاح کرو) جو پاکدامن ہوں نہ کہ علانیہ یا چوری چھپے بدکاری کرنے والیاں۔" (النساء:25)

(2) مردوں سے بھی یہی بات کہی گئی ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ "اس کے علاوہ باقی سب عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں بشرطیکہ شہوت رانی کے لئے نہیں بلکہ پاکدامن رہنے کے لئے تم اپنے مال کے بدلے میں ان کو حاصل کرنا چاہو۔" (النساء:24)

غرض مرد و عورت دونوں کو پاکدامن رہنا ضروری ہے۔ اخلاق و عفت کی حفاظت ہی کے لئے یہ

نکاح کیا جا رہا ہے (تو کیا اخلاق و عفت کی حفاظت اس شادی میں ہی ہو سکتی ہے جو ولی کے بغیر لڑکی لڑکا از خود ہی چوری چھپے رچالیں؟ شادی اور نکاح کے انعقاد کا موقع کتنے مرحلوں کے بعد آتا ہے۔ ان کا معاشقہ اور چوری چھپے کی آشنائیاں کتنی مدت پہلے سے چل رہی ہوتی ہیں۔ تب ہی تو وہ خاندان کی ناراضگی مول لے کر اور ان کو نظرانداز کر کے یہ رشتہ رچاتے ہیں۔ غرض ایک مسلمان جس غرض کے لئے شادی کرتا ہے یعنی اپنے ایمان کو مکمل کرنے کے لئے اور پاکدامنی حاصل کرنے کے لئے۔ وہ اغراض تو سرے سے ہی بغیر ولی کے شادی کرنے میں ختم ہو کر رہ گئیں اور صرف حیوانی و شہوانی تعلق برقرار رہ گیا' جس کی شریعت نے ممانعت کی ہے۔)

(2) مودت و رحمت:

دوسرا اہم مقصد شریعت نے یہ بتایا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان محبت' مہربانی' خیر خواہی اور ہمدردی ہو تاکہ دونوں یک جان دو قالب بن کر اپنی آئندہ نسل کی صحیح تربیت بھی کر سکیں اور اپنے تمدنی فرائض کو بھی بطریق احسن پورا کر سکیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً "اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تم ہی میں سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کر سکو اور اس نے تمہارے درمیان رحمت اور محبت پیدا کر دی ہے۔" (روم:21)

3- کفو

نکاح کا مقصد تب پورا ہوتا ہے جب دونوں صنفوں کا ازدواج کفو کے اصول پر ہو یعنی بیشتر معاملات میں ان کے درمیان ہمسری اور برابری ہو' تاکہ زیادہ سے زیادہ محبت اور رحمت پیدا ہو سکے اور برقرار بھی رہ سکے اور وہ ایک دوسرے سے حقیقی سکون پا سکیں۔ جو مرد اور عورت دینداری' اخلاق' حسب و نسب' طرز معاشرت' رہن سہن (بلکہ عملی و فکری استعداد میں بھی) ہم پلہ ہوں' وہاں نکاح کی کامیابی کا امکان زیادہ ہے۔

چنانچہ ہمیں شریعت نے انتخاب زوج کے لئے باقاعدہ معیار دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تُنْكَحُ النِّسَاءُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ "کسی عورت کے ساتھ چار باتوں کی بناء پر نکاح کیا جاتا ہے: مال و دولت' اس کا حسب نسب' اس کا حسن اور اس کی دینداری۔ تم دین دار عورت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہونا' تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں (یہ جملہ بے تکلفی کا ہے)" (صحیح مسلم' کتاب الرضاع)

دیندار عورت سے شادی کرنے کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے دے رہے ہیں کہ وہ شوہر کے حقوق کا خیال رکھے گی' اولاد کی صالح تربیت کرے گی۔ اس طرح ایک دیندار خاتون ہی نکاح کے مقاصد کو بطریق احسن پورا کر سکتی ہے۔

اس کے برعکس چوری چھپے دوستی کی شادی اور محبت کی شادی' بے شمار مفاسد سے بھرپور ہوتی ہے۔ اصل میں مغربی تہذیب میں شادی کے لئے صرف دو معیار ہیں: ظاہری خوبصورتی اور مال و دولت ان کے شادی کے معاملات اسی کی بناء پر انجام پاتے ہیں' اور پھر اسی لئے فوراً طلاق پر ختم ہو جاتے ہیں۔

❑ محبت کی شادی کی نفسیات:

محبت کی شادی کی خرابی یہ ہے کہ اس میں دو انسان ظاہری شخصیت سے متاثر ہوتے ہیں۔ لڑکیاں فلمی ہیروئن کی طرح سج دھج کر باہر نکلتی ہیں' جب وہ اپنے متوقع شوہر سے ملاقاتیں کرتی ہیں تو سر سے پاؤں تک سرخی پاؤڈر کی تہوں میں ملفوف قیمتی اور اچھے ملبوسات سے بنی سنوری ادائیں دکھا دکھا کر خیالی اور تصوراتی باتیں کرتی ہیں' اسی طرح لڑکے بھی بنے سنورے ہوتے ہیں۔ دونوں کو آنے والی ذمہ داریوں کا مطلق علم نہیں ہوتا۔ آخر وہ عدالتوں میں جا کر لو میرج کر لیتے ہیں۔ پھر جب عملی زندگی میں لڑکی اپنے اصل حلیے میں نظر آتی ہے' اس کی سرخی اور غازے کی تہیں اترنے لگتی ہیں' اب نہ اس کا رنگ روپ اتنا خوشنما رہتا ہے اور نہ آنکھوں کا جادو برقرار رہتا ہے۔ اب وہ ناز و ادائیں بھی نہیں رہتیں۔ جب گھرداری سر پر پڑتی ہے تو کھانا پکانے' برتن مانجھنے' صفائی کرنے' کپڑے دھونے جیسے کام بہت مشکل لگتے ہیں۔ دوسری طرف مصنوعی میک اپ بھی ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ اب دونوں میں تلخیاں جنم لینے لگتی ہیں' پھر ایسی لڑکیوں کو سسرال والے بھی قبول نہیں کرتے لہٰذا ان کے ساتھ نباہنا بھی ایک بہت بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔ پھر یہ لڑکیاں سسرال سے الگ تھلگ مغربی طرز کی زندگی گزارنے پر شوہر کو مجبور کرتی ہیں' یہاں سے باقاعدہ لڑائی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ دونوں کو اپنے آئیڈیل میں بے شمار نقائص اور قباحتیں نظر آنے لگتی ہیں--- پھر لڑکیوں کے لئے نتیجہ بے انتہا بھیانک نکلتا ہے۔ لڑکا تو چند ماہ کے بعد دوبارہ شادی رچا لیتا ہے جبکہ ایسی شکستہ لڑکی یا تو دارالامان میں پناہ ڈھونڈتی ہے یا خودسوزی کر لیتی ہے یا کسی بازار حسن کا رخ کر لیتی ہے۔ بہرصورت ماں باپ بھی اس کو قبول نہیں کرتے۔

اس طرح معاشرے میں فحاشی اور بے حیائی بڑھتی ہے' خاندانی نظام برباد ہوتا ہے۔ ولی اور ذمہ دار کے سامنے تو بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں' اسی بناء پر وہ اطاعت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ ان کو نظرانداز کرنا خود لڑکی کے لئے' اہل خاندان کے لئے اور خود معاشرے کے لئے' سب کے لئے نقصان

وزیاں کا باعث بنتا ہے' مگر اس کے باوجود ایک طبقہ کا اصرار ہے کہ باکرہ وبالغہ لڑکی بغیر ولی کی اجازت کے اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ یہ فقہ کا فیصلہ ہے' اس پر کیسے پابندی عائد کی جاسکتی ہے؟ اس طبقہ نے اس موقع پر فقہی جمود کا سہارا لیکر غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں' حالانکہ مغربیت کا بھرپور مقابلہ کرنے کے لئے اس قسم کی فقہی موشگافیاں ختم ہو جانی چاہئیں۔

چنانچہ 13 مئی 1996ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں 13 علمائے کرام کا ایک اہم اجتماع خاص اس موضوع پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا۔ اس میں مولانا زاہد الراشدی کا ایک مراسلہ بنام لاہور ہائیکورٹ پڑھ کر سنایا گیا۔ پہلے تو انہوں نے مولانا انور شاہ کاشمیری کے حوالے سے ولایت نکاح کے مسئلے پر جمہور علماء کا موقف پیش کیا' جو مولانا کی کتاب "فیض الباری شرح صحیح البخاری" میں دیا گیا ہے:

(1) امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ عاقلہ' بالغہ کنواری لڑکی ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی' بلکہ ولی کی اجازت اور رضا کی صورت میں بھی ایجاب وقبول کا اختیار لڑکی کو حاصل نہیں' اس کی طرف سے یہ ذمہ داری ولی ہی سرانجام دے گا۔

(2) احناف میں سے امام یوسف اور امام محمد کا فتویٰ یہ ہے کہ عاقلہ' بالغہ لڑکی ولی کی رضا کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی' البتہ ولی کی رضا اور اجازت کی صورت میں وہ ایجاب وقبول خود کر سکتی ہے۔

(3) حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ عاقلہ' بالغہ لڑکی اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر بھی کر سکتی ہے' البتہ اسے اس طرح نکاح کرنے کی صورت میں "کفو" کے تقاضوں کا لحاظ رکھنا ہو گا اور اگر اس نے ولی کی اجازت کے بغیر "غیر کفو" میں نکاح کر لیا تو ولی کو نہ صرف اعتراض کا حق ہے بلکہ وہ تنسیخ نکاح کے لئے عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔

(4) "کفو" کا مفہوم فقہائے کرام کے ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ کسی لڑکی کا نکاح ایسی جگہ نہ ہو جہاں لڑکی کا ولی اور اہل خاندان اپنے لئے عار محسوس کریں' "کفو" کے اسباب فقہاء نے اپنے اپنے عرف و ذوق کے مطابق مختلف بیان کئے ہیں' جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی اور اس کا خاندان جس سوسائٹی میں رہتے ہیں' وہاں کے عرف اور معاشرتی روایات کے مطابق جو بات بھی ان کے لئے باعث عار سمجھی جاتی ہو وہ "کفو" کے اسباب میں شامل ہو گی۔ کیونکہ "کفو" کی علت سب فقہاء نے "رفع ضرر عار" بیان کی ہے اور عار کے اسباب ہر معاشرہ اور عرف میں مختلف ہوتے ہیں۔

(5) اس تفصیل کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت امام ابوحنیفہ کا موقف سب سے زیادہ قرین انصاف اور متوازن معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اسی بنیاد پر سید محمد انور شاہ کاشمیری نے امام صاحب کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رائے کا اکٹھا ہونا ضروری ہے اور یہ بات انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اس

لئے کہ نکاح صرف دو افراد کے باہمی تعلق کا نام نہیں بلکہ دو خاندانوں کے باہمی تعلقات' معاشرہ میں ان کی عزت و وقار' اولاد کی کفالت و تربیت اور ایک نئے تشکیل پانے والے خاندان کے مستقبل کے معاملات اس نکاح سے وابستہ ہیں اور اصول یہ ہے کہ کسی فیصلہ سے جتنے لوگ بھی متاثر ہوتے ہوں فیصلہ کرتے وقت ان سب کے مفادات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(6) ویسٹرن سولائزیشن نے اسی مقام پر دھوکہ کھایا ہے کہ مغربی دانشوروں نے فرد کی آزادی اور عورت کے حقوق کے پر فریب عنوان کے ساتھ نکاح کو دو افراد کا معاملہ قرار دے کر اس کے باقی لوازمات و نتائج کو نظر انداز کر دیا' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ خاندانی زندگی کے نظام اور رشتوں کے تقدس سے محروم ہو چکا ہے اور مغرب کا فیملی سسٹم انارکی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ جس کا ذکر چوٹی کے مغربی دانشوروں کی زبان پر بھی انتہائی حسرت کے انداز میں ہونے لگا ہے۔

اس سلسلہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن کے دورہ پاکستان کے موقع پر شائع ہونے والی اس خبر کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے کہ:

"امریکی خاتون مسز ہیلری کلنٹن اسلام آباد کالج فار گرلز کی اساتذہ اور طالبات کے ساتھ گھل مل گئیں' ان سے ایک گھنٹہ سے زیادہ بے تکلفانہ گفتگو کی۔ ہیلری کلنٹن نے طالبات سے ان کے مسائل دریافت کئے۔ طالبات نے دوستانہ انداز میں--- کلنٹن کی اہلیہ کو سب مسائل بتائے' فورتھ ایئر کی طالبہ نائیلہ خالد نے امریکی خاتون اول سے پوچھا کہ امریکی طالبات کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اس پر خاتون اول نے کھل کر گفتگو شروع کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی طالبات کا مسئلہ تعلیم کی مناسب سہولیات کا فقدان ہے' تعلیمی اداروں میں فنڈز کی کمی کا مسئلہ ہے مگر امریکہ میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں بغیر شادی کے طالبات اور لڑکیاں حاملہ بن جاتی ہیں۔ اس طرح بے چاری لڑکی ساری عمر بچے کو پالنے کی ذمہ داری نبھاتی ہے' ایک دوسری طالبہ وجیہہ جاوید نے کہا کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ اس پر ہیلری کلنٹن نے کہا کہ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو خواہ وہ عیسائی ہوں یا مسلمان' اپنے مذہب اور معاشرتی اقدار سے بغاوت نہیں کرنی چاہئے' مذہبی و سماجی روایات اور اصولوں کے مطابق شادی کے بندھن میں بندھنا چاہئے' اپنی اور اپنے والدین کی عزت و آبرو اور سکون کو غارت نہیں کرنا چاہئے۔ مسز ہیلری کلنٹن نے کہا کہ وہ اسلام اور عیسائیت کی شادی کے خلاف نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں مذہبی روایات کا احترام کرتے ہوئے شادی ہوتی ہے' اس لئے یہاں لڑکیوں کے مسائل کم ہیں۔"

اس پس منظر میں ہماری استدعا یہ ہے کہ مسلمانوں کے خاندانی معاملات کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت اسلامی احکام و قوانین' معاشرتی روایات اور عدالتی نظائر کے ساتھ ساتھ مغربی

معاشرہ میں "فیملی سسٹم" کی تباہی کے اسباب کو بھی سامنے رکھا جائے' کیونکہ یہ کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہوگی کہ مغرب جس دلدل سے واپسی کے راستے تلاش کر رہا ہے' ہم آزادی اور حقوق کے نام نہاد مغربی فلسفہ کی پیروی کے شوق میں قوم کو اسی دلدل کی طرف دھکیلنا شروع کر دیں۔ امید ہے کہ آپ ان معروضات پر ضرور توجہ فرمائیں گے۔ (یکم مئی 1996ء)

(پھر انہوں نے تیرہ علمائے کرام کے دستخطوں کے ساتھ یہ خط صائمہ ارشد کیس کے فیصلے سے پہلے 2 مئی 1996ء کو عدالت عالیہ لاہور کے ڈویژنل بنچ کے نام ارسال کیا تھا)

❑ **تجزیہ:** اس خط کے مطابق علامہ انور شاہ کاشمیری کے حوالے سے احناف کا جو موقف بیان کیا گیا ہے کہ نکاح میں ولی اور لڑکی دونوں کی رضامندی ضروری ہے' اگر واقعی احناف کا یہی موقف ہے تو باقی تمام ائمہ اسلام چاہے مالکی ہوں یا حنبلی' شافعی ہوں یا اہلحدیث وہ پہلے ہی لڑکی اور ولی دونوں کی رضا کے قائل ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے کہ علامہ انور شاہ کاشمیری جو احناف کے بہت بڑے عالم ہیں' وہ اس مسئلے میں حنفی مذہب اور دوسرے فقہی مذاہب کے درمیان مطابقت و ہم آہنگی بیان کر رہے ہیں تو پھر آج حنفی مذہب کی ایسی تعبیر پر کیوں اصرار کیا جا رہا ہے' جس میں اختلاف نمایاں ہو اور اس مغرب زدگی کی تائید کی جائے جس کا مقصد مسلمان عورت کو ہر قسم کے قیدو بند سے آزاد کر کے مغربی عورت کی طرح بے حیاء بنانا اور بے راہ رو کرنا ہے؟

❑ **وقت کی ضرورت:** اس وقت مسئلہ مغربی تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کی برتری کا اثبات ہے اور ہماری نوجوان نسل میں اندھا دھند مغرب کا رنگ ڈھنگ اختیار کرنے کی جو روش ہے' اس کے انسداد کی ضرورت ہے نہ کہ اس کو بڑھانے کی۔ جب ہماری نوجوان نسل وہی مغربی تعلیم پڑھ رہی ہے جس کو انگریزوں نے مسلمانوں کو غیر مسلم بنانے کے لئے وضع کیا تھا اور ہمارے تعلیمی ادارے بھی اسی طرح مخلوط ہیں جو انگریز کی خواہش اور اس کے منصوبے کے عین مطابق ہیں' تو پھر اس کا نتیجہ بھی واضح ہے کہ نوجوان تعلیم یافتہ لڑکے لڑکیوں میں شرم و حیاء مفقود ہوتی جا رہی ہے اور اسلام کے تصور حیاء و عفت کے برعکس والدین کی اجازت اور مرضی کے بغیر لو میرج کا سلسلہ بھی روز افزوں ہے' لڑکے لڑکیاں شادی سے قبل ایک دوسرے کو سمجھتے اور پرکھتے ہیں' والدین سے ورے ورے وہ شادی بیاہ کے پیام باندھتے ہیں اور اگر والدین مخالفت کریں تو انہیں نظر انداز کرنے کے لئے عدالتی تحفظ بھی موجود ہے۔

❑ **فقہی موشگافیاں ختم کی جائیں:** سوال یہ ہے کیا کوئی عالم دین' کوئی صاحب فکر و نظر' کوئی دین کا فہم و شعور رکھنے والا اس صورت حال کو برداشت کرنے کو تیار ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں! تو پھر آپ مذہب حنفی کا سہارا لیکر کیوں باپ کے حق ولایت کو ختم

کرنے پر تلے ہوئے ہیں جو مغربیت کے بڑھتے ہوئے طوفان میں والدین کے پاس ایک واحد سہارا ہے؟ افسوس کہ بعض فقہاء نے شارعؑ کے منہ میں وہ بات ڈالنے کی کوشش کی ہے جو شریعت سے بالکل مخالف ہے۔ عموماً ولایت والی احادیث کو ضعیف کہہ کر ٹالا جاتا ہے حالانکہ وہ سند کے لحاظ سے صحیح اور مضبوط ہیں۔③

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی رائے بھی بیان کر دی جائے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **لا نکاح الا بولی** "بغیر ولی کے نکاح جائز نہیں۔" یاد رکھو اعقد کے بارے میں عورتوں کو ان کی عقل اور سمجھ کی کمی کی وجہ سے پورے اختیارات دے دینا قرین مصلحت وثواب نہیں۔ اکثر اوقات وہ فائدہ یا نقصان سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں اور خاندانی شرافت کا بہت کم لحاظ کرتی ہیں' غیر کفو کو اپنا شریک حیات پسند کر لیتی ہیں جس کی وجہ سے ان کی قوم پر ننگ وعار عاید ہوتا ہے۔ اس خرابی کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے اولیاء و سرپرست بھی عقد نکاح کے اختیارات میں ان کے ساتھ شریک ہوں' علاوہ ازیں جملہ اقوام میں یہ قانون جاری و ساری ہے اور گویا ان کی فطرت کا یہ تقاضا بھی ہے کہ مردوں کو عورتوں کے معاملات میں اختیار حاصل ہو اور وہ ان کے نگران اور محافظ ہوں' ان کے مصائب کا بوجھ انہی کے کندھوں پر ہو اور عورتوں کے اہم امور کا حل وعقد بھی انہی کے ہاتھ میں ہو۔ **اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَھُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ** کا مضمون اور انعقاد نکاح کے لئے ولی کو شرط قرار دینے میں اس کی عزت افزائی ہے کیونکہ عورتوں کا مطلق العنان ہو کر خود نکاح کر لینا ایک طرح کی بے حیائی ہے۔ اس میں ان کے اولیاء اور سرپرستوں کی کسر شان اور عورتوں کی خود رائی کا مظاہرہ ہے۔ ایک وجہ اور بھی ہے کہ تشہیر کے ذریعے سے نکاح کو سفاح (حرامکاری) سے ممتاز کرنا بھی بہت ضروری ہے اور وہ تشہیر ہی کیا ہوئی جس میں عورت کا اپنا ولی بھی مجلس نکاح میں حاضر نہ ہو۔" (حجۃ اللہ البالغہ' حصہ دوم' صفحہ: 536)

❏ ولی کی شرط کیوں؟

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی اذن ولی کی شرط اس لئے نہیں لگائی گئی کہ اس سے عورتوں کے حقوق تلف کرنا مقصود ہے یا اس پر ظلم روا رکھنے کی یہ ایک صورت ہے بلکہ یہ تو عورت کی قدر افزائی ہے کہ اس کے سرپرست' ذمہ دار مرد اپنے ہاتھ سے اسے روانہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد والے تمام معاملات میں بھی' والدین کے دل ودماغ اس کی مدد کے لئے موجود ہیں۔ بچی جو ابھی زندگی کے نشیب فراز سے واقف نہیں' اس میں اس کے والدین کی اصابت رائے اور تجربہ اس کے لئے مفید ثابت ہو گا۔ علاوہ ازیں الفت ومحبت کی راہ بھی یہی ہے کہ ایک شخص اپنا معاملہ خود طے کرنے کے بجائے اپنے ماں باپ' اعزہ واقارب یا احباب کے سپرد کر دے۔

اس طرح وہ اپنا مقصد بھی حاصل کر لیتا ہے' بلکہ زیادہ اچھے طریقے سے حاصل کر سکتا ہے' علاوہ ازیں ولی کے ذریعے سے لڑکی کا نکاح معاشرہ کی ایک ایسی پختہ روایت رہی ہے جس کی خلاف ورزی کبھی نہیں ہوئی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا رواج کیوں نہیں پڑا؟ جواب واضح ہے کہ یہ کوئی مستحسن بات نہیں کہ لڑکے لڑکیاں اپنے نکاح خود رچانے لگیں اور الفت و محبت' امن و امان' مدد و تعاون کے سارے معاشرتی تعلقات ختم کر کے رکھ دیں' دوسری طرف ماں باپ مارے بے عزتی کے منہ چھپانے لگ جائیں۔

❑ ازروئے قرآن ولی کی رضا ضروری ہے:

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: 1- وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا "اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا' جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔" (البقرہ:221)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن حزم اپنی کتاب "المحلی" میں لکھتے ہیں: "یہاں خطاب عورتوں کے ولیوں کو ہے عورتوں کو نہیں' کیونکہ نکاح عورتیں خود نہیں کر سکتیں بلکہ ان کے ولی سرانجام دیتے ہیں۔"④

2- وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ "تم میں سے جو لوگ مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو۔" (سورہ نور:32)

یمن کے چیف جسٹس امام شوکانی تفسیر فتح القدیر (ج:4' ص:28) میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت میں اولیاء کو مخاطب کیا جا رہا ہے' کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خاوند مخاطب ہیں مگر پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے اور اس آیت میں دلیل یہ ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی۔"

امام قرطبی بھی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں: "اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ عورت کا کوئی حق نہیں کہ وہ ولی کے بغیر اپنا نکاح خود کرے اور یہی اکثر علماء کا قول ہے۔"⑤

3- وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ "جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو تم ان کو نہ روکو اس بات سے کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں' جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم نکاح پر راضی ہوں۔" (البقرہ:232)

علامہ ابن کثیر' تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی کے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ترمذی اور ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی اور نہ عورت اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے۔"⑥ (اس آیت کی مزید تشریح امام بخاری کی ایک حدیث سے ہو رہی ہے)

وہ اس آیت کی شان نزول کے بارے میں اپنی صحیح میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ میں نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح ایک آدمی سے کیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے طلاق دے دی۔ حتیٰ کہ عدت گزر گئی' پھر اس نے نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ جس پر میں نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ تیرا نکاح کیا' اس کو تیرا بستر بنایا' تیری عزت کی لیکن تو نے اسے طلاق دے دی اور اب پھر نکاح کا پیغام لیکر آگیا ہے؟ اللہ کی قسم! اب وہ کبھی تیری طرف نہیں لوٹے گی۔ اور وہ آدمی برا بھی نہ تھا اور وہ عورت بھی اس سے رجوع کرنا چاہتی تھی' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی' جسے سن کر میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! اب میں انکا آپس میں نکاح کر دوں گا۔ چنانچہ میں نے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا۔ (صحیح بخاری 'کتاب النکاح' باب لانکاح الا بولی)

اس آیت کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "اگر وہ عورت از خود اپنا نکاح کرنے کی مجاز ہوتی تو پھر اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتی۔ علاوہ ازیں لفظ **وَلَاتَعْضُلُوْهُنَّ** (تم ان کو مت روکو) بالکل بے معنی ہوتے۔" (فتح الباری)

قابل غور ہے کہ یہاں لفظ "تم" سے کون مراد ہے؟ لڑکی کا ولی اس کو روک رہا ہے' اللہ روکنے سے منع کر رہا ہے۔ کیا یہاں "ولی" کے علاوہ کوئی اور مراد ہو سکتا ہے؟ اگلا سوال یہ ہے کہ ماں باپ کے علاوہ لڑکی طلاق کے بعد کہاں جائے گی؟ اور جب وہ ماں باپ کے پاس آئے گی تو کیا پھر وہ ان کے مشورے اور رضا کو نظر انداز کر کے خود شادی کر سکتی ہے؟ ولی کے بغیر تو وہ قدم بھی نہیں اٹھا سکتی۔

احادیث کی راہنمائی:

(1) "لَانِكَاحَ اِلَّابِوَلِيٍّ" (ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں) یہ روایت حضرت ابو موسیٰ اشعری' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم یعنی چار صحابہ سے مروی ہے۔ (ابوداؤد' احمد' ترمذی)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "جس عورت نے بھی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ نکاح باطل ہے' وہ نکاح باطل ہے۔ اگر ان کا آپس میں ملاپ ہو گیا تو اس کی عصمت کو حق مہر دیا جائے گا' اگر ان کا اختلاف اور جھگڑا ہو تو سلطان وقت اس عورت کا ولی

ہو گا' جس کا کوئی ولی نہ ہو" (ابو داؤد' ترمذی' ابن ماجہ' مسند احمد)

(3) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ عورت خود اپنا نکاح کرے۔" (ابن ماجہ' دار قطنی)

ان تینوں احادیث کو خوب چھان پھٹک کر عالم اسلام کے موجودہ دور کے بڑے محدث شیخ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب **ارواء الغلیل** "میں صحیح قرار دیا ہے۔

(4) **لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ** "بیوہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے مشورہ نہ کر لیا جائے اور باکرہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔" (بخاری و مسلم)

(5) "شوہر دیدہ عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔" (مسلم)

حدیث نمبر 4 اور حدیث نمبر 5 کا مفہوم یہ ہے کہ "ایم" سے مشورہ لیا جانا ضروری ہے۔ اسی طرح باکرہ سے اجازت لینا ضروری ہے' ولی کا فرض ہے کہ وہ ان سے مشورہ اور اجازت لے۔ ان احادیث کا یہ مفہوم ہرگز نہیں بنتا کہ ولی اور اہل خانہ اور اعزہ ان کے نکاح سے بالکل بے گانہ اور بے تعلق رہیں' ایم اور ثیب کی مرضی مقدم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں' مگر اس مرضی کا انعقاد ولی ہی کے ذریعے سے ہو گا۔ اسی طرح باکرہ کی رضا لی جائے گی مگر اس کا اول و آخر بندوبست ولی ہی کے ذریعے سے ہو گا۔

مسلمان خواتین کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ مسلمان ہیں' اللہ اور رسولؐ کے احکامات کی پابند ہیں' وہ اہل مغرب کی طرح مادر پدر آزاد نہیں ہیں اور اللہ کا یہی فیصلہ ہے کہ: **مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ**

"کسی ایماندار مرد یا ایماندار عورت کو یہ حق نہیں کہ جب کسی معاملہ میں اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دیں تو پھر وہ اپنی پسند اور مرضی اختیار کرتے پھریں۔ (یعنی اپنی من مانی کرتے رہیں)" (احزاب:36)

از روئے حدیث ولی کی ضرورت باکرہ کو بھی ہے اور ثیب (شوہر دیدہ) کو بھی:

ولی کی اجازت اور اس کی رضا کی ضرورت نہ صرف بالغ بچی کو ہے بلکہ شوہر دیدہ عورت چاہے وہ مطلقہ ہو یا بیوہ' اسکو بھی ہے۔ حدیث **لا نکاح الا بولی** (ولی کے بغیر کسی عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا) میں تمام عورتیں شامل ہیں۔ اس حدیث کو سترہ راویوں نے بیان کیا ہے۔ اگر دس راوی بھی

ہوں تو وہ حدیث متواتر کے درجے کو پہنچ جاتی ہے اور یہاں تو سترہ صحابہ ؓ اس حدیث کو بیان کر رہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی ایک روایت ابن ماجہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے: "عورت دوسری عورت کا ولی بن کر نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔ جو عورت اپنا نکاح خود کرے وہ زانیہ ہے۔"

امام ترمذی لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت عمر بن خطاب' حضرت علی' حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا عمل **لا نکاح الا بولی** پر ہے' اسی طرح تابعین میں سے سعید بن مسیب' امام حسن بصری' قاضی شریح' امام ابراہیم النخعی' عمر بن عبدالعزیز' سفیان ثوری' امام اوزاعی' امام عبداللہ بن مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' امام اسحق بن راھویہ رحمہ اللہ علیہم کا بھی یہی موقف ہے۔ ⑦

❑ عقلی جواز: عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی ولی کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیا ایّم یا ثیب (یعنی شوہر دیدہ عورت) اپنے گھر والوں سے بے نیاز ہو سکتی ہے؟ کیا اسے ان کے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے؟ آخر وہ طلاق کے بعد اپنے ولی کے علاوہ کس گھر میں جائے گی؟ پھر کیا وہ اپنے گھر والوں سے کہہ سکتی ہے کہ فلاں مرد میری نگاہ میں ہے' اس کے متعلق مجھے اتنی باتیں تو معلوم ہیں' باقی متعلقہ باتوں کا آپ پتہ کر دیں؟ وہ اپنے گھر والوں کی معلومات کی روشنی میں اپنی رائے پر غور کرے گی۔ ممکن ہے کہ اس کو جو نئی معلومات ملیں' ان کی روشنی میں اپنا سابقہ انداز فکر بدل کر کسی اور شخص کے بارے میں غور کرنے لگے۔

❑ باکرہ کی ضرورت: ولی کی عملی ضرورت باکرہ کو تو ایّم سے کہیں زیادہ ہے' چاہے وہ کسی لڑکے کے ساتھ کتنا ہی آزادانہ گھومے پھرے' اس کے ساتھ "دلکش" قسم کے ادبی اور عشقیہ ڈائیلاگ بولے۔ مگر وہ یہ بات کیسے معلوم کر سکتی ہے کہ اس کے گھر کا ماحول کیا ہے' اس کے خاندان کے رسوم و رواج کیا ہیں' کیا یہ لڑکا شراب تو نہیں پیتا' کیا اس کی پہلے بیوی تو نہیں ہے' کیا اس کے گھر میں حرام کی کمائی تو نہیں کھائی جاتی' کیا اس خاندان میں مقدمہ بازی کی وباء تو نہیں؟ سمگلنگ' ملک سے غداری اور جاسوسی وغیرہ کی وباء تو نہیں ہے؟ لڑکی اپنی جذباتی کیفیت میں اندھا دھند چھلانگ لگاتی ہوئی اس کے ساتھ گھر سے بھاگ جائے گی' انجام سے بالکل بے پرواہ ہو کر ایک اچھے مستقبل کی امید پر۔۔۔ مگر کیا واقعی اس کا مستقبل اس کے خوابوں کے مطابق ہے؟ ہرگز نہیں!

❑ خاندان کا استحکام: خاندان اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے' اسی کی وجہ سے انسان کو معاشرتی مقام ملتا ہے جب وہ خاندان کے اندر رہتا ہے۔ بادشاہ کی بیوی ملکہ ہوتی ہے' اس کو ذرا خاندان سے نکال دیجئے تو ملکہ اور چمارن میں کیا فرق رہ گیا؟ ⑧ پھر کسی معاشرہ یا ریاست کی تعمیر میں

خاندان ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرتا ہے۔ اگر خاندان مستحکم اور مضبوط ہو تو اس کا مطلب ایک مضبوط و مستحکم معاشرہ ہے اور اگر معاشرہ کی بنیادی اکائی یعنی خاندان ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو' ان کا کوئی سربراہ نہ ہو یا سربراہ کی مرضی و منشاء کے بغیر افراد خانہ کو اپنے معاملات خود چلانے کی آزادی مل جائے تو اس سے خاندان کی چولیں ہل جاتی ہیں۔ شادی جیسا اہم ترین معاملہ آخر ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر طے پاجانا کیا خاندان کے ادارے کو برقرار رہنے دے گا؟ وہ کونسی ضمانت ہے جو بچیوں کو اپنے نکاح خود کرنے کی اجازت دیکر اسلامی معاشرہ کو ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت سے بچاسکے گی؟ ماں باپ سے ورے ورے کسی غیر محرم کے ساتھ معاملات عشق طے کرنا اور پھر آبرو باختہ بن کر غیر محرم کے ساتھ بھاگ جانا معاشرہ کی اسلامی قدروں کو کہاں تک "اسلامی" رہنے دے گا؟ کیا یہی وہ حد نہیں ہے جس کو پھلانگنے کی اجازت دینا یعنی ایسے نکاحوں کو عدالت کی طرف سے قانونی اور جائز قرار دینا مسلمانوں کے تمام معاملات کو ابتر اور پراگندہ کر کے رکھ دے گا--- بچوں کو گھر' خاندان اور خود شریعت سے باغی کر دے گا' بطرح امریکہ نیو ورلڈ آرڈر کے مقاصد کو بروئے کار لانے میں ممد ثابت ہو گا؟ مسلم معاشرہ کے والدین' اہل اقتدار' علماء' اساتذہ' صحافی سب اہل علم و فکر کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ماحول کے بگاڑ کو درست کرنے اور اس طرح کی بے راہ روی ختم کرنے کے لئے بھرپور مہم چلائیں۔ گھروں کے ماحول سنواریں' بچوں کی تربیت درست انداز میں کریں اور معاشرے سے ہیجان پرور فلمیں کیسٹیں ختم کریں اور گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں کے طرز عمل کی حوصلہ شکنی کریں۔

مہم آزادی نسواں کی علمبردار خواتین ⑨ لڑکیوں کو گھروں سے باغی بنانے میں تو بڑی دلچسپی رکھتی ہیں' مگر کیا انہوں نے ایسی لڑکیوں کے نتائج اور انجام کا سروے کرنے کی زحمت بھی کی ہے؟ نوخیز انجان بچیوں کو گھروں سے بھگانا ہی ان کی ساری تگ و تاز کا ماحصل ہے۔ اس کے بعد ان پر کیا بیتتی ہے؟ اس سے یہ خواتین بالکل بے نیاز بن جاتی ہیں یہ کہہ کر کہ ہم ان لڑکیوں کو حق دلوانے کے لئے تو محنت کر سکتے ہیں' قبر تک ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

عموماً ایسی بچیاں صرف چند ماہ بلکہ چند دنوں کے بعد ہی صورت حال بالکل برعکس پاتی ہیں۔ معاشقہ تو صرف چند دن چلتا ہے' اب وہ زندگی کی منجدھار میں غوطے کھانے کے لئے اکیلی ٹامک ٹوئیاں مارتی پھرتی ہے۔ اگر والدین ساتھ ہوتے تو ہر مرحلہ پر اس کی مشکل حل کرتے' ان کے معاملات سنوارتے۔ مگر اب تو وہ زمانہ کے رحم و کرم پر ہے۔ لہٰذا مرضی کی شادی کرنے والی 95% لڑکیوں کا انجام بہت ہی عبرت پذیر ہوتا ہے۔ پھر ان کا راستہ یا تو عورتوں کے تاجروں کی طرف جاتا ہے یا پھر خودکشی کی طرف۔ ان کا معاملہ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" والا بن کر رہ جاتا ہے--- اس کے برعکس صرف 5% ایسی شادیاں کامیاب ہو سکتی ہیں۔

یوں "نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم" والا مسئلہ بن جاتا ہے۔

❑ مغربی کلچر کو شائع کرنے کا منظم پروگرام:

اصل میں اہل مغرب نے عورت کو کسب معاش کی خاطر گھر سے باہر نکال لانے کے بعد اگلا ٹارگٹ یہ رکھا ہے کہ نوجوان دوشیزہ کو گھر سے باہر نکال کر مسلم خاندانوں کا شیرازہ منتشر کر دیا جائے۔ ان کے خیال میں اسلامی معاشرت میں والدین کا خود بچیوں کی شادی کرنا ان کے مذموم عزائم کی راہ میں حائل تھا۔ جب تک یہ کام نہ ہو جائے اور لڑکیاں لڑکے خود آزادانہ نکاح نہ کرنے لگیں' مغربی کلچر پوری طرح مسلمانوں میں پھیل نہیں سکتا۔ لہٰذا انہوں نے باقاعدہ تنخواہ دار ایجنٹ اس کام پر مامور کئے ہیں۔ اسلام کی اجازت فقط یہ تھی کہ عورتوں سے' باکرہ ہوں یا ثیبہ' ان کی شادی کرتے وقت ان کے مشورے اور رضا کو پیش نظر رکھا جائے مگر اس بات کو اس حد تک بڑھا دیا گیا کہ ولی ختم کرو' لڑکی اتنی آزاد ہو جائے کہ جب چاہے اور جدھر چاہے جا کر نکاح کر لے۔ مگر ایسی باتیں صریح طور پر اسلامی معاشرت کو ختم کرنے کی سازش ہیں۔ ہمارے یہاں کا سارا عشق پرور اور ہیجان انگیز ماحول' مخلوط تعلیم گاہیں' ٹی۔ وی' وی۔ سی۔ آر' ڈش' بلیو پرنٹس' گندی فلمیں' گندے رسائل و اخبارات جتنے بھی لوگ یا ادارے اس عشق پرور ماحول میں آگ لگانے کا باعث ہیں' سب اللہ کے ہاں مجرم ہیں۔ یہ فحش و بے حیائی کو پھیلانے کے مجرم ہیں' یہی نوجوان بچیوں کے بگاڑ کے ذمہ دار ہیں۔

❑ ایک اشکال اور اس کا حل:

اب ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ نکاح کے لئے ولی اور لڑکی دونوں کی رضامندی ضروری ہے' مگر بعض اوقات کچھ استثنائی حالات بھی پیش آ سکتے ہیں۔ مثلاً والدین جو عموماً تو شفیق و رحیم ہوتے ہیں' مگر چند ایک ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی مصلحتوں کے مطابق (بچی کی رضا کو نظر انداز کر کے) شادی کر دیتے ہیں اور بچی کو اس جگہ شادی پسند نہیں ہوتی' یا آجکل ایسے بھی حالات پیش آ رہے ہیں کہ لڑکیاں ملازمت کرتی ہیں اور ان کی آمدنی گھر کے معاشی حالات کو سنبھالا دے رہی ہے۔ ایسی صورت میں والدین بچی کی شادی کرنا ہی نہیں چاہتے۔ ایسی صورت میں بچی کیا کرے؟

جواب = یہ دو مختلف الگ الگ کیفیتیں ہیں اور دونوں کے الگ الگ جواب بالترتیب درج ذیل ہیں:

(1) سنن نسائی کی ایک روایت ہے کہ ایک عورت دربار نبوی ؐ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: "یا رسول ؐ اللہ! میرے باپ نے میری شادی میرے چچا زاد بھائی سے کر دی ہے جو مجھے پسند نہیں ہے۔" اس عورت کی بات سن کر آپ ؐ نے معاملہ اس عورت کے سپرد کر دیا کہ تمہیں اس نکاح کو برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ تب اس لڑکی نے کہا: "یا رسول ؐ اللہ! میرے باپ نے جو کچھ کیا' میں اس کی اجازت دے چکی ہوں' لیکن اس وقت سوال کرنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ میں عورتوں کو

آگاہ کر دوں کہ باپ کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بالغ لڑکی کا نکاح اس کی رضا حاصل کئے بغیر کر دے۔"

یہ سنن نسائی کی روایت ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ والد یا سرپرست جو کوئی بھی ہے اس کے لئے لڑکی کی رضا لینا لازم ہے۔ اگر اس کی مرضی کے برعکس نکاح ہو گیا' تو اسے برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کا لڑکی کو اختیار رہے۔ اگر وہ برقرار نہیں رکھنا چاہتی تب بھی وہ اپنی مرضی اپنی بہن' والدہ' سہیلی کسی بھی ذریعے سے اپنے والد تک پہنچائے گی اور وہ والد اور سرپرست ہی اس نکاح کو فسخ کرے گا اور اس کو فسخ کر کے دوبارہ اس کی رضامندی کے ساتھ اس کا نکاح کرے گا۔

ایک طرف یہ روایت لڑکی کے اختیار کو اگر مستقل قرار دے رہی ہے تو دوسری طرف ولی کو بھی اس کی ذمہ داری یاد دلا رہی ہے کہ وہ لڑکی کی رضامندی کو نظرانداز کر کے اس کا رشتہ طے نہیں کر سکتا۔ اس پر اسی کا کام ہے کہ اس نکاح سے بچی کو طلاق دلائے یا خلع کرائے اور دوبارہ اس کی منشاء و مرضی کے مطابق اس کا عقد کرے۔

اگر آج کا مغرب زدہ طبقہ اس روایت سے لڑکی کی مادر پدر آزادی کا مطلب کشید کر رہا ہے تو وہ شریعت کے منشاء کے خلاف ہے' کیونکہ یہ نصّ پیش کی جا چکی ہے کہ بغیر اذن ولی کوئی نکاح نہیں ہو سکتا۔ آخر کن الفاظ سے یہ مطلب نکالا جاتا ہے کہ اب لڑکی خود کوئی لڑکا ڈھونڈے اور دونوں عدالت میں پیش ہو کر از خود اپنا نکاح رچا لیں؟ از خود کوئی لڑکا ڈھونڈھنا بغیر عشق و معاشقہ کے ممکن نہیں' دوسری بات یہ ہے کہ غیر محرم لڑکے کے ساتھ کوئی شریف زادی تنہا جانے کو آمادہ نہیں ہو سکتی۔ گھروں سے فرار اختیار کرنے والی لڑکیاں اگر پہلے شریف زادیاں تھیں بھی تو اپنے اس عمل سے اب وہ شریف نہیں رہیں' بلکہ ذلیل اور آوارہ منش بن گئی ہیں۔ شریعت کے پورے اجتماعی نظام مثلاً غضِ بصر' ستر و حجاب' محرم کے بغیر سفر' چوری چھپے دوستی و معاشقہ غرض کس کس گناہ کی وہ مرتکب نہیں ہوئیں۔ شریعت کی کتنی حدود وہ پامال کر چکی ہیں! پھر وہ اپنے والدین کی ٹھنڈی چھاؤں اور اعزہ و اقارب کی شفقت کو لات مار کر باہر نکلی ہیں۔ لہٰذا نرم سے نرم الفاظ میں بھی وہ شریعت کی باغی قرار پاتی ہیں۔

رہا یہ سوال کہ لڑکی نے تو اپنے سرپرست تک یہ بات پہنچا دی ہے کہ اس کا نکاح اس کی مرضی کے برعکس ہوا ہے مگر سرپرست اس نکاح کو ختم کرنے یا فسخ کرنے کو بالکل تیار نہیں ہے تو پھر وہ کیا کرے؟

□ **حکمین:** اسلام نے ایسے خانگی مسائل جو گھر کے اندر حل نہیں ہو رہے' ان کے حل کے لئے خاندان کے ادارے کو اختیار دیا ہے۔ نکاح و طلاق کے مسائل کے بارے میں قرآن

پاک میں ارشاد ہوتا ہے: فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (سورہ نساء:25)

یعنی ایک معتمد آدمی مرد کی طرف سے اور ایک معتمد آدمی عورت کے گھر والوں میں سے اٹھے اور خاندان کے مسئلے کو خاندان کے اندر ہی حل کر لے۔

چنانچہ یہ خاندان کا ادارہ لڑکی کے حق کی بازیابی کے لئے سرپرست کو مجبور کر سکتا ہے۔ اگر پھر بھی لڑکی کا سرپرست اس پر آمادہ نہ ہو تو پھر معاملہ عدالت میں جا سکتا ہے۔ عدالت دیکھے گی کہ کس کی بات درست ہے؟ لڑکی کی یا باپ کی؟ اگر باپ کے پاس کوئی معقول وجہ نہ ہو تو عدالت باپ کو نظر انداز کر کے لڑکی کی مصلحت کو ترجیح دے گی۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک ایک فتوے کے جواب میں تحریر کرتے ہیں:

"اگر سمجھوتہ نہ ہو سکتا ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ ایسی صورت میں حدیث شریف میں واضح کر دیا گیا ہے کہ عدالت فیصلہ کرے گی کہ کس کی بات درست ہے؟ باپ کی یا لڑکی کی؟ باپ کے پاس کوئی معقول وجہ نہ ہو تو عدالت باپ کی مرضی نہیں' لڑکی کی مرضی کو فوقیت دے گی' لیکن اس کے لئے اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے۔ اگر لڑکی ایسا کرے گی تو ماں باپ اور خاندان کی حق تلفی کرنے کی مجرم شمار ہو کر تعزیری سزا کی مستحق ہو گی' اسی طرح لڑکا بھی۔ یعنی لڑکی اس بات کی پابند ہے کہ والد کے گھر میں رہ کر والد کے ملنے جلنے والوں' پنچایت یا عدالت کے ذریعے سے اپنا حق حاصل کرے۔ اگر باپ اس کا حق اس کے بغیر دینے کے لئے تیار نہ ہو تو اس صورت میں عدالت یا معاشرہ والد کو مجبور کریں گے کہ وہ لڑکی کی شادی اس کی مرضی کے مطابق کرے۔

اس وقت جو مختلف واقعات پیش آئے ہیں ان میں عدالتوں کا فرض تھا کہ لڑکیوں کو والدین کے سپرد کرتے اور انہیں ایک محدود وقت دیتے کہ اس میں لڑکی کی شادی اس کی مرضی سے کر کے عدالت کو رپورٹ دیں' لیکن عدالت نے لڑکیوں کا معاشقہ کرنے والوں کے ساتھ رخصت کر کے بے راہ روی کا دروازہ کھول دیا ہے۔"⑩

(2) رہی دوسری صورت کہ والدین سرے سے لڑکیوں کے نکاح کرتے ہی نہیں ہیں' حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب جوان بچی کا مناسب رشتہ مل جائے تو بالکل دیر نہیں کرنی چاہئے۔ وجہ خواہ کچھ بھی ہو' یہ غیر مناسب بات ہے۔ اس صورت میں خاندان کے دوسرے بزرگ افراد لڑکی کے سرپرست کو ایسا کرنے پر مجبور کریں۔ اگر پھر بھی بات نہیں بنتی' تو لڑکی پھر بھی از خود نکاح نہیں کر سکتی بلکہ عدالت تک معاملہ پہنچائے گی اور قاضی لڑکی کے ولی کو مجبور کرے گا۔ بصورت دیگر خود ولی بن کر اس کا نکاح کروا دیں گے' فرمان نبوی' مسند احمد اور ترمذی میں موجود ہے کہ اَلسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَهٗ (جس عورت کا کوئی سرپرست نہ ہو تو حاکم وقت اس کا ولی ہے)

یہاں اصل ولی موجود تو ہے مگر اپنی ذمہ داری پوری نہ کر سکنے کی بناء پر کالعدم سمجھا گیا اور خاندان کے دوسرے لڑکی کے نکاح کے ذمہ دار ٹھہریں گے۔

□ سول میرج ایکٹ:

کورٹ میرج' سول میرج یا لو میرج کو عرف عام میں عدالتی شادی کہا جاتا ہے۔ یہ سپیشل کورٹ میرج ایکٹ مجریہ 1872ء ہے۔ اس ایکٹ کے مطابق کوئی مسلمان عدالت میں شادی نہیں کر سکتا اور نہ ہی شادی کروانا عدالت کا کام ہے۔ اس قانون کے تحت شادی کے خواہشمند لڑکی اور لڑکے کو عدالت میں یہ بیان دینا پڑتا ہے اور مجسٹریٹ کے سامنے یہ اعلان کرنا پڑتا ہے کہ ان کا دنیا کے کسی بھی مذہب اسلام' ہندومت' عیسائیت' یہودیت' بدھ مت' سکھ مذہب وغیرہ سے تعلق نہیں۔ اس پر مجسٹریٹ ایک تصدیق نامہ لکھ دیتا ہے: "چونکہ ان کا دنیا کے کسی بھی مذہب سے تعلق نہیں لہٰذا وہ شادی کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ اگر وہ لڑکا یا لڑکی یہ ظاہر کریں کہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں تو پھر عدالت ان کو پابند کر سکتی ہے کہ وہ اپنے مذہب اور اپنے عائلی قوانین کے مطابق رشتہ ازدواج میں منسلک ہوں۔" یہی وجہ ہے کہ عدالتی شادیوں میں مذہب سے لاتعلقی کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ دوسری اہم شق یہ ہے کہ اس ایکٹ کے تحت اس جوڑے کی درخواست برائے عدالتی شادی 15 دن تک مشتہر کی جائے تاکہ اگر کسی کو اس شادی پر کوئی اعتراض ہو تو وہ پیش کر سکے۔

قانونی ماہرین کی نظر میں اس وقت جتنی بھی شادیاں ہو رہی ہیں' وہ محض فراڈ اور دھوکہ ہیں۔ کوئی لڑکی عدالت کے سامنے بیان دیتی ہے کہ اس کے ماں باپ یا اس کی سوتیلی ماں اس پر ظلم کر رہے تھے یا اس کا نکاح کسی بوڑھے کے ساتھ کیا جا رہا تھا لہٰذا وہ گھر چھوڑ کر صرف تین کپڑوں میں بھاگ آئی ہے۔ اب فلاں لڑکے کی پناہ میں ہے لہٰذا اسے شادی کی اجازت دی جائے (حالانکہ یہ سب دھوکا ہوتا ہے' وہ کافی زیور اور رقم وغیرہ لیکر گھر سے بھاگتی ہیں)۔

افسوسناک پہلو تو یہ ہے کہ بظاہر یہ سارا کام عدالت کے نام پر ہوتا ہے حالانکہ عدالت تو صرف ایک تصدیق نامہ جاری کرتی ہے' شادی کروانا عدالت کا کام نہیں ہے۔ اب اگلا مرحلہ شروع ہوتا ہے' عدالت کے باہر بہت سے جعلی اشٹام فروش' وثیقہ نویس اور خود ساختہ وکیل جعلی نکاح فارم اور جعلی مہریں لئے بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ اس جوڑے کے نکاح کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ صرف آدھے گھنٹے میں وہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ اس میں اشٹام کی خریداری' لکھت پڑھت' مجسٹریٹ کی جعلی یا اصلی تصدیق' نکاح خواں کا انتظام' جعلی گواہیاں' مٹھائی کھلانا' ہار پہنانا' تصاویر بنانا اور مبارک سلامت پیش کرنا وغیرہ سب شامل ہوتا ہے۔ ضیاء دور میں حدود آرڈیننس نافذ ہوا تھا۔ اب اس کے بعد تو یہ پورے کا پورا کاروبار جعلی ہوتا ہے اور جعلی مہروں اور جعلی پتوں پر کام ہوتا ہے تاکہ کوئی وکیل' نکاح خواں یا گواہ پکڑا نہ جا سکے۔ پسند کی شادیاں کروانے والا یہ مخصوص گروہ عدالتوں کے باہر

چکر لگاتا رہتا ہے اور ہر جوڑے سے 500 روپے سے لیکر 5000 روپے تک بٹور لیتا ہے۔ لڑکی عموماً نقدی یا قیمتی زیورات گھر سے چرا کر لائی ہوتی ہے۔ اس کو تقریباً سارے اخراجات کرنا پڑتے ہیں اور وہ عدالت سے جو بیان حاصل کرتے ہیں اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ اغواء کے مقدمہ سے بچ جاتے ہیں۔

ایسی 90 فیصد شادیاں عام طور پر ناکام ہوتی ہیں اور بہت سی قانونی پیچیدگیاں اور معاشرتی مسائل جنم دیتی ہیں۔ اس میں نقصان سارا لڑکی ہی کا ہوتا ہے۔ کیونکہ لڑکا تو کچھ عرصہ بعد اسے چھوڑ دیتا ہے اور پھر وہ نئی شادی رچالیتا ہے' مگر لڑکی کی ساری زندگی محرومیوں کی داستان بن جاتی ہے۔ پسند کی ان شادیوں میں عموماً لڑکا تو حاوی رہتا ہے جبکہ لڑکی اپنے والدین' اعزہ و اقارب' بہن بھائیوں سب کو چھوڑ کر آئی ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ نکاح عدالت میں چیلنج ہو جائے (مثلاً صائمہ کیس) تو لڑکا صرف لڑکی کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ اگر لڑکی یہ بیان دے دے کہ میں خود لڑکے کے ساتھ آئی ہوں تو لڑکے کا بچاؤ ہو جاتا ہے ورنہ وہ اغواء اور حدود کیس میں گرفتار ہو سکتا ہے۔

1992ء میں سپریم کورٹ کے ایک فل بینچ نے جو جسٹس محمد رفیق تارڑ' جسٹس محمد کرم شاہ اور جسٹس محمد تقی عثمانی پر مشتمل تھا' اس نے یہ لکھا تھا: "یہ نظریہ کہ ایک نوجوان لڑکی یا لڑکا یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنے جیون ساتھی کی تلاش میں نکل کھڑا ہو' اسلامی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے۔ ویسے بھی خاوندوں کی تلاش' ان کی آزمائش اور متعلقہ تجربات میں خوفناک خطرات موجود ہیں۔"

ارشد صائمہ کیس میں ججوں نے یہ بات کہی کہ پسند کی شادی کے بارے میں ہمارا پاکستانی قانون تو خاموش ہے' لہٰذا اب عدالت کو ایسے کیسوں کے بارے میں اپنا اصل کردار ادا کرنا چاہئے (کیونکہ سول میرج ایکٹ میں کسی بھی مذہب سے لاتعلقی کا اظہار کرنا ضروری ہے' لہٰذا مسلمان اس کے تحت شادی کر ہی نہیں سکتا)۔

عدالت کو بالغ لڑکی اور لڑکے (جو والدین کے خلاف عدالت سے رجوع کرتے ہیں) کی شکایت سننی چاہئے' اگر وہ محسوس کرے کہ شکایت درست ہے تو پھر شکایت کنندہ کو باقاعدہ اجازتی سرٹیفکیٹ دے' یعنی وہ والدین کو طلب کریں' سارے حالات سے آگاہی حاصل کریں اور پھر خود ولی بن کر عدالتی اجازت نامہ جاری کریں اور حکومت کا یہ کام ہے کہ وہ باقاعدہ ایسا قانون بنائے یا آسان طریق کار وضع کرے جو ہماری روایات و اقدار کے مطابق ہو۔

① (المنجد' عربی / اردو' صفحہ 1107' مطبوعہ: احمد پرنٹنگ کارپوریشن' ناظم آباد' کراچی)

② مغرب میں نکاح تو ایک سماجی معاہدہ ہے دو شخصوں کے درمیان مگر اسلام میں نکاح سنت انبیاء ہے۔ واجب ہے' یہ عبادت ہے' نکاح کا مقصد نئے خاندان کی تشکیل ہے۔ بوقت نکاح ولی کے علاوہ دو عادل

گواہوں کی موجودگی بھی از روئے شریعت ضروری ہے۔

③ (اگر تفصیل مطلوب ہو تو شیخ ناصر الدین البانی جو اس وقت عالم اسلام کے ایک بڑے محدث ہیں' کی کتاب ارواء الغلیل' ج:6' صفحہ:235 تا 243 کو ملاحظہ کر لیا جائے)

④ (المحلی' ج:9' ص:421)

⑤ (تفسیر قرطبی' ج:12' ص:236)

⑥ (تفسیر ابن کثیر' ج اول' ص:323' طبع از: مکتبہ قدوسیہ)

⑦ (ترمذی' ج:3' صفحہ:410'411)

⑧ چمارن اس لئے چمارن ہے کہ وہ چمار کی بیوی ہے اور ملکہ اس لئے ملکہ ہے کہ وہ بادشاہ کی بیوی ہے۔ اگرچہ اسلام اس ذات پات کا قائل نہیں مگر یہ ایک حقیقت تعارف کی خاطر ناگزیر ہو جاتی ہے۔ جب کوئی لڑکی اپنے گھر سے نکل جائے تو گھر میں وہ شہزادی تھی یا کسی معزز گھرانے کی بیٹی! مفرور ہونے کے بعد وہ صرف ایک آبرو باختہ لڑکی ہے اور بس۔

⑨ عاصمہ جہانگیر' حنا جیلانی' ممتاز رفیع اور دیگر خواتین اور این جی اوز وغیرہ

⑩ (ماہنامہ "الحسنات"' صفحہ:48' شمارہ مئی 97ء)

10

مہر

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً

(القرآن)

"تم نے ان عورتوں سے جو فائدہ اٹھایا اس کے بدلے ان کے مہر بطور فرض ادا کرو۔"

(النساء:24)

- مہر صرف عورت کا حق ہے
- مہر کی حقیقت
- مہر خوشی سے ادا کرنا چاہئے
- مہر کا حکم قطعی اور ابدی ہے
- مہر کی مقدار
- مہر واجب الادا ہے
- عورت کو مہر میں تصرف کا حق ہے
- ادائیگی کے لحاظ سے مہر کی قسمیں

مہر

مہر صرف عورت کا حق ہے:

اعتراض کرنے والے نکتہ اٹھاتے ہیں کہ اسلام تو مہر کے عوض عورت کو فروخت کر دیتا ہے یا مہر کے عوض عورت کو خرید لیا جاتا ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ یہ اصل حقیقت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے' لہٰذا پہلے لفظ مہر کی حقیقت کو جاننا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مہر لڑکی کے ماں باپ وصول کرتے یا مہر دیکر مرد عورت کا مالک بن جاتا تو یہ بات شاید صحیح ہوتی' مگر یہاں حقیقت بالکل اور ہے۔ مہر کا مال صرف عورت کا ہوتا ہے' وہ اس کی مالک ہوتی ہے۔ وہ اس میں پوری طرح تصرف کرنے کی مجاز ہے' اس میں نہ تو عورت کے والدین دخل اندازی کر سکتے ہیں نہ اس کا شوہر' یعنی شادی کے بعد بھی عورت کی اپنی انفرادی پوزیشن برقرار رہتی ہے۔

مہر کی حقیقت:

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: **فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ** "پھر تم نے ان عورتوں سے جو فائدہ اٹھایا تو انہیں انکا اجر (یعنی مہر) دو۔" (النساء:24)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مرد نکاح کے ذریعہ عورت سے جو فائدہ اٹھاتا ہے' مہر اسی کا صلہ اور بدل ہے۔ گویا مرد کو عورت پر جو حقوق زوجیت حاصل ہوتے ہیں وہ مہر کا معاوضہ ہیں۔ قرآن پاک میں لفظ "مہر" استعمال نہیں ہوا' بلکہ اس کے لئے "اجر"' "صدقہ"' "فریضہ" وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر سے مرد عورت کو خریدتا نہیں نہ ہی عورت پر اس کو مالکانہ حقوق مل جاتے ہیں' عورت کی انفرادی حیثیت حسب سابق برقرار رہتی ہے۔ مہر تو عورت سے جنسی استفادہ کا حق مرد کو عطا کرتا ہے۔ رہی عورت' اگرچہ وہ بھی مرد سے یہ فائدہ اٹھاتی ہے مگر اسلام نے عورت پر کسی قسم کی مالی یا معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ اس لئے وہ اس استفادہ کے عوض کچھ ادا کرنے کی مکلف نہیں ٹھہرائی گئی۔ لہٰذا عورت تو مہر وصول کرنے کی حقدار ہے مگر اسے مرد کو کچھ ادا نہیں کرنا ہوتا۔ حق مہر سے عورت کو تحفظ ملتا ہے' اس کو فرض قرار دینے سے نکاح کی پائیداری مقصود ہوتی ہے۔

مہر کے بارے میں قرآن پاک کی تعلیمات مندرجہ ذیل ہیں:

وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (الممتحنہ:10) "تم کو ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی حرج نہیں جب کہ تم ان کو ان کے مہر دے دو۔" معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر کی ادائیگی ضروری ہے' بلکہ نکاح اور بدکاری میں مہر ہی سے تمیز ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (النساء:24) "تم (ان عورتوں کو) اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو قید نکاح میں لانے کے لئے نہ کہ بدکاری کے لئے" یعنی ان عورتوں کو مہر دے کر ان سے نکاح کرو اور غرض یہ ہے کہ ساری زندگی اسے نکاح میں رکھیں گے' یہ نہیں کہ دو چار ماہ جنسی خواہش پوری کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیں گے۔ نکاح اور سفاح (بدکاری) میں فرق ہی یہ ہے کہ نکاح اس ارادہ سے ہوتا ہے کہ زوجین کا باہمی تعلق مستقل ہو گا دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے' اپنی ذمہ داریاں پوری کریں گے جب کہ سفاح (زنا) میں آدمی وقتی طور پر اپنی جنسی خواہش پوری کر کے عورت کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے اور اس کی کوئی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں ہوتا۔ مہر مقرر کرنے میں نکاح کی پائیداری مقصود ہوتی ہے۔ پھر نکاح اور سفاح میں فرق صرف مہر کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ مرد پر عورت کی جو مالی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں سے یک مہر بھی ہے۔ یہ ہو گا تو نکاح درست ہو گا ورنہ نہیں۔ چنانچہ احادیث سے بھی اس کی وضاحت ملتی ہے۔

نبی پاکؐ کا ارشاد ہے:

- اَحَقُّ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوْفُوْا بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهٖ الْفُرُوْجَ
"جن شرطوں کو تم پورا کرتے ہو ان میں سے سب سے زیادہ پورا ہونے کی مستحق شرط وہ ہے جس کی وجہ سے تم نے عورتوں کی ناموس کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔" (بخاری و مسلم)
- "جس نے مال کے عوض کسی سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ وہ اس مہر کو ادا نہیں کرے گا' وہ دراصل زانی ہے۔" (کنز العمال)

اس لئے بعض فقہاء کا یہ قول ہے کہ مہر ارکان نکاح میں سے ہے' اگرچہ بوقت نکاح اس کا ذکر نہ بھی ہوا ہو۔ شوافع اس کو عورت کا حق قرار دیتے ہیں جب کہ احناف اس کو شریعت کا حق قرار دیتے ہیں۔

☐ مہر خوشی سے ادا کرنا چاہیے:

حکم ربانی ہے: آتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء:4)

یعنی "عورتوں کو مہر خوش دلی سے ادا کرو۔"

ثابت ہوا کہ مہر ادا کرتے وقت دل میں تنگی یا ملال نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں مہر کے لئے لفظ

"صدقہ" استعمال کرنا بڑا با معنی ہے۔ یہ لفظ "صدق" سے بنا ہے' جو کذب کی ضد ہے۔ مہر کے لئے لفظ "صدقہ" اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ اس کا میاں بیوی کے درمیان موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دل سے شریعت کی موافقت کرتے ہیں' یا مہر شوہر کے دعوائے محبت میں سچا ہونے کی دلیل ہے۔

جو چیز شوہر کے خلوص و محبت کی دلیل ہو اس کو بیوی کی قیمت قرار دینا تو مرد کے خلوص و محبت کی توہین ہے۔ پھر آگے لفظ "نحلہ" نے مزید وضاحت کر دی ہے کہ یہ مہر خود بخود خوشی سے ادا کیا جائے گا' اس میں ٹال مٹول نہ ہو گی۔ کیونکہ جو چیز تکرار اور بحث مباحثہ کے بعد دی جائے' اسے نحلہ یعنی تحفہ اور عطیہ نہیں کہا جا سکتا۔

❏ مہر کا حکم قطعی اور ابدی ہے:

قرآن و سنت کی رو سے مہر ادا کرنا لازمی ہے۔ اس کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا' اگر کوئی شخص نکاح کے وقت مہر کا ذکر بھی نہ کرے یا یہ شرط لگا دے کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا' تب بھی خود بخود اس کو دینا واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ مہر کا حکم تو اللہ کی طرف سے ہے' لہٰذا اس میں بندے کا کوئی اختیار ہی نہیں کہ وہ دے یا نہ دے۔ لہٰذا مہر کا حکم قطعی ہے اور تا قیامت ابدی ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ آج کل جو خواتین کما رہی ہیں ان کو مہر کی کیا ضرورت ہے؟ یہ مفروضہ بھی بالکل غلط ہے۔ مہر کی اپنی افادیت ہے' جو بہر حال برقرار ہے۔ چاہے عورت صاحب مال ہو یا خود کماتی ہو' بہر صورت نکاح کی شکل میں اسے مہر ادا کرنا ہو گا۔ فائدہ اس کا دونوں کو ہے' مرد کو بھی اور عورت کو بھی۔ مرد نے چونکہ مہر دینا ہوتا ہے' اس نے پیسہ صرف کرنا ہے لہٰذا وہ عورت کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ قابل قدر سمجھتا ہے کہ مہر دینے کے بعد ہی مجھے اس پر زوجیت کے حقوق حاصل ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر مرد عورت کو طلاق دے دے تو ایک تو اس کا موجودہ بیوی کا مہر جائے گا' پھر دوسری شادی کے لئے از سر نو مہر کی رقم خرچ کرنا ہو گی۔ اس طرح مہر کی رقم طلاق کی راہ میں بھی رکاوٹ ہے' آدمی سو بار سوچتا ہے۔ جہاں اس نے رقم خرچ کی ہوتی ہے' اسے وہ فضول میں ضائع نہیں جانے دیتا' لہٰذا اس سے حتی الوسع نباہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عورت کو مہر کا یہ فائدہ ہے کہ نئے گھر میں آنے پر یہ اس کی دلجوئی ہے اور اس کی مالی مدد ہے' جس کو وہ اپنے اخراجات میں صرف کرنے کی مجاز ہے۔

❏ مہر کی مقدار:

اصل مسئلہ یہ ہے کہ مہر کی مقدار کتنی ہو' زیادہ ہو یا کم؟ شریعت نے از خود مہر کی مقدار مقرر نہیں کی ہے بلکہ ہر آدمی پر حسب توفیق بوجھ ڈالا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا (الطلاق: 7)

"خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق خرچ کرے اور جس کو رزق کم دیا گیا ہے وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ نے جسے جتنا کچھ دیا ہے وہ اس سے زیادہ کا اسے مکلف نہیں کرتا۔"

اس سے ثابت ہوا کہ مہر حسب توفیق ہو۔ نہ اپنی اہمیت سے زیادہ اور نہ کم (اگرچہ یہ آیت مہر کے تعین کے بارے میں نہیں ہے' بلکہ مرد کے عورت پر خرچ کرنے کے بارے میں اصل الاصول ہے۔ تاہم مہر بھی اس خرچ کا ہی ایک حصہ ہے) اپنی خوشی سے لاکھ روپیہ بھی باندھ دیا جائے اور اسکی ادائیگی کر دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا (النساء:20)

"تم ایک عورت کو ڈھیروں مال دے چکے ہو۔"

دوسری طرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ہیں:

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْونَةً (مسند احمد' شعب الایمان)

"وہ نکاح بڑی برکت والا ہے جس میں محنت کم ہو (یعنی مہر اور خرچہ کم ہو)"

نیز آپ ؐ کا ارشاد ہے: "جس نے بیوی کو مہر میں دونوں ہاتھ بھر کر ستو یا کھجور دی' اس نے اپنے اوپر اس عورت کو حلال کر لیا۔" (مشکواۃ)

گویا احادیث سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ مہر میں مبالغہ کرنا' مرد کی ہمت سے زیادہ مہر باندھنا ناروا ہے۔ نبوی دور میں قبیلہ بنی فزارہ کی ایک خاتون دو جوتیوں کے مہر پر راضی ہو گئی تھی۔ اسی طرح ایک خاتون حضرت ام سلیم ؓ کو ابو طلحہ ؓ نے جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے' نکاح کا پیغام دیا۔ آپ ؓ نے نکاح کے لئے شرط ان کا اسلام قبول کرنا طے کر دی۔ جس پر ابو طلحہ نے اسلام قبول کر لیا اور دونوں کا نکاح ہو گیا۔ اس نکاح میں شوہر کا اسلام قبول کر لینا ہی حضرت ام سلیم ؓ کا مہر ٹھہرا۔ (نسائی' کتاب النکاح)

معلوم ہوا کہ کم مہر باندھنا جائز ہے جب کہ دونوں فریق اس پر راضی ہوں۔ کھجور یا ستو کی مٹھیوں' جوتی کے جوڑے' لوہے کی انگوٹھی تک بھی حق مہر ہو سکتا ہے۔ قرآن کی سورتیں یاد کروانے پر بھی حق مہر ادا ہو گیا۔ یہ سب صورتیں مہر کی کمی پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت عمر ؓ کا قول ہے: "حد سے زیادہ مہر مقرر نہ کرو۔ کیونکہ یہ بات دنیا میں قابل فخر یا آخرت میں اللہ کے ہاں مفید بات ہوتی تو پھر رسول اکرم ؐ اپنی بیویوں کا حق مہر زیادہ باندھنے کے زیادہ حقدار تھے۔ مگر آپ ؐ کی سب بیویوں کا حق مہر (سوائے حضرت ام حبیبہ ؓ کے) اور سب بیٹیوں کا حق مہر (سوائے حضرت فاطمہ ؓ کے) بارہ اوقیہ سے زیادہ نہ تھا۔" (ابن ماجہ) بارہ اوقیہ یا پانچ سو درھم آج کل کے کوئی سوا سو (125) روپے کے لگ بھگ بنتے ہیں۔ حضرت فاطمہ ؓ کا حق مہر چار سو مثقال تھا' تقریباً =/150

روپے۔

باقی ام حبیبہؓ کا حق مہر زیادہ تھا۔ چار ہزار درہم یا چار سو دینار' لگ بھگ ایک ہزار پچاس روپیہ =/1050۔

اس لئے کہ ان کا نکاح نجاشی شاہ حبشہ نے سرزمین حبشہ میں (ان کے بیوہ ہونے کے بعد) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ اس نے آپؐ کی طرف سے ان کا مہر چار ہزار درہم یا 400 دینار مقرر کیا تھا۔

اگرچہ مہر کی کم از کم مقدار فقہ حنفیہ میں دس درہم اور فقہ مالکیہ میں پانچ درہم ہے' مگر حقیقت یہ ہے کہ شرع میں اس کی مقدار' بالکل معین نہیں کی گئی۔ اس کی بنیاد تو میاں بیوی کے درمیان پیار و محبت ہے لہٰذا اگر بیوی تھوڑا بھی لینے پر راضی ہو تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے!! اسی طرح مرد کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہئے۔ اس لئے وہ اپنی استطاعت کے مطابق زیادہ بھی دے سکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ دونوں باتوں میں غلو درست نہیں کہ وہ صاحب حیثیت ہو کر بھی کمینگی اختیار کرے' یا محض نمود و نمائش کے لئے اپنی حیثیت سے بڑھ کر مہر باندھ لے۔

قرآن کریم نے اس ضمن میں اسی قسم کی ہدایت دی ہے جو درج ذیل ہے:

فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء:25)

"ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور معروف کے مطابق ان کے مہر ادا کرو۔"

یہاں "اجور" سے مراد "مہر" ہے اور اس "مہر" کو معروف کا پابند بنایا گیا ھے۔ معروف سے یہاں مراد کسی بھی دور کا رسم و رواج' خاندانی روایات ہیں' جن کو عام طور پر پسندیدہ نظر سے مقدار کو بھی معقول یا مناسب سمجھا جائے' وہی صحیح مہر قرار پائے گی۔ اس میں مرد اور عورت دونوں کے باہمی اعتماد' سماجی حیثیت کی بھی رعایت ہونی چاہئے اور زمانہ و حالات کی بھی' وگرنہ وہ اچھی نظروں سے نہ دیکھا جائے گا۔

☐ **مہر واجب الادا ہے:** چونکہ نکاح کے وقت جو رقم بھی بطور مہر مقرر ہو گئی' اس کو پورا کرنا مرد پر لازم ہے۔ اگر اس قرارداد کو پورا کرنے سے انکار کرے تو عورت کو حق ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مرد سے روک لے۔

☐ **مہر مثل:** بعض اوقات بوقت نکاح مہر کا ذکر نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں بھی مہر ادا کرنا لازم ہے۔ اس کو "مہر مثل" کہا جاتا ہے۔ یعنی عورت کے خاندان میں عموماً عورتوں کو جو حق مہر ملتا ہے وہی اسکو ملے گا۔ مہر مثل میں ان عورتوں کا اعتبار کیا جاتا ہے جو عورت کے باپ کے خاندان سے تعلق رکھتی ہوں مثلاً اپنی بہنیں' پھوپھیاں' چچازاد بہنیں وغیرہ۔ اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی

وہ روایت ہے جس کو ابو داؤد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فتویٰ ہر ایسی عورت کے حق میں تھا جس کا مہر نکاح کے وقت مقرر نہ کیا گیا تھا۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ اسے اپنے خاندان کی عورتوں کے مہر کے مثل ملے گا۔ مہر مثل میں والدہ یا اسکے خاندان کے مہر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' البتہ اگر والدہ باپ ہی کے خاندان سے تعلق رکھتی ہو تو اس صورت میں اس کے مہر کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

عورت کو مہر میں تصرف کرنے کا حق ہے:

پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ مہر کا مال مکمل طور پر صرف عورت کا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے اعزاز و اکرام میں ہوتا ہے لہٰذا نہ تو عورت کے والدین اس سے یہ مال لے سکتے ہیں اور نہ شوہر اس کے مال میں کوئی اختیار رکھتا ہے۔ عورت اس مال کو اپنی مرضی سے استعمال کرے گی۔ چاہے تو اس سے کاروبار کرے' چاہے ہبہ کرے' اور چاہے تو باہمی محبت و اعتماد کے طور پر وہ مرد کو مال (پورا یا اسکا کچھ حصہ) واپس کر دے۔ اگر وہ خوش دلی سے اپنے مہر کا کچھ حصہ مرد کو واپس کر دے تو مرد اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ مگر یہ واپس کرنا مرد کے جبر کے نتیجہ میں نہ ہو بلکہ عورت کی اپنی خوشی اور محبت کی وجہ سے ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا۔ (النساء:4)

"پھر اگر وہ بخوشی اس میں سے کچھ دے دیں تو تم مزے سے اسے کھا سکتے ہو۔"

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت نے مہر معاف کر دیا مگر بعد میں پھر اس کا مطالبہ کر دیا' ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ تو یہ معلوم کرنا چاہئے کہ کہیں اس نے جبر کی بناء پر تو معاف نہیں کیا تھا؟ اگر شوہر کے جبر کے نتیجے میں معاف کیا تھا تو مرد کو اسے حق مہر ادا کرنا پڑے گا۔ حضرت عمرؓ اور قاضی شریح کا فیصلہ ہے کہ انہوں نے قاضیوں کو لکھا: "عورتیں رغبت سے بھی اور خوف سے بھی (مہر) دے دیتی ہیں۔ اگر عورت مہر دینے کے بعد پھر رجوع کرنا چاہے تو اسے اس کا حق حاصل ہوگا"۔ ①

قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ۔ (النساء:24)

"اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ مہر مقرر ہونے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے اس کے بارے میں کوئی بات طے کر لو۔"

چنانچہ عورت اور مرد کی رضامندی سے مہر میں کمی بھی ہو سکتی ہے اور زیادتی بھی' ادائیگی جلد بھی ہو سکتی ہے اور تاخیر سے بھی' معافی بھی ہو سکتی ہے اور تبدیلی بھی۔ مثلاً مہر میں زیور متعین تھا' اس کی بجائے رقم دے دی' باغ متعین تھا اس کے بجائے دکان دے دی وغیرہ۔ یہ تمام کمی بیشی تو دونوں کے

باہمی اعتماد پر ہے۔ اس لئے شریعت نے معاملہ دونوں کی رضامندی پر چھوڑ دیا ہے تاکہ معاملات خوشگوار انداز میں چلتے رہیں۔

❑ اسلام ۔ حقوق نسواں کا محافظ:

اندازہ کریں کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کا کس حد تک خیال رکھا ہے۔ دنیا کی تمام نام نہاد ترقی پسند تہذیبیں جو آزادی نسواں کی آڑ میں شہوت پرستی کو فروغ دینا چاہتی ہے' فی الحقیقت ان کے پاس عورت کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی ٹھوس پروگرام نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں قرآن و سنت نے عورت کو جو تحفظ دیا ہے' مالی اور معاشرتی دونوں لحاظ سے غیر اسلامی تہذیبیں اسکا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ مہر کا رکن نکاح ہونا اور پھر مہر میں عورت کو تصرف کا اختیار دینا عورت کو مالی لحاظ سے بھی فائدہ دیتا ہے اور معاشرتی لحاظ سے بھی اس کے لئے اعزاز و اکرام ہے۔

❑ ادائیگی کے لحاظ سے مہر کی قسمیں:

(1) مہر معجل (2) مہر مؤجل

❑ (1) مہر معجل:

وہ مہر ہے جو نکاح کے وقت ہی ادا کر دیا جاتا ہے۔

❑ (2) مہر مؤجل:

مہر مؤجل اس مہر کو کہتے ہیں جو خاوند کچھ مدت کے بعد ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ مگر آج کل مہر مؤجل کا مفہوم یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ نکاح کے وقت لاکھوں کی دستاویز لکھ دی جاتی ہے' مگر دل میں یہ ہوتا ہے کہ کون لیتا ہے اور کون دیتا ہے! گویا ابتدا ہی سے یہ سارا کام نمائشی ہوتا ہے اور ادا کرنے کی نیت نہیں ہوتی۔ حالانکہ اس نیت کے ساتھ (یعنی مہر ادا نہ کرنے کی) جو نکاح کیا جائے وہ ابتدا ہی سے فاسد ہے۔ حقیقی مہر مؤجل یہ ہے کہ اس میں واضح طور پر یہ مذکور ہو کہ مرد اتنی مدت میں اسے ادا کر دے گا۔ جس مہر میں مدت کا تعین نہ کیا گیا ہو وہ مہر عند الطلب (ON DEMAND) کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب عورت مطالبہ کرے اسے دے دیا جائے۔

مہر کے بارے میں غلط تصوّرات اور ان کا حل

ہمارے ہاں مہر کے بارے میں ایک اور غلط تصور رائج ہو گیا ہے کہ وہ یا تو طلاق کے وقت ادا کیا جاتا ہے یا مرتے وقت بیوی سے معاف کرا لیا جاتا ہے۔ اگر مرد کو بیوی سے مرتے وقت معاف کرانے کی مہلت نہ ملی ہو تو موت پر اس کے ترکہ میں سے بیوی کو ادا کر دیا جائے گا' مگر یہ سارا نقطہ نظر مہر کی روح کے بالکل خلاف ہے۔ حق تو یہی ہے کہ مہر فوراً ادا کیا جائے اور اگر سہولت کی خاطر مرد کو مہلت دے دی جاتی ہے تو اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ اب طلاق کے علاوہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہر خدا ترس مسلمان کو مہر کے بوجھ سے جلد از جلد فارغ ہونے کی فکر کرنا چاہئے اور عمداً یا

لاپرواہی سے ٹال مٹول کر کے قرض چھوڑ کر نہیں مرنا چاہئے' کیونکہ اس طرح تو وہ مقروض مرتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم تو مقروض کی نماز جنازہ بھی پڑھانے سے انکار فرما دیتے تھے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ:

(1) حق مہر مالی استطاعت سے بڑھ کر نہ باندھے جائیں۔ (2) فی الفور ان کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ (3) اگر وہ زیادہ ہیں اور فوراً ادا نہیں کئے جا سکتے تو ان کو قسط وار ادا کیا جائے یا کچھ حصہ بیوی سے معاف کروا لیا جائے۔ بیوی بھی اگر نیک دل ہو گی تو ضرور اس سلسلے میں تعاون کرے گی۔

مگر مردوں نے آج کل حکم قرآنی "باہمی رضامندی سے حق مہر میں کمی بیشی" سے جو مفہوم مراد لیا ہے کہ لازماً عورتوں سے معاف ہی کروانا ہے اور لازماً حق مہر کو مؤجل ہی رکھنا ہے' یہ شریعت کے ساتھ مذاق ہے۔

اس رجحان کو تبدیل کرنا ضروری ہے۔ اس کے مقابلے میں تھوڑا حق مہر باندھنا اور پھر اس کو جلدی ادا کرنا بہت اچھا ہے۔ زیادہ حق مہر باندھنے میں ایک اور بھی قباحت ہے۔ اگر خدانخواستہ میاں بیوی میں موافقت نہ ہو سکے تو یہ مہر کی زیادتی خود عورت کے لئے بہت بڑا ملال بن جاتی ہے۔ مرد اتنا بڑا مہر اس کو دے نہیں سکتا' لہٰذا وہ غریب معلق پڑی رہتی ہے۔ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" والا معاملہ بن جاتا ہے۔

بوقت نکاح مہر کی عدم صراحت کی صورت میں تمام مہر معجل متصور ہو تو بہت اچھا ہے اور اگر یہ بیوی کو زیورات' کپڑوں وغیرہ کی شکل میں دے دیا جائے تو اور بھی اچھا ہے۔

کیونکہ بعد میں مہر ادا کرنے کی جتنی بھی شکلیں ہیں' ان میں نزاع والی کوئی نہ کوئی بات پیدا ہو جاتی ہے اور مرد فوراً کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے بیوی سے معاف کروا لیا تھا۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ یہ معافی قانوناً ہونی چاہئے۔ اس پر سرپرست گواہوں کے دستخط ہوں' تاکہ بعد میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہو سکے۔

① تفہیم القرآن' ج 1' ص 322 ملاحظہ کیا جائے۔

11

تعدد ازواج

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" (القرآن)

"تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ' ان میں سے دو دو ' تین تین ' چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کافی ہے۔" (النساء:3)

* مخالفت کی اصل وجہ
* تعدد ازواج کا آغاز کب ہوا؟
* مرد کی ضرورت
* عورت کا بانجھ پن
* معاشرتی ضرورت
* کیا عورت کو بھی چار شادیوں کی اجازت مل سکتی ہے؟
* ہولناک نتائج
* اسلام میں تعدد ازواج کے احکام
* حکم نہیں بلکہ اجازت ہے
* دوسری شادی عیاشی یا تفریح کا ذریعہ نہیں
* پابندیوں کی تفصیل
* جائزہ

تعدّدِ ازواج

ایک مرد کا کئی بیویوں سے شادی کر لینا تعدد ازواج کہلاتا ہے۔ دور جدید میں اسلام پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان میں سے ایک اہم اعتراض اسلام کا ایک سے لیکر چار عورتوں تک کے ساتھ شادی کر لینے کی اجازت دینا بھی ہے کہ "انسان کی فطرت تو ایک بیوی کا تقاضا کرتی ہے' لہٰذا یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ دوسری طرف عورت کے ساتھ یہ بڑی زیادتی ہے کہ ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری بیوی بھی آ جائے اور ساری عمر اس کی حریف اور مدمقابل بن کر اس کو چڑاتی رہے۔ یہ صریح ظلم و زیادتی ہے۔"

چنانچہ اس "صریح ظلم و زیادتی" کو روکنے کے لئے بعض ممالک میں قانوناً صرف ایک ہی بیوی رکھنے کی اجازت ہے۔ بعض ممالک میں تعدد ازواج پر کوئی پابندی تو نہیں مگر اخلاقی اور معاشرتی طور پر اس کو بہت برا سمجھا جاتا ہے' جبکہ عرب ممالک میں تعدد ازواج پر نہ کوئی قانونی پابندی ہے اور نہ اس کو معاشرتی اور اخلاقی طور پر برا سمجھا جاتا ہے۔

مخالفت کی اصل وجہ —— ان کا مخصوص پس منظر:

اہل مغرب قانونی طور پر تعدد ازواج کے مخالف ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں میں ابتدا ہی سے عورتوں سے تعلقات رکھنا روحانیت کے خلاف اور دنیاداری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ جہاں عورت کو گناہ کا دروازہ اور غارتگر دلربائی سمجھا جاتا ہو' وہاں سرے سے شادی کرنا ہی مستحسن خیال نہ کیا جاتا تھا' لہٰذا وہاں تعدد ازواج کو کیسے گوارا کیا جا سکتا تھا؟ وہاں ایک بیوی کی اجازت بھی مجبوری اور ناگزیر برائی کے طور پر دی جاتی تھی۔ آج کا جدید مغرب بھی عیسائیت کے اس قدیم راہبانہ تصور سے نجات نہیں پا سکا' یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کے قانون تعدد ازواج پر بڑھ بڑھ کر حملے کرتا ہے' پھر ان کے مسلمان شاگردوں نے بھی انہی کے انداز میں اعتراض اٹھانے شروع کر دیئے۔①

☐ تعدد ازواج کا آغاز کب ہوا؟

اگر تعدد ازواج کوئی "ظلم و زیادتی" ہے تو اس ظلم و زیادتی کا آغاز ابتدائی دور کے انسان نے کیا تھا۔ دنیا کی بیشتر قوموں میں اس کا رواج رہا ہے۔ تمام مذاہب نے اس کی اجازت دی ہے اور سب پیغمبروں کی ایک سے زیادہ بیویاں رہی ہیں۔ عرب معاشرے میں تو اس کا بہت زیادہ رواج تھا۔ بعض لوگ دس دس تک شادیاں کر

لیتے تھے۔ غیر محدود بیویاں رکھنے کا جو رواج تھا اسلام نے اس کو حرام ٹھہراتے ہوئے اسے صرف چار تک محدود کر دیا کہ اب صرف چار شادیاں کرنا جائز ہے' اس سے آگے بڑھنا حرام اور ناجائز ہے۔ ہندوؤں میں بھی کئی شادیوں کی اجازت ہے۔ تورات اور انجیل میں پیغمبروں کی ایک سے زاید بیویوں کا ذکر آتا ہے۔ مسئلہ کی اصل نوعیت یہ ہے کہ اسلام نے چار شادیوں کا حکم نہیں دیا' بلکہ پہلے سے موجود دس دس بیویوں کی تعداد کو چار تک محدود کر دیا ہے۔

❑ **مرد کی ضرورت:** تعدد ازواج کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مرد اور عورت دونوں کی فطرت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ابتدا ہی سے مرد کا ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی طرف رجحان رہا ہے۔ اگر وہ ایک شادی پر اکتفا کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فی الواقع دوسری بیوی کی خواہش یا ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اب جن لوگوں کے اندر جنسی خواہش زیادہ شدید ہوتی ہے اور ایک بیوی سے ان کا گزارا نہیں ہوتا' ان کو دوسری شادی کی اجازت نہ ہو تو وہ ضرور حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ سوچنا چاہئے کہ کیا حرامکاری کی خرابیاں زیادہ ہیں یا دوسری شادی کرنے کی؟ دوسری طرف عورت کی یہ کیفیت ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً حیض' نفاس' حمل' رضاعت کے مراحل سے دوچار ہوتی رہتی ہے۔ ان مراحل میں عورت کے فطری جذبات نسبتاً کمزور پڑ جاتے ہیں اور بعض حالات میں تو وہ بالکل جنسی تعلقات کے قابل نہیں رہتی مثلاً حیض و نفاس (اسی وجہ سے شریعت نے ان ایام میں مباشرت سے منع فرما دیا ہے)۔ پھر زمانہ حمل میں مباشرت سے بعض اوقات بچے کو بھی ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح رضاعت کے دور میں بھی عورت جسمانی طور پر کمزور رہتی ہے۔ پھر وہ مرد کے مقابلے میں بوڑھی بھی جلد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایک بیوی پر قناعت نہیں کرتا اور وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کی اپنی مجبوری ہوئی نہ کہ پہلی بیوی پر زیادتی۔

❑ **عورت کا بانجھ پن:** بعض ایسے حالات بھی پیش آ سکتے ہیں جن میں تعدد ازواج مسئلے کا واحد حل ہو سکتا ہے' مثلاً بیوی کا بانجھ ہونا یا کسی ایسے دائمی مرض میں مبتلا ہونا جس کی وجہ سے زوجہ زن و شو کے تعلقات کے قابل ہی نہ رہے۔ اب خاوند مستقل اولاد کی نعمت سے کیوں کر محروم رہے یا دوسری شکل میں وہ اپنی فطری خواہش کا کیا بندوبست کرے؟ ان حالات کا معقول علاج دوسری شادی ہی ہے (ایسے حالات میں بعض اوقات خود بیویاں ہی اپنے شوہروں کو دوسری شادی کرنے کا مشورہ دے دیتی ہیں)۔ اب ان سب حالات میں اگر مرد کو یک زوجی کا ہی پابند کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا تو وہ باہر داشتائیں تلاش کرتا پھرے گا یا اگر کوئی بہت شریف اور پاکدامن ہے تو وہ اعلان کئے بغیر کہیں دوسرا نکاح کر لے گا (ضمیر کی خلش کو مٹانے کے لئے)۔ مگر اسلام کی نظر میں خفیہ نکاح کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا ناگزیر ہے کہ اسے کھلے عام دوسری شادی کرنے کی اجازت دی جائے۔ اسلام نے' جو کہ دین

فطرت ہے' مرد کی فطرت اور اس کی مجبوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوسری بیوی کی اجازت دی ہے۔ رہ گئی پہلی بیوی تو یہ اس کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ بانجھ ہونے کی صورت میں چاہے تو طلاق لیکر الگ ہو جائے اور چاہے تو اس کے ساتھ رہ جائے۔ اگر پہلی بیوی دائم المریض ہے تو اس کے لئے یہ بات زیادہ مفید ہے کہ شوہر دوسری شادی کر لے۔ اب اگر ان حالات میں شوہر کو مجبور کیا جائے کہ پہلے والی بیوی کو طلاق دو پھر تم دوسری شادی کر سکتے ہو' تو کیا یہ پہلی عورت کے ساتھ ظلم نہ ہو گا؟ خصوصاً اس شکل میں جب کہ وہ شوہر کے ساتھ رہنے کے لئے تیار بھی ہو اور خود شوہر بھی اسے چھوڑنا نہ چاہتا ہو۔

❑ تعدد ازواج ـــــ ایک معاشرتی ضرورت:

تعدد ازواج بسا اوقات ایک معاشرتی ضرورت بھی بن جاتی ہے۔

(1) عموماً تو معاشرے میں مردوں و عورتوں کا تناسب یکساں رہتا ہے مگر جب کسی قوم کو جنگ سے واسطہ پیش آتا ہے تو اس میں زیادہ تر مرد ہی کام آتے ہیں اور وہ بھی نوجوان تنومند۔ اس طرح معاشرے میں عورتوں کا تناسب بڑھ جاتا ہے' بہت سی عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں' نوجوان بچیوں کے لئے بر نہیں ملتے۔ یوں مردوں اور عورتوں کا توازن درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں تعدد ازواج ایک ناگزیر ضرورت بن جاتا ہے تاکہ معاشرہ اس جنسی طوفان اور بے حیائی کے سیلاب سے بچ سکے جو عموماً جنگوں کے بعد یکدم بہہ نکلتا ہے۔ مردوں کی تعداد کم ہونے سے بہت سی عورتیں بے آسرا رہ جاتی ہیں' جن کی روزی کی کوئی شکل تو پیدا کی جا سکتی ہے مگر ان کی جذباتی اور صنفی تسکین کا کیا بندوبست ہو؟ دوسری طرف ایسی بے آسرا خواتین مردوں کی ہوس رانی کا شکار بن جاتی ہیں مگر سچی جذباتی تسکین سے پھر بھی ناآشنا رہتی ہیں۔ شوہر کی محبت اور بچوں کی محبت جس کے بغیر ان کی زندگی نامکمل اور بے کیف رہتی ہے' کو ساری عمر ترستی ہی رہتی ہیں (اور کوئی صالح معاشرہ اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتا)۔

کیا اس طرح کے حالات میں ایسی خواتین کو معاشرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے؟ تاکہ جس طرح چاہیں ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنی صنفی تسکین کرتی رہیں اور معاشرے میں بے حیائی کی زبردست وباء پھوٹ پڑے' جس طرح عملاً دونوں عظیم جنگوں کے بعد یورپی ممالک میں عموماً اور فرانس میں خصوصاً واقع ہوا اور فرانسیسی قوم اسی صنفی انارکی کے باعث اپنا استحکام' عظمت اور تمام تر وقار کھو بیٹھی۔

کیا یہ معاشرتی انتشار اور بے حیائی کی وباء اور اس کے نتیجے میں معاشرے کا فساد و ابتری بہتر ہے یا

یہ بہتر ہے کہ مرد کو قانوناً ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت ہو بشرطیکہ وہ اسلام کی عائد کی ہوئی شرط "عدل" کو ملحوظ رکھے؟

(2) افرادی قوت، قوم کی پائیداری اور استحکام میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ دفاع، صنعت و حرفت، زراعت، تجارت غرض ہر شعبہ میں ترقی کے لئے افرادی قوت کی اہمیت مسلمہ ہے۔ زیادہ افرادی قوت حاصل کرنے کا اہم ذریعہ تعدد ازواج بھی ہے۔ کیونکہ عورت تو عموماً چالیس پینتالیس سال کے بعد اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی، مگر مرد ستر سال تک بھی اس قابل ہوتا ہے کہ وہ عورت کو بار آور کر سکے، اب اگر وہ دوسری شادی کر لے تو اس کا پھر سے اولاد والا سلسلہ قائم ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جن اقوام کو اپنی افرادی قوت میں اضافہ کرنا مطلوب ہوتا ہے وہ خود تعدد ازواج کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ فرانس، اسرائیل، روس، جرمنی وغیرہ میں آج بھی اس حوصلہ افزائی کی مثالیں دیکھیں جا سکتی ہیں۔

❑ **دوسرا اعتراض:** دوسرا اعتراض عموماً فرنگ زدہ خواتین کی طرف سے ایک اور انداز میں اٹھایا جاتا ہے۔ مساوات مرد و زن کی قائل عورتیں کہتی ہیں کہ اگر مردوں کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت ہے تو پھر یہ اجازت عورتوں کو بھی ملنی چاہئے کہ وہ ایک سے زیادہ مردوں سے شادی کر سکے۔

❑ **جواب:** یہ اعتراض اتنا بیہودہ اور لغو ہے کہ ایک باحیاء عورت کو اس بات کا تصور کرنے سے بھی گھن آتی ہے۔ یہ تو بحث برائے بحث ہے جس کا عورت کی فطرت سے بالکل واسطہ نہیں۔ ویسے بھی ایک عورت اپنی طبعی و جسمانی کمزوری کی بناء پر ایک سے زیادہ شوہروں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ حیض و نفاس اور حمل و رضاعت کی مجبوریاں ایسی ہیں کہ وہ بعض اوقات صرف ایک مرد یعنی اپنے شوہر کی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتی۔

جو عورتیں کئی مردوں کی خواہش کی تسکین کا سامان بنتی ہیں ان کا اپنا گوہر عفت و عصمت تو برباد ہوتا ہی ہے، مگر ساتھ وہ اتنی جنسی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں کہ وہ خانگی زندگی کے قابل نہیں رہتیں، اولاد کی نعمت سے تو وہ مستقل طور پر محروم ہو جاتی ہیں اور اگر اولاد ہو بھی جائے تو اس سے بہت سے معاشرتی مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً یہ بچہ کس کا ہے؟ کون اس بچے کا باپ ہے؟ اس بچہ کو کس کی طرف منسوب کیا جائے؟ کون اسکی کفالت کرے؟ اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کون لے، وہ کس کا وارث ہے؟ اور اس قسم کے بے شمار سوالات ہیں جن کا جواب دیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس کے برعکس اگر ایک مرد کی دو تین بیویاں ہوں تو چاہے کسی بیوی سے اولاد ہو مگر ہے تو اسی مرد کی اور وہ بچہ اسی کی طرف منسوب ہو گا، وہی اس کا کفیل اور اسکا وارث ہے اور اس کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار ہے۔

ہولناک نتائج: علاوہ ازیں ایک عورت کا اگر کئی مردوں سے تعلق ہو تو اس کا ایک اور بھیانک نتیجہ نکلتا ہے۔ ہر مرد اس کو پورے طور پر پانے کی کشمکش میں دوسرے مردوں سے لڑنے بھڑنے لگ جاتا ہے کیونکہ مرد اپنی بیوی کے معاملے میں (خود کتنا ہی برا کیوں نہ ہو) باغیرت ہوتا ہے کہ اس کی بیوی کا کسی دوسرے مرد کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ لڑائیاں پھر چھوٹے پیمانے سے شروع ہو کر بعض اوقات بڑی خوفناک شکل اختیار کر لیتی ہیں' تاریخ ایسی کئی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ ایک عورت کی خاطر طول طویل جنگیں ہوتی رہیں۔ ہمارے ہاں تو ایک کہاوت بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے کہ لڑائی کی بنیاد زر' زن اور زمین ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک عورت کا کئی شوہروں یا مردوں سے تعلق رکھنا خطرناک نتائج پر مشتمل ہے۔

اسلام میں تعدد ازواج کے احکام:

1- اسلام کا رجحان: اسلام کا رجحان یک زوجگی کی طرف ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء:3)

"تو عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو' دو عورتوں سے' تین عورتوں سے یا چار عورتوں سے' پس اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کافی ہے۔"②

اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی صورت میں مرد اس بات کا پابند ہے کہ وہ ان سب کے ساتھ یکساں طور پر انصاف کا برتاؤ کرے۔ جس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ مرد کو صرف ایک بیوی پر ہی اکتفا کرنا چاہئے۔ گویا جہاں تک عام حالات کا تعلق ہے اسلام تعدد ازواج کے مقابلے میں ایک بیوی کے حق میں ہے۔ مگر بعض اوقات مرد کو ایک بیوی کا پابند کرنا خود انصاف ہی کے تقاضوں کو پامال کرنے کے مترادف بن جاتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا بحث میں واضح کیا جا چکا ہے' اس طرح کے غیر معمولی حالات میں اسلام ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دیتا ہے' مگر شریعت کے اس حق سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ مرد بیویوں کے درمیان ان تمام معاملات میں عدل و مساوات کا پابند رہے جو اس کے اپنے بس میں ہیں' مثلاً: غذا' لباس' مکان اور شب باشی' حسن معاشرت میں سب کے ساتھ عدل اور برابری کا سلوک کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام میں ازدواجی زندگی ذمہ داریوں سے گھری ہوئی ہے۔ ایک ہی بیوی

کی بے پناہ ذمہ داریاں مرد کو اٹھانا پڑتی ہیں' جو تعدد ازواج کی شکل میں اور بھی بڑھ جاتی ہیں' اسلام نے ایک سے زاید بیویاں رکھنے پر اتنی حدود وقیود عائد کی ہیں کہ بغیر کسی حقیقی ضرورت و مجبوری کے کوئی مسلمان ایک سے زیادہ شادی کرنے کی ہمت ہی نہیں کر سکتا۔

❑ 2- حکم نہیں بلکہ اجازت ہے:

پھر ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دینا مسلمانوں پر فرض نہیں کہ تم ضرور چار شادیاں کرو جیسا کہ مخالفین کا پروپیگنڈہ ہے۔ بلکہ یہ تو ہنگامی حالات کے لئے بوقت مجبوری ایک اجازت ہے اور وہ اجازت بھی کئی پابندیوں کے ساتھ مقید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عملی زندگی میں مسلمانوں کی اکثریت ایک ہی بیوی پر اکتفا کرتی ہے۔ ہزاروں کی آبادی میں سے چند لوگ ایسے نکلیں گے جو اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہیں' جبکہ دیگر اقوام کا دوسری شادی، کرنے کا تناسب مسلمانوں سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

❑ 3- دوسری شادی عیاشی یا تفریح کا ذریعہ نہیں:

اسلام نے جو اجازت دی ہے اس کے ساتھ اتنی پابندیاں ہیں کہ مخالفین کا یہ واویلا کہ عیاشی کی خاطر چار چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے' بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ اسلام نے نہ تو اس کی ہمت افزائی کی' نہ شوق دلایا بلکہ اس کی پیچیدہ ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھانا ورنہ روز قیامت اللہ کے آگے جواب دینا پڑے گا۔

❑ 4 پابندیوں کی تفصیل:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان انصاف نہ کرے (اور صرف ایک طرف جھک جائے) وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ جھکا ہوا ہو گا۔"

(مشکوٰۃ المصابیح' کتاب النکاح' باب القسم' بحوالہ ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

چنانچہ اس عدل وانصاف میں یہ بات شامل ہے کہ وہ دونوں یا تینوں بیویوں کے نان نفقہ کی ذمہ داری اٹھائے' ان کے لئے جدا جدا مکان کا بندوبست کرے۔ باری باری سب بیویوں کے ہاں رات گزارے اور ان سے اچھا رویہ رکھے۔ یہ عدل وانصاف ان تمام امور میں ہونا چاہئے جو انسان کے اپنے بس میں ہیں۔

عدل وانصاف اسلام کے تمام معاملات کی جان ہے' اسلام نے عدل کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اگر اندیشہ محسوس ہو کہ عدل نہیں ہو سکتا تو پھر ایک پر ہی اکتفا کیا جائے۔ باقی رہ گیا معاملہ دلی میلان و محبت کا' کسی کی طرف دلی میلان زیادہ اور کسی کی طرف کم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

"بیشک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم' جو چیزیں تقسیم کی جا سکتی تھیں' ان میں تو اپنی ازواج کے

درمیان عدل سے تقسیم فرماتے' اس کے بعد فرماتے: "اے اللہ! جن باتوں پر مجھے اختیار ہے' ان میں میں نے تقسیم کر دی اور جو معاملہ میرے اختیار میں نہیں (طبعی میلان' دلی محبت) اس میں میری گرفت نہ فرمانا۔"

(مشکوٰۃ المصابیح' بحوالہ مذکورہ بالا)

مگر اس سے یہ بھی مراد نہیں کہ آدمی محبت اور قلبی تعلق کے نام پر صرف ایک طرف جھک جائے اور دوسری بیوی کو بالکل نظر انداز کر دے کہ جو عملاً شوہر کے ہوتے ہوئے بھی بے شوہری کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دی جائے۔ قرآن پاک نے بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے:

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء:129)

"پھر کسی ایک کی طرف بالکل جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو معلق ہی چھوڑ دو۔"

عموماً صورت حال یہ پیش آتی ہے کہ مرد کو دوسری بیوی سے زیادہ رغبت ہوتی ہے اور وہ پہلی کو نظر انداز کرنے لگ جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن نے توجہ دلائی ہے کہ ایسی صورت حال ہرگز پیش نہ آئے' دوسری بیوی تو تمہیں مرغوب ہے ہی پہلی کے بھی سارے حقوق ادا کرو۔

پھر جس طرح دوسری بیوی کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جو پہلی بیوی کو ہوتے ہیں اور دونوں سے یکساں حسن سلوک ہونا چاہئے' بعینہٖ ان کے بچوں کا معاملہ ہے' ان بچوں کے حقوق بھی مساوی ہوں اور ان کے ساتھ یکساں شفقت و محبت کا برتاؤ ہو۔ یہ صورت حال پیش نہ آئے کہ ایک عورت کے بچوں کے سارے ناز نخرے اٹھائے جا رہے ہیں اور دوسری بیوی اپنے بچوں کو پالنے کے لئے لوگوں کے گھروں میں برتن دھونے اور ان کی صفائیاں کرنے پر مجبور ہو گئی ہے' یا گھر میں لوگوں کے کپڑے سی سی کر اپنے بچوں کو پال رہی ہے۔

یہ بات خصوصاً اس لئے قابل ذکر ہے کہ ہمارے ہاں برصغیر پاک و ہند میں معاملہ بالکل اسی طرح کا ہے کہ عموماً دوسری بیوی اور اس کے بچے سونے کے نوالے کھاتے ہیں' گھر میں رزق حسن کی طرح برستا ہے' مرد اسی کو اپنا گھر سمجھتا ہے اور پہلے والی بیوی اس طرح نظر انداز ہو جاتی ہے کہ وہ بیچاری تنگی ترشی سے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔ وہ خود بھی بے آسرا اور بچے بھی بے سہارا ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ جہالت ہے' سخت ظلم و زیادتی ہے۔ اس زیادتی سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام اسی لئے عدل کی کڑی شرط عاید کرتا ہے' وہ حکم دیتا ہے کہ اگر تم دو بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر سکتے تو پھر ایک بیوی پر ہی اکتفا کرو۔

❏ ماحصل: (1) ظہور اسلام کے وقت عرب میں دس دس شادیاں کرنے کا رواج تھا۔ اسلام نے اس کو حرام ٹھہرایا اور صرف چار تک محدود کر دیا۔

(2) عام حالات میں اسلام کا رجحان یک زوجگی کی طرف ہے۔

(3) مجبوری کے عالم میں اس نے دوسری' تیسری شادی کرنے کی اجازت دی ہے مگر ساتھ مساوات اور عدل کی کڑی شرط عاید کردی ہے۔ اگر عدل نہ ہو گا تو دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے۔

(4) عملاً یہ عدل کی شرط اتنی کڑی ہے کہ اسے پورا کرنا اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے۔ لہٰذا دوسری اقوام کے مقابلے میں مسلمانوں میں دوسری شادی کا رواج سوائے اشد ضرورت کے بہت کم ہے۔ حتیٰ کہ ہزار میں سے چند لوگ اس اجازت سے فائدہ اٹھانے والے نکلیں گے۔

(5) اہل مغرب میں قانوناً تو یک زوجگی کا رواج ہے مگر عملاً صورت حال یہ ہے کہ ہر مرد کی کئی کئی داشتائیں ہیں' اس غیر قانونی کثرت ازواج میں مرد پر کسی عورت کی یا اس کی اولاد کی کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی' جس سے صنفی انارکی اور بے حیائی وباء کی طرح ان ملکوں میں عام ہو رہی ہے۔ پھر اس کی وجہ سے بے شمار بیماریاں اللہ کے عذاب کے طور پر نازل ہو رہی ہیں۔ کیا یہ صورت حال بہتر ہے یا یہ کہ اگر مرد کو ضرورت ہو' واقعی ضرورت ہو تو وہ باقاعدہ نکاح کرے ان کے درمیان انصاف کرے ان کی پوری ذمہ داری اٹھائے اور پھر بھی وہ پابند ہو کہ بیک وقت چار سے زیادہ شادیاں نہ کر سکے۔

(6) پھر چار شادیوں کی اجازت دراصل عورتوں ہی کے فائدے کے لئے ایک روک تھام ہے نہ کہ مردوں کے لئے بے جا رعایت' کیونکہ مرد شادی رچانے میں اتنا بے باک نہیں ہو سکتا جتنا ناجائز تعلقات قائم کرنے میں۔

(7) مرد کا گناہ میں ملوث ہونا زیادہ بڑا گناہ ہے یا عورت کو سوکن برداشت کرنے پر آمادہ کرنا لہٰذا شریعت نے گناہ کو تو حرام قرار دیا' دوسری طرف عورت کے حقوق کا اس طرح دفاع کیا کہ مرد کو سب بیویوں کے درمیان عدل و مساوات کا پابند کر دیا تاکہ عورت کو مرد کی دوسری شادی سے کم از کم نقصان پہنچے۔ اصل میں ہمارے ہاں افرنگیوں کی دیکھا دیکھی دوسری شادی معیوب سمجھی جاتی ہے ورنہ عرب ممالک میں تو دو دو' تین تین بیویاں رکھنے کا رواج ہے۔ وہاں خواتین اس بات کی عادی ہوتی ہیں' اس لئے ان کے لئے یہ کوئی نفسیاتی مسئلہ نہیں بنتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے زیادہ معقول' منصفانہ اور انسان کی فلاح کا ضامن کوئی مذہب یا دوسرا نظام زندگی نہیں ہے۔ اس کے اندر اگر مغربی تہذیب کے زیر اثر کسی کو کیڑے نظر آتے ہیں تو پھر وہ کوئی اور دین تلاش کر لے۔ اسلام کا صالح معاشرہ یک زوجگی کو قانوناً رائج کر کے کھلی بے حیائی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ زنا اور بدکاری کو حرام قرار دیکر تعدد ازواج کی قانونی اجازت دینے والا حکیمانہ دین فی الحقیقت اسلام ہی ہے۔ جس نے مرد و عورت کی جسمانی ساخت' ان کی نفسیات اور ان کی عملی ضرورت کا پورا پورا لحاظ کیا ہے۔

اور اب خود چرچ کا ایک سے زاید شادی کی اجازت دینے کا مطالبہ:

روزنامہ "نوائے وقت) مورخہ 97-4-27 کی خبر ہے کہ جوہنسبرگ میں "افریقی چرچ" کی ایک تنظیم نے کیتھولک عیسائی مسئولین سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ مقامی عیسائیوں کو ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دے دیں۔ کیونکہ ان کے جائزے کے مطابق اسلام قبول کرنے والوں میں بعض افراد وہ بھی ہیں جنہوں نے محض اسی رخصت کی وجہ سے اسلام قبول کیا ہے۔ ویسے بھی افریقہ میں ایک سے زیادہ نکاح مقامی رسم و رواج میں شامل ہے۔

---

① پاکستان کے وزیراعظم محمد علی بوگرا نے 1955ء میں اپنی عرب نژاد سیکرٹری عالیہ بیگم سے دوسری شادی کرلی' ان کی پہلی بیوی نے اس پر بہت طوفان اٹھایا۔ محمد علی بوگرا کے سیاسی دشمنوں نے اس دوسری شادی کا باقاعدہ سکینڈل بنادیا اور اسے عورت کی مظلومیت اور اس کی پریشانیوں میں اضافے کا نام دیا' آخر یہ مخالفت کا طوفان اتنا بڑھا کہ حکومت کو کئی کمشن بٹھانے پڑے۔ اسی کے نتیجے میں پاکستان کے عائلی قوانین وجود میں آئے' جن میں "دوسری شادی" اور "یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ" یہ دو مسائل سرفہرست تھے۔ حکومت کے یہ نام نہاد عائلی قوانین (جو اسلام کے خاندانی قوانین سے بہت کچھ مختلف تھے) اسمبلیوں میں تو پاس نہ ہو سکے' البتہ 21 جولائی 1961ء کو اپوا کی حقوق نسواں کمیٹی کی سفارشات پر صدر ایوب نے مارشل لاء کے زور پر ان کو صدارتی آرڈیننس کی شکل میں نافذ کردیا۔ بعد میں 15 جنوری 1980ء میں ان قوانین کو صدر ضیاء الحق کے دور میں خود وزارت مذہبی امور نے خلاف اسلام ٹھہرایا مگر عوام کے اختلاف اور فکری انتشار نیز مغرب زدہ اپوائی بیگمات کے مظاہروں کے باعث صدر ضیاء الحق بھی ان کو منسوخ نہ کرسکے۔

② یہ آیت جنگ احد کے بعد نازل ہوئی۔ اس جنگ میں ستر کے قریب صحابہ کرام شہید ہوگئے تھے اور بہت سی عورتیں بیوہ ہوگئی تھیں۔

12

مسئلہ طلاق

اَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰہِ الطَّلَاقُ (فرمان نبوی ؐ)

"اللہ کے ہاں حلال اشیاء میں سے سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔"

(ابوداؤد' ابن ماجہ)

- طلاق پر جدید دور کی خواتین کے اعتراضات
- طلاق یہودی مذہب میں
- عیسائیت کے ہاں طلاق
- ہندومت میں طلاق
- اسلام کا ضابطہ طلاق
- نکاح ایک سنجیدہ معاہدہ ہے
- طلاق کی واقعی ضرورت کب پیش آتی ہے؟
- طلاق سخت ناپسندیدہ ہے
- طلاق کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہو؟
- عدالت کے ذریعے سے طلاق کی خرابیاں
- طلاق کے باب میں اسلام کے معقول اور مناسب احکام
- بعض احتیاطی اقدامات
- اصلاح کی کوشش کی جائے
- خاوند کی بدسلوکی کا علاج
- دونوں طرف سے ثالث اصلاح کی کوشش کریں
- اگر طلاق ناگزیر ہو جائے تو؟
- طلاق کی تعداد مقرر کردی
- رجوع کی مدت مقرر کردی
- طلاق حیض کی حالت میں نہ دی جائے
- عدت کے دوران میں عورت شوہر ہی کے گھر میں رہے گی
- عدت میں رجوع کرنے کا اختیار
- رخصتی کے موقع پر حسن سلوک کی تاکید

مطلقہ کا معاشی مسئلہ

مسئلہ طلاق

(1) دور جدید میں اسلام کے ضابطہ طلاق پر بھی بہت سے اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں' مثلاً طلاق کا اختیار مرد کو کیوں ہے؟ یہ تو عورت کے ساتھ ظلم و زیادتی ہے۔ مرد کو ذرا غصہ آیا اور فوراً ہنستی بستی عورت کا مستقبل تاریک کر دیا اور اسے بے سہارا زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا' ساتھ ہی بچوں کا مستقبل بھی تاریک کر دیا۔ حق طلاق مرد سے چھین کر عورت کو دیا جانا چاہئے۔

(2) اس ظلم و زیادتی کا کفارہ یہ ہے کہ مرد مطلقہ عورت کو تاحین حیات نفقہ ادا کرے اور یہ عدالت کا کام ہے کہ وہ مرد کو یہ نفقہ ادا کرنے کا پابند بنائے۔

ان اعتراضات کا جواب بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دوسرے مذاہب کے طلاق کے ضابطوں کا مختصر ساذکر کر دیا جائے:

❑ یہودی مذہب میں طلاق:

یہودیوں کے ہاں طلاق کے معاملے میں کوئی پابندی نہ تھی' نہ شوہر پر کسی قسم کی ذمہ داری تھی۔ جونہی شوہر کا دل چاہتا بغیر کسی خلش کے فوراً طلاق دے کر بیوی سے چھٹکارا حاصل کر لیتا' بیوی اسی وقت دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی تھی' عدت کی کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ توراۃ کے الفاظ یہ ہیں: "اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے اور اس کے بعد ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ رہے' اس لئے کہ مرد نے اس میں کوئی بیہودہ بات پائی' تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں دے دے اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے' پھر جب وہ گھر سے نکل گئی تو جا کر دوسرے مرد کی ہو رہے۔" (استثناء 24:)

یہودیوں کے ہاں طلاق کے مسئلہ میں اتنی آزادی تھی کہ طلاق کا تصور تک ختم ہو گیا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیوی کی بدکرداری کے علاوہ طلاق کی مطلقاً اجازت نہ دی تھی۔ یہودیوں نے صرف ایک اجازت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر چھوٹے بڑے سبب سے طلاق دینا شروع کر دی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بگاڑ کی اصلاح یوں کی کہ طلاق کے خلاف نہایت سخت رویہ اپنایا۔

❑ عیسائیت کے ہاں طلاق:

"پھر وہ فریسی حضرت عیسیٰ کو آزمانے کو آئے اور کہنے لگے: "کیا ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے؟" اس نے جواب میں

کہا: "کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جس نے انہیں بنایا اس نے ابتدا میں ہی انہیں مرد اور عورت بنا کر کہا کہ اس سبب سے مرد باپ اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے اور وہ دونوں ایک جسم ہوں گے۔ وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آپ جدا نہ کرے۔" انہوں نے کہا: "پھر موسیٰ نے کیوں حکم دیا ہے کہ طلاق نامہ دیکر بیوی چھوڑ دی جائے۔" اس نے کہا کہ موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیوی چھوڑ دینے کی اجازت دی۔ مگر ابتدا میں ایسا نہ تھا اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔" (انجیل 'کتاب متی' باب 19=3 سے 10 تک)

"جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے اور جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے خلاف زنا کرتا ہے اور اگر عورت اپنے خاوند کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو وہ زنا کرتی ہے۔" (کتاب مرقس: 10=1 سے 10 تک)

چنانچہ عیسائیوں کے اکثریتی فرقہ کیتھولک کے ہاں طلاق مطلقاً ناجائز ہے۔ موت کے بغیر کوئی چیز میاں بیوی کو جدا نہ کر سکتی تھی' البتہ ظہور اسلام کے صدیوں بعد پروٹسٹنٹ فرقہ وجود میں آیا تو انہوں نے بہت سی کوشش کر کے طلاق کو جائز قرار دے دیا۔ لیکن وہ بھی اس صورت میں کہ عدالت میں کسی ایک فریق کا بدکار ہونا یا ظلم و زیادتی کرنا ثابت کر دیا جائے مگر بعد میں صنعتی انقلاب کے نتیجے میں فحاشی پھیلنے کے بعد وہاں جب مذہب سے بغاوت کا جذبہ رونما ہوا' تو طلاق بھی ہر پابندی سے آزاد ہو گئی اور اب ان ممالک میں طلاق کی وہ کثرت ہے کہ نکاح اور طلاق (1) دونوں کی شرح تقریباً یکساں ہو گئی ہے۔ اب ایک رپورٹ کے مطابق ہر دو میں سے ایک شادی طلاق پر ختم ہوتی ہے۔

❑ ہندو مت میں طلاق:

جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے' وہ طلاق سے واقف ہی نہیں۔ آج بھی ہندو مت میں طلاق ناجائز چلی آ رہی ہے گو حالات سے مجبور ہو کر اہل ہند اس کو جائز قرار دینے کی انتہائی کوشش کر رہے ہیں مگر ابھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ ویسے عورت کو معمولی معمولی باتوں پر فارغ ضرور کر دیا جاتا ہے مگر وہ سزا کے طور پر کہ وہ ہمیشہ معلق بیٹھی رہے۔

❑ طلاق دور جاہلیت میں:

ظہور اسلام کے وقت عرب میں طلاق کا بہت زیادہ رواج تھا۔ ایک آدمی عورت کو کئی کئی دفعہ طلاق دیتا' مگر عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیتا' اس طرح عورت نہ اپنے گھر میں بستی نہ الگ ہو سکتی' بعض اوقات تو وہ سو' سو تک طلاق دے دیا کرتے۔ جس سے عورتوں کی زندگی عذاب بن کر رہ گئی تھی۔

اس طرح طلاق کے بارے میں تمام مذاہب اور نظاموں میں بے انتہا افراط و تفریط اور بے اعتدالیاں پائی جاتی تھیں۔ یہ اسلام ہے جس نے ان بے اعتدالیوں کے درمیان اپنے لئے ایک صاف ستھری و توازن والی راہ اپنائی۔

اسلام کا ضابطہ طلاق

عائلی مسائل نظام زندگی میں اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ اگر ایک بار ازدواجی اور گھریلو زندگی کی بنیادوں میں کوئی غلط رجحان گھس آئے تو خاندانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ گھر معاشرہ کا ابتدائی یونٹ' تمام انسانی تعلقات کا ابتدائی سرچشمہ اور تہذیبی شعور کی اولین تربیت گاہ ہے۔ اگر عائلی قوانین صحیح ہوں گے تو اس ادارہ کے بناؤ کا سبب بنیں گے اور اگر معاشرتی قوانین غلط ہوں گے تو گھر کے ادارہ کو بنیاد سے اکھاڑ کر رکھ دیں گے اور بالآخر پورے معاشرہ کے نظام زندگی کو غلط روش پر ڈال دیں گے۔ لہٰذا ایسے گہرے اور نازک مسائل جذبات کی فضا میں حل نہیں ہو سکتے' نہ مظاہروں سے ان پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ یہ تو سنجیدہ فکر اور گہرے شعور کے متقاضی ہیں۔ لہٰذا اسلام نے طلاق کی اجازت ضرور دی ہے مگر اس سے پہلے بے شمار اصلاحی اقدامات کیے ہیں اور اخلاقی ہدایات کا درس دیا ہے۔

❑ نکاح ایک سنجیدہ معاہدہ ہے: نکاح کے ذریعہ مرد عورت زندگی بھر کی رفاقت کا عہد باندھتے ہیں۔ جس کو قرآن پاک نے "میثاق غلیظ" (النساء' آیت 21) یعنی پختہ عہد کا نام دیا ہے' اس سنجیدگی سے کیے گئے عہد کو آسانی سے توڑنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اسی طرح طلاق بھی ایک معمولی معاملہ نہیں ہے' یہ ایک انتہائی اقدام ہے۔ لہٰذا نکاح اور طلاق جیسے مسائل جذبات کی نظر نہیں کیے جا سکتے' نہ ہی مذاق اور گپ شپ ان میں روا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ (ترمذی' ابوداؤد —— کتاب الطلاق)

"تین باتیں ایسی ہیں جن میں سنجیدہ پن تو سنجیدہ پن ہے ہی مگر ان کا مذاق بھی سنجیدہ ہی سمجھا جائے گا یعنی نکاح' طلاق اور رجوع کرنا۔"

لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ الْمَرْاَةَ عَلٰى زَوْجِهَا (ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ)

"اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بڑھکائے۔"

جو دین ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کے لئے آیا ہے' اس دین کا پیرو اگر میاں بیوی کے تعلقات کو بگاڑتا ہے تو پھر اس میں اپنے دین کی کوئی رمق باقی نہیں رہ جاتی۔

❑ طلاق کی واقعی ضرورت: رشتہ نکاح کے قیام کا منشاء تو بلاشبہ یہی ہے کہ عورت اور مرد اس رشتہ سے منسلک ہو کر عفت کی زندگی گزاریں اور تاحیات اس بندھن کو نہ کھلنے دیں۔ لیکن بعض اوقات کوئی ایسی مجبوری بھی پیش آ جاتی ہے کہ نکاح کے مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آتے' ان میں وہ اخوت و محبت قائم نہیں رہ سکتی۔ کبھی ان کے درمیان اتنا زیادہ معاشی

ومعاشرتی فرق ہوتا ہے کہ اس کا دور کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور کبھی دونوں کی ذہنی اور علمی سطح ایک جیسی نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہ ایک دوسرے سے مانوس نہیں ہو پاتے۔ کبھی کوئی اخلاقی کمزوریاں بھی سامنے آجاتی ہیں کہ وہ ناقابل برداشت ہو جاتی ہیں۔ ایسے حالات میں عقل و شعور کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں میں علیحدگی ہو جائے۔ ان حالات میں دونوں کے اکٹھا رہنے کے بے شمار نقصانات ہیں۔ مثلاً:

(1) مرد عورت کو اپنے لئے بوجھ سمجھتے ہوئے اس سے بدترین سلوک روا رکھے گا۔

(2) ہر وقت دونوں کی چپقلش گھر کے ماحول کو جہنم بنا دے گی۔

(3) بچوں کی تربیت متاثر ہوگی' تعلیم و تربیت ناقص رہ جانے سے وہ کئی ذہنی اور اعصابی بیماریوں کا شکار ہو جائیں گے۔

جبکہ اگر وہ دونوں الگ ہو جائیں تو ممکن ہے کہ اس عورت کا کسی ہم ذوق سے نکاح ہو جائے اور وہ وہاں جا کر بہت خوش رہے جبکہ دوسری طرف مرد بھی اپنی پسند کی عورت سے شادی کرلے اور اس طرح یہ علیحدگی ان دونوں کے حق میں باعث رحمت بن جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جو ایک فطری مذہب ہے اور انسان کی فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے ضابطے واحکام بناتا ہے' ایسے ناگزیر حالات میں اس نے طلاق کی گنجائش بھی رکھی ہے۔ اسلام میں نہ تو عیسائیوں کی طرح طلاق کا دروازہ بالکل بند ہے اور نہ یہودیوں کی طرح کھلی اجازت ہے بلکہ ضرورت کے وقت طلاق دینا جائز تو ہے مگر اس کے لئے بہت سی پابندیاں ہیں۔ تاکہ انسان کو طلاق کا فیصلہ کرتے کرتے بھی خاصا وقت لگ جائے اور وہ خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے کہ اگر طلاق کے بغیر معاملہ صحیح رہ سکتا ہو تو یہ آخری قدم اٹھایا ہی نہ جائے۔

❑ طلاق سخت ناپسندیدہ ہے:

طلاق دینے میں جلدی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس فعل سے دو خاندانوں کا مستقبل وابستہ ہے' ان کی عزت و آبرو اور عفت واخلاق کا معاملہ ہے۔ شریعت میں گو طلاق جائز ہے مگر آخری چارہ کار کے طور پر حلال کاموں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰهِ الطَّلَاقُ (ابوداؤد' ابن ماجہ)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔" آپ ؐ کا ارشاد ہے: "شادی کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ اللہ مزے چکھنے والوں اور مزے چکھنے والیوں کو پسند نہیں فرماتا۔" (حقوق الزوجین' صفحہ 51)

ایک دفعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَ لَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ (مشکوۃ بحوالہ دار قطنی)

"اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ پیدا نہیں فرمائی۔"

اگر ایک طرف مرد کو بار بار یہ توجہ دلائی جا رہی ہے کہ طلاق بہت بری چیز ہے تو دوسری طرف عورتوں کو بھی تنبیہہ فرمائی گئی ہے کہ "جو عورت بغیر کسی مجبوری کے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔" (مشکوۃ بحوالہ احمد' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ' دارمی)

چنانچہ عورت کے لئے بھی اس وقت طلاق کا مطالبہ جائز ہے جب حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہو جائے' مثلاً: مرد وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے قابل ہی نہ ہو' جیسے عنین (نامرد) خصی' مجبوب وغیرہ اس وقت طلاق کا مطالبہ واجب ہو جاتا ہے۔ یا نان نفقہ ادا نہیں کرتا یا واقعتاً ضرار و تعدی کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں بھی طلاق کا مطالبہ جائز ہو گا۔

❑ طلاق کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہو؟

مغرب زدہ خواتین کو اس بات سے زیادہ پر خاش ہے کہ طلاق کی گرہ مرد کے ہاتھ میں کیوں ہے؟ عورت کو بھی طلاق کا اختیار کیوں نہیں دیا گیا؟ یا پھر عیسائیوں کی طرح یہ اختیار مرد و عورت دونوں سے لے لیا جائے اور عدالت کے حوالے کر دیا جائے۔ جبکہ اسلام یہ اختیار مرد ہی کو دیتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

إِلَّآ أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا۟ ٱلَّذِى بِيَدِهِۦ عُقْدَةُ ٱلنِّكَاحِ (بقرہ:237)

"یہ اور بات ہے کہ عورت نرمی برتے (اور مہر نہ لے) یا وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے نرمی سے کام لے (پورا مہر دے دے)"

علاوہ ازیں طلاق کے معاملات میں ساری ضمیریں مذکر ہی استعمال کی گئی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نکاح کی گرہ تو مرد ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اس کو باندھنے والا اور وہی اس کو کھولنے والا ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مرد گھر کا قوام ہے۔ گھر کی مصلحتوں سے زیادہ واقف' نسبتاً دور اندیش اور معاملہ فہم ہوتا ہے۔ پھر شادی کے سلسلہ میں اس نے کافی اخراجات برداشت کئے ہوتے ہیں۔ مہر اور نفقہ وغیرہ' پھر عدت کے دور کا نفقہ بھی اسی نے ادا کرنا ہے۔ اسے دوسری شادی کی ضرورت ہوئی تو دوبارہ اس کو سارے اخراجات پھر کرنے پڑیں گے۔ پہلی بیوی کو اس نے جائیداد' زیور یا مال دیا تھا وہ بھی اس کو واپس نہ مل سکا' پہلی بیوی کے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری بھی ساتھ ساتھ اس کو اٹھانی ہے۔ اس لئے وہ لوگ خیالی دنیا میں رہتے ہیں جو مرد کے حق طلاق پر اعتراض کرتے ہیں۔ مرد کے لئے تو طلاق میں جو زبردست مالی نقصان ہے اسی کے پیش نظر اس کو سو بار سوچنا پڑتا ہے' پہلے گھر کا اجڑنا پھر از سر نو اس کی تعمیر کرنا کوئی ہنسی مذاق کا کام نہیں ہے۔

اس کے برعکس اگر یہ حق طلاق عورت کو مل جائے تو اس میں بعض خرابیاں ہیں۔ مثلاً گھر بسانے

کی پوری مالی ذمہ داری تو مرد کی ہو اور اس نے عورت پر بے بہا خرچہ کیا ہو مگر طلاق کا اختیار عورت کو مل جائے' چونکہ مرد کے مقابلے میں عورت زیادہ جذباتی ہوتی ہے وہ کسی وقتی جوش اور جذبہ کے تحت مرد سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے اور اس سے طلاق کا تناسب بہت بڑھ سکتا ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ مرد بھی وقتی جوش اور غصہ کے تحت ہی طلاق دیتا ہے' مگر اصل صورت حال یہ ہے کہ مرد کو جذبات کے ساتھ ساتھ اپنے مالی اخراجات پر بھی نظر رکھنا ہوتا ہے۔ اسے طلاق سے بہت سا مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے' جو کہ عورت کو نہیں اٹھانا پڑتا۔ عورت تو اگر حق طلاق رکھتی ہو تو ذرا سے غصہ پر مرد کو طلاق دیکر' بچوں کو اس کے حوالے کر کے' مہر اور زیورات لیکر گھر سے نکل کھڑی ہو گی۔ پھر نئے مہر اور نئے ساز و سامان کے ساتھ دوسرے مرد سے شادی کر لے گی۔ کیا یہ انصاف ہے کہ خرچ کرنے والا ایک فریق ہو اور ضائع کرنے کا اختیار دوسرے فریق کو مل جائے؟ اس طرح عورت کو حق طلاق دینے سے طلاقوں کی شرح بہت بڑھ جائے گی۔ ان وجوہ سے عورت کی طرف اس اختیار کو منتقل کر دینا اس سکیم کے بالکل خلاف ہے جو اسلام نے اپنے ازدواجی قانون میں پیش نظر رکھی ہے' یہ غلط طریقہ اگر رائج ہو جائے تو مسلم معاشرے بھی طلاق کی ایک ایسی وباء سے دوچار ہو جائیں جس سے اب تک وہ محفوظ چلے آتے ہیں۔

☐ عدالت کے ذریعہ طلاق کی خرابیاں:

بعض حلقوں کی طرف سے یہ تجویز دی جاتی ہے کہ پھر طلاق کا اختیار مرد سے لیکر عدالت کو دے دیا جائے تاکہ اس کا انحصار صرف مرد کی خواہش پر نہ رہے۔ عدالت فریقین کو بٹھا کر ان میں مصالحت کرائے اور اگر مصالحت میں ناکام رہے تو پھر طلاق کی ڈگری جاری کر دے۔ سوال یہ ہے کہ کیا عدالت سے طلاق کی ڈگری لینا واقعی معقول ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ میاں بیوی کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر کے عدالت معاملے کو اور زیادہ بگاڑ سکتی ہے اس کی اصلاح نہیں کر سکتی' ہو سکتا ہے کہ زوجین کے اختلافات بالکل معمولی اور عارضی ہوں مگر عدالت میں جا کر وہ زیادہ پیچیدہ اور نازک صورت اختیار کر لیں' کیونکہ ایک دفعہ جب کوئی معاملہ عدالت میں پہنچ جاتا ہے تو طرفین کا غرور انہیں کسی قسم کی مصالحت کے قابل رہنے ہی نہیں دیتا۔ اس لئے معقول رویہ یہی ہے کہ چھوٹے معاملات کو عدالت میں نہ لے جایا جائے' عدالت کو صرف اہم اور بڑے امور میں مداخلت کرنی چاہئے' وہ بھی اس صورت میں جب کہ مصالحت کے تمام ذرائع ناکام ہو چکے ہوں۔

زوجین کے سلسلے میں اسلام کی تعلیم کے مطابق مصالحت کروانے کا کام زوجین کے عزیز و اقارب اور مخلص احباب بھی کر سکتے ہیں۔

پھر عدالت سے طلاق دلوانے میں ایک اور بڑی قباحت یہ ہے کہ ہر فریق عدالت کو مطمئن کرنے کے لئے بوقت ضرورت سخت اور سنگین الزامات لگائے گا' اس پر یقینی طور پر جوابی الزامات کا سلسلہ بھی

شروع ہو گا' دونوں کی سیرت و کردار اتنا مجروح ہو گا کہ سوسائٹی میں انکا وقار گر جائے گا اور بعد میں کوئی ان سے شادی کے لئے تیار نہ ہو گا۔

علاوہ ازیں عدالتوں میں جانے والے کیس طویل مدت تک معرض التوا میں پڑے رہتے ہیں' اس پوری مدت میں وہ کیسے ایک دوسرے کو برداشت کر پائیں گے؟

طلاق کے باب میں اسلام کے معقول اور مناسب احکام

❑ بعض احتیاطی اقدامات:

ازدواجی زندگی میں بعض ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں جبکہ میاں بیوی کا آپس میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی بات پسند نہیں ہے تو اس کا حل یہ نہیں کہ فوراً طلاق دے دی جائے بلکہ جذبات اور خواہشات کے غلبہ سے نکل کر ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہئے۔ فوری تاثر کے بجائے اہم تر اور وسیع تر مفادات کی خاطر ایک دوسرے کی معمولی غلطیوں کو برداشت کرنا چاہئے اور حسن سلوک کا رویہ ہی برقرار رکھا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (النساء:19)

"اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔"

❑ اصلاح کی کوشش کی جائے:

اختلاف کے وقت مرد پر لازم ہے (کیوں کہ مرد گھر کا نگران اور بیوی کی ضروریات کی فراہمی کا ذمہ دار ہے) کہ وہ اپنی بیوی کو راہ راست پر لانے کے لئے حسب ضرورت اس کے ساتھ سختی کرے' اسے سرزنش کرے۔ نرمی اور سختی ہر دو طریقوں سے اصلاح کی بھرپور کوشش کرے تاکہ گھر کے معاملات گھر کے اندر ہی بخیر و خوبی حل ہو جائیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا (النساء:34)

"جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو ان کو نصیحت کرو اور ان کو خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو۔ اگر وہ تمہاری اطاعت کرلیں تو پھر ان پر سختی کرنے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو۔"

جو عورت سرکشی پر آمادہ ہو اور شوہر کی بات کو تسلیم نہ کر رہی ہو' اس کے لئے تین اصلاحی اقدامات ترتیب وار بیان کئے گئے ہیں:

پہلے زبانی نصیحت کرو' ہو سکتا ہے کہ اسی سے کام بن جائے۔ اس کے اندر اللہ کا خوف اور

آخرت کا خوف پیدا کرنے کی کوشش کرو' باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاؤ' نرمی اور محبت سے اجتماعی مصالح اور فوائد کا احساس دلاؤ۔ اس میں کامیابی نہ ہو تو دوسرے نمبر پر تادیبی کارروائی یہ ہے کہ خوابگاہوں میں ان سے الگ رہو۔ گویا سزا کے طور پر یہاں ترک مباشرت کی اجازت دی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ اپنے حسن' دلکشی اور نازوادا سے خاوند کو مجبور نہیں کر سکتی۔ اس سے اس کا رویہ معقول ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر اس سزا کے بعد بھی اس کی اصلاح نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس قدر خودسر اور سرکش ہے کہ سوائے جسمانی سزا کے اور کسی طرح اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ صورت پیدا ہو جائے تو پھر آخری چارہ کار کے طور پر اس کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر اس مارپیٹ کا مقصد اصلاح ہونا چاہئے نہ کہ اسے اذیت پہنچانا' لہٰذا یہ مارپیٹ بہت ہلکی ہونی چاہئے۔ یعنی یہ ضرب **"ضربا غیرمبرح"** ہو یعنی وہ مار جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو (فرمان نبوی ﷺ' صحیح مسلم)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "اگر وہ تمہارے کسی جائز حکم کی نافرمانی کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو۔ منہ پر نہ مارا جائے اور گالم گلوچ بھی نہ کی جائے۔" یعنی ایسی مار نہ ہو جس سے جسم پر کوئی نشان پڑے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مسواک یا اس جیسی کسی چیز سے مارا جائے۔ نبی ﷺ پاک کا ارشاد ہے: "تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے جس طرح اونٹوں کو مارا جاتا ہے۔ پھر رات کو اسی سے مجامعت کرنے لگ جائے۔" (بخاری)

یہ سزا صرف اس نافرمانی پر دی جا سکتی ہے جو مرد کے جائز حقوق سے متعلق ہو' نہ یہ کہ مرد اپنے ہر جائز و ناجائز حکم کی اطاعت پر اصرار کرے۔ پھر قصور اور سزا کے درمیان بھی تناسب ہونا ضروری ہے۔ زیادتی پر سرکشی کی نسبت سے زیادہ سزا دینا ظلم ہے۔ جس قصور پر نصیحت کافی ہے وہاں ترک کلام ناجائز ہے' جہاں ترک کلام سے بات بن سکتی ہے وہاں خوابگاہ الگ کرنا غلط ہے اور جہاں خوابگاہ الگ کرنا کافی ہے وہاں مارنا ظلم میں شمار ہو گا۔ اگر مرد ان ہدایات سے ہٹ کر وحشیانہ طریقہ سے عورت کو مارنا پیٹنا شروع کر دے تو خود اسلامی قانون اس کے خلاف عورت کی چارہ جوئی کرے گا۔

امام نووی شرح صحیح مسلم میں بیان کرتے ہیں کہ شریعت نے جس حد کے اندر عورت کو مارنے کی اجازت دی ہے اگر اس سے بھی عورت انتقال کر جائے تو شوہر کے خاندان والوں (عاقلہ) پر دیت واجب ہو جائے گی جبکہ اس قتل خطا کا کفارہ تنہا شوہر کو برداشت کرنا ہو گا۔ (واضح رہے کہ قتل خطا میں دیت بھی ہے اور کفارہ بھی) صفحہ 297' نووی' شرح صحیح مسلم) اس قتل کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے علاوہ ہے۔ (بحوالہ سورۃ النساء:93)

❏ خاوند کی بدسلوکی کا علاج:

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے: وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء:128)

"اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے بدسلوکی اور بے رخی کا اندیشہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں آپس میں کسی طرح صلح کر لیں اور یہ صلح ہی (بہرحال) بہتر ہے۔①

شریعت نے ایک طرف مرد کو عورت کی کمزوریوں سے درگزر کرنے کی تلقین کی ہے تو دوسری طرف عورت کو کہا جا رہا ہے کہ شوہر سے صف آرائی کی جگہ صلح صفائی کی امکانی کوشش کرے۔ مرد اس سے بے رخی کر رہا ہے یا اس سے زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے تو اپنے کچھ حقوق سے دست بردار ہو کر مرد سے بنائے رکھنے کی کوشش کرے۔ بچوں کی خاطر' اپنے گھر کی خاطر کچھ محرومیاں قبول کر لے۔ نان نفقہ' لباس شب باشی وغیرہ کے اس کے جو حقوق ہیں ان میں کچھ کمی گوارا کر لے' کیونکہ قرآن پاک کے الفاظ میں دونوں میں تفریق ہو جانے کے مقابلے میں (وَالصُّلْحُ خَيْرٌ) صلح ہو جانا ہی بہتر ہے۔ اس حکم کا مقصد عورت کی تحقیر ہرگز نہیں ہے بلکہ ایک اصلاحی قدم ہے۔ یہ ایک اخلاقی ہدایت ہے عورت کے لئے کہ اپنے گھر بنائے رکھنے کی خاطر یہ چارہ کار بھی کر دیکھے۔ ممکن ہے کہ اسی سے معاملات سدھر جائیں اور علیحدگی کی نوبت نہ آنے پائے:

دونوں طرف سے ثالث اصلاح کی کوشش کریں:

اگر میاں بیوی کے درمیان جھگڑا بڑھ جائے اور ان کے تعلقات بگڑنے لگیں تو پھر حکم یہ ہے کہ دونوں طرف کے ذمہ دار حضرات سر جوڑ کر بیٹھیں اور ان کے اختلافات دور کرانے کے لئے پوری کوشش کریں' ایک ثالث مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک ثالث عورت کے رشتہ داروں میں سے۔ اگر خلوص ہو تو انشاء اللہ ا مسائل کے حل کی کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ○

"اگر تم لوگوں کو میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک حکم عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان اصلاح کی صورت نکال دے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔"

(النساء:35)

ممکن ہے کہ ان رشتہ دار ثالثوں کی مصالحت مفید ثابت ہو اور معاملات بگڑنے سے بچ سکیں' یہ

تدبیر ہمارے معاشرے کا بہترین معمول رہی ہے۔ خصوصاً دیہاتی ماحول میں گھروں کے بے شمار تنازعات اسی طرح نمٹائے جاتے ہیں۔

☐ اگر طلاق ناگزیر ہو جائے تو:

طلاق کے سلسلے میں بھی اسلام نے اس قدر اصلاحی اقدامات کئے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت غور و خوض کے لئے مل سکے' یہ اصلاحی پابندیاں درج ذیل ہیں:

(1) طلاق کی تعداد مقرر کر دی:

عرب کے لوگ اپنی عورتوں کو بے شمار طلاقیں دیتے اور پھر دوران عدت رجوع کر لیتے' جس سے عملاً عورت بڑی خستہ حال رہتی۔ طلاق دینا پھر رجوع کر لینا' پھر طلاق دینا اور دوران عدت رجوع کر لینا ان کے لئے ہنسی کھیل تھا' مگر عورت شوہر والی ہونے کے باوجود عموماً معلق ہی رہتی۔ قرآن پاک نے اس زیادتی کا سخت نوٹس لیا کہ صرف دوبار طلاق رجعی دی جا سکتی ہے۔ طلاق رجعی وہ طلاق ہے جس میں آدمی کو دوران عدت رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ (البقرہ:229)

"طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر یا تو بھلے طریقے سے روک لیا جائے یا پھر شریفانہ طریقے سے چھوڑ دیا جائے۔"

دو کے بعد اگر تیسری طلاق دے دی تو بیوی جدا ہو جائے گی' اور مسئلہ مشکل بن جائے گا۔

(2) رجوع کی مدت مقرر کر دینا:

دور جاہلیت میں رجوع کے لئے کوئی مدت مقرر نہ تھی' بسا اوقات مرد دو دو سالوں تک عورتوں کو لٹکائے رکھتا۔ پھر مدت بعد اس سے رجوع کر لیتا' اس طرح عملاً نہ تو وہ عورت کے حق ادا کرتا نہ اسے اپنے سے جدا کرتا۔

اسلام نے اس زیادتی کا ازالہ کرنے کے لئے ایک مدت مقرر کر دی' جس کے دوران عورت سے رجوع ہو سکتا ہے' اس مدت کا نام عدت ہے۔ عدت کے اندر رجوع کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ مرد کو کرنا ہے' اگر اس نے رجوع نہیں کیا تو عورت خود بخود اس سے آزاد ہو گئی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ--- وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا(البقرہ:228)

"جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے' وہ تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں-- اگر ان کے شوہر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس مدت میں وہ ان کو پھیر لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔"

(البقرہ:228)

یہ اس جوان عورت کا ذکر ہے جسے حیض (ماہواری) آتی ہو۔ جو عورتیں کم سنی' بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے حیض سے دوچار نہ ہوں' ان کی عدت تین ماہ اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے:

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:4)

"اور تمہاری جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہوں' اگر تمہیں ان کے بارے میں شبہ ہو تو پھر (جان لو) کہ ان کی عدت تین ماہ ہے اور یہی حکم ان عورتوں کے لئے ہے جن کو ابھی حیض نہ آیا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کا حمل وضع ہو جائے۔"

جن عورتوں کا نکاح ہو گیا مگر ابھی خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہو گئی تو ان کی کوئی عدت نہیں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا (الاحزاب:49)

"اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے' جس کے پورے ہونے کا تم ان سے مطالبہ کر سکو۔"

یہ مختلف عورتوں کے لئے عدت مختلف ہے' مگر اس عدت اور طلاق رجعی کا جو فائدہ ہے وہ یہی ہے کہ اس پورے عرصہ میں از سر نو غور و فکر کا موقع مل جائے' اس طرح یہ بھی اجازت ہے کہ ان دونوں طلاقوں کے درمیان چاہے عدت کے اندر رجوع کرے' چاہے عدت گزرنے کے بعد' زوجین غلطی محسوس کریں تو از سر نکاح کر کے پھر باہم مل بیٹھیں۔

طلاق کے اعداد و شمار اٹھا کر دیکھ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلامی ممالک میں طلاق کی شرح دوسرے ممالک کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے' یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اسلام کا قانون طلاق دنیا کے لئے رحمت ہے اور زحمت کا اس میں نام تک نہیں۔ تاہم جوں جوں مغربی تہذیب اسلامی ممالک میں پھیل رہی ہے اس کی وجہ سے طلاق میں کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔

پھر طلاق دینے کا جو مسنون طریق کار ہے وہ بھی طلاق کی شرح کو کم کرنے میں معاون ہے۔ چنانچہ طریقہ کار میں ان ہدایات کا لازمی طور پر خیال رکھا جانا چاہئے:

(3) طلاق حیض کی حالت میں نہ دی جائے:

چونکہ حیض کی حالت عموماً بیماری ہی کی ایک کیفیت ہے' اس دوران عورتیں چڑچڑی اور بد مزاج ہو جاتی ہیں' بسا اوقات اس کیفیت میں ایسی باتیں ان سے سرزد ہونے لگتی ہیں جو مرد کو پسند نہ ہوں بلکہ خود عورتیں بھی عام حالات میں ان کو پسند نہ کریں' اس لئے حیض کے دوران طلاق دینے

سے منع کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں اس دوران مرد اور عورت کے درمیان جنسی تعلق برقرار نہیں رہ سکتا' جو دونوں کی باہمی محبت و دلچسپی کا ذریعہ ہے' لہٰذا اس کیفیت میں بدمزگی پیدا ہو جانا کوئی ناممکن بات نہیں طلاق دینے سے روکا گیا ہے۔

علاوہ ازیں مرد کو پابند کیا گیا ہے کہ حیض کے بعد حالت طہر میں یعنی پاکیزگی کی کیفیت میں ہم بستری کئے بغیر ایک طلاق دے۔ طہر میں ہم بستری کئے بغیر طلاق دینے میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ مثلاً عورت کا غیر حاملہ ہونا واضح رہے گا۔ پھر عام حالات تو مرد چاہتا ہے کہ عورت کے ایام سے فارغ ہونے کے فوراً بعد وہ ہم بستر ہوں' جس سے ان کے بہت سے اختلافات خود بخود ختم ہونے لگتے ہیں یا ان میں کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ اس لئے ہدایت کی گئی ہے کہ حالت طہر میں جنسی وظیفہ ادا کئے بغیر طلاق دی جائے' یہ ایک مشکل کام ہے' مرد اسی وقت اس شرط میں پورا اتر سکتا ہے جبکہ فی الواقع اس کو عورت سے نفرت پیدا ہو چکی ہو' یا اس نے طلاق کا پورا فیصلہ کر لیا ہو۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کے زمانہ میں طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ سن کر ناراض ہوئے' پھر آپؐ نے فرمایا: "اسے کہو کہ اس سے رجوع کرے اور اسے اپنے پاس رکھے۔ جب وہ دوبارہ حیض سے پاک ہو اور وہ اسے طلاق دینا چاہتے ہوں تو ہم بستری سے قبل طہارت کی حالت میں طلاق دے۔" (بخاری' مسلم)

بہتر تو یہ ہے کہ صرف ایک طلاق پر اکتفا کیا جائے اور عدت گزر جانے دی جائے اور اگر دوسری طلاق دینا ہی ہو تب دوسرے طہر میں بغیر مباشرت کے دی جائے' صحابہ کرامؓ بھی ایک طلاق کے بعد عدت گزر جانے دیتے تھے۔ اسی کو طلاق کا بہترین طریقہ شمار کیا گیا ہے۔

عدت کے دوران عورت شوہر ہی کے گھر رہے گی:

طلاق کے بعد جب تک عدت پوری نہ ہو جائے مرد عورت کو گھر سے نہیں نکال سکتا' الا یہ کہ عورت سے کوئی بے حیائی کا فعل سرزد ہو جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ
(الطلاق:10)

"زمانہ عدت میں عورت کو گھر سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں' الا یہ کہ وہ کسی صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں۔"

عدت کے دوران عورت کو اپنے ہاں رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایک ساتھ رہنے

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف مائل ہو جائیں اور کوئی اصلاح کی شکل نکل آئے۔

عدت میں رجوع کرنے کا اختیار:

ایک یا دو طلاق کی شکل میں عدت کے دوران مرد کو رجوع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس دوران عورت کو شوہر کی خدمت کرنا' اس کا حکم ماننا ضروری ہے بلکہ اسے زیب و زینت اختیار کرنی چاہئے تاکہ مرد کا دل اس کی طرف مائل ہو سکے۔ عدت کے دوران رجوع کر لے یا عدت گزرنے پر دوبارہ نکاح کر سکے۔ اگر رجوع کی شکل بنے یا نکاح کی دونوں شکلوں میں تاکیدی حکم حسن سلوک کا ہے۔ قرآن پاک میں سورہ بقرہ' آیت 231 میں ارشاد ہوتا ہے: **وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا** "ظلم و زیادتی کی خاطر ان کو نہ روکنا بلکہ " انہیں روکنا ہے تو معروف طریقے سے روکو یا پھر بھلے طریقے سے ان کو رخصت کر دو" (بقرہ:231) لہٰذا پیار' محبت اور حسن سلوک سے رہنے کی نیت ہے تو رجوع کر لیں۔ یہ رجوع ستانے یا تنگ کرنے کی خاطر نہ ہو' وگرنہ پھر ان کو اچھے انداز سے رخصت کر دو۔

□ رخصتی کے موقع پر حسن سلوک:

حکم ربانی ہے:

سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (بقرہ:231) **"ان کو بھلے طریقے سے رخصت کرو۔" عورت کو طلاق اور عدت کے مراحل سے فارغ ہونے پر رخصت کرنے کے لئے "تسریح" یا "سراح" کے الفاظ آئے ہیں' جن کا مطلب ہے روانہ کرنا۔**

طلاق پر خوشی کا اظہار کرنا شیطانی کام ہے۔ مگر دلوں میں غمی ہونے کے باوجود یہ معاملہ معروف طریقے سے نبٹایا جائے۔ ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے جس سے عورت یا اس کے لواحقین کی دلآزاری ہو۔ اگر مہر واجب الادا ہو تو ادا کیا جائے۔ اگر پہلے ادا کیا جا چکا ہے تب بھی اسے کچھ تحفے تحائف دیئے جائیں' دیا ہوا مال واپس نہ لیا جائے۔ پھر عدت پوری ہو چکنے کے بعد عورت کے نکاح ثانی میں حائل نہیں ہونا چاہئے' نہ ہی اسے گھر میں زبردستی روکا جائے اور نہ اس پر کوئی الزام تراشی کی جائے۔ معروف طریقے سے رخصت کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب کبھی وہ بعد میں ایک دوسرے کو یاد کریں تو اچھے انداز میں یاد کریں' ناگوار یادیں دل میں لئے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ اسلام مومن کے گھربار کی بہت عزت و حرمت ملحوظ رکھتا ہے' اس کی بے حرمتی اسلام کو کسی حال میں گوارا نہیں۔ کاش! مسلمان خود بھی اپنی اور خاندان کی عزت و حرمت کا اتنا خیال رکھتے!

(7) آخری طلاق:

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (بقرہ: 230)

"پھر اگر مرد عورت کو طلاق دے دے تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہے یہاں تک

کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کر لے"۔ ②

پہلی دو طلاقیں تو رجعی تھیں، مگر ان کے بعد اب یہ تیسری طلاق مغلظ ہو گئی۔ یعنی اب نہ تو شوہر کو رجوع کا حق باقی رہا اور نہ تجدید نکاح کا بلکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کامل طور پر جدا ہو گئے۔ تاوقتیکہ اس کا نکاح کسی اور سے ہو کر فرقت واقع نہ ہو جائے۔ اس طرح قرآن اور سنت کے مطابق طلاق دینے کا مناسب طریقہ کار بھی یہی ہے کہ پہلی ہی طلاق پر اکتفا کرے۔ صحابہ کرامؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ لیکن اگر بالفرض دوسری طلاق بھی دینا چاہتا ہے تو دوسرے طہر میں دے، پھر تیسری بھی دینا چاہتا ہے تو وہ تیسرے طہر میں دے۔ رہی یہ صورت کہ بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں تو یہ جاہلوں کا طریقہ ہے، شریعت کی رو سے سخت گناہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت زیادہ مذمت بیان فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ بیک وقت تین طلاقیں دینے والے شخص کو درے لگوایا کرتے تھے۔

نسائی کی ایک روایت مشکوٰۃ میں موجود ہے کہ ایک شخص نے یکدم تین طلاقیں دے ڈالیں تو نبی پاکؐ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا: "کیا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق کرتا ہے، جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟" اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا میں اس (اللہ تعالیٰ سے مذاق کرنے والے شخص) کو قتل کر دوں؟" آپؐ نے فرمایا: "نہیں۔"

❏ تین طلاقوں کا مسئلہ:

اب مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالیں تو کیا اسے رجوع کا حق حاصل ہو گا یا یہ طلاقیں بائن ہوں گی اور وہ رجوع کا اختیار نہیں رکھتا؟ تو احناف کے نزدیک بلکہ عام فقہاء کے نزدیک بھی یہ بائن ہوں گی اور رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا۔

اصل میں ایک مجلس میں تین طلاقیں وقتی غصہ اور ناگواری کی وجہ سے دی جاتی ہیں، دوسری وجہ دین کے احکام سے ناواقفیت ہے۔ شریعت نے اس مسئلہ پر اتنے غور و خوض کے مواقع دیئے ہیں، مگر انسان اپنے وقتی غصہ کی وجہ سے اپنے پر خود ہی کاٹ لیتا ہے۔ اگر شریعت کے احکام پر پوری طرح عمل درآمد ہو تو یہ پیچیدگیاں پیدا نہ ہوں جو عجلت اور جلد بازی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

بعض لوگوں نے تیسری طلاق کے بعد والے مسئلہ کے لئے اس طرح کا حیلہ ڈھونڈا ہے کہ جس عورت کو تین بار طلاق دینے کے بعد کوئی شخص نادم ہوا اور پھر اس سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اس عورت کا نکاح کسی اور شخص سے کرا دے اور پھر کچھ دے دلا کر اس کو طلاق بھی دلوا دے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف وضاحت فرمائی ہے کہ تحلیل کے لئے خلوت صحیحہ کی شرط لازمی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "وہ اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک دوسرا شوہر اس عورت سے اور وہ عورت دوسرے شوہر سے لطف اندوز نہ ہو لے۔" (حقوق الزوجین، صفحہ 58)

پھر جو شخص محض اپنی مطلقہ کو اپنے لئے حلال کرنے کے لئے کسی اور سے اس کا نکاح کروائے اور جو اس غرض سے نکاح کرے' دونوں پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ (ابوداؤد' ترمذی)

"اللہ کی لعنت ہو اس پر جو حلالہ نکالے اور اس پر بھی جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہو۔"

فی الواقع اس طرح کے نکاح اور زنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس صریح حرام اور شرمناک حیلے کا فتویٰ دینے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ اس کے برعکس نبی پاکؐ کے عہد اور ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوتی تھیں۔ لہٰذا ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق شمار کی جائے۔ (صحیح مسلم' عن ابن عباسؓ)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو یک دم تین طلاقیں دے دیں۔ پھر انہیں بہت افسوس ہوا' نبی پاکؐ سے ذکر فرمایا تو آپؐ نے فرمایا کہ تو نے یہ طلاق کیسے دی؟ (وہ بولے کہ بخدا! میری نیت ایک ہی طلاق کی تھی' آپؐ نے فرمایا کہ تیری نیت ایک ہی طلاق کی تھی؟ انہوں نے عرض کیا: "جی ہاں! (میری نیت ایک ہی طلاق کی تھی)" تو نبی پاکؐ نے فرمایا: "یہ ایک ہی ہے۔ اگر تو چاہے تو رجوع کر لے۔" (مسند احمد) پس ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر رکانہ نے رجوع کر لیا۔

جو شخص ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیتا ہے اور اس کی نیت ایک ہی طلاق کی ہوتی ہے ظاہر ہے اس کے پیچھے وقتی غصہ کام کر رہا ہوتا ہے' وہ کوئی غور و خوض کر کے طلاق نہیں دیتا جبکہ شریعت کا منشاء یہی ہے کہ طلاق سوچ سمجھ کر دی جائے۔ لہٰذا اہل حدیث فقہاء کے نزدیک یہ ایک رجعی طلاق ہے اور حلالہ کے حیاء سوز اور گندے طریقے کے مقابلے میں یہ مسنون طریقہ بہت ہی راحت بخش اور پیچیدگیوں کو دور کرنے والا ہے' **وللہ الحمد!**

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق دور نبویؐ ' دور صدیقیؓ اور دور فاروقیؓ کے ابتدائی دو تین سالوں تک حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق پوری امت میں ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔

نبی پاکؐ کے دور میں جب ایک آدمی نے اپنی بیوی کو یکدم تین طلاقیں دیں تو آپؐ مارے غصے کے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ سے یہ مذاق کیا جاتا ہے۔ آپؐ کے غصے کو دیکھ کر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟ مگر آپؐ نے قتل کرنے کی اجازت نہ دی۔

اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا شرعی نقطہ نظر سے کتنا بڑا گناہ

اور مکروہ فعل ہے۔ مگر دور جاہلیت کی یہ مکروہ عادت نبی کریمؐ کی وفات کے بعد پھر عود کر آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی اس بدعادت کو چھڑانے کے لئے تین طرح کے اقدامات کئے:(گو وہ خود ایک مجلس کی تین طلاق میں ایک رجعی طلاق ہی واقع ہونے کے قائل تھے)③

① وہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے والوں کو بدنی سزا بھی دیتے تھے۔

② ایک مجلس کی تین طلاق کو انہوں نے تین ہی شمار کرنے کا قانون نافذ کر دیا۔

③ جب لوگوں نے اپنی عادت پر کنٹرول کرنے کے بجائے حلالہ کی باتیں کرنا شروع کر دیں تو آپؓ نے حلالہ نکالنے اور نکلوانے والے دونوں کے لئے رجم کی سزا مقرر کر دی' اس طرح یہ فتنہ کچھ مدت کے لئے دب گیا۔ گویا دور فاروقیؓ میں بھی اس کار معصیت کی اصلاح اس طرح ہوئی کہ حلالہ کے دروازہ کو سختی سے بند کر دیا گیا تھا۔

مگر آج صورت حال بالکل مختلف ہے۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا جرم سمجھا ہی نہیں جاتا بلکہ جہالت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ عوام تو درکنار خواص بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جدائی کے لئے تین طلاق دینا ضروری ہے۔ حالانکہ طلاق کی بہترین اور مسنون صورت یہی ہے کہ صرف ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دیجائے۔ تاکہ عدت گزرنے کے بعد اگر زوجین کی پھر خواہش ہو تو وہ تجدید نکاح کر سکیں یا اگر زیادہ ہی نفرت اور بگاڑ پیدا ہو چکا ہو تو پھر تین طہروں میں الگ الگ طلاق دے کر اپنی حسرت پوری کر لیں۔

آج کے دور میں یکبارگی تین طلاق دینے والے کو کوئی بدنی سزا نہیں دی جاتی' کوئی اسے اس کے گھناؤنے جرم اور کتاب اللہ کے ساتھ مذاق جیسے قبیح فعل کا احساس نہیں دلاتا۔ کوئی تو اسے حلالہ کی راہ دکھا دیتا ہے۔ (گویا جرم مرد کرے مگر اس کی سزا بیوی کو ملے جو بے قصور ہے۔) اور کوئی اسے ایک طلاق رجعی کی خوشخبری سنا کر مطمئن کر دیتا ہے۔ اسے کچھ نہ کچھ سزا ضرور دی جائے تاکہ اسے اپنے فعل شنیع کا احساس ہو۔ حضرت عمرؓ کی یہی سنت ہے کہ حلالہ کرنے والے اور کرانے والے کو رجم کی سزا دیتے تھے اور تین طلاقیں یکدم دینے والے کو کچھ بدنی سزا دیتے تھے۔

تین طلاق کو ایک طلاق رجعی قرار دینے والے فقہاء:

یہ گروہ حضرت عمرؓ کے فیصلے کو وقتی اور تعزیری مانتے ہیں اور سنت نبویؐ کو ہر زمانے کے لئے معمول سمجھتے ہوئے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی شمار کرتے ہیں' اس گروہ میں ظاہری' اہلحدیث' شیعہ اور آئمہ اربعہ کے بعض علماء شامل ہیں۔④

بہرحال موجودہ دور کے علمائے احناف نے اس مسئلہ پر خوب غور و خوض کیا۔ اس مقصد کے لئے

احمد آباد میں نومبر 1973ء میں "ایک مجلس کی تین طلاق" کے موضوع پر سیمینار منعقد ہوا۔ اس میں فاضل علماء احناف نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک قرار دینے کی سفارش کی۔ آجکل مندرجہ ذیل ممالک میں ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک رجعی طلاق شمار کرنے کا قانون نافذ کردیا گیا ہے:

(1) مصر 1929ء میں' (2) سوڈان 1935ء میں' (3) اردن 1951ء میں' (4) مراکش 1958ء میں' (5) عراق 1959ء میں (6) پاکستان 1962ء میں۔

چونکہ یہ فتویٰ (یک بارگی تین طلاق کو تین ہی شمار کرنا) ایک تو سنت کے خلاف تھا' دوسرا انسانی فطرت کے بھی خلاف تھا۔ لہٰذا خود کچھ علمائے احناف ان کے اس فتویٰ سے متفق نہیں ہیں۔ مثلاً دور حاضر میں 1۔ مولانا اشرف علی تھانوی'

2۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی 3۔ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی 4۔ مولانا محمد عبدالحلیم قاسمی صدر علمائے احناف پاکستان 5۔ مفتی حبیب المرسلین' مدرسہ امینیہ دہلی' 6۔ مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی فاضل دیوبند' 7۔ پیر کرم شاہ ازھری' مدیر ماہنامہ "ضیائے حرم" بھیرہ⑤

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام واقع حیدر آباد دکن) لکھتے ہیں:

"مگر ہمارے زمانے میں جہالت اور ناواقفیت اور شرعی تعلیمات سے دوری کے باعث صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ طلاق واقع ہی اس وقت ہوتی ہے جب تین بار طلاق کا لفظ کہا جائے۔ ان حالات میں مناسب ہو گا کہ جہاں صرف لفظ طلاق کا تکرار ہو اور تاکید کا معنی مراد لیا جا سکتا ہو ایک ہی طلاق واقع قرار دی جائے اور قضاءً بھی اس شخص کی نیت کا اعتبار کیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء نے اس مسئلہ میں پیش قدمی کی ہے اور فتاویٰ میں اس کی رعایت شروع کردی ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو۔ (آگے فتویٰ کا سوال وجواب تفصیلاً لکھا ہے)

پھر آگے چل کر مولانا سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کے دوسرے دارالافتاء اور اہل علم بھی اس کے مطابق فتوے دیا کریں' اس لئے کہ قریب قریب پورے ملک کا عرف یہ ہے کہ لوگوں نے ناواقفیت کی وجہ سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب تک تین طلاق کا لفظ استعمال نہ کیا جائے طلاق واقع ہی نہ ہو گی۔"

(جدید فقہی مسائل' صفحہ 423 تا 425)

❑ مطلقہ کے معاشی مسائل

عموماً بات اس اندازے سے کی جاتی ہے کہ اب مطلقہ بیچاری کیا کرے' اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کیسے پالے؟ ان کا مستقبل بالکل تاریک ہو گیا! لہٰذا مرد کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنی مطلقہ کو نان نفقہ ادا کرے۔ چنانچہ 55ء کے عائلی قوانین کے کمشن

کے سوالنامہ میں یہ سوال دیا گیا تھا: "کیا ازدواجی وعائلی عدالت کو مطلقہ کے مطالبہ پر یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ مطلقہ کو تاحین حیات یا تاعقد ثانی نفقہ دلوائے؟"

یہ سوال بھی اعتراض برائے اعتراض ہے' وگرنہ اسلام کا پورا کفالتی نظام موجود ہے۔ وہ ہر مرحلہ پر ہر حالت میں عورت کی کفالت کا بندوبست کرتا ہے۔ یہاں تفصیلا" اس سارے مسئلے پر بحث کی جا رہی ہے۔

❑ متجدّدین کا مطالبہ

اصل بات یہ ہے کہ مغربی تمدن اور اہل مغرب کے طور طریقے بعض حضرات کے لئے ایک آئیڈیل کا درجہ رکھتے ہیں' وہاں چونکہ یہی قانون رائج ہے کہ عورت مرد سے طلاق لینے (یا اسے طلاق دینے' کیونکہ وہاں عورتیں ازروئے قانون اسی طرح مردوں کو طلاق دے سکتی ہیں جس طرح مرد عورتوں کو دیتے ہیں) کے بعد بھی اس سے خرچہ وصول کرتی رہتی ہے اور تاحین حیات اس سے لطف اندوز ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے روشنی و ترقی کا تقاضا یہی ہے کہ اسی اصول کو یہاں بھی نافذ کیا جائے۔ چنانچہ کبھی تاحین حیات نفقہ یا تاعقد ثانی نفقہ ادا کرنے کی بات کی جاتی ہے تاکہ طلاق دینے والے کو طلاق دینے کے جرم کی قرار واقعی سزا دی جا سکے' کبھی اس کی جائیداد میں عورت کو طلاق کے باوجود حصہ دار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور کبھی یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ جتنے سال انہوں نے ازدواجی زندگی گزاری ہے' اتنے مہینے شمار کر کے اس حساب سے مرد اپنی مطلقہ کو نفقہ ادا کرے تاکہ اس مصیبت زدہ عورت کی کوئی تلافی ہو سکے۔⑥

سوال یہ ہے کہ جہاں طلاق واقع ہو گئی' عدت ختم ہو گئی' دونوں میں کامل جدائی ہو گئی' اب وہاں عورت کو نفقہ ادا کرنے کا پابند کر کے کس تہذیب و تمدن کو رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے؟

ازروئے اسلام مطلقہ کا بار سابق شوہر پر کچھ صورتوں میں پہلے ہی موجود ہے:

(1) قرآن وحدیث میں وہ صورتیں معین کر دی گئی ہیں' جن میں ایک مطلقہ عورت طلاق دینے والے شوہر سے نفقہ پانے کی حقدار ہوتی ہے اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ وہ ان مختلف صورتوں میں کتنی دیر کے لئے حقدار ہے۔ مثلاً پہلی دو طلاقوں میں چاہے رجعی ہوں یا بائن' عدت تک عورت کو نفقہ اور رہائش دونوں ملیں گے۔ (الطلاق:6)

(2) اگر مطلقہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک رہائش و نفقہ کی حق دار ہے۔

(3) اس کے بعد اگر وہ بچے کو دودھ پلاتی ہے تو اس دوران بچے کے اخراجات اور ماں کے اخراجات دونوں باپ کے ذمہ ہوں گے۔

(4) اپنی ساری اولاد بھی عورت اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔ اگر لڑکا ہے تو سات سال تک اور لڑکی ہے تو نو برس تک یا ایک قول کے مطابق بالغہ ہونے تک اپنے پاس رکھ سکتی ہے' اور اس چھوٹی اولاد کے جملہ اخراجات بھی باپ کے ذمہ ہوں گے۔ عورت صرف اسی صورت میں ان اخراجات سے

محروم ہو سکتی ہے جب کہ وہ کسی ایسے مرد سے نکاح کرے' جو اولاد کے لئے اجنبی اور غیر محرم ہو اور سابق خاوند یہ مطالبہ کرے کہ میری اولاد مجھے واپس دلائی جائے۔

مطلقہ کو اس کے علاوہ سابق شوہر کی جائیداد کا وارث بنانا یا اس کے اخراجات کا پابند بنانا کسی طرح بھی کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اس غرض کے لئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر 241 پیش کرتے ہیں:

لِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ۔

"طلاق یافتہ عورتوں کو دستور کے مطابق متاع دنیا اہل تقویٰ پر لازم ہے۔"

مطلقہ کا نفقہ ادا کرنے کے خلاف دلائل:

(1) طلاق پانے کے بعد مرد وعورت دونوں ایک دوسرے کے لئے قطعاً اجنبی ہو چکے ہیں' اور طلاق مغلظ میں یہ اجنبیت اور بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ (کیونکہ عام عورتوں سے تو نکاح ہو سکتا ہے مگر یہاں ایک کڑی شرط نکاح میں حائل ہے اور وہ یہ کہ جب تک غیر سے نکاح نہ کرلے اور پھر دوسرے شوہر کی وفات یا اتفاقاً طلاق کے ذریعہ جدائی نہ ہو جائے) لہٰذا مرد ایک غیر اور اجنبی کو کس بناء پر نفقہ ادا کرے؟۔ خود عقل بھی یہ نہیں مانتی کہ ایک شخص جو ایک عورت کو طلاق دے چکا ہے اور اب اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانے کا حقدار نہیں ہے' اس کو تازندگی یا تاعقد ثانی اس کے مصارف کا بار اٹھانے پر کیوں مجبور کیا جائے۔ کوئی خوددار یا شریف عورت خود بھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ ایک غیر شخص جو اب اس کا شوہر نہیں رہا سے اخراجات وصول کرے۔ یہ شریف خواتین کی توہین کے مترادف ہے۔

(2) طلاق کے بعد جس طرح عورت تمام ازدواجی ذمہ داریوں سے فارغ ہو گئی ہے' اس طرح مرد بھی ان ذمہ داریوں سے فارغ ہونا چاہتا ہے۔ اگر سابقہ بیوی کا نفقہ اسی طرح اس کے ذمہ رہے تو پھر اس کو طلاق دینے میں فائدہ کیا ہوا؟ کیا اس سے بہتر نہ تھا کہ وہ طلاق ہی نہ دیتا بلکہ اس کو معلق چھوڑ دیتا اور عملاً اس کو تمام حقوق سے محروم کئے رکھتا؟ طلاق کے بعد بھی مرد پر نفقہ کو لازم قرار دینے کا یہ منطقی نتیجہ نکلے گا کہ مرد طلاق کا راستہ چھوڑ کر ایسی عورت' جسے وہ بسانا نہ چاہتے ہوں' کو معلق چھوڑ دیں یا معلق چھوڑنے پر مجبور کر دیئے جائیں۔ کیونکہ مرد نے اپنا دوسرا نکاح بھی کرنا ہے' اس کے مہر اور دیگر اخراجات بھی کرنے ہیں۔ اگر وہ پہلی کے نفقہ سے ہی فارغ نہیں ہو پاتا تو عقد ثانی کے اخراجات کیسے پورے کرے گا۔ لہٰذا وہ دوسرا نکاح کرے گا تو اس کے اخراجات برداشت کرے گا اور پہلی کو معلق چھوڑ دے گا۔ یا پھر دوسری مشکل یہ ہے کہ اس کو طلاق دے کر اسی کا نفقہ ادا کرتا رہے اور دوسرے نکاح کا بوجھ نہ اٹھا سکنے کی بناء پر تجرد اختیار کرے۔ مگر اس میں قباحت یہ ہے کہ اس طرح

مرد کے بے راہرو ہونے کا ڈر ہے۔ اس طرح بے حیائی اور حرامکاری کا راستہ کھلتا ہے۔

(3) دونوں طلاق کے بعد ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہو جاتے ہیں' لیکن اگر نفقہ کا راستہ کھلا رہے تو یہ معاشی مسئلہ حل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ دراصل دونوں کے تعلقات کھلے رکھنے کا ایک دروازہ ہے۔ آہستہ آہستہ ملاقاتیں شروع ہوتی ہیں' بے تکلفی بڑھتی ہے اور پھر وہ سب کچھ ہونے لگتا ہے جو نہیں ہونا چاہئے۔ متعدد ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ طلاق کے بعد بھی وہ جنسی تعلقات میں ملوث پائے جاتے ہیں۔

(4) اس کا ایک اور نقصان یہ ہے کہ جب عورت کو پتہ ہے کہ اس کو طلاق کے بعد بھی نفقہ ملتا رہے گا تو وہ بات بات پر طلاق کا مطالبہ کرنے لگتی ہے اور جب وہ تفویض طلاق کا حق بھی لے چکی ہوں اور نفقہ کا بھی منوا چکی ہوں تو اندازہ کیجئے کہ اس سے طلاقوں کی شرح یکدم کس طرح بڑھ جائے گی۔

(یہ بھی طرفہ تماشا ہے کہ ایک طرف عورت اپنے لئے کمانے کا حق مانگتی ہے تاکہ مرد کی بالادستی سے نجات حاصل کر سکے' دوسری طرف طلاق کے بعد بھی وہ سابقہ شوہر سے نان نفقہ مانگتی ہے)

اصل بات یہ ہے کہ مدتوں ہندوانہ اور مسیحانہ تصور رہا ہے کہ رشتہ ازدواج دائمی ہے' یہ موت ہی سے ختم ہو سکتا ہے' اسی کے اثرات اب تک ان کے معاشروں میں موجود ہیں جن کی بناء پر وہ طلاق کے باوجود سابق شوہر کو مطلقہ کو ضروریات زندگی فراہم کرنے کا مکلف بناتے ہیں۔ اگر مسلم معاشرے میں بھی یہ بنیاد پڑ گئی تو پھر اسلامی معاشروں میں بھی گھروں کا امن و سکون غارت ہو کر رہ جائے گا جس طرح ہندو یا مغربی معاشروں میں ہو رہا ہے ⑦

اب جائیداد میں وارث بنانے کا مسئلہ بھی خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ جب طلاق کے ذریعے سے دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو چکے ہیں تو مطلقہ کی جائیداد میں وراثت کیسی؟ (ہاں! اگر عدت کے دوران مرد فوت ہو جائے تو عدت کی بناء پر عورت مرد کے ترکہ میں سے حقدار ہے' حضرت عبدالرحمان بن عوف ؓ نے اپنی اہلیہ کو طلاق دی تھی مگر عدت گزرنے سے قبل ان کا انتقال ہو گیا تو امیرالمومنین حضرت عثمان ؓ نے صحابہ کرام ؓ سے مشورہ کرنے کے بعد ان کی مطلقہ کو میراث میں سے حصہ دلایا) جائیداد میں سے حصہ دلانا تو اتنا دلچسپ لطیفہ ہے کہ اپنی مثال آپ ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد ہی اس کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے۔ زندگی میں مرد اپنی طلاق یافتہ عورت کو کس طرح جائیداد میں سے حصہ دے سکتا ہے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد وارثوں کو اس کے طلاق دینے کے قصور کا خمیازہ بھگتنا پڑے؟

اب رہی بات "متاع" دینے کی' جو کہ حکم قرآنی **متعوھن** سے اخذ کر کے' اس سے نفقہ کا حق کشید کیا جا رہا ہے کہ جب تک عورت زندہ ہے اس کو یہ متاع ملنا چاہئے۔ لہٰذا لفظ "متاع" سے کیا مراد ہے؟ یہ متعین کرنا ضروری ہے۔ امام راغب کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس سے کسی بھی نوعیت کا فائدہ اٹھایا

جائے متاع یا متعہ ہے۔ (المفردات فی غریب القرآن' مادہ متع)

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (الاحزاب:52)

"جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔"

الغرض متعہ یا متاع سے مراد وہ سامان ہے جس سے کچھ فائدہ اٹھایا جاسکے' قرآن پاک میں سورۂ البقرہ' آیت نمبر 236 **ومتعوھن** کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت اس صورت میں طلاق یافتہ عورت کو متاع دینے کا حکم دے رہی ہے جبکہ مہر طے نہ ہوا ہو اور خلوت سے قبل ہی ان کو طلاق دے دی جائے' اس شکل میں ان کو کچھ متاع دیکر رخصت کیا جائے۔ فقہائے احناف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ متاع مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہیں ہو سکتا' مگر پانچ درہم سے کم بھی نہ ہو (کیونکہ ان کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے) امام شافعیؒ کے مطابق صاحب حیثیت ایک خادم کا متاع دے' اوسط درجے کا آدمی ایک جوڑا کپڑے دے' کم از کم درجہ یہ ہے کہ تیس درہم یا اس کے برابر قیمت کی کوئی چیز دی جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میاں بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کم وبیش پر اتفاق کر لیں۔ قرآن پاک نے تو کہا ہے کہ صاحب حیثیت اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق دیں۔ دوسری جگہ فرمایا **مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ** کہ معروف کے مطابق دیں۔ ساتھ اس کو **حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ** اور دوسری بار **حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** فرمایا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ متقی اور محسن بننے کے لئے ہر مطلقہ کو کچھ نہ کچھ متاع دینا چاہئے' جو اپنی حیثیت کے مطابق عورت کی دل جوئی کے لئے ہو۔ اس متاع کو بڑھا کر پوری زندگی کا نفقہ قرار دینا ایک ایسی زیادتی ہے جس کی اس آیت کی رو سے قطعاً کوئی گنجائش نہیں نکلتی علاوہ ازیں جب عورت آزاد ہے' وہ مرد کے فائدہ کے لئے کچھ کرنے کی پابند نہیں تو پھر وہ نفقہ لینے کی مستحق کیسے بن سکتی ہے؟

طلاق یافتہ عورت کی کفالت کا مسئلہ؟

اسلام کا کفالتی نظام مکمل ہے' اس میں کہیں بھی کمی یا نقص نہیں ہے۔ اگر چودہ سو سال سے اس میں کوئی کوتاہی محسوس نہیں کی گئی تو آج یکایک یہ کوتاہی کہاں سے پیدا کر لی گئی؟ بہتر تھا کہ پہلے اسلام کے کفالتی نظام کا مطالعہ کر لیا جاتا' چنانچہ طلاق یافتہ عورت کا معاشی مسئلہ کئی طریقے سے حل ہو سکتا ہے:

(1) بعض اوقات عورت خود صاحب جائیداد ہوتی ہے۔ مہر' وراثت وغیرہ کے ذریعہ سے اس کی پوزیشن ایسی ہوتی ہے کہ وہ خود اپنا گزارا کر سکے۔

(2) بعض اوقات اس کا کوئی جائز ذریعہ معاش بھی ہو سکتا ہے۔ عورتیں گھروں میں سلائی کڑھائی

وغیرہ کا کام کر لیتی ہیں، بزازی کی دکان کھول لیتی ہیں، ملازمت بھی کر سکتی ہیں۔

(3) ایسی حالت میں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی طلاق یافتہ بچی کی کفالت کرلے، اگر باپ اس پوزیشن میں نہیں ہے، تو بھائی کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی بہن کا خرچہ برداشت کرے۔ چچا بھی یہ ذمہ داری اٹھا سکتا ہے۔ اگر اولاد جوان اور اہل ہے تو وہ والدہ کی کفالت کر سکتی ہے، بیت المال بھی اس کی مدد کر سکتا ہے۔

(4) لیکن اس مسئلہ کا جو اصل حل اسلام نے بتایا ہے وہ یہ ہے: **اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ** (النور:32) "تم میں سے جو لوگ مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو۔"

یہاں لفظ **ایامی** ہے جو لفظ **ایم** کی جمع ہے، جو اکیلے شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے چاہے وہ بیوی یا شوہر فوت ہو جانے یا طلاق ہو جانے کی بنا پر اکیلا ہو یا ابھی شادی ہی نہ ہوئی ہو، تو حکم یہ ہے کہ فوراً بر ملتے ہی ان کی شادی کر دو۔ ہمارے ہاں برصغیر پاک و ہند میں عورت کے لئے نکاح ثانی کو معیوب سمجھا جاتا ہے، لہٰذا مغرب زدہ خواتین کا سارا زور اسے تاحیات نفقہ دلانے پر ہے، جبکہ شریعت نے کسی کو کسی حال میں بھی مجرد رہنے کی اجازت نہیں دی۔ جب اس کا عقد ثانی ہو جائے گا تو دوسرا شوہر خود بخود اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہو گا۔ عرب ممالک میں اب بھی بیوہ یا مطلقہ کا کوئی مسئلہ ہی نہیں، وہاں فوراً ان کے دوسرے نکاح کر دیئے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ طلاق کی ناپسندیدگی، طلاق کا طریقہ کار، حکمین کی کوششیں ہر ایک قدم طلاق میں رکاوٹ ڈالنے والا اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دینے والا ہے۔ ان سب اقدامات کی وجہ سے عملاً اسلامی معاشرے میں شرح طلاق بہت کم ہے (لیکن جوں جوں مغربی انداز و اطوار اپنائے جا رہے ہیں، طلاق کی شرح بھی بڑھتی جا رہی ہے) پھر بھی اگر ایسا واقعہ پیش آ ہی جائے تو عقد ثانی کا حکم ہے۔

عورتوں کے حق میں یہ زریں ہدایات فی الواقع کائنات کے خالق و مالک اور عالم الغیب والشہادۃ ہی کی عطا کردہ ہیں، خود خالق ہی مخلوق کے تقاضوں کو بطریق احسن سمجھ سکتا ہے۔ بجا فرمایا باری تعالیٰ نے:

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (المائدۃ : ۵۰)

"یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ کے قانون سے بڑھ کر کس کا قانون اچھا ہو سکتا ہے!"

---

① مرد و عورت کے درمیان کامل مساوات کا مطالبہ کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ زیادتی جب خاوند کی ہو تو اس کے جواب میں عورت کو بھی پھر مرد کو مارنے اور پیٹنے کا اختیار ہونا چاہئے۔ یہ اعتراض بھی برائے اعتراض ہے۔ کیونکہ عورت جسمانی طور پر کمزور ہے، عموماً وہ خاوند کی پٹائی کر سکنے کی پوزیشن میں ہی نہیں ہوتی۔ مگر دوسری جو اس سے بڑھ کر حقیقت ہے کہ وہ ایسے خاوند کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھ ہی نہیں سکتی جو اتنا کمزور ہو کہ اس کے ہاتھوں پٹتا اور مار کھاتا رہے۔ لہٰذا عورت چاہے مغرب کی ہو یا مشرق کی، وہ

اپنے شوہر کو زدوکوب کرنا پسند ہی نہیں کرتی۔

② یہ اتنی کڑی شرط ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو تیسری طلاق دینے سے پہلے بار بار سوچے گا اور اس وقت تک طلاق نہ دے گا جب تک طلاق دینے کا حتمی فیصلہ نہ کر لے۔ رہی شرط دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کی! تو آجکل تین طلاقیں دینے والے کو مفتی حضرات یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ کسی شخص کو اس بات پر تیار کر لو کہ وہ تمہاری مطلقہ سے نکاح کر لے اور پھر فعل مباشرت انجام دینے کے بعد اس کو طلاق دے دے پھر تم اس سے از سر نو نکاح کر لینا۔ اس کو فقہی اصطلاح میں حلالہ کہا جاتا ہے۔ مگر اس فعل حلالہ کو شریعت میں سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ پلاننگ بنا کر اپنی مطلقہ کا کسی سے نکاح کروانا اور پھر اسے کچھ دے دلا کر اس سے طلاق دلوانا اور بعد ازاں خود اس سے نکاح کرنا یہ بہت ہی شرمناک حیلہ ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کرائے کے سانڈ "تیس مستعار" سے تشبیہ دی ہے۔

③ بروایت موطا امام مالک۔ ان کا یہ قانون غیر محتاط لوگوں کے لئے تعزیر کے طور پر تھا۔

④ یہ سارا بیان تو فقہ کی کتابوں میں ہی دیکھا جا سکتا ہے' یہ اس تفصیل کا مقام نہیں ہے۔ بہرصورت امام ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری' ج 9' صفحہ 29 پر تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والے صحابہؓ کی فہرست دی ہے۔ مثلاً حضرت علیؓ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور زبیرؓ بن عوام' ابو موسیٰ اشعریؓ --- تابعین میں سے عکرمہ' طاؤس' محمد بن اسحاق' داؤد بن علی وغیرہ۔ تبع تابعین میں امام فخرالدین رازی (م 606ھ) امام ابن تیمیہ (م728ھ) امام ابن قیم' امام ابن حجر عسقلانی (م852ھ) علامہ بدرالدین العینی (م755ھ) امام طحاوی' امام شوکانی' نواب صدیق حسن خاں (م1307ھ) عبدالحی لکھنوی (م1302ھ) شبلی نعمانی (م1322ھ) یہ سب ایک رجعی طلاق کے قائل ہیں۔

⑤ یہ ساری تفصیل ماہنامہ محدث (اکتوبر 1992ء) کے مضمون "تعلیقات ثلاثہ" از: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی سے لی گئی ہے۔

⑥ بلکہ 1976ء کے حقوق نسواں کمشن کی سفارش اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ (1) جس طرح مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے' اسی طرح عورت کو بھی اپنے خاوند کو طلاق دینے کا حق دیا جائے۔ (2) جو عورت پانچ سال تک ایک مرد کے نکاح میں رہے وہ سابق شوہر کی جائیداد میں سے قید نکاح سے آزاد ہونے کے بعد بھی حصہ دار قرار پائے (3) عدت کے زمانہ کے علاوہ شادی شدہ زندگی کے لئے ہر سال کے لئے ایک ماہ کے حساب سے شمار کر کے سابق زوجہ کو نان نفقہ ادا کرے۔

⑦ ہندوستان نے تو اس غرض کے لئے باقاعدہ قانون بھی بنا دیا ہے۔ شاہ بانو بیگم کے کیس میں اپریل 85ء میں سپریم کورٹ آف انڈیا نے مدھیہ پردیش ہائی کورٹ (صوبائی عدالت) کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے کہا: "مطلقہ مسلمان بیوی کو عدت گزر جانے کے بعد بھی نان نفقہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔"

13

خلع کا حق

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ (القرآن)

"اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ایسی صورت میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔"

(البقرہ:229)

- خلع پر اعتراض
- قانونی پہلو
- حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف
- مال کی قربانی
- صرف معاوضہ ادا کرنا کافی نہیں، بلکہ مرد کا راضی ہونا بھی ضروری ہے
- طرفین کی رضامندی کافی ہے
- عدالت سے رجوع کرنے کا حق
- عہد رسالتؐ اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں خلع کے مختلف واقعات
- کن وجوہات کی بناء پر خلع کا مطالبہ کرنا جائز ہے؟
- رجوع کا حق نہیں
- خلع کا معاوضہ
- حق خلع کے سلسلے میں قاضی کے اختیارات
- حقوق نسواں کمیٹی 1976ء کی بحث خلع کے معاملے میں

حق خلع

خلع کا لفظی مطلب اتار دینا ہے اور شرعی اصطلاح میں اس سے یہ مراد ہے کہ بیوی اگر کسی معقول وجہ کی بناء پر خاوند سے جدائی چاہتی ہو اور کسی طرح اس کے ساتھ گزر بسر نہ کر سکتی ہو تو اپنا حق مہر واپس کر کے شوہر سے خلع یا تفریق نکاح حاصل کر سکتی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ:229)

"تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ جو کچھ تم بیویوں کو دے چکے ہو اس میں کچھ بھی واپس لو۔ الا یہ کہ میاں بیوی کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ایسی صورت میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں (اس مال کو) لینے دینے میں جسے دیکر عورت خود کو چھڑا لے۔"

فدیہ اس بدل یا معاوضہ کو کہتے ہیں جسے دیکر جان بچائی یا چھڑائی جائے۔ اس آیت مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ شوہر نے بیوی کو جو کچھ دے رکھا ہے یعنی مہر' زیور' کپڑے وغیرہ یا کوئی اور چیز جو اس کے نام لگوا دی تھی' طلاق دینے کی صورت میں اس میں سے کچھ بھی واپس لینا حلال نہیں۔ البتہ اگر بیوی خود کسی معقول وجہ کی بناء پر شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے تو حق مہر واپس دیکر اپنے نفس کی مالک بننا چاہے تو پھر کوئی گناہ نہیں۔

❑ خلع پر اعتراض:

خلع پر یہ اعتراض کیا کہا گیا ہے کہ یہ بھی عورت کے استحصال کی ایک شکل ہے۔ مرد عورت کو الگ کرنا چاہتا ہے' مگر طلاق نہیں دیتا کیونکہ اس طرح مہر واپس کرنا پڑتا ہے۔ وہ عورت کو اتنا تنگ کرتا ہے کہ عورت مجبور ہو جائے اور بالآخر اپنا مہر یا شوہر کا دیا ہوا کوئی اور مال واپس دیکر اس سے علیحدگی چاہے۔

مگر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ یہ اعتراض تو وہی شخص کر سکتا ہے جو خلع کی نوعیت اور حقیقت سے ناواقف ہے۔

شریعت اسلامی نے جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا ہے کہ جس عورت کو وہ پسند نہیں کرتا اور جس کے ساتھ کسی صورت بھی نباہ نہیں کر سکتا تو اسے طلاق دے دے' مگر یہ طلاق بالکل آخری چارہ کار ہے۔ جس سے پہلے بھی کئی اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں اور طلاق کے دوران بھی کئی ایسی گنجائشیں رکھی گئی ہیں کہ وہ جدا ہونے سے پہلے کئی بار سوچ لیں' گویا طلاق مرد کی طرف سے نباہ نہ کر سکنے کی

صورت میں آخری چارہ کار ہے' بالکل اسی طرح اسلام نے عورت کو بھی یہ حق دیا ہے کہ وہ جس مرد کو ناپسند کرتی ہے اور کسی طرح بھی اس کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتی' وہ مرد سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے۔ مگر یہ خلع کا استعمال بھی عورت کے لئے آخری چارہ کار کے طور پر ہے۔

❑ **خلع کا اخلاقی پہلو:** شریعت کا یہ حکم ہے کہ محض ذاتی خواہشات کی تسکین کے لئے طلاق یا خلع کو کھیل نہ بنا لیا جائے۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات درج ذیل ہیں:

- "بیشک اللہ تعالیٰ مزے چکھنے والے مرد اور مزے چکھنے والی عورتوں کو پسند نہیں کرتا۔"
- **لَعَنَ اللّٰهُ كُلَّ ذَوَّاقٍ مِطْلَاقٍ** "ہر طالب لذت بکثرت طلاق دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔"
- **اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ** (احمد' ترمذی' ابوداؤد)

"جس عورت نے بغیر کسی وجہ سے مرد سے طلاق مانگی تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔"

- "جس عورت نے اپنے شوہر کی کسی زیادتی کے بغیر خلع لیا اس پر اللہ اور ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت ہو گی۔ خلع کو کھیل بنا لینے والی عورتیں منافق ہیں۔"

لہٰذا نبی پاک ؐ کی یہ ہدایات' خدا ترسی اور تقویٰ ہی انہیں اس کام سے باز رکھ سکتا ہے۔

❑ **قانونی پہلو:** مگر ان سب ہدایات کے باوجود بعض اوقات ناگزیر حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ دلوں میں نفرت ہے' رشتہ ازدواج ایک مصیبت بن گیا ہے' مقاصد نکاح پورے نہیں ہو رہے' مگر جبراً ایک دوسرے کے ساتھ اس لئے بندھے ہیں کہ اس گرفت سے آزاد ہونے کی کوئی صورت نہیں' تو پھر عورت کو خلع کی اجازت ہے مگر ساتھ ہی اس پر متعدد پابندیاں لگا دی ہیں اور یہ مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہو رہی ہیں:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (بقرہ:229)

"اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو مال تم ان عورتوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو' مگر اس صورت میں جب اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے' سو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو پھر دونوں پر اس مال کے بارے میں کوئی گناہ نہ ہو گا جو عورت معاوضہ میں دے دے۔"

ان پابندیوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

(1) حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف: خلع کی اجازت صرف اس شکل میں ہے جب کہ حدود اللہ کے ٹوٹ جانے کا خوف ہو' یہاں **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا** کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ خلع بھی ویسی ہی بری چیز ہے جیسے طلاق 'مگر جب خوف ہو کہ اب مقاصد نکاح پورے نہیں ہو رہے' دونوں میں سے کسی ایک کے لئے دوسرے کے حقوق ادا کرنے مشکل ہو رہے ہیں 'اس طرح حدود اللہ کے ٹوٹنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں خلع کی اجازت ہے۔

(2) مال کی قربانی: جس طرح مرد کو اپنی خواہش سے طلاق دیتے وقت اپنے مال کی قربانی گوارا کرنا پڑتی ہے اسی طرح عورت جب خلع چاہے گی تو اسے بھی مال کی قربانی گوارا کرنا پڑے گی 'یعنی وہ اس مال کا پورا حصہ یا کچھ حصہ واپس کر کے جدا ہو سکتی ہے' جو اس نے شوہر سے لیا تھا۔

(3) صرف معاوضہ ادا کرنا کافی نہیں: خلع حاصل کرنے کے لئے صرف فدیہ دینے والی کی خواہش کافی نہیں بلکہ یہ معاملہ اس وقت مکمل ہو گا جب فدیہ لینے والا بھی راضی ہو۔ مراد یہ ہے کہ صرف مال پیش کر کے خود بخود عورت علیحدہ نہیں ہو سکتی 'بلکہ علیحدگی کے لئے ضروری ہے کہ جو مال وہ پیش کر رہی ہے مرد اس کو قبول کر کے طلاق دے۔

(4) طرفین کی رضامندی کافی ہے: خلع کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ عورت شوہر کا دیا ہوا پورا مال یا اس کا کچھ حصہ جب مرد کو دے اور مرد اس کو قبول کر کے طلاق دے دے 'تب یہ معاملہ مکمل ہو گا۔ جب تک مرد رضامند نہ ہو یہ معاملہ پورا نہیں ہو سکتا۔ **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ** کے الفاظ وضاحت کر رہے ہیں کہ مرد و عورت باہم مل کر فیصلہ کر لیں اور گھر کا معاملہ گھر کے اندر ہی طے ہو جائے تو خلع مکمل ہو گیا۔ کسی تیسرے فرد' عدالت یا اولی الامر کو یہاں مداخلت کا کوئی حق نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

عدالت سے رجوع کرنے کا حق: عدالت کی مداخلت یا اس تک رسائی کا جواز تب پیدا ہوتا ہے جب عورت مال دے کر عقد نکاح سے رہائی چاہتی ہے 'مگر مرد اس پر آمادہ نہیں ہے تو اس صورت میں عورت عدالت سے رجوع کرنے کا حق رکھتی ہے۔ مذکورہ بالا آیت **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ** میں **خِفْتُمْ** کی ضمیر میاں بیوی کے علاوہ اولی الامر ہی کی جانب ہے۔ اولی الامر کا اولین فرض بھی حدود اللہ کی حفاظت ہے۔ مگر جب وہ دیکھیں کہ اب حدود اللہ پوری نہیں ہو رہیں تو پھر انہیں مداخلت کر کے عورت کا وہ حق اسے دلوا دینا چاہئے جو الٰہی حدود کے تحفظ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے عورت کو عطا کیا ہے۔

عہد رسالتؐ اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں خلع کے مقدمات:

باقی رہ گئیں خلع کے بارے میں تفصیلی جزئیات! مثلاً وہ کون سی وجوہ ہیں جن کو حدود اللہ کے ٹوٹنے سے تشبیہ دی گئی ہے؟ یا خلع کے سلسلے میں قاضی کو کچھ اختیار حاصل ہے بھی یا نہیں؟ یا اسے ہی کلی اختیار حاصل ہے؟ وغیرہ وغیرہ ان کی تفصیل ہمیں دور نبویؐ اور خلفائے راشدین کے عہد میں ہونے والے خلع کے مقدمات سے ملتی ہے۔

(1) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں خلع کا جو مشہور مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا وہ ثابت بن قیس سے ان کی دو بیویوں کا خلع حاصل کرنا تھا۔ ان کی ایک بیوی جمیلہ بنت ابی سلول نبی پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔ (یہ تفصیلات مختلف روایات سے ہیں):

"یا رسول اللہ! میرے اور اس (یعنی ثابت بن قیس) کے سر کو کوئی چیز جمع نہیں کر سکتی۔ میں نے خیمے کے پردے کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ وہ سامنے سے چند آدمیوں کے ساتھ آرہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ان سب سے زیادہ کالا، سب سے زیادہ پست قد اور سب سے زیادہ بد شکل تھا۔

میں اپنے خاوند میں کوئی شرعی یا اخلاقی عیب نہیں دیکھتی البتہ مجھے اس کی شکل سخت ناپسند ہے۔ جب وہ میرے پاس آتا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ اگر خدا کا خوف مانع نہ ہو تو میں اس کے منہ پر تھوک دوں" (بخاری، ابن ماجہ)

نبی پاکؐ نے ان کی یہ شکایت سنی تو فرمایا: "کیا تو مہر میں لیا ہوا باغ اس کو واپس کر دے گی (جو اس نے تمہیں دیا تھا)؟" انہوں نے عرض کیا: "ہاں یا رسول اللہ! بلکہ اگر وہ زیادہ چاہے تو زیادہ بھی دوں گی" حضورؐ نے فرمایا زیادہ تو نہیں مگر تو اس کا باغ واپس کر دے۔" پھر ثابت کو حکم دیا کہ باغ واپس لے لو اور اسکو طلاق دے دو۔" (بخاری، ابن ماجہ)

(2) ثابت بن قیس کی دوسری بیوی حبیبہ بنت سہل انصاری تھیں۔ ان کا واقعہ بھی موطا امام مالک میں اور ابو داؤد میں بیان ہوا ہے کہ ایک دن حضور پاکؐ صبح کو گھر سے باہر نکلے تو حبیبہ بنت سہل کو کھڑے پایا، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا: **لا انا و لا ثابت بن قیس** یعنی میں اور ثابت بن قیس اکٹھے نہیں رہ سکتے۔" ان کو بھی اپنے خاوند سے بد صورتی ہی کی شکایت تھی۔ انہوں نے بھی کہا تھا: "یا رسول اللہ! اگر مجھے خدا کا خوف نہ ہوتا تو ثابت کے منہ پر تھوک دیتی۔" نبی پاک نے یہاں بھی وہی فیصلہ دیا، یعنی ثابت بن قیس نے جو کچھ بیوی کو دیا تھا، وہ ان کو واپس دلا کر خلع دلا دیا۔

(3) خلع کا ایک مقدمہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی پیش آیا۔ آپ کے پاس ایک عورت نے اپنے شوہر سے خلع حاصل کرنے کے لئے اپیل کی۔ آپ ﷺ نے عورت کو نصیحت کی اور خلع سے باز رہنے کی تلقین کی۔ وہ نہ مانی تو آپ نے اس کو کوڑے کرکٹ سے بھری ہوئی کوٹھڑی میں قید کر دیا۔ تین دن کے بعد

اسے نکال کر اس کا حال احوال دریافت کیا تو وہ بولی: "خدا کی قسم! مجھے انہی تین راتوں میں راحت نصیب ہوئی ہے۔" یہ سن کر اس کے شوہر کو حضرت عمرؓ نے خلع دینے کا حکم دیا۔

(4) حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ربیع کا بھی ایک خلع کا واقعہ پیش آیا۔ ربیع بنت معوذ بن عفراء نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرا سارا مال لے لو اور خلع کر لو۔ وہ مان گیا اور فیصلہ ہو گیا مگر ان کے چچا نے یہ معاملہ حضرت عثمانؓ تک جو اس وقت خلیفۃ المومنین تھے' پہنچانا ضروری سمجھا۔ حضرت عثمان نے اس خلع برقرار رکھا۔

کن وجوہات کی بناء پر خلع کا مطالبہ کرنا جائز ہے؟

اللہ رب العزت کا آیت کریمہ میں ارشاد ہے: "اگر تم ڈرو کہ وہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے تو پھر کچھ مضائقہ نہیں کہ عورت کچھ معاوضہ دے کر عقد نکاح سے آزاد ہو جائے" اس میں حدود اللہ قائم نہ رکھ سکنا اصل سبب ہے۔ حدود اللہ سے مراد وہ فرائض ہیں جو میاں بیوی پر ایک دوسرے کی طرف سے واجب الادا ہوتے ہیں۔ اگر شوہر زوجیت کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہی نہ ہو یا کسی کوتاہی کی بناء پر ایسا کر رہا ہو تو بیوی کو خلع کا مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

مذکورہ بالا آیت اور مندرجہ بالا خلع کے واقعات سے خلع کے لئے مندرجہ ذیل وجوہ پر روشنی پڑتی ہے:

1۔ شوہر کا بد صورت ہونا۔ 2۔ ازدواجی تعلقات کے قابل نہ ہونا۔ 3۔ نان نفقہ ادا نہ کرنا۔ 4۔ بیوی کو مارنا پیٹنا۔ 5۔ بیوی کو خاوند سے نفرت۔ 6۔ طبیعتوں کا اختلاف اتنا زیادہ ہو کہ نباہ نہ ہو سکتا ہو۔ 7- شوہر بے دین ہو اور کبائر میں مبتلا ہو۔

رجوع کا حق نہیں:

فقہاء کے نزدیک خلع کے بعد شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ عورت نے معاوضہ ادا کر کے قید نکاح سے رہائی حاصل کی ہے۔ اب وہ اپنے نفس کی خود مالک ہے۔ اس طرح خلع سے حاصل کی ہوئی آزادی طلاق بائن کے حکم میں ہے۔ ہاں! اگر بعد میں دونوں رضامند ہو جائیں تو نیا نکاح کر سکتے ہیں۔ خلع کی عدت احادیث کی روشنی میں ایک حیض یا ایک ماہ ہے۔

خلع کا معاوضہ:

خلع کا معاوضہ کتنا ہو؟ اس کی وضاحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ہوتی ہے۔ آپؐ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ شوہر خلع کے معاوضہ میں اپنے دئے ہوئے مال سے کچھ زیادہ وصول کرے۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ اگر یہ ناگواری شوہر کی طرف سے پیدا ہوئی ہو تو شوہر کو عوض لینا مکروہ ہے اور اگر ناگواری بیوی کی طرف سے ہو تو پھر بھی یہ مسلمہ بات ہے کہ شوہر مہر سے زیادہ نہیں لے سکتا۔

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو خلع پر مجبور کرنے کے لئے اسے تنگ کرے' مار پیٹ کرے' نفقہ اور شب باشی وغیرہ کے حقوق ادا نہ کرے اور عورت مجبور ہو کر خلع حاصل کر لے تو یہ خلع باطل ہو جائے گا۔ یعنی عورت تو آزاد ہو جائے گی مگر شوہر کو معاوضہ واپس کرنا ہو گا۔ گویا یہ معاملہ طلاق کے حکم میں ہو گا۔

حق خلع کے سلسلہ میں قاضی کے اختیارات:

خلع کا مسئلہ خلط مبحث کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ فقہاء کے اقوال اور بحثوں نے تو خلع کا حق حاصل کرنا عورت کیلئے ناقابل عمل بنا دیا ہے۔ اس فریق کا استدلال اس طرح کا ہے کہ "خلع تو صرف زوجین کے درمیان معاملہ ہے' اس میں حکومت کو دخل دینا یا دخیل بنانا قطعاً درست نہیں ہے۔ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ وہی چاہے تو کھول سکتا ہے۔ لہٰذا گھر میں معاملہ طے پا جائے تو بہتر ورنہ پھر عورت اسی طرح گزارا کرے۔ بہرصورت عدالت کو خلع کا حق نہیں دیا جا سکتا" اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عملاً یہ حق عورتوں سے سلب کر لیا گیا اور ان کو مجبور و بے بس بنا کر رکھ دیا گیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا شریعت نے واقعی مرد و عورت کے حقوق کے درمیان توازن قائم نہیں رکھا ہے؟ جب زوجین ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کر سکیں' دلوں میں نفرت بیٹھ جائے' مقاصد نکاح پورے نہ ہو رہے ہوں تو مرد اس ناخوشگوار صورتحال میں طلاق کا قانونی حق استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن جب عورت مجبور ہو جائے' اس کے لئے نباہ کرنا مشکل ہو جائے اور اس کے پاس اس بندھن کو ختم کرنے کا کوئی طریقہ بھی نہ ہو تو پھر وہ کیا کرے؟ کیا وہ تمام عمر مصیبت کی زندگی بسر کرے' خودکشی کرے' حرامکاری میں مبتلا ہو جائے' یا سرے سے ہی وہ دین اسلام کو خیرباد کہہ دے؟ کیا اسلامی شریعت واقعی اس ظلم کا حکم دے سکتی ہے یا اس ظلم کو برداشت کر سکتی ہے؟①

اصل بات یہ ہے کہ خلع کے مسئلے میں عدالتوں کا باقاعدہ کردار ہے۔ جس کو شریعت تسلیم کرتی ہے۔ آیت **اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ** خود ہی قاضی یا اولی الامر کے اختیارات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس میں زوجین کا ذکر تو غائب کے صیغے کے ساتھ ہے۔ پھر **خفتم** کا خطاب کس کو ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ زوجین کو تو ہو نہیں سکتا' لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہاں **خفتم** (تم اندیشہ کرو) کے مخاطب اولی الامر ہیں کہ اگر زوجین میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو پاتا تو پھر اولی الامر کا کام ہے کہ وہ ان کے درمیان خلع کروا دیں۔

یہ صحیح ہے کہ پہلے گھر میں بات طے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ خلع کے کئی واقعات میاں بیوی کے درمیان طے پائے اور خلفاء نے ان کو سنا تو ان کو برقرار رکھا۔ بلکہ بعض اوقات ان کو اطلاع تک نہ دی گئی۔ اسلامی شریعت ازدواجی جھگڑوں کا پبلک میں آنا پسند نہیں کرتی۔ اس لئے اس نے مرد و عورت دونوں کو قانونی اختیار دیئے ہیں کہ وہ جہاں تک ممکن ہو گھر کے اندر ہی اپنے طلاق یا خلع کے معاملات نمٹالیں۔ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا تو آخری چارہ کار ہے' جب گھر میں کوئی تصفیہ نہ ہو رہا ہو۔ بعض اوقات شوہر واقعی بڑے ضدی اور شرپسند ہوتے ہیں' وہ عورتوں کو صحیح طریقہ سے بساتے بھی نہیں اور ان کو خلع دینے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا شریعت نے طلاق اور خلع کے علاوہ ایک تیسرا چارہ کار بھی اس غرض کے لئے مقرر کر دیا ہے اور وہ ہے تصفیہ نہ ہونے کی شکل میں عدالت کا فیصلہ۔

خلع کے جتنے واقعات ہمیں دور نبوی ﷺ و خلفائے راشدین ؓ کے دور میں ملتے ہیں' ان سے معاملہ کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ثابت بن قیس کی بیویوں کی شکایت پر آپ ﷺ نے ثابت بن قیس سے فرمایا: **طلقها۔ فارقها۔ خل سبيلها۔** یہ سب امر کے صیغے ہیں۔ شوہر کو عدالت حکم دے رہی ہے۔ اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ عدالت مختار ہے' مجاز ہے۔ وہ عورت کی شکایت پر مرد ہی کو عقد نکاح کو کھولنے کا حکم دے رہی ہے۔ اور پھر ایک روایت میں **ففرق بينهما** کے الفاظ آتے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ نے ان دونوں (ثابت اور اس کی بیوی) کو جدا کر دیا' یعنی آپ ﷺ کے حکم سے وہ الگ الگ ہو گئے۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ضدی قسم کا شوہر عدالت کے کہنے پر بھی خلع دینے پر آمادہ نہیں ہوتا' تو پھر ایسی صورت میں عدالت اس شخص کو سزا دینے کی مجاز ہے' عدالت کا کام مشورہ دینا نہیں کہ کوئی مانے چاہے نہ مانے بلکہ عدالت کا کام فیصلہ سنانا اور نہ ماننے والے کو سزا دینا ہے۔ حضرت علی ؓ کے عہد میں ایک ایسے ہی ضدی شوہر نے بات ماننے سے انکار کر دیا تو آپ نے اسے قید کروا دیا تھا۔ ایسی صورت میں قاضی خود اپنے اختیار سے کام لیکر دونوں کے درمیان تفریق کرا دے گا۔ یہ تیسرا چارہ کار ہوگا جس کا استعمال بوقت ضرورت کیا جا سکتا ہے۔

حقوق نسواں کمیٹی 1976ء کی بحث خلع کے معاملے میں:

مندرجہ بالا بحث کے بالکل برعکس خلع کے معاملے میں ایک بحث حقوق نسواں کمیٹی 1976ء نے بھی چھیڑی ہے۔ اس کا بھی جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی رپورٹ کی سفارشات دفعہ نمبر 33 میں لکھا: "مسلم لاء کے تحت جو عورت خلع کے اصول پر تفریق نکاح کا مطالبہ کرے اور خاوند کو مالی معاوضہ دینے پر تیار ہو اسے اپنا حق تفریق نکاح استعمال کرنے کے لئے عدالت یا قاضی کے سامنے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ خلع کے معاملے میں عدالت سے رجوع کرنا ضروری نہیں۔ اگر زوجین باہمی رضامندی سے خلع کرلیں تو ٹھیک ہے وگرنہ جب عورت کسی شوہر کو پسند نہیں کرتی اور وہ اسے خلع دینے پر آمادہ نہیں تو جس طرح مرد از خود طلاق دے سکتا ہے' اسی طرح عورت بھی اپنا حق خلع از خود استعمال کر سکتی ہے' اسے عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی مرد کو فارغ کردے اور جہاں جی چاہے چلی جائے' عدالت کو اس معاملہ میں صرف اتنا اختیار ہے کہ جو فدیہ یا معاوضہ وہ چاہے تجویز کردے اور خاوند سے خلع دلادے یا تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دے۔ پہلی صورت حال جس کے مطابق صدیوں سے مجبور خواتین کو خلع کے حقوق سے محروم رکھا گیا ایک انتہا تھی' اب حقوق نسواں کمیٹی اس انتہا کا ازالہ کرتے کرتے دوسری انتہا تک پہنچ گئی کہ عورت مرد سے بات کرے' وہ مان جائے تو ٹھیک وگرنہ خود ہی وہ ازالہ نکاح یا طلاق کی مختار ہے۔

جبکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ عورت اگر خلع لینا چاہتی ہے' مگر مرد نہیں مان رہا تو وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے گی۔ عدالت خاوند کو طلب کرکے اسے طلاق یا خلع کا حکم دے اور چاہے تو مالی معاوضہ طے کرے۔ اگر خاوند آمادہ ہو جائے تو ٹھیک ہے وگرنہ عدالت اپنے اختیارات سے نکاح کو کالعدم قرار دے دے گی۔ چونکہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے' عدالت پہلے اسے معاملہ نمٹانے کا حکم دے گی' لیکن اگر وہ رضامند نہیں ہے تو پھر عدالت تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کردے گی۔

یہ حقوق نسواں کمیٹی جس حق کا مطالبہ کر رہی ہے' وہ عورتوں کے لئے نکاح کے بندھن کو خود کھولنے کا اختیار ہے' ازالہ نکاح جس طرح مرد کر سکتا ہے' اسی طرح یہ کمیٹی بھی خلع کے پردے میں غیر مقید اور بے دریغ حق طلاق عورت کو دینا چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ جب عورت یہ فیصلہ کرلے کہ وہ اس شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی' تو اسے یہ حق ملنا چاہئے کہ وہ خود ہی نکاح کا خاتمہ کر سکے اور عدالت کا کام صرف اتنا ہو کہ وہ اس کے اوپر مہر تصدیق لگادے اور مالی معاوضہ طے کردے۔

شریعت کا حکم ہے کہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے' عورت خود نکاح کو ختم نہیں کر سکتی۔ ناپسندیدگی کی صورت میں خاوند سے علیحدگی کا مطالبہ کرے' بات نہ بنے تو عدالت سے رجوع کرکے وہاں سے نکاح کالعدم کروائے۔ عورت از خود بندش نکاح سے آزاد نہیں ہو سکتی۔ آگے دفعہ نمبر 35 میں چل کر مزید یہ الفاظ اس کمیٹی نے شامل کئے: "کمیٹی مزید سفارش کرتی ہے کہ خلع کے لئے معاوضہ متعین کرنے کے معاملے میں ایک اپیل کا حق ہونا چاہئے۔"

یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ حقوق نسواں کمیٹی یہ چاہتی ہے کہ عدالت کا اصل کام صرف یہ دیکھنا ہے کہ خاوند کو کچھ معاوضہ دلایا جائے یا نہیں اور اگر دلایا جائے تو کتنا دلایا جائے؟ اپیل اگر ہو گی تو اسی مقدار کو مقرر کرنے کے سلسلے میں ہو گی' تنسیخ نکاح یا خلع کے جائز و ناجائز ہونے کا مسئلہ اٹھانا سرے سے عدالت کا کام ہی نہیں' یہ سب معاملہ عورت کے اختیار پر ہی منحصر ہے۔ اس طرح یہ کمیٹی خلع کے

پردے میں بے دریغ طلاق کا اختیار عورت کو دینا چاہتی ہے' جو صریحاً شریعت کے ساتھ مذاق ہے اور کوئی تابع شریعت خاتون ایسی الٹی سیدھی سفارشات کی تائید نہیں کر سکتی۔

① مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب "حقوق الزوجین" میں مسئلہ خلع میں قاضی کے اختیارات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: "کیا کسی میں اتنی جسارت ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی شریعت پر اتنی کھلی ہوئی بے انصافی کا الزام عائد کر سکے۔ یہ جسارت اگر کوئی کرے تو اسے اقوال فقہاء سے نہیں بلکہ کتاب و سنت سے اس کا ثبوت پیش کرنا چاہئے' کیوں کہ اللہ و رسولؐ نے خلع کے معاملے میں قاضی کو کوئی اختیار نہیں دیا"

14

اسلام میں عورت کی نصف شہادت

فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى (القرآن)

"(اگر دو مرد نہ ہوں) تو پھر جو گواہ تمھیں پسندیدہ ہوں' ان میں سے ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔" (البقرہ:282)

اسلام میں عورت کی نصف شہادت

ایک مدت دراز سے ہمارے ہاں اسلامی قوانین معطل ہو چکے ہیں اور اسلام کا اجتماعی نظام منہدم ہو چکا ہے' اس کی جگہ مغربی تہذیب کے پروردہ مسلمان اپنے اپنے مسلمان ملکوں میں انگریزی قانون کو رائج کرنے کی بھرپور کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں' بدقسمتی سے "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں بھی یہ مہم پورے زور شور سے جاری ہے۔ تو اسلامی جمہوریہ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آئے دن اسلامی قوانین کی یکے بعد دیگرے "تدوین نو" کے نام پر بیخ کنی کرتے رہتے ہیں اور "اجتہاد" کے نام پر تمام اسلامی قوانین کی اسلامی روح کو ختم کر کے اس کو مغربی رنگ دینا چاہتے ہیں' کبھی وزیر قانون کا یہ اعلان ہوتا ہے کہ حدود آرڈیننس اور اسلام کا قانون شہادت خلاف انسانیت اور ظالمانہ ہے' ہم اس کو ختم کر کے دم لیں گے' کبھی مغرب زدہ خواتین اسلام کی طرف سے عورتوں کو دیئے گئے حقوق و فرائض پر چیں بہ جبیں ہوتی ہیں اور اسلام آباد میں مظاہرے کرتی نظر آتی ہیں کہ "جب عورت کی وراثت آدھی ہے' دیت آدھی ہے' شہادت آدھی ہے تو پھر اس کا روزہ' اس کی نماز' زکوٰۃ اور حج بھی آدھا کیا جائے۔"

کبھی اسلامی قوانین کا مذاق اڑانے والوں کا نقطہ نظر ان الفاظ میں سامنے آتا ہے کہ "جب تم کہتے ہو کہ عورت کی شہادت آدھی ہے تو غور کرو کہ اس کی زد کہاں جا پڑتی ہے! تمہاری ایک بیوی تو نصف ہوئی' دو عورتیں ملیں گی تو مکمل بیوی بنے گی" کبھی وفاقی شرعی عدالت کے ایک سینئر جج صاحب عورت کی نصف شہادت کے مسئلہ پر ایک خاتون سے یوں مخاطب ہوتے ہیں: "حیرت ہے کہ تم عورت ہو کر عورت کی نصف شہادت والے قانون کو درست اور معقول سمجھتی ہو" تو کبھی کہا جاتا ہے: "عورت کو نصف حق شہادت دے کر عورت کی توہین اور تحقیر کی گئی ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد ایسی گستاخانہ باتیں سوچنا اتنی ناپاک جسارت ہے' جس کی سزا سے مسلمان نہ اس دنیا میں محفوظ رہ سکتے ہیں نہ آخرت میں۔ اللہ ہمیں مخلص مومن بنائے اور عذاب سے محفوظ رکھے' آمین!

اس باب میں عورت کی نصف شہادت کے مسئلے پر بحث کر کے میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ

عورت کی نفسیات' مزاج' دائرہ کار اور فطری وظائف کے پیش نظر حقیقت وہی ہے جو شریعت نے پیش کی ہے' اس کے علاوہ باقی سب کچھ جہالت اور گمراہی ہے۔

❑ عورت کا دائرہ کار:

اس کی ذمہ داریاں اندرون خانہ تک محدود ہیں' اس لئے ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ تمام مسلمان عورتوں کو حکم الٰہی ہے:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (سورة احزاب)

"اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھی رہو" مفسرین کے نزدیک اس آیت کی رو سے تمام مسلمان خواتین کو حکم ہے کہ وہ گھروں کے محاذ پر جمی رہیں اور اگر باہر نکلنے کی ضرورت ہے تو پردے کی پابندی کریں۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وَيُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ (احزاب)

"اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔"

سنن ابو داؤد کی مندرجہ ذیل حدیث عورت کے دائرہ کار کو بخوبی واضح کر رہی ہے:

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ

"عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہداشت کرنے والی ہے اور اس سے ان کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔" حقیقت یہ ہے کہ یہ تقسیم کار کائنات کی فطری روش سے ہم آہنگ ہے اور اسی سے کائنات کا حسن و جمال قائم ہے۔ عورت کا فطری دائرہ کار متعین ہونے کے بعد لفظ "شہادت" پر بحث کرنا ضروری ہے۔

لفظ "شہادت" کی تحقیق:

شہادت کے لغوی معانی خبر قاطع یعنی فیصلہ کن بیان یا ثبوت جو کسی متنازعہ مسئلہ میں فیصلہ کن رائے قائم کرنے کا ذریعہ بن سکے۔ مقدمات و معاملات کے فیصلے عموماً چار پانچ دلیلوں کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں:

(1) ملزم کا اقرار (2) شہادت (3) حلف یا قسم (4) لعان (5) قرائن یعنی (Circumstancial Evidence.) جہاں ملزم خود اقرار نہ کر رہا ہو وہاں فیصلہ کرنے کے لئے قاضی کو شہادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اسلام میں شہادت کو اس کی اہمیت کے پیش نظر بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن میں لفظ شہادت کبھی تو مشاہدہ کے معنی میں آتا ہے' مثلاً قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ میں نشھد سے مراد گواہی دینا ہے۔ کبھی قسم کے معنوں میں (مثلاً لعان کے ضمن میں اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ سے مراد قسم کھانا ہے) اور کبھی خبر کے معنوں میں' مثلاً رویت

ہلال کے سلسلے میں لفظ شہادت ہمیشہ خبر کے معنوں میں ہوتا ہے۔ مگر جب یہ لفظ مقدمات اور معاملات کے ضمن میں آئے گا تو اس سے مراد عدالت میں کسی خاص صورت حال کے بارے میں قسم کھا کر صحیح اور درست صورت حال بیان کرنا ہے۔

اسلام میں شہادت کی اہمیت:

معاشرے عدل و انصاف ہی کی بناء پر استوار ہوتے ہیں اور رہتے ہیں۔ لہٰذا اسلام میں شہادت کو فرض کفایہ شمار کیا گیا ہے۔ جس کو صحیح صورت حال معلوم ہو اس کا فرض ہے کہ وہ درست اور سچی گواہی دے' تاکہ مقدمہ کا صحیح فیصلہ ہو' بے قصور بری ہو' حقدار اپنا حق وصول کر سکے اور مجرم سزا پا سکے۔ لہٰذا قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ

(البقرہ:283)

"اور گواہی نہ چھپاؤ' جو کوئی گواہی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہو گا اور اللہ تمہارے اعمال کو جاننے والا ہے۔"

اللہ کے پیارے بندوں کی صفت قرآن پاک میں یہ بیان کی گئی ہے:

وَلَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ (الفرقان) "اللہ کے بندے جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔" جھوٹی گواہی دینے سے یا خلاف واقعہ بات کہنے سے شریعت اسلامی میں سختی سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں سورۃ حج میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ "بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی گواہی سے بچو" (یہاں بت پرستی اور شرک کو ہم معنی کہا گیا ہے) صحیح بخاری و صحیح مسلم بلکہ دیگر کتب حدیث میں بھی سات مہلکات اور کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں پہلا گناہ کبیرہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے' دوسرا والدین کی نافرمانی' تیسرا قتل اور چوتھا گناہ جھوٹی گواہی دینا ہے--- ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "جھوٹی گواہی دے کر آدمی پیچھے ہٹنے بھی نہیں پاتا کہ جہنم اس پر واجب ہو جاتی ہے۔"

شہادت کی مختلف اقسام:

حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب "الطرق الحکمیہ" صفحہ 24 پر "البینۃ" (یعنی شہادت یا Evidence) کی تعریف میں لکھا ہے: "شریعت میں "بینہ" سے مراد وہ چیز ہے جو حق کو واضح و ظاہر کر دے۔ یہ کبھی چار گواہوں کی ہوتی ہے' کبھی تین کی' کبھی دو کی اور کبھی صرف ایک مرد یا ایک عورت کی۔ کبھی حلف اٹھانا یا اس سے انکار کرنا بھی شہادت کا ہم معنی ہو جاتا ہے اور کبھی شہادۃ الحال (.Circumstancial Evidence) کی دوسری قسمیں بھی ہو

سکتی ہیں۔"

شہادت کے لئے شرائط: گزشتہ بحث سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام میں گواہی دینا اور شہادت کا فریضہ ادا کرنا بہت بھاری ذمہ داری ہے۔ یہ ہر انسان کا "حق" نہیں' ہما و شما کا "حصہ" نہیں بلکہ چند خاص معتبر اور متقی لوگوں کو ہی شہادت کے منصب پر فائز کیا جا سکتا ہے۔ خود قرآن پاک نے **مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ** کہہ کر اس کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔ یعنی گواہ عاقل و بالغ ہو' عادل ہو۔ (عادل سے یہ مراد ہے کہ وہ راستباز اور راست رو ہو۔ لوگوں کے درمیان قابل اعتبار سمجھا جائے) اس کی بینائی صحیح سالم ہو اور اس نے واقعہ کا ٹھیک مشاہدہ کیا ہو۔ اس کا حافظہ اور ضبط صحیح ہو کہ واقعہ کو جزئیات کے ساتھ یاد رکھ سکتا ہو۔ آگے اس کو من و عن بیان کرنے پر بھی قادر ہو۔

جو چیز دیکھنے کی ہو اس کی عینی شہادت ضروری ہے' جو بات سننے کی ہے اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ قول اس نے خود سنا ہو اور قائل کو خود دیکھا ہو۔ جس سے سنا ہو اگر اس کو دیکھا نہ ہو تو محض سننے سے اس کے متعلق شہادت غیر مقبول ہو گی۔ اسی طرح ریڈیو یا فون یا پردے کے پیچھے سے آواز پر شہادت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک قاضی کے سامنے حاضر ہو کر گواہ بات نہ کرے اور قاضی اس کو خود نہ دیکھے' اس کی شہادت غیر مقبول ہو گی۔

اصل بحث: اب آیئے اصل بحث کی طرف! عورت کی نصف شہادت کے بارے میں قرآن پاک میں سورۃ بقرہ میں قرض کے لین دین اور مالی معاملات کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ
(آیت:282)

ترجمہ:۔ "اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنا لیا کرو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں' گواہ وہ ہوں جنہیں تم پسند کرتے ہو تاکہ اگر ایک ان میں سے بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔" یاد رہے کہ ہندو مت ہو یا بدھ مت بلکہ خود یہودیت کسی میں عورت کی گواہی سرے سے تسلیم ہی نہیں' یہ اسلام ہی ہے جس نے عورت کو کچھ معاملات میں شہادت کا حق دیا ہے۔ مگر ساتھ ہی اپنے علم کامل اور تحقیق کی بناء پر عورت کی گواہی کو مرد کے مقابلے میں نصف تسلیم کیا ہے۔ (انجیل میں بھی یہی نظام شہادت مانا گیا ہے۔ یوحنا' باب 8' صفحہ نمبر17)

متجددین کی تاویل: دور جدید کے تفسیر بالرائے سے کام لینے والے متجددین اس آیت کی تفسیریوں کرتے ہیں کہ گواہی تو ایک عورت دے گی' لہٰذا شاہدہ (گواہی

دینے والی) وہی ہے جبکہ دوسری مذکرہ (یاد دلانے والی) ہے۔ جو شہادت کے کسی حصہ کو بھولنے پر اطلاع دے گی لہٰذا ثابت ہوا کہ

"اسلام میں عورت کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔"

جبکہ قرآن پاک **مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ** کے الفاظ لا کر بیک وقت دونوں عورتوں کو مع ایک مرد کے شاہد قرار دے رہا ہے۔ (دوسری صورت میں وہ ایک مرد اور ایک عورت کو تو شاہد کہتا اور دوسری عورت کو مُذَکِّرَہ) مگر اس نے سب کو **شھداء** کہا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں عورتوں کی حیثیت شاہد ہی کی ہے اور وہ دونوں بیک وقت گواہی دیں تو تب ان کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہو گی۔ ویسے بھی مندرجہ بالا تفسیر پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ (آپ کے بقول) ایک عورت کی یادداشت قوی ہونے کی شکل میں دو کے بجائے اگر ایک ہی عورت کی گواہی قبول ہو سکتی ہے' تو پھر ہمیں بھی یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اگر دو عورتوں کی یادداشت کمزور ہے تو پھر دو کے بعد تیسری' تیسری کے بعد چوتھی عورت کو بھی ایک مرد کے بجائے گواہی کے لئے لایا جا سکتا ہے' نعوذ باللہ من ذلک!

اصل بات یہی ہے کہ اگرچہ عورت کی یادداشت قوی ہو تب بھی اللہ کا حکم یہی ہے کہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی ہی سے مکمل نصاب بنتا ہے۔

اس آیت (282 بقرہ) کی تفسیر میں چند مشہور تفسیروں سے اقتباسات:

(1) امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں: "اکیلی عورت کی گواہی غیر مقبول ہے۔ جب دو عورتیں ہوں گی تب ایک گواہی بنے گی۔ اس طرح دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہو گی۔" (ج 3' ص 82)

(2) امام شوکانی "فتح القدیر" ج 1' ص 302 / 301 پر لکھتے ہیں: "تنہا عورتوں کی شہادت مردوں کے بغیر غیر مقبول ہے سوائے ان معاملات کے جو عورتوں ہی سے مخصوص ہیں۔"

(3) تفسیر "روح المعانی" میں اس آیت کی تفسیریوں درج ہے: "ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ہمارے نزدیک قصاص اور حدود کے علاوہ باقی تمام معاملات میں ہے جب کہ امام شافعی اس آیت کو مالی معاملات سے خاص سمجھتے ہیں اور امام مالک حدود و قصاص کے علاوہ ولاء اور احصان میں بھی عورت کی شہادت کو جائز نہیں سمجھتے' البتہ وہ وکالت اور وصیت میں (بشرطیکہ اس میں غلام کی آزادی یعنی عتق کا مسئلہ نہ ہو) جائز سمجھتے ہیں۔ تنہا عورتوں کی شہادت کو وہ ولادت و بکارت' بچہ زندہ پیدا ہوا یا مردہ جیسے نسوانی مسائل میں قبول و جائز سمجھتے ہیں۔" (ج 1' ص 50)

(4) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب "حجتہ اللہ البالغہ" ج دوم، ص 473 پر تحریر کرتے ہیں: "قصاص اور حدود میں صرف دو مردوں کی شہادت ہی قابل اعتبار ہے۔ اس کی اصل امام زہری کا یہ قول ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے یہ طریقہ چلا آتا ہے کہ حدود کے معاملات میں عورت کی شہادت قبول نہیں کی جاتی" البتہ مالی معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت مقبول ہے اور اس کی اصل سورۃ بقرہ کی آیت "فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ" ہے "اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنا سکتے ہو)" اور اللہ نے عورتوں کی کثرت کی وجہ اپنے اس قول میں بیان فرما دی کہ "اگر ان دونوں میں سے ایک چوک جائے تو ایک دوسری کو یاد دلا دے۔" یعنی عورتیں ناقص العقل ہیں، پس عدد کی زیادتی سے اس کمی کو پورا کرنا ضروری ہوا۔

(5) امین احسن اصلاحی صاحب "تدبر قرآن" میں (ج 1، ص 597 پر) رقمطراز ہیں: "اگر مذکورہ صفات کے دو مرد میسر نہ آسکیں تو اس کے لئے ایک مرد اور دو عورتوں کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ دو عورتوں کی شرط اس لئے ہے کہ اگر ایک سے کسی لغزش کا صدور ہو گا تو دوسری کی تذکیر و تنبیہ سے اس کا سد باب ہو سکے گا۔ یہ فرق عورت کی تحقیر کے پہلو سے نہیں ہے بلکہ اس کی مزاجی خصوصیات اور اس کے حالات و مشاغل کے لحاظ سے یہ ذمہ داری اس کے لئے ایک بھاری ذمہ داری ہے۔ اس وجہ سے شریعت نے اس کے اٹھانے میں سہارے کا بھی انتظام فرما دیا ہے"

(6) شام کے معروف عالم دین ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی اپنی کتاب "المراۃ بین الفقہ والقانون" میں ص 32/33 پر تحریر کرتے ہیں: "عورت کی نصف شہادت کا مسئلہ عزت و بے عزتی یا اہلیت اور عدم اہلیت کا نہیں بلکہ یقین کی بناء پر فیصلہ کرنے اور قضا میں احتیاط برتنے کا ہے۔ فیصلہ کرتے وقت احتیاط کا دامن تھامے رکھنا ہر عادلانہ قانون کی ضرورت ہوا کرتا ہے۔"

یہاں بطور نمونہ چند قدیم اور چند جدید مفسرین کی تفسیروں سے اس آیت کی وضاحت پیش کی گئی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مفسرین دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر سمجھتے ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر خازن (ج 1، ص 258)، احکام القرآن (ج 1، ص 255/256)۔ تبیان القرآن (از: غلام وارث، ج 1، ص 194) میں درج ہے کہ اگر وہ کچہری کے استفسارات سے گھبرا کر کچھ کا کچھ کہہ دے تو دوسری ٹھیک بات بتا دے۔

☐ احادیث کی رو سے مذکورہ آیت کی وضاحت:

اب اس کے بعد قانون اسلامی کے دوسرے ماخذ یعنی حدیث کی طرف آیئے کیونکہ سلف کا یہی طریقہ ہے کہ وہ قرآن کی مشکلات کی وضاحت حدیث رسول سے کرتے ہیں کیونکہ رسول مقبول ﷺ سے بڑھ کر قرآن کریم کے منشاء و مفہوم کو سمجھنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ (کتاب الحیض)

"عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی ہے۔"

(2) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اے عورتوں کے گروہ! تم صدقہ و خیرات زیادہ کیا کرو۔۔۔۔۔ میں نے تم سے زیادہ عقل و دین میں ناقص ہونے کے باوجود عقلمند مردوں کی مت مارنے والا کوئی نہیں دیکھا" عورتوں نے سوال کیا: "یا رسول اللہ! ہماری عقل اور دین کا کیا نقصان ہے؟" آپ ؐ نے فرمایا: "عقل کی کمی کا ثبوت یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہوتی ہے اور دین کا نقصان یہ ہے کہ عورتیں مخصوص ایام میں نہ روزہ رکھتی ہیں نہ نماز ادا کرتی ہیں" (صحیح مسلم) ①

(3) **فشهادة امراتين تعدل شهادة رجل** (صحیح مسلم، عن ابی ھریرہ ؓ)

"دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے۔"

❑ عورت کی شہادت کا نصف ہونا ہی عین انصاف ہے:

اب آئیے نقلی کے بعد عقلی دلائل کی طرف! یہ مسئلہ تفاوت مرد و زن کا ہے ہی نہیں، نہ اس میں کوئی حقوق و مساوات کی بحث ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام نے مرد و عورت کی شہادت ② کے درمیان فرق رکھا ہے، مگر اس فرق کو عورت کی توہین سمجھنا سراسر زیادتی ہے۔ یہ فرق خود عورت کے اپنے حالات، فطرت، مزاج، اس کے دائرہ کار اور وظیفہ حیات ہی کے اندر موجود ہے۔ مثلاً:

❑ 1 مزاج طبع:

جذبات کی لطافت، وجدان کی نزاکت اور زود حسی ایسی خصوصیات ہیں جو عورت کے مزاج کا لازمی جز ہیں۔ ان کے نتیجے میں عورت میں شدید جذباتیت پیدا ہو جاتی ہے، اور یہی جذباتیت ہی تو ممتا کی جان ہے۔ جو بچے کی پرورش کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ بچے کی پرورش کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ جذباتی ہونی چاہئیں تاکہ بچے کی ضروریات پوری کرنے کے موقع پر دل و دماغ سے سوچنے کی نوبت ہی نہ آئے اور کسی سستی یا تاخیر کے بغیر عورت اس کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بے تابانہ اٹھ جائے۔ لیکن دوسری طرف یہ جذباتیت گواہی کے لئے غیر موزوں بلکہ نقصان دہ ہے۔ وہاں تو عقلی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تحلیل و تجزیہ، سوچ و بچار، درست مشاہدہ، درست قوت حافظہ اور بلا کم و کاست حالات کو بیان کرنا ضروری ہے۔ عورت پڑھی لکھی بھی اکیلی کچہری جانے سے گھبراتی ہے۔ وہ چلی بھی جائے اور قاضی کی جرح سے پریشان ہو کر بھی غلط بات کہہ سکتی ہے، گھبرا کر بھول سکتی ہے۔ ویسے بھی عورت پر حیض، نفاس، حمل، زچگی اور رضاعت وغیرہ کے جو

ادوار گزرتے ہیں وہ اس کی طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا کردیتے ہیں' اور چڑچڑے پن سے پھر وہی جذباتیت نمودار ہوتی ہے۔

سید قطب شہید اپنی کتاب "اسلام اور جدید ذھن کے شکوک و شبہات" میں تحریر کرتے ہیں: "ہو سکتا ہے کہ وہ جس مجرم کے خلاف یا حق میں گواہی دے رہی ہو وہ کوئی حسین عورت ہو اور وہ ضد اور جلاپے کی وجہ سے اس کے خلاف جھوٹی شہادت دے بیٹھے۔ اسی طرح یہ بھی عین ممکن ہے کہ ملزم کوئی نوعمر مرد ہو جس کو دیکھ کر گواہ کی مامتا بیدار ہو جائے اور وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کو بچانے کی کوشش میں کوئی خلاف حقیقت گواہی دے بیٹھے۔ مگر جہاں دو عورتیں بیک وقت عدالت میں گواہی دے رہی ہوں وہاں پر ان دونوں کا ایسی غلطی میں مبتلا ہو جانا اور غلط شہادت دینا بعید از قیاس ہے کہ جہاں ایک حقیقت کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گی وہاں دوسری عورت اس کی اصلاح کر دے گی۔ اس طرح شہادت کے غلط ہونے کا امکان دور کیا جا سکے گا۔" اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ملزم کوئی بارعب شخصیت ہو اور وہ اس کے رعب③ تلے دب کر خلاف حقیقت بیان دے بیٹھے' تو پھر دوسری اس کی اصلاح کر دے گی۔ چنانچہ ماہر نفسیات ہیولاک ایلس (HEOLOCK ELLIS) اپنی کتاب "مرد و عورت" میں لکھتا ہے: "اب آیئے مغربی معاشرہ کی طرف جہاں کی عورت مشرقی عورت کی نسبت زیادہ بے باک ہے۔ ذمہ داری سے اپنی دفتری ڈیوٹیاں بھی انجام دیتی ہے' اس کو خود اعتماد ہونے کا دعویٰ بھی ہے مگر عملاً صورت حال یہ ہے کہ اہل مغرب کے تمام دفاتر' تجارتی مارکیٹیں اور بازار ہر جگہ مرد ہی چھایا ہوا ہے' ہر جگہ مرد کا تسلط ہے اور عورت اس کے ماتحت کام کرتی ہے۔ ملازمت میں عورت کی شرح ایک تہائی بھی تسلیم کر لی جائے تب بھی یہ بات مسلمہ ہے کہ وہ کوئی ذمہ داری کا منصب عورت کے حوالے نہیں کرتے۔ ایک ہی پوسٹ پر مرد اور عورت تعینات ہوں تو مرد کی تنخواہ زیادہ ہو گی اور عورت کی کم اور کارکردگی کا مجموعی تناسب بھی مرد کا زیادہ ہوتا ہے اور عورت کا کم۔ عورت کی پستی' توہین اور حقارت کا تصور ان کے ذہنوں میں برابر جاگزیں ہے۔ ایک مغربی مصنف LEE. H. BOWKER اپنی کتاب "AND CRIME IN AMERICA WOMEN" کے صفحہ نمبر 259 پر لکھتا ہے:

"بچوں کی نظمیں' پریوں کی کہانیاں' دیومالائی افسانے' قانونی کتب' بچوں کی کہانیاں جو بچوں کو ہفتہ کے ساتوں دن یاد کرائی جاتی ہیں ان سب میں ایسی باتیں موجود ہوتی ہیں جن میں عورتوں کو پست مخلوق کی طرح دکھایا جاتا ہے"۔ مشہور انگریز ادیب "چارلس لیمب" بچوں کی مندرجہ ذیل نظم کو بہت پسند کرتا تھا۔ یہ نظم بھی بچوں کو ہفتے کے ساتوں دن یاد کرانے کیلئے لکھی گئی ہے بلکہ چارلس لیمب اپنے دوستوں کو بھی خطوں میں لکھ لکھ کر یہ نظم بھیجا کرتا تھا۔ نظم مندرجہ ذیل ہے:

I MARRIED A WIFE ON SUNDAY.
SHE BEGAN TO SCOLD ON MOMDAY.
BAD WAS SHE ON TUESDAY.
MIDDLING WAS SHE ON WEDNESDAY.
WORSE WAS SHE ON THURSDAY.
DEAD WAS SHE ON FRIDAY.
GLAD WAS I ON SATURDAY NIGHT.
TO BURY MY WIFE ON SUNDAY.

لی۔ ایچ باؤ کر کے مندرجہ بالا اقتباس اور خصوصاً بچوں کی نظم پڑھئے اور سر دھنئے! کیا یہی وہ مطلوبہ مقام ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے ہماری بیگمات کا طبقہ اتنا بے تاب و بیقرار ہے؟ "عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے تاثر اور انفعالیت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے" پھر ہمارے روزمرہ کے مشاہدات بھی اس بات کا ثبوت بن جاتے ہیں۔

☐ 2 روزمرہ کے مشاہدات:

بہت سے روزمرہ کے مشاہدات ایسے ہیں جن سے حقیقت حال کا اندازہ ہوتا ہے:

1 ۔ اگر کہیں مرد وکیل بھی ہو اور عورت وکیل بھی تو آپ مرد کو وکیل چنیں گے یا اپنا مقدمہ عورت وکیل کے حوالے کریں گے؟

2 ۔ عورتیں خود یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں کہ وہ کچہری جانے سے کتنا گھبراتی ہیں۔ اگر بامر مجبوری سے جانا بھی پڑ جائے تو کسی مرد کو ساتھ لے کر جائیں گی۔ حتیٰ کہ خود پڑھی لکھی عورتیں بھی کچہری کا رخ نہیں کرنا چاہتیں کہ وہ جج کی تفتیش سے حواس باختہ ہو جاتی ہیں۔

3 ۔ مرد اکیلا ہر جگہ چلا جاتا ہے مگر عورت کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جہاں جائے مرد ساتھ ہو' چاہے یہ اپنا چار پانچ سال کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

4 ۔ بچہ بیمار ہو' باپ پر سکون ہو گا مگر ماں کا حال ناگفتہ بہ ہو گا۔ اسی طرح خدانخواستہ بچہ فوت ہو جائے' باپ بہادری اور صبر سے کام لے گا مگر ماں پر غشی پڑتی جاتی ہے۔

5 ۔ مرد معاملات کا تجزیہ بنظر غائر کرتا ہے مگر عورت تجزیہ کرنے سے گھبراتی ہے وہ بہت جلد جذبات کی رو میں بہہ کر یک طرفہ فیصلہ کر ڈالتی ہے۔

6 ۔ نکاح' شادی' طلاق وغیرہ کے معاملات عورت (1=2) کے حساب سے گواہ بن سکتی ہے مگر ترجیح مرد کو ہی دی جاتی ہے۔ خود عورت بھی مرد ہی کو گواہ بنا کر مطمئن ہوتی ہے۔

7 ۔ ذرا اور آگے چلئے! لیڈی ڈاکٹروں کی کمی نہیں۔ مگر خود مرد حضرات یہ چاہتے ہیں کہ ان کی بیوی

کی زچگی مرد ڈاکٹروں سے انجام پائے' محض اس وجہ سے کہ عورت کے مقابلے میں مرد زیادہ کامیاب اور محتاط آپریشن کر سکتے ہیں۔

یہ مشاہدات کہاں تک گنوائے جائیں! خود ہماری روایات بھی ایسی ہیں کہ عورت ہر ذمہ داری اور احتیاط کا کام مرد کے حوالے کر کے مطمئن ہو جاتی ہے۔ مرغی تک وہ خود ذبح نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے بھی وہ مرد کی تلاش میں رہتی ہے۔ اسلام نے عورت کی مالی حیثیت کو تسلیم کیا ہے' وہ کما سکتی ہے یعنی کمائی اور اپنی جائیداد میں خود تصرف کر سکتی ہے۔ یہ سب حقائق اس بات کے لئے مظبوط دلیل ہیں کہ عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی کیوں رکھی گئی ہے۔ بقول اقبال ؂

"نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد"

اب خاص "شہادت" کے بارے میں مغربی مفکرین کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

"ہم اپنے آپ کو بار بار مجبور پاتے ہیں کہ اس حقیقت کا اعتراف کریں کہ عورت کبھی اس پوزیشن میں نہیں کہ وہ جذبات سے مغلوب ہوئے بغیر کوئی واقعیت پسندانہ فیصلہ کر سکے۔" (از بائر BAUER)

ایک ممتاز مغربی سکالر "شوپنہار" لکھتا ہے: "انصاف کی عدالتوں میں عورتیں' مردوں کی نسبت اکثر اوقات جھوٹی قسمیں کھانے کی مجرم پائی گئی ہیں یہاں تک کہ اب تو یہ سوال اٹھانا چاہئے کہ آیا عدالتوں میں ان سے حلف لیا بھی جائے یا نہیں؟"

ہیو لاک ایلس اپنی کتاب "مرد و عورت" (MAN AND WOMAN) میں لکھتا ہے:

"عورت میں دھوکہ دینے کی عادت ایک طبیعاتی حقیقت ہے' جسے نالائم الفاظ اور بے رحمانہ انداز میں تقریباً ہر قوم کی ضرب المثل میں بیان کیا جاتا ہے۔ بعض ممالک میں تو عورت کی شہادت کو قانونی طور پر مرد کی شہادت سے کمتر درجے پر رکھا جاتا ہے۔"

ایک اور مغربی دانشور لیوڈووسی (LUDOVICI) اپنی کتاب "WOMAN" میں ص 320 پر رقمطراز ہے: "وکلاء اس حقیقت سے واقف ہیں کہ خواتین سے عدالتی جرح میں عہدہ برآ ہونا مشکل کام ہے۔ اپنے خلاف ہونے والی عدالتی تحقیقات میں خلط مبحث میں الجھا دینے میں ان کی مہارت انہیں ضدی اور پر پیچ گواہ بنا دیتی ہے' خصوصاً جب وہ کچھ چھپانا چاہتی ہوں۔"

ایک ماہر نفسیات ڈاکٹر ہارڈنگ (M. E. HARDING) اپنی کتاب ALL WOMEN THE WAY OF میں لکھتا ہے: "عورتوں کے لئے مشکل مقام وہ ہوتا ہے جب ان سے کہا جائے کہ کسی مسئلہ کی جزئیات کو پوری صحت کے ساتھ بیان کریں۔

اب یہ ساری آراء "کسی رجعت پسند ملا" یا دقیانوسی مولوی کی نہیں ہیں' بلکہ مغرب کے ممتاز

علماء و محققین کی ہیں۔ انہوں نے یہ آراء قدیم دور کی خواتین پر تحقیق کے نتیجے میں حاصل نہیں کیں بلکہ آج مرد کے مساوی مرتبہ کی خواہاں اور دوش بدوش چلنے والی مغربی جدید خواتین پر تحقیق کے نتیجے میں حاصل کی ہیں کہ (1) وہ تفصیلی جزئیات یاد نہیں رکھ سکتی۔ (2) یاد رکھ بھی لیں تو صاف بیان نہیں کرسکتیں۔

اب یہی بات جب قرآن پاک کہتا ہے: **وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ** (سورہ زخرف' 43/18) کہ "نزاعی معاملہ کے وقت وہ اپنا مافی الضمیر واضح نہیں کرسکتی" تو پھر ڈاکٹر ہارڈنگ کی جدید تحقیق کہ "عورت جزئیات پوری صحت کے ساتھ بیان نہیں کرسکتی" کیا اسی قرآنی آیت کی وضاحت نہیں ہے! ثابت ہو گیا کہ جزئیات کو تفصیل کے ساتھ بیان نہ کرسکنا عورت کی طبیعات اور نفسیات میں شامل ہے۔ اب عورت کی اس کمزوری کی وجہ سے عدالت میں شہادت خراب ہوتی ہے۔ خصوصاً متنازعہ فیہ معاملات جہاں بال کی کھال نکالی جاتی ہے اور باریک باریک اختلاف زیر بحث لائے جاتے ہیں' وہاں عورت ایسی جزئیات کی صراحت میں ناکام رہ جاتی ہے۔

اس سے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر قرار دینے کی حکمت واضح ہو گئی۔ اس میں عورت کی تذلیل و تحقیر نہیں ہے بلکہ اس کی فطرت ہی کے پیش نظر اس پر شہادت کا بار کم سے کم ڈالا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت میں عورت کو جج اور قاضی بھی مقرر نہیں کیا گیا۔ گویا اس کو گواہ کی حیثیت یا جج کی حیثیت سے ایوان انصاف میں لانا نہ صرف اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ جدید دور کی علمی تحقیقات کے بھی خلاف ہے۔ حال ہی میں وطن عزیز میں کچھ ایسے واقعات بھی پیش آئے جن میں مقدمات کا سامنا کرنے والی خواتین کو مخالف فریق کی طرف سے تشدد اور بے عزتی کا نشانہ بنایا گیا۔ اس پر مغربی افکار کے تحت قائم ہونے والی خواتین کی بہت سی "این جی اوز" نے صدائے احتجاج بلند کی کہ مقدمات میں ملوث خواتین کو عدالتوں میں حاضری سے استثناء ہونا چاہئے۔ اس پر مردوں کی طرف سے اعتراض اٹھایا گیا کہ جب عورتیں' ہر جگہ مردوں کے مساوی حقوق چاہتی ہیں تو پھر انہیں مردوں کی طرح تمام انتظامی اور معاشرتی ناہمواریوں کا بھی حصہ دار بننا چاہئے۔ انہیں جنس کی بنیاد پر رعایتیں حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔

انگریز معاشرے میں پردہ کا کوئی سوال نہیں نہ ہی یورپ کے کسی قانون میں پردہ نشین عورتوں کے لئے کسی رعایت کی گنجائش ہے۔ مگر متحدہ ہندوستان میں خود انگریزوں نے جب فوجداری قوانین نافذ کئے تو تعزیراتی قوانین کی دفعہ 205 کے تحت فوجداری قوانین میں ملوث پردہ دار خواتین کو عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اب بھی یہ دفعہ پاکستانی قانون تعزیرات میں موجود ہے۔ صرف یہ پابندی ہے کہ جس دن عورت کی ذاتی حاضری کے بغیر مقدمہ پیش رفت نہ کرسکے' اس دن عورت لازماً

اپنی حاضری کو یقینی بنائے۔ باقی دنوں میں وہ بیشک عدالت میں خود حاضر نہ ہو۔

کلکتہ ہائی کورٹ نے تو اس قانون کو اور بھی وسعت دی تھی کہ "اگر مجسٹریٹ پردہ دار ملزم خاتون کی عدالت میں حاضری کو لازمی خیال کرتا ہے' تو اسے چاہئے کہ ایسے اقدامات کرے' جس سے اس پردہ دار ملزم خاتون کی شناخت کی کارروائی اس کے گھر ہی میں مکمل ہو سکے۔"

3 عورت کا دائرہ کار:

کسی حقیقت کی رسائی تک جتنا دخل آدمی کی فکر و فہم کو ہوتا ہے اتنا ہی اس کے طبعی ذوق اور عملی دائرہ کار کا بھی ہوتا ہے۔ ایک ہی واقعہ کسی کے دامن توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے پھر وہ اس کی تہہ تک پہنچنے اور اس کا تجزیہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ مگر دوسرا شخص اس واقعہ کے پاس سے سرسری طور پر گزر جاتا ہے کیونکہ وہ اس کی طبیعت یا دائرہ کار سے غیر متعلق ہوتا ہے۔ ایک کاروباری آدمی علمی مسائل کو اتنی تیزی سے نہیں سمجھ سکتا جس طرح کہ ایک طالب علم۔ یہی حال عورت کا ہے۔ اس کا ذہنی مزاج اور اس کے عمل کی دنیا دونوں مرد کے مزاج اور دائرہ کار سے الگ ہیں لہٰذا وہ اپنے دائرہ کار کے اندر ہونے والے واقعات تو بخوبی مشاہدہ کر سکتی ہے اور عمدگی سے ان کو ضبط کر سکتی ہے۔ مگر اپنے حدود عمل سے باہر ہونے والے واقعات کا نہ تو وہ مرد کی طرح مشاہدہ کر سکتی ہے نہ اس کی طرح ضبط کر سکتی ہے' تو فطری دائرہ کار کے مطابق شہادت کا بار عورت پر کم سے کم ہونا عقل کا تقاضا ہے۔ لیکن اس کے باوجود شریعت نے اس کے حدود عمل سے باہر ہونے والے معاملات میں بھی اس کی شہادت قبول کی ہے۔ مگر سہو و نسیان کے احتمال کے پیش نظر دوسری عورت کی موجودگی لازمی قرار دے دی ہے۔

تنہا عورتوں کی شہادت:

رہے وہ معاملات جن میں عورت شب و روز لگی رہتی ہے اور جو اس کے ذوق' مزاج اور رجحان سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں' ان میں شریعت نے اس کی گواہی کو مرد کی گواہی کی طرح مکمل اور پورا شمار کیا ہے۔ بلکہ امام شعبی نے تو یہاں تک کہا ہے:

"مِنَ الشَّهَادَاتِ مَا لَا يَجُوْزُ فِيهِ إِلَّا شَهَادَةُ النِّسَاء"

"شہادت کی بعض ایسی قسمیں ہیں جن میں صرف عورتوں ہی کی شہادت جائز ہے۔"

اس مسئلہ میں امام زہری کا بیان یہ ہے: "سنت یہ رہی ہے کہ صرف عورتوں کی شہادت ان معاملات میں جائز ہے' جن سے عورتوں کے علاوہ کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا۔ یعنی بچے کی ولادت یا ان کے عیوب وغیرہ"

دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف عورتوں ہی کی شہادت معتبر ہے۔ وہاں مرد کی گواہی کی ضرورت ہے نہ افادیت۔ انہی کی گواہی پر شریعت کے احکام نافذ ہوتے ہیں' مثلاً اگر بچہ زندہ پیدا ہونے کی شہادت دی گئی' تو پھر اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے

گی۔ اس کے متعلق احکام وراثت پر بھی عمل ہو گا ورنہ نہیں' یا یہ مسئلہ کہ عورت باکرہ ہے یا نہیں' بالغ ہے یا نابالغ' ان کے امراض کی شہادت' حمل کی مدت کا تعین' گورنمنٹ یا پرائیویٹ ملازم عورتیں عورتوں ہی کی شہادت (سرٹیفکیٹ) کی بناء پر رخصت کا حق حاصل کرتی ہیں اور ان سب باتوں کا بعض اوقات نکاح اور اسکے متعلقہ مسائل پر برا اثر پڑتا ہے۔ نبی پاک ؐ نے رضاعت کے سلسلے میں صرف ایک عورت کی شہادت قبول کر کے عقبیٰ بن حارث اور اس کی بیوی ام یحییٰ بنت وہاب میں جدائی کروا دی۔

البتہ اس بات میں فقہاء کا اختلاف موجود ہے کہ عورتوں کے مخصوص مسائل میں بھی کتنی عورتوں کی شہادت ضروری ہے؟ امام مالک دو عورتوں کی شہادت کے قائل ہیں جبکہ بعض فقہاء چار عورتوں کی شہادت کے قائل ہیں۔ امام ثوری اور احناف کے نزدیک ایک عورت ہی کی شہادت کافی ہے۔ احناف اس بات کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ عورتوں کے پوشیدہ مقامات کو دیکھنے میں جتنی قباحت مردوں کے لئے ہے اتنی ہی قباحت ایک عورت کے مقابلے میں زیادہ عورتوں کے معائنہ کرنے میں بھی ہے۔ لہٰذا ایک ہی عورت کی گواہی کافی ہونا ہی مصلحت کا تقاضا ہے۔

علاوہ ازیں جہاں حالات تقاضا کرتے ہوں وہاں عام معاملات میں بھی ایک عورت کی شہادت قرائن کی موجودگی میں قبول کی جائے گی۔ مثلاً جائے وقوعہ پر اتفاق سے کوئی مرد موجود نہ ہو اور وہاں صرف عورتیں ہی گواہ ہوں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ مثلاً حضرت معاویہ ؓ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے صرف حضرت ام سلمہ ؓ کی شہادت پر ایک مکان کے متعلق جھگڑے کا فیصلہ کر دیا۔

("عورت اسلامی معاشرہ میں" صفحہ 187' از: جلال الدین عمری)

اصل مسئلہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کا فیصلہ صرف ایک یا دو آدمیوں کی زبانی شہادت ہی پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ بہت سے داخلی اور خارجی قرائن اور علامات ایسی ہوتی ہیں جو اصل حقیقت کی وضاحت کر رہی ہوتی ہیں مگر یہ علامات بہرحال دو ٹوک اور قطعی نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ شریعت نے فیصلہ کی بنیاد انسانوں کی قطعی اور دو ٹوک گواہی پر ہی رکھی ہے۔ البتہ بعض مخصوص معاملات کے سوا عام حالات میں ان معاملات کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ اگر یہ علامات کہیں واضح شکل میں موجود ہوں یا احتیاط اور تقویٰ ایک خاص طرح کے فیصلہ کا تقاضا کر رہے ہوں تو شریعت نے صرف ایک گواہ کو بھی کافی سمجھا ہے۔ چنانچہ امام زہری سے روایت ہے کہ تین مختلف گھرانوں میں شادی بیاہ کے ذریعہ سے رشتہ قائم ہوا تو ایک عورت حضرت عثمان ؓ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ یہ سب میری رضاعی اولاد ہیں اور میں نے ان کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت عثمان ؓ نے اس کی شہادت کی بناء پر ان کے نکاح فسخ کرا دیئے۔

روایت حدیث کے سلسلہ میں عورت پر اعتماد:

عورتوں سے جو احادیث مروی ہیں خواہ وہ زندگی کے کسی شعبہ سے متعلق ہو' تمام علماء وفقہاء امت نے ان پر کلی اعتماد کیا ہے اور روایات کے سلسلے میں مردوں و عورتوں کا فرق کئے بغیر ان کو یکساں اہمیت دی ہے۔ بعض احادیث ہم تک ایسی سندوں سے پہنچی ہیں' جن میں کئی کئی خواتین موجود ہیں۔ خود امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی نے ایسی بہت سی روایتیں قبول کی ہیں' جن کی سندوں میں دو دو' تین تین خواتین کا ذکر ہے' کیا یہ عورت پر اعتماد کی دلیل نہیں ہے! اسی طرح رواۃ حدیث کے متعلق عورتوں نے جو جرح و تعدیل کی ہے' اس کو تسلیم کیا اور ان کی رائے کے مطابق کسی راوی حدیث کی روایات کو قبول یا رد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

□ شریعت کا عورت پر اعتماد: اس مسئلہ میں بھی اسلامی قانون شہادت دوسرے مذاہب کے مقابلے میں ممتاز نظر آتا ہے۔ دوسری قوموں میں عورت کی شہادت سرے سے ہے ہی نہیں اور اگر کہیں ہے تو صرف تائید مزید کے لئے۔ مثلاً یہودیت میں صرف تائید کے لئے ہے۔

ان امور سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شریعت عورت پر کلی اعتماد کرتی ہے۔ زیادہ تائید کے لئے سے زیادہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ایک حدیث روایت کرتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی عقیدت و احترام کا جذبہ ان میں غفلت یا بے توجہی کرنے سے انسان کو بچا لیتا ہے اور آدمی پوری شعوری کوشش سے ان کو ضبط کرتا ہے' جبکہ یہ نفسیاتی کیفیت روایت کے سلسلہ میں تو موجود ہوتی ہے مگر معاملات میں نہیں ہوتی۔ لہذا شریعت نے روایت اور شہادت میں خود فرق قائم رکھا ہے۔ یعنی جن امور میں عورت براہ راست متعلق ہوتی ہے' وہاں ایک عورت کی شہادت کافی ہے اور جو چیزیں اس کے دائرہ کار سے باہر ہیں وہاں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ "ابن رشد" اپنی کتاب "بدایہ المجتہد" میں لکھتے ہیں: ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مالی معاملات میں ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی گواہی معتبر ہو گی' اللہ کے ارشاد "**فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ**" کے مطابق۔ (بدایہ المجتہد' ج 2' صفحہ 465)

شہادت کے متعلق تفصیلات:

قرآن مجید نے عورت کی شہادت کے سلسلہ میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں "**فرجل وامراتان**" اور "**ان تضل احداهما على الاخرى**" ان سے کئی ایک سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے' وہ فقہ کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ البتہ ایک دو باتوں کا ذکر ضروری

ہے:

(1) **تنہا عورتوں کی گواہی:** بعض فقہاء عورتوں کے مخصوص مسائل میں اور قرائن کے ساتھ عام مسائل میں بھی تنہا عورت کی گواہی کے قائل ہیں، جیساکہ اوپر تفصیلاً بیان کیا جاچکا ہے۔

(2) **مشترکہ گواہی:** بعض فقہاء وہ ہیں جو صرف مالی معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی یعنی مشترکہ گواہی کے قائل ہیں، مثلاً امام مالکؒ اور امام شافعیؒ جبکہ بعض فقہاء حدود و قصاص کے علاوہ ہر معاملہ میں مرد و عورت کی مشترکہ گواہی قبول کرتے ہیں۔(4)

(3) **شہادت:** شہادت کی ایک تیسری قسم وہ ہے، جسے حدود و قصاص کہا جاتا ہے۔ جس میں کچھ فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ حدود و قصاص میں عورت کی گواہی سرے سے تسلیم ہی نہیں ہے۔ جبکہ بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ جب عورت کے سہو و نسیان کی کمی دو عورتوں کی شہادت سے پوری کردی گئی تو پھر ہر مسئلہ میں عورت کو گواہی کا حق ملنا چاہئے۔ علامہ ابن حزم اور علامہ ابن قیم جیسے بزرگوں کی رائے یہ ہے کہ اسلام ہر معاملہ میں شہادت نسواں کو جائز سمجھتا ہے۔ البتہ اس کی یہ رائے ضرور ہے کہ جن امور کا تعلق براہ راست مرد کی عملی زندگی سے ہے اور جو عورت کے دائرہ کار سے خارج ہیں، ان کے متعلق اس کی شہادت میں سہو و نسیان کا زیادہ امکان ہے۔ قتل، زنا، چوری، تہمت تراشی، ڈکیتی وغیرہ یہ سب جرائم بڑے سنگین اور بھیانک ہیں اور زنا کا معاملہ سنگین ترین ہے، جس کے لئے چار عینی گواہ چاہئیں۔ ایک طرف شریعت نے ان کی معین سزائیں رکھی ہیں، جن میں حاکم وقت اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں، دوم یہ کہ سزا پانے کے بعد آدمی زندہ رہ بھی جائے تب بھی معاشرہ میں اس کا وقار بری طرح مجروح ہوتا ہے اور عزت و احترام جاتا رہتا ہے۔ اس لئے ان کا فیصلہ یقین کامل کی بناء پر ہونا چاہئے، جبکہ عورت کی پوزیشن یہی ہے کہ وہ اصلاً گھر کی مالکہ ہے۔ ایک خاص ماحول میں اس کی پرورش اور تربیت ہوتی ہے۔ اسے ان حالات اور اسباب سے کم ہی واسطہ پیش آتا ہے جن میں یہ بھیانک جرائم سرزد ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے معاملے میں اس کا مشاہدہ اتنا مکمل اور درست نہیں ہوتا جتنا مرد کا ہوتا ہے۔ اپنے مزاج کی نرمی اور احساس شدت کی بناء پر قتل، چوری، ڈکیتی جیسے جرائم کا اہتمام جزئیات کے ساتھ مشاہدہ کرنا، پھر اس کو بلاکم و کاست یاد رکھنا اور من و عن عدالت میں بیان کرنا اس کے لئے آسان نہیں ہے۔ لہٰذا حدود و قصاص کے ضمن میں امت نے اس کی گواہی کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ مگر جہاں صرف عورتیں ہی گواہ ہیں اور مقدمہ قتل یا چوری کا ہے، وہاں امت میں تنہا عورتوں ہی کی شہادت پر فیصلے کرنے کی نظیریں بھی موجود ہیں، مگر یاد رہے کہ آیت شہادت میں قرآن کے الفاظ یہ ہیں: **ان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان** (کہ جہاں دو مرد نہ ہوں وہاں بغرض سہولت دو عورتوں کا متبادل انتظام کرلیا جائے)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دو مردوں کے ہوتے ہوئے عورتوں کو زحمت دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ان شاذ نظیروں (جن کی رو سے تنہا عورتوں کی شہادت پر ضرورت اور حالات کے مطابق فیصلے ہوئے) کو عموم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا' جس طرح وضو جو اصل ہے تیمم کا متبادل نہیں ہو سکتا' جبکہ تیمم مجبوری کے وقت وضو کا متبادل ہو سکتا ہے کیونکہ اس طرح عورتوں کی گھروں سے باہر آمدورفت بڑھ جائے گی۔ جو اپنے اندر بے شمار مفاسد لئے ہوئے ہے۔ لہٰذا اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ ان کا ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نکلنے کا دائرہ کم سے کم کیا جائے۔ تاریخ میں ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ عورتوں سے شہادت لینے کی ضرورت پڑی تو قاضی خود عورت کے پاس گیا' اس کو عدالت میں طلب نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدالت میں عموماً جرائم پیشہ لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ اور وہاں بعض اوقات بڑے غلیظ اور ناقابل بیان نکات کھلے جاتے ہیں۔

کتاب "ازالتہ الخفاء" ج چہارم' صفحہ 217 میں ایک واقعہ مذکور ہے۔ ایک مرد نے زبردستی ایک گھر کی خاتون سے زنا کیا۔ خاتون نے اٹھ کر چھری سے اس آدمی کو قتل کر دیا۔ بعد میں اس خاتون کے ہاں بچہ بھی اس زنا سے پیدا ہوا۔ مرد کے قتل کی تحقیق کرنے کے لئے حضرت عمرؓ خود اس خاتون کے گھر گئے اور اس کے باپ سے کہا کہ میں بچی سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ تحقیق کے بعد آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ لڑکی تو بے قصور ہے اور اس نے اپنے دفاع میں آدمی کو قتل کیا ہے۔ آپ نے اس پر لڑکی کو بجائے ناراض ہونے کے دعا دی کہ تم نے اچھا کام کیا ہے۔

عورت کے حقوق کی رعایت یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں حضرت ابو جندلؓ اپنے جسم کے زخم کھول کر دکھاتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ان کو صبر کی تلقین کر کے نبی پاکؐ نے کافروں کے حوالے کر دیا۔ اسی وقت ایک عورت بھی بھاگ کر آگئی کہ میں مسلمان ہوں مگر میرا خاوند کافر ہے۔ آپؐ نے اس کو واپس نہ کیا۔

جہاں جہاں عورت سے زیادتی ہوئی' اسلام نے اس کا مداوا کیا ہے۔ مثلاً صحیح نسائی میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے۔ صبح کے وقت خواتین منہ اندھیرے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف آرہی تھیں۔ ان میں سے ایک خاتون سے کسی شخص نے زیادتی کی اور پھر غائب ہو گیا۔ پیچھے سے ایک اور آدمی آیا۔ خاتون نے رو کر بتایا کہ میرے ساتھ اس طرح جبراً زیادتی کی گئی ہے اور اب وہ اس طرف بھاگ گیا ہے۔ ایک تو اندھیرا اور عورت کی بدحواسی' لوگ بھاگ کر کسی دوسرے آدمی کو پکڑ لائے اور عورت نے کہہ دیا کہ اسی نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ صاف ظاہر تھا کہ عورت جھوٹ نہیں کہہ رہی لہٰذا اسی آدمی کو پکڑ لیا گیا' نبی پاکؐ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا' مگر جب سنگسار کیا جانے لگا تو اصل مجرم نے سامنے آکر اعتراف کر لیا۔ اس پر پہلے آدمی کو چھوڑ کر اصل مجرم کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس طرح اس عورت کی دادرسی کی گئی۔

سابقہ بحث میں اسلام کے قانون شہادت میں عورت کے مقام و مرتبہ کا تعین کر لیا گیا ہے اور مقام شکر ہے کہ پاکستان میں بسنے والی عورتوں کی اکثریت اسلامی قانون شہادت پر مطمئن اور راضی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے: **اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ** (مائدہ) "کیا یہ لوگ جاہلیت کا قانون تلاش کرتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ کے قانون سے بڑھ کر کس کا قانون اچھا ہو سکتا ہے۔" اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان کے غالب طبقہ نسواں کو اللہ کی طرف سے دیئے گئے حقوق پر کوئی گلہ شکوہ نہیں، کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ اسی کو اپنے لئے محفوظ جائے عافیت سمجھتی ہیں اور اس کے دامن میں پناہ لینے کو اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھتی ہیں۔

ویسے بھی مغرب کے تجربات نے اسلامی قوانین کی برتری پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ جس سے اس حوالے سے پاکستانی خواتین کے ایمان پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں۔

البتہ ہمارے ملک میں ایک افرنگ زدہ طبقہ ایسا موجود ہے، جو اسلام کے ہر حکم پر اعتراض کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، اس کا طریق واردات یہ ہے کہ پہلے ایک بہت نادر الوقوع مگر اشتعال انگیز واقعہ گھڑ لیا جاتا ہے۔ پھر اس مفروضہ کو اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس اس کے تدارک کی صرف ایک ہی شکل باقی رہ جاتی ہے کہ اسلام کے "دقیانوسی اور ظالمانہ" قانون کو چھوڑ کر مغرب کے بظاہر چمکتے دمکتے قوانین کو بے دھڑک اختیار کر لیا جائے۔ مقام صد حیف ہے کہ خود اہل مغرب آہستہ آہستہ صدیوں کے تجربے کے بعد اسلامی قوانین کی بہتری اور برتری کے قائل ہو رہے ہیں مگر ہمارے ہاں کے نام نہاد مرعوب مسلمان مغربی قوانین پر مرے جا رہے ہیں اور اپنے ہاں کے جواہرات کو چھوڑ کر ان کے سنگریزوں کو درآمد کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔

عورت کی نصف شہادت کے سلسلے میں ایک مفروضہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ کسی گھر میں یکدم ڈاکو آ گھستے ہیں، وہ بچوں اور صاحب خانہ کو قتل کر ڈالتے ہیں اور تمام مال و اسباب لوٹ کر لے جاتے ہیں، صرف ایک عورت باقی رہ جاتی ہے۔ اب اسلام حدود و قصاص کے مسئلے میں عورت کی شہادت کو سرے سے تسلیم کرتا ہی نہیں ہے یا کرتا ہے تو آدھا، اس مظلوم و بے بس عورت کا اتنا جانی و مالی نقصان پہلے ہو چکا، اب اس کی گواہی بھی ادھوری ہے۔ وہ کرے تو کیا کرے کہ اس کے مال کی بازیافت بھی ہو سکے اور مجرموں کو قرار واقعی سزا بھی مل سکے؟

اس طریق واردات کا مقصد عورتوں کو اشتعال دلا کر اسلامی قوانین سے برانگیختہ کرنا نہیں تو اور کیا ہے، آخر ہماری روشن خیال بیگمات عالمی نسوانی کانفرنسوں میں کیا منہ دکھائیں گی!

لیکن اگر ذرا ٹھنڈے دل سے صورت حال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ اتنی مایوس کن نہیں ہے جتنی فرض کر لی گئی ہے۔

اس صورت حال کا فیصلہ کرنے سے پہلے میں آپ سے پوچھنا چاہوں گی کہ کیا اتنا تشدد دیکھنے کے بعد وہ عورت اپنے ہوش وحواس برقرار رکھ سکے گی؟ کیا وہ اس قابل ہو سکتی ہے کہ تمام جزئیات کا ٹھیک ٹھیک مشاہدہ کرے' ٹھیک ٹھیک اس کو یاد رکھ سکے اور پھر بلا کم وکاست درست گواہی دے سکے؟ بلاشبہ بعض عورتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کا مشاہدہ قتل' چوری' ڈکیتی اور عصمت دری کی بھیانک وارداتوں میں قابل اعتماد قرار دیا جاسکے اور وہ انہیں عدالت کے سامنے ٹھیک طریقے سے پیش بھی کر سکیں' مگر بحیثیت ایک نوع کے عورت اس کی متحمل نہیں ہے اور قانون ہمیشہ اکثریت کو ملحوظ رکھ کر وضع کیا جاتا ہے۔ کیا یہ معقولیت ہے کہ اسلام جیسے ابدی اور ہمہ گیر قانون کی بنیاد عمومی اور کثیرالوقوع حالات کے بجائے اس قسم کے شاذ اور نادر الوقوع حالات پر رکھی جائے؟

مندرجہ بالا مخصوص واقعہ ایک استثنائی واقعہ ہے اور اس کا فیصلہ بھی استثنائی ہی ہو گا اور وہ یہ ہے کہ وہ عورت عدالت میں گواہی دے گی (اگر وہ دینے کے قابل ہے تو) آدھی اس کی گواہی اور آدھی گواہی قرائن سے پوری کی جائے گی۔ قرائن یعنی ملزم کے ہاتھوں پاؤں کے نشانات اور دیگر آلات جاسوسی وغیرہ اور اس طرح فیصلہ مکمل ہو سکے گا۔ اور اگر عورت بالکل ہی گواہی دینے کے قابل نہ ہو تو اس کے تندرست ہونے کا انتظار کیا جائے گا اور جب اس کی دہشت دور ہو اس کی گواہی اور قرائن کی گواہی مل کر فیصلہ کن ثابت ہوں گے۔ جس طرح عورت کی حکمرانی کے وکیل رحمت اللہ طارق نے سوال اٹھایا ہے کہ نتھو بھنگی کسی پر دس آنے کی چوری کا الزام لگا کر بے گناہ چور کا ہاتھ کٹوا سکتا ہے کیونکہ اس کی گواہی معتبر ہے مگر فاطمہ جناح مرحومہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اصول شہادت کی نفسیات کا علم رکھنے کے باوجود اور کسی قاتل کی اچھی طرح شناخت کر لینے کے باوجود بھی اگر کہہ دے کہ یہ شخص قاتل ہے' خاص کر ان حالات میں کہ عینی شاہد موجود نہیں تو اس کی گواہی معتبر نہیں ہے --- یعنی مسلمان کا خون بیشک ضائع ہو جائے مگر اتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون کا نتھو بھنگی کی گواہی جتنا اعتبار بھی نہیں؟ کیا خوب! کیا یہی ہے دین فطرت کا کمال؟

جواب: یہ تو مغربی جمہوریت کا کمال ہے کہ فاطمہ جناح اور نتھو بھنگی کے ووٹ میں کوئی فرق نہیں۔

یہ آپ کی روشن خیالی کا کمال ہے کہ امت کے علماء کرام کے مقابلے میں دو تین روشن خیالوں کا حوالہ دے کر اپنی روشن خیالی واضح کریں ورنہ شریعت کا فیصلہ قرآن پاک میں یوں بیان ہو رہا ہے:

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ (مائدہ:100)

"اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہرحال یکساں نہیں ہیں۔ خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو۔"

لہٰذا ایک لاکھ نتھو بھنگی ایک طرف اور بندہ مومن ایک طرف! یہ بندہ مومن نتھو بھنگی کی پارٹی کے

تابع نہیں ہو سکتا۔

رہی یہ بات کہ محترمہ فاطمہ جناح کی گواہی کیوں قبول نہیں؟ تو یہ آج کی بات نہیں' یہ سلسلہ تو عہد نبوی ؐ اور عہد خلفاء راشدین ؓ کے دور سے چلا آرہا ہے۔ عورت کی گواہی حدود و قصاص میں مقبول نہ ہونے سے پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس لئے کہ شریعت محمدیہ ؐ میں باپ کی بیٹے اور بیٹے کی باپ' خاوند کی بیوی اور بیوی کی خاوند' آقا کی غلام اور غلام کی آقا کے حق میں گواہی قبول نہیں ہو سکتی۔ یہ ہے عمومی بات' مخصوص حالات سے نبٹنا قاضی کا اپنا کام ہے' وہ ان حالات میں تعزیر دیتا ہے۔ اسلامی تعلیم کو سمجھ کر اپنایا جائے تو اسی میں خیر ہو گی۔ لیکن اگر نتھو بھنگی والی جمہوریت کو رائج کیا جائے تو اس میں عدم فلاح کا ہی سامان ہو گا۔

اصل بات یہ ہے کہ:

ہمارے جج' وکیل شروع سے انگریزی قانون پڑھتے رہے' اب ان کی اپنی نفسیات بھی انگریزی ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئین کی تعبیر کرتے ہوئے قرآن و سنت کی تعلیم کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ کسی دینی مسئلہ کے حل کے لئے دینی راہنمائی کے بجائے انگریزی حیل و حجت کے طریقہ کو اپنایا جاتا ہے۔ جس سے مسئلہ سلجھنے کی بجائے الجھ جاتا ہے۔ اسی الجھاؤ سے وہ عورت کو قاضی بننے کا حق بھی دینا چاہتے ہیں اور ملک کی سربراہی کا بھی۔ مثلاً ایک صاحب رحمت اللہ طارق (جو عورت کی حکمرانی کے زبردست وکیل ہیں) لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ تو عورت کے قاضی بننے کے قائل تھے۔ یعنی جن معاملات میں عورت گواہی دے سکتی ہے' ان میں وہ فیصلہ بھی دے سکتی ہے۔ حالانکہ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے:

لَاتَكُوْنُ الْمَرْأَةُ حَكَماً تَقْضِىْ بَيْنَ الْعَامَّةِ "لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے عورت قاضی (یا حاکم) نہیں بن سکتی۔" جمع الجمع لجلال الدین سیوطی (غیر مطبوعہ' جامعہ ازہر میں موجود) جلد دوم۔

1984ء میں پاکستان کے وفاقی وزیر اطلاعات ظفر الحق صاحب نے کابینہ میں تقریر کرتے ہوئے واضح کر دیا تھا کہ قاضی ایک عورت کی شہادت سنے (یا دو عورتوں کی' جیسی بھی صورت حال ہو) اور کچھ دوسرے قرائن سے ثابت ہو جائے کہ یہ شخص قاتل ہے تو وہ تعزیراً اسے قتل تک سزا دے سکتا ہے۔ عورتوں کا یہ کہنا کہ ڈاکو بعض حالات میں ایسے وقت میں ڈاکہ ڈالتے ہیں کہ وہاں کوئی مرد نہیں ہوتا' صرف ایک عورت گھر میں ہوتی ہے' تو ایسے حالات میں بھی مجرم ہرگز نہیں چھوٹ سکتے۔ ان کو پوری پوری سزا دی جائے گی۔ حتیٰ کہ تعزیراً پھانسی یا قتل تک کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ ایسی صورت میں

ایسی صورت میں عورت مدعی ہوگی اور اسلامی حکومت اسکو مدعا علیہ سے انصاف دلانے کی پابند ہے۔

لیکن جہاں تک قصاص کا تعلق ہے' اس میں عورت کی گواہی قبول نہیں ہے۔ امام ابن شہاب زہری کا یہ قول اس سلسلے میں قابل ترجیح ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور آپؐ کے بعد دونوں خلفاء جناب ابوبکرؓ اور جناب عمرؓ کی طرف سے یہی طریقہ جاری رہا ہے کہ حدود و قصاص کے معاملے میں عورت کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔" (مصنف ابن ابی شیبہ)

اس سے ثابت ہوا کہ قصاص و حدود میں عورت کی گواہی قبول نہ ہونا سنت متواترہ ہے' قطعی ہے اور اس کے خلاف کوئی دوسرا قول جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے منقول نہیں ہے۔

حدود و قصاص کے علاوہ باقی معاملات میں ایک عورت کی گواہی قرائن کے ساتھ مل کر فیصلہ کن ثابت ہوگی۔ قرائن کا بہرحال اسلامی قانون شہادت میں اہم مقام ہے۔ خود حضورؐ پاک نے قرائن کی بناء پر بعض اہم فیصلے صادر فرمائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی دو عورتوں کا ایک بچے کے بارے میں جھگڑا سن کر قرائن کی بناء پر جو فیصلہ دیا' وہ تاریخ و روایات میں موجود ہے۔ دراصل قرائن حدود و قصاص اور دیگر معاملات میں بلکہ ہر قسم کے مقدمات میں صحیح فیصلہ کرنے میں مددگار و معاون بنتے ہیں۔

□ آخر میں ایک گزارش:

اگر ہم اس طرح اہل مغرب کے سامنے پسپا ہونے لگیں تو پھر اسلام کے کس کس قانون پر نشتر چلائیں گے' کہاں کہاں سے بدنامی کا داغ دھوئیں گے! پھر تو ہمارے دین و ایمان کا پورا سرمایہ جدید زمانے کی مصلحتوں پر قربان ہوتے ہوتے دریا برد ہو جائے گا۔ اپنے دین و ایمان کو بچانے کی ایک ہی سبیل ہے کہ پوری ایمانی قوت و مومنانہ جرات سے کام لیکر ولائل کی قوت سے یہ ثابت کیا جائے کہ جس چیز کو دشمن اسلام بدنامی کہہ رہے ہیں' دراصل وہی نیک نامی کا طرۂ امتیاز ہے اور دور جدید میں مسلمانوں کا سرمایہ افتخار ہے۔ پس عورت کی نصف شہادت کے سلسلے میں بھی ہمیں یہی راہ اپنانی ہوگی کیونکہ یہ مسئلہ نص قرآنی' احادیث نبویؐ' تعامل صحابہؓ اور اجماع امت کی روشنی میں ایک مسلمہ مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے خلاف انفرادی اجتہاد کا کوئی وزن نہیں' پوری امت کا فقہی سرمایہ ایک طرف ہو اور چند لوگ شذوذ کی راہ اختیار کریں تو پھر وہ لوگ اپنا مقام خود متعین کر لیں!

---

① آج کل اس حدیث کو ہی موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے مگر یہ دو تین سندوں سے مروی ہے اس لئے کس کس سند کو موضوع کہا جائیگا۔ آخر بات کچھ تو ہے ہی جو مختلف حوالوں اور سندوں سے بیان

ہوئی ہے۔

(2) اس ساری صورت حال میں مسئلہ شہادت سرے سے زیر بحث نہیں ہے۔ یہ تو بے حجابی کو' عریانی وفحاشی کو پاکستانی معاشرے میں فروغ دینے کی ایک شکل ہے۔ وگرنہ آج ہمارے معاشرے میں مالی معاملات میں بھی عورتوں کو گواہی دینے کی ضرورت کہاں پیش آتی ہے! کتنے فیصد یا فی ہزار عورتیں عدالت میں جاکر گواہیاں بھگتاتی ہیں؟ یہ مسئلہ جیساکہ میں پہلے عرض کرچکی ہوں ان خواتین کی طرف سے اٹھایا گیا ہے جنہوں نے علماء کرام کی داڑھی کو "جنگل" کا نام دیا' زنا کے مجرم کو "مظلوم" گردانا اور شادی کو ایک "گھناؤنے بندھن" سے تعبیر کیا' دیکھئے روزنامہ "جسارت" 10مارچ 83ء۔

جو لوگ عورت کی شہادت کو مرد کے برابر کرنے کی سعی لاحاصل میں مصروف ہیں وہ بتائیں کہ اگر مرد و عورت کی شہادت مساوی (1=1) تسلیم کرلی جائے تو کیا اس سے عورت کی دفاتر میں بے حجابانہ ملازمت کا جواز مہیا ہو جائے گا یا بے پردہ بازاروں میں پھرنے اور بن سنور کر نکلنے کی اور غیر مردوں سے اختلاط کی پابندی عورتوں پر سے اٹھ جائے گی؟

اصل بات یہی ہے کہ ہماری محدود اور ناقص عقل میں آپ کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے' یہ مسئلہ ہماری خواہش نفس کے خلاف ہی کیوں نہ پڑتا ہو' ہمارے ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ اسے برضاورغبت تسلیم کیا جائے۔

③ روزنامہ "نوائے وقت" 3اگست 89ء میں خبر شائع ہوئی کہ دو خواتین منڈی بہاؤالدین کی عدالت میں تاریخ بھگت کر گھر جارہی تھیں کہ (ملزمان) فریق مخالف کے لوگ انہیں تھانہ لے گئے۔ جہاں ان پر تشدد کیا گیا' برہنہ کرکے رقص پر مجبور کیا گیا' رات بھر پولیس مین ان کے ساتھ زیادتی کرتے رہے اور صبح انہیں لہولہان حالت میں چھوڑ دیا گیا۔

④ پھر بھی ان میں اس قدر احتیاط سے کام لیا گیا ہے کہ قاضی خود گھر میں پہنچے یا کسی کو بھیج کر عورت سے گواہی لے مگر اس کو عدالت میں طلب نہ کیا جائے۔

15

اسلام میں عورت کی نصف وراثت

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (القرآن)

"مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔" (النساء:11)

- صرف اسلام ہی عورت کو وراثت کا حق دیتا ہے
- لڑکی کی وراثت
- وراثت کے سلسلے میں ایک اہم اصول
- مرد کا حصہ دوگنا کیوں ہے؟
- معاشی پوزیشن کس کی مضبوط ہے؟ مرد کی یا عورت کی؟
- مرد کے دوگنے حصے پر اعتراض ناروا ہے
- بعض صورتیں، جہاں مرد و عورت کی وراثت میں فرق نہیں ہے
- آجکل عملاً عورت کا حق وراثت معطل ہے
- قرآن و حدیث کی روشنی میں حق وراثت نہ دینے کی وعید

عورت کی وراثت

قرآن پاک میں مرد اور عورت کی وراثت کے حصے باقاعدہ متعین کر دیئے گئے ہیں' جس کے مطابق ایک اصولی تعلیم یہ ہے کہ ترکہ میں مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ ظاہر بین حضرات اور مساوات مرد و زن کے علمبردار وراثت کے اس کلیہ کے پیش نظر اعتراض کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں مرد و عورت کے درمیان امتیاز کیا گیا ہے اور مرد کو عورت سے دوگنا دے کر عورت کی پوزیشن کو عملاً کمزور رکھا گیا ہے۔

لیکن یہ ایک بے بنیاد اعتراض ہے جو اسلام کے قانون وراثت کی حکمت و مصلحت سے ناواقفیت کی بناء پر کیا جاتا ہے۔ اگر اسلام کے خاندانی سسٹم پر ایک نظر ڈال لی جائے تو یہ اعتراض بالکل ختم ہو کر رہ جاتا ہے' لہٰذا اس قانون وراثت کی حکمت و مصلحت کو سمجھنا ضروری ہے۔

صرف اسلام ہی عورت کو وراثت کا حق دیتا ہے:

حیرت کی بات ہے کہ اسلام کے قانون وراثت پر اعتراض وہ لوگ کرتے ہیں جنہوں نے خود ہمیشہ عورت کو وراثت سے محروم رکھا ہے۔ اسلام سے قبل عرب کے معاشرہ میں عورت وراثت سے بالکلیہ محروم تھی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ عورت نہ جنگ کر کے مال غنیمت حاصل کر سکتی ہے' نہ اپنا یا اپنے خاندان کا دفاع کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی اور قسم کی معاشی دوڑ دھوپ کر سکتی ہے۔ لہٰذا وہ خاندان کی دولت کی وارث کیسے ہو سکتی ہے؟ ان کے ہاں وارث صرف بالغ مرد ہوتے تھے جو دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ لہٰذا کمسن لڑکے بھی وراثت سے محروم ہی رکھے جاتے تھے۔

صرف عرب معاشرہ نہیں بلکہ تقریباً سبھی معاشروں نے ایسی ہی بے بنیاد باتوں کی بناء پر عورت کو محروم الارث بنا دیا تھا۔ یہ صرف بڑی نرینہ اولاد کا حق تھا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ تورات اور انجیل میں عورتوں کا حصہ مقرر تو بے شک کیا گیا تھا مگر تقسیم کی تکلیف کو رفع کرنے کے لئے ساتھ ہی اپنے ہی خاندان میں شادی کی سفارش کر کے (گنتی' باب 36' نمبر 8) عملاً اس حصہ کو تقریباً ختم ہی کر دیا گیا تھا۔ آج تک دوسرے مذاہب اور معاشروں نے عورت کو میراث میں اس طرح سے حصہ نہیں دلایا جس طرح اسلام نے اسے چودہ سو برس پہلے سے دے رکھا ہے:

❑ لڑکی کی وراثت:

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ (النساء:7)

"جو کچھ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں اس میں مردوں کا بھی ایک مقرر حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ اس مال میں ایک مقررہ حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔ خواہ یہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ بہرصورت لڑکے کے ساتھ لڑکی کو بھی اس میں سے حصہ ملے گا۔"

❑ وراثت کے سلسلے میں ایک اہم اصول:

اسلام نے وراثت کو خاندان میں محدود رکھا ہے اور افراد خانہ کے درجہ بدرجہ حقوق مقرر کردیئے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلا حق اولاد کا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (النساء:11)

"اللہ تعالیٰ اولاد کے معاملے میں تمہیں ہدایت فرماتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں اور وراثت تقسیم اس طرح ہوگی کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔ یعنی اگر میت کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی وارث ہوگی تو کل تین حصے بنیں گے۔ ایک حصہ لڑکی کا اور دو حصہ لڑکے کے۔

قرآن کے اس اسلوب بیان سے ایک اصول یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت میں اصل بنیاد تو لڑکی کا حصہ ہے جو بعض وجوہات کی بناء پر لڑکے یا مرد کے لئے دگنا کردیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت اسلامی کو لڑکیوں کی وراثت کی کتنی فکر ہے اور اس کی کتنی اہمیت ہے۔

❑ مرد کا حصہ دوگنا کیوں ہے؟

رہ گئی یہ بات کہ مرد کو عورت سے وراثت میں دوگنا حصہ کیوں دلایا گیا ہے؟ تو یہ کوئی پیچیدہ یا الجھا ہوا مسئلہ نہیں بلکہ ایک فطری اور منصفانہ تقسیم ہے۔ اسلام کے خاندانی نظام میں سارا معاشی بوجھ مرد ہی کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے۔ خاندان کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس کو پورے خاندان پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ عورت کو کل ورثہ کا ایک تہائی حصہ صرف اپنی ذات کے لئے ملتا ہے' باقی دو تہائی مرد کو دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اس سے اپنی' اپنی بیوی اور اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرسکے۔ عورت کی صورت حال یہ ہے کہ وہ باپ' بھائی' شوہر' بیٹا ہر ایک سے وراثت حاصل کرتی ہے۔ مگر اس کا اپنا خرچ بھی اس کے ذمے نہیں ہے بلکہ باپ' بھائی' شوہر اور بیٹے کے ذمہ ہے۔ اس کو جو وراثت کا مال ملتا ہے وہ اس کے پاس محفوظ رہتا ہے۔ وہ

اس کی ملکیت ہوتا ہے' وہ اس میں جیسے چاہے تصرف کرے۔ اپنے گھر میں' یا گھر سے باہر جہاں بھی خرچ کرے یا کاروبار میں لگائے اس کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے۔ پھر وہ مرد سے نفقہ بھی وصول کرتی ہے' مہر اور دیگر تحفے تحائف بھی۔ دوسری طرف مرد کو وراثت میں جو کچھ ملتا ہے' وہ اس کی ہر آن بڑھتی ہوئی معاشی ذمہ داریوں کی بناء پر خرچ ہوتا رہتا ہے۔ مرد کی ذمہ داریاں ہی ایسی ہیں کہ اس کو عورت کے مقابلے میں لازماً دوگنا حصہ ملنا چاہئے۔

تو پھر اسلامی قانون وراثت کا یہی اصول ہے کہ **لِكُلٍّ حَسَبَ حَاجَتِهِ** "ہر آدمی کو اس کی ضروریات کے مطابق دیا جائے۔" اور اس کی ضروریات کا پیمانہ اس کی وہ معاشرتی ذمہ داریاں ہیں جن کا بوجھ اسے اٹھانا پڑتا ہے۔ وہ بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرکے ان پر کوئی احسان نہیں رکھتا' بلکہ اپنے اوپر عائد اخلاقی ذمہ داریاں ادا کرتا ہے۔

اسلام میں عورت کا نان نفقہ کا حق اتنا مضبوط و مستحکم ہے کہ اگر کوئی مرد بیوی کو نان نفقہ دینے سے انکار کردے یا اپنی آمدنی کے لحاظ سے اس کو کم ادا کرے' تو عورت عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ دائر کرکے اس سے اخراجات وصول کر سکتی ہے' یا دوسری صورت میں اس سے علیحدگی بھی اختیار کر سکتی ہے۔

❑ معاشی پوزیشن کس کی مضبوط ہے؟ عورت کی یا مرد کی؟

مندرجہ بالا ساری بحث سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ یہی کہ بسااوقات عورت کی معاشی حیثیت اتنی مضبوط و مستحکم ہو جاتی ہے کہ وہ معاشی لحاظ سے اکثر و بیشتر زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اسلام ہی عورت کو حقوق ملکیت عطا فرما رہا ہے ورنہ قدیم معاشرے میں کہیں عورت کی نہ تو کوئی جائیداد تھی نہ مال' نہ ہی عورت کی ملکیت کا کوئی تصور ہی تھا۔ یورپی معاشروں میں بھی اگر عورت کماتی بھی تھی تو اسکا مال شادی سے قبل باپ کا اور شادی کے بعد شوہر کا ہوتا تھا۔ برطانیہ میں طول طویل احتجاج کے بعد صرف شادی شدہ عورت کو حق ملکیت مل سکا اور وہ بھی 1870ء میں۔

اس کے برعکس مسلم خواتین کو دولت کمانے' محنت مزدوری کرنے' تجارت کرنے غرض ہر طرح کے حقوق مردوں کے مساوی حاصل ہیں۔ اسلام نہ تو محنت مزدوری کے معاوضہ میں' نہ تجارت کے نفع کی تقسیم میں' نہ زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی میں' کہیں بھی مرد و عورت کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھتا۔ ان سب حقوق و مراعات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلم معاشروں میں عموماً عورتوں کی معاشی پوزیشن خاصی مضبوط ہوتی ہے۔ اس وقت سعودی عرب کی کل تجارت میں 40 فیصد وہاں کی

خواتین ہی کا ہے۔ سعودی عرب کے دارالخلافہ ریاض میں 25 فیصد اور جدہ میں 50 فیصد سرمایہ عورتوں کا کاروبار میں لگا ہوا ہے۔ یہ سب ان کی ذاتی ملکیت ہے اور وراثت سے ان کو ملا ہوا ہے۔

مرد کے دوگنے حصہ پر اعتراض ناروا ہے:

اس طرح اسلام نے عورت پر سے معاشی ذمہ داریوں کو ختم کرکے وراثت کی بعض صورتوں میں اس کا حصہ مرد سے نصف رکھا ہے۔ اس پر نہ تو مردوں کو اعتراض کرنا زیبا ہے اور نہ عورت یہ اعتراض اٹھا سکتی ہے کہ اس کا حصہ کم کیوں رکھا گیا ہے؟ ہاں! اگر دونوں کا حصہ وراثت میں مساوی ہوتا تو مرد ضرور یہ مطالبہ کرسکتا تھا کہ عورت کو بھی معاشی ذمہ داریوں میں شریک کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ حقوق اور ذمہ داریوں کے تعین کے حوالہ سے وراثت کی یہ تقسیم فطری اور منصفانہ ہے' عدل او توازن پر مبنی ہے۔ اس سے بہتر تقسیم کا تصور بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔

حافظ ابن قیم نے مرد کے وراثت میں دوگنے حصے کی ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے کہ وراثت کا تعلق معاشی بوجھ کے ساتھ ہے۔ بیٹی کے مقابلہ میں بیٹا' باپ کی مالی و معاشی خدمت زیادہ بجالاتا ہے۔ لہٰذا اس کو میت کے ترکہ میں سے بھی زیادہ حصہ ملنا چاہئے۔ (اعلام الموقعین' ج 2' صفحہ 113)

بعض صورتیں' جہاں عورت اور مرد میں وراثت میں فرق نہیں ہے:

شریعت نے چند صورتوں میں مرد و عورت کو وراثت میں یکساں حصہ دلایا ہے' معاشی ذمہ داریوں سے قطع نظر جہاں رشتے کا معاملہ ہو۔ مثلاً میت کی اولاد بھی ہے اور بوڑھے ماں باپ بھی' تو اس صورت میں ماں اور باپ دونوں کا حصہ وراثت میں یکساں ہوگا۔ یعنی چھٹا حصہ (النساء:11) اس طرح اخیافی بھائی بہن (یعنی ماں جائے بہن بھائی) کہ ان میں بھی اسلام نے مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا (النساء:12) دونوں صورتوں میں وراثت میں مرد و عورت کو مساوی حصہ دیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وراثت کے معاملہ میں عورت سے کہیں بھی بے انصافی نہیں ہوئی۔ کہیں میت کے ساتھ عورت کے رشتہ کو اہمیت دی گئی ہے اور دوسری طرف مرد کی معاشی ذمہ داریوں کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اس بنیاد پر وراثت میں عورت کا حصہ کہیں کم ہے تو کہیں زیادہ اور بعض حالات میں مرد و عورت کے حصے مساوی بھی رکھے گئے ہیں۔ یہ قرابت داری اور معاشی ذمہ داریوں کے درمیان بے مثال توازن ہے۔ یہ توازن اسلامی شریعت کی وہ نمایاں خصوصیت ہے' جو اسے دوسرے مذاہب اور نظریات سے ممتاز کرتی ہے۔

عملاً عورت کا حق وراثت آج کل بعض مسلم معاشروں میں بری طرح پامال ہو رہا ہے خصوصاً برصغیر پاک و ہند میں مختلف حیلوں اور بہانوں سے عورت کو شرعی حق وراثت سے محروم رکھنے کی وبا روز افزوں ہے۔ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو جہیز میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ وراثت کا بدل ہی تو ہے۔ جب انھوں نے لمبے چوڑے جہیز لے لیے تو وراثت میں ان کا کچھ بھی حصہ باقی نہیں رہتا۔

پاکستان میں جاگیردار' زمیندار اور وڈیرے عموماً اپنی لڑکیوں کی شادیاں خاندان سے باہر کرتے ہی نہیں کہ اس طرح کہیں جائیداد خاندان سے باہر نہ چلی جائے اور سندھ میں وڈیرے اپنی جائیداد بچانے کی خاطر اپنی بیٹیوں کی شادیاں قرآن سے کر دیتے ہیں' اس طرح عملاً ساری عمر وہ کنواری بیٹھی رہتی ہیں۔ یہ مسئلہ بڑا سنگین بن چکا ہے عموماً بھائی بہنوں سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تم ہم سے تعلق برقرار رکھنا چاہتی ہو تو وراثت کا خیال دل سے نکال دو۔ اور بہنیں یہ سوچ کر کہ ماں باپ تو پہلے ہی فوت ہو چکے ہیں اب ہمارا میکہ صرف بھائیوں کے دم قدم ہی سے قائم ہے۔ اگر یہ بھی ناراض ہو گئے تو پھر ہم اپنے بھائیوں کی شکل دیکھنے سے بھی محروم رہ جائیں گے۔ لہٰذا وہ کہہ دیتی ہیں کہ ہم نے اپنی جائیداد کا حصہ تمہیں بخش دیا۔ حالانکہ جو حق وہ "بخوشی" بھائیوں کو بخش رہی ہوتی ہیں وہ خود اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہ ان کی کتنی بڑی مجبوری ہے۔ چند خوف خدا رکھنے والے دین دار لوگوں کے علاوہ مسلمانوں کی اکثریت بہنوں کو وراثت کے حق سے محروم رکھ کر بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہی ہے۔

قرآن و سنت میں حق وراثت نہ دینے کی وعید

قرآن پاک میں سورۃ نساء' آیت نمبر 11 اور 12 میں احکام وراثت بیان کرنے کے بعد آیت نمبر 14 میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

اور جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے' اسے اللہ تعالیٰ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جس نے کسی وارث کو وراثت سے محروم کیا' اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی جنت کی وراثت ختم کر دے گا"۔ (مشکوٰۃ باب الوصایا' بحوالہ ابن ماجہ وبیہقی فی شعب الایمان عن ابی ہریرۃ)۔

حیرت ہے اتنی شدید وعید کے باوجود مسلمانوں میں یہ مرض بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ بہنوں کو جائیداد کے مطالبے پر ہر طرح سے تنگ کیا جاتا ہے' ان پر جبر تشدد کیا جاتا ہے اور بعض صورتوں میں ان کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں:

یہ ایک بڑی خوفناک آیت ہے جس میں ان لوگوں کو ہمیشگی کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے' جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے قانون وراثت کو تبدیل کریں یا ان دوسری قانونی حدوں کو توڑ دیں' جو

خدا نے اپنی کتاب میں واضح طور پر مقرر کر دی ہیں۔ لیکن سخت افسوس ہے کہ اس قدر سخت وعید کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں نے بالکل یہودیوں کی سی جسارت کے ساتھ خدا کے قانون کو بدلا اور اس کی حدوں کو توڑا۔ اس قانون وراثت کے سلسلہ میں جو نافرمانیاں کی گئی ہیں' وہ خدا کے خلاف کھلی بغاوت کی حد تک پہنچتی ہیں۔ کہیں عورتوں کو میراث سے مستقل طور پر محروم کیا گیا' کہیں صرف بڑے بیٹے کو میراث کا مستحق ٹھہرایا گیا' کہیں سرے سے تقسیم میراث ہی کے طریقے کو چھوڑ کر مشترک خاندانی جائیداد کا طریقہ اختیار کر لیا گیا' کہیں عورتوں اور مردوں کا حصہ برابر کر لیا گیا اور اب ان پرانی بغاوتوں کے ساتھ تازہ ترین بغاوت یہ ہے کہ بعض مسلمان ریاستیں اہل مغرب کی تقلید میں وفات ٹیکس (Death Duty) اپنے ہاں رائج کر رہی ہیں۔ جس کے معانی یہ ہیں کہ میت کے وارثوں میں ایک وارث حکومت بھی ہے' جس کا حصہ رکھنا اللہ میاں بھول گئے تھے"۔ (تفہیم القرآن' ج اول' حاشیہ نمبر 25 الف)

عہد فاروقیؓ کا ایک فیصلہ بھی پیش خدمت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کو وراثت سے محروم کرنا صحابہ کرامؓ اور خصوصاً عمر فاروقؓ کے نزدیک کتنا بڑا گناہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں غیلان بن سلمہ ثقفی نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور اپنا مال اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو بلایا اور فرمایا: "ہو سکتا ہے کہ اب تو چند دن ہی زندہ رہے۔ قسم بخدا! اگر تو نے اپنی بیویوں کی طلاق سے رجوع نہ کیا اور اپنے بیٹوں سے مال واپس نہ لیا تو میں تیری بیویوں کو تیرے مرنے پر میراث دلاؤں گا اور انھیں حکم دوں گا کہ تیری قبر پر سنگ باری کریں' جس طرح ابو رغال کی قبر پر ہوئی تھی"۔ اس پر اس نے اپنی بیویوں کی طلاق سے رجوع کر لیا اور اپنا مال بھی واپس لے لیا اور نافع نے بیان کیا ہے کہ وہ بعد میں صرف سات دن زندہ رہا اور "المحلّٰی کی روایت میں ہے کہ تیسرے روز ہی مر گیا۔ (فقہ حضرت عمرؓ از: ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی' اردو ترجمہ: ساجد الرحمٰن صدیقی' ص 28)

ہمارے ملک میں بھی بہت سے صاحب جائیداد اپنی بیویوں' بیٹیوں کو میراث سے محروم کرنے کے لیے زندگی میں ہی اپنی جائیداد لڑکوں میں ہبہ کر کے اس کی رجسٹری کرا دیتے ہیں۔ اس صورت حال کو تینوں اماموں نے صحیح سمجھا جب کہ امام احمد اس کو قابل گرفت سمجھتے ہیں کہ اس فاسد نیت سے تو بیویاں اور بیٹیاں جائیداد سے محروم کر دی جاتی ہیں' لہٰذا یہ ہبہ نہ تو صحیح ہے نہ قابل نفاذ۔ ایسے شخص کے فوت ہونے پر لڑکیوں کو بدستور حصہ لینا چاہیے اور اس کا ہبہ منسوخ ہونا چاہیے۔ وہ اس کی دلیل میں حضرت عمرؓ کا مندرجہ بالا فیصلہ پیش کرتے ہیں۔ وطن عزیز میں بھی اسلامی نظریاتی کونسل نے امام احمد کے موقف کی حمایت کر کے لڑکیوں کو ان کا جائز حق دلانے کی کوشش کی تھی' مگر ان کی کوشش کی پذیرائی نہ ہو سکی۔

16

اسلام میں عورت کی نصف دیت

دِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلٰی نِصْفٍ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ (فرمان نبوی ؐ)

"عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔"

(السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 8، صفحہ 95)

- مسئلے کی نوعیت
- احادیث نبوی ﷺ
- آثار صحابہ ؓ
- اجماع امت
- ثلث دیت کے بعد عورت کی نصف دیت
- دور جدید کے نامور علماء کی آراء
- نصف دیت کی حکمت
- نصف دیت کے مسئلے میں دو شخصوں کا اختلاف
- مغالطہ انگیزیاں اور ان کا جواب
- امام طحاوی کا مسلک
- ابو الولید باجی کا نظریہ
- شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ
- طاہر القادری کی ایک اور مغالطہ انگیزی
- ایک اور شبہ
- ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم کا لیکچر
- وکلاء حضرات سے شکایت
- عورت کی حق تلفی کا خوف
- ایک اشکال کا حل

اسلام میں عورت کی نصف دیت

اسلام نے قتل خطا میں (یعنی ناحق کسی کی جان لینے میں) یا کسی انسان کو کوئی جسمانی نقصان پہنچانے پر جو معاوضہ رکھا ہے اسے عربی میں دیت کہا جاتا ہے اور فارسی میں خون بہا۔ اسلام کے قانون دیت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف رکھی گئی ہے۔ اس طرح عورت کو کمتر اور حقیر قرار دیا گیا ہے اور عورت و مرد میں فرق کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ آجکل چند ایک نام نہاد علماء' وکلاء نے اس مسئلہ کو اختلافی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا تفصیل بیان کی جا رہی ہے:

❑ **مسئلے کی نوعیت:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی۔ باقی رہ گیا قتل عمد کا حکم یعنی کسی کو جان بوجھ کر ارادتاً قتل کرنا' تو اس میں مرد و عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ صرف ایک صورت یعنی قتل خطا میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوگی۔ قتل خطا میں قصاص تو ہے نہیں کیونکہ قصاص یعنی جان کے بدلے جان صرف قتل عمد میں ہوتا ہے' لہٰذا قتل خطا میں دیت ادا کی جاتی ہے۔ یہی دیت مرد کے مقابلے میں عورت کی آدھی ہوتی ہے۔

❑ **شرعی دلائل:** قتل خطا کی صورت میں مرد و عورت کے درمیان یہ فرق کیوں؟ اس کی وجہ درج ذیل شرعی دلائل ہیں' جو احادیث' آثار صحابہؓ اور اجماع امت پر مشتمل ہیں:

(1) حضرت عمرو بن حزم کا مکتوب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمرو بن حزمؓ انصاری کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو یمن میں اپنے حکام شرجیلؓ اور حارثؓ کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا' جس میں بہت سے مسائل درج تھے۔ اسی خط کے آخر میں یہ ارشاد نبویؐ بھی تھا: **دِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلٰى نِصْفٍ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ** (**المغنی لابن قدامه**' ج 8' صفحہ 402)

(2) سب سے بڑی دلیل تو سنن نسائی کی حدیث ہے۔ "ثلث تک مرد و عورت کی دیت برابر ہے۔ اس کے بعد عورت کی دیت نصف ہے۔" (سنداً یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ (سنن نسائی' کتاب القود'

باب عقل المراۃ) یہی حدیث عورت کی دیت کے سلسلہ میں اصل ماخذ سمجھی جاتی ہے۔

(3) سنن کبریٰ بیہقی کی ایک روایت ہے: **دِیَۃُ الْمَرْأَۃِ عَلٰی نِصْفٍ مِنْ دِیَۃِ الرَّجُلِ** (ج 8' صفحہ 95)

"عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔" یہ حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام بیہقی نے یہ حدیث دو سندوں سے بیان کی ہے اور دوسری سند میں امام بیہقی نے کچھ ضعف کی نشاندہی کی ہے۔ جبکہ اس کی پہلی سند کو خود انہوں نے صحیح کہا ہے۔ لیکن دو وجوہ سے یہ حدیث اپنے ضعف کے باوجود قابل استدلال ہے:

1 سنن نسائی کی مذکورہ بالا صحیح حدیث اور حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا مکتوب' جس کو ماہرین فن حدیث نے درست قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: **اَلتَّعْلِیْقَاتُ السَّلَفِیَہ عَلٰی سُنَنِ النَّسَائِی**' ج 2' صفحہ 247)

لہٰذا اصول حدیث کی رو سے بیہقی کی یہ ضعیف روایت بھی باوجود اپنے ضعف کے قابل قبول ہے کیونکہ اس سے مندرجہ بالا دونوں صحیح حدیثوں کی تائید ہو رہی ہے۔

2 پھر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فیصلوں سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے:

❑ آثار صحابہ:

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ' مکحول رحمہ اللہ اور عطاء رحمہ اللہ (تابعین) سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہری علاقوں کے لوگوں پر سو اونٹ کی قیمت ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم مقرر کی تھی جبکہ شہری علاقوں کی آزاد مسلمان عورت کی دیت پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم مقرر کی تھی اور اگر عورت کا قاتل دیہاتی ہوتا (جن کے پاس نقد رقم نہیں ہوتی تھی) تو پھر اس کی دیت 50 اونٹ مقرر کر دی تھی۔ (کتاب الاُمّ' از: امام شافعی' ج 6' صفحہ 106۔ سنن کبریٰ' از: بیہقی' ج 8' صفحہ 95)

خلیفۃ الرسول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ حکم صادر فرمایا کہ عورت کی دیت نصف یا پچاس اونٹ ہے تو کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اس طرح وہ گویا دور فاروقی رضی اللہ عنہ کا ایک متفق علیہ قانون بن گیا۔

(2) ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے کہا ہے کہ عورت کے قتل نفس اور زخموں کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (سنن کبریٰ' از: بیہقی' ج 8' صفحہ 96)

❑ اجماع امت:

آج تک ہر دور میں ہر مسلک کے اہل علم یہ قول نقل کرتے چلے آئے ہیں کہ امت کا اس مسئلے پر اجماع ہے۔ ایسا اجماع جسے تمام فقہاء اجماع قرار دیں' حجت شرعی بن جاتا ہے۔ مثلاً:

(1) امام المفسرین ابن جریر طبری تحریر فرماتے ہیں: "جن لوگوں کی بات کا اعتبار ہے وہ اس پر متفق

ہیں کہ مومن عورت کی دیت مومن مرد کی دیت کا نصف ہے۔" (تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن' ج 4' صفحہ 137)

(2) اسی طرح امام فخر الدین الرازی "التفسیر الکبیر' ج 10' صفحہ 233 پر لکھتے ہیں: "اکثر فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (البتہ اصم اور ابن علیہ کا قول ہے کہ عورت کی دیت بھی مرد ہی کی مثل ہے) فقہاء کرام کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ' حضرت علی ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے نصف دیت کا ہی فیصلہ فرمایا تھا' چونکہ عورت کی میراث اور شہادت مرد کے مقابلے میں نصف ہے' ایسی ہی بات دیت کی ہے جبکہ امام اصم کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک کا ارشاد ہے: "جس نے مومن کو خطا سے قتل کر دیا تو وہ ایک غلام آزاد کرے اور ساتھ **"دیہ مسلمہ"** کہا ہے یعنی اس کے اہل کو دیت ادا کرے۔" پس عورت کی دیت مرد کے برابر واجب ہے۔"①

(3) امام ابن جوزی فرماتے ہیں: "آزاد مسلمان عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔" (زاد المسیر' ج 2' صفحہ 164)

(4) ابن رشد: "رہا عورت کی دیت کا مسئلہ تو علماء اس پر متفق ہیں کہ عورت کی دیت قتل مرد کی دیت سے آدھی ہے۔" (**بدایہ المجتهد**' ج 2' صفحہ 315)

(5) علامہ شوکانی بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب **نیل الاوطار** میں لکھتے ہیں: "اس بات پر سب کا اجماع ہے" (نیل الاوطار' ج 7' صفحہ 227)

یہ تو تھا مفسرین کا نقطہ نظر' اب ائمہ اربعہ کا مسلک ملاحظہ کیجئے:

(6) ائمہ اربعہ بھی عورت کی نصف دیت ہی کے قائل ہیں۔ امام شافعی لکھتے ہیں:

"مجھے قدیم اور جدید دور کے اہل علم میں سے ایک عالم بھی ایسا معلوم نہیں ہے جس نے عورت کی نصف دیت کے بارے میں اختلاف کیا ہو۔" (کتاب الام' از: امام شافعی' ج 6' صفحہ 106)

☐ ثلث دیت کے بعد عورت کی نصف دیت:

جمہور کا اصولاً اس بات پر تو اتفاق ہے کہ قتل کی صورت میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے' مگر زخموں کی دیت کی تفصیلات میں ان کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ایک تہائی دیت تک مرد و عورت کی دیت یکساں ہے۔ البتہ ایک تہائی کے بعد عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہو جائے گی۔ وہ اس کی دلیل سنن بیہقی کی عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ والی حدیث دیتے ہیں: "عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے یہاں تک کہ اس کی دیت ایک ثلث کو پہنچ جائے" اور اہل مدینہ کا تعامل بھی اسی روایت پر تھا۔

اس کے برعکس فقہاء احناف عورت کی مطلق نصف دیت کے قائل ہیں۔ امام شافعی پہلے امام مالک کی طرح تہائی تک برابر پھر اسکے بعد عورت کی نصف دیت کے قائل تھے' بعد میں وہ بھی احناف کی طرح مطلق نصف دیت کے قائل ہو گئے۔

المختصر: جمہور کا اصولاً اس بات پر تو اتفاق ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے (مگر زخموں کی تفصیلات میں ان کے درمیان کچھ اختلاف ہے' جس کی وضاحت کتب فقہ سے دیکھی جا سکتی ہے)۔

عالم عرب کے جدید نامور علماء کی نظر میں عورت کی دیت کا مسئلہ:

دور جدید میں مصر کے نامور عالم عبدالقادر عودہ شہید جن کے ٹھوس اور بے لاگ عدالتی فیصلوں کی ساری اسلامی دنیا میں دھوم رہی ہے' وہ بھی اپنی کتاب **اَلتَّشْرِیْعُ الْجِنَائِیُ الْاِسْلَامی** (اسلام کا فوجداری قانون) ج 2' صفحہ 182 پر دیت کے موضوع پر مفصل کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقہائے امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قتل میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہو گی۔ ان کی دلیل وہ تحریر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم ؓ کو لکھ کر دی تھی کہ "عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہو گی۔" اس مقدار پر تمام صحابہ ؓ کا اجماع ہے۔ تین خلفائے راشدین حضرت عمر ؓ' حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ اور صحابہ کبار میں سے حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہو گی اور کوئی ایک بھی ایسا قول منقول نہیں ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ کسی صحابی نے اس بارے میں اختلاف کیا ہو' لہٰذا یہ قول اجماع کہلائے گا۔ نیز جس طرح عورت وراثت اور شہادت میں مرد کے مقابلے میں نصف نصاب کی حقدار ہوتی ہے' اسی طرح اس کی دیت بھی آدھی ہو گی۔"

اس وقت عالم عرب میں اسلامی قانون پر جسے سند کا درجہ حاصل ہے وہ اردن کے نامور فقیہہ احمد الحصری ہیں' جو ازہر یونیورسٹی' اردن یونیورسٹی اور امام محمد بن سعود یونیورسٹی (ریاض) میں اسلامی قانون اور غیر اسلامی قانون کے تقابلی مقابلہ کے پروفیسر ہیں۔ وہ اپنی کتاب "اسلامی فقہ میں قصاص' دیت اور مسلح بغاوت کے احکام" میں عورت کی دیت کے بارے میں لکھتے ہیں: "حنابلہ کا قول ہے کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت کا نصف ہے۔ ابن المنذر اور ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہو گی۔" (صفحہ 710' احمد الحصری کی عربی کتاب **"القصاص والدیات والعصیان المسلح فی لفقه الاسلامی"**)

سعودی عرب میں بھی اس وقت یہی قانون جاری ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سارے عالم اسلام کا یہی قانون ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے سوائے لیبیا کے، جس کا صدر کرنل معمر القذافی ہے۔ اپنی مخصوص افتادِ طبع اور مذہب اباضی کی جانب مائل ہونے کی وجہ سے (جو خوارج اور معتزلہ کے مذہب کے قریب تر ہے) انہوں نے سارے عالم اسلام کے علی الرغم اصم اور ابن علیہ کی رائے کو اختیار کیا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر قرار دی گئی ہے۔ مگر لیبیا میں اس کو بھی پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی، وہاں تاحال انگریزی قانون ہی رائج ہے۔

نصف دیت کی حکمت و مصلحت:

❑ 1- صرف اسلام ہی عورت کے قتل کو اہمیت دیتا ہے:

جہاں تک انسانی شرف و وقار کا معاملہ ہے اسلام میں مرد و عورت کے مابین کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اسلام ہی وہ پہلا دین ہے جس نے معاشرے میں عورت کو عزت عطا کی، اس کو تحفظ دیا، اس کے مقام و منصب کا اعتراف کیا، یہی وجہ ہے کہ تمام جاہلی معاشروں کے برعکس عورت کے قتل کی صورت میں اس کا باقاعدہ قصاص دلایا۔ اگر اس کو کوئی مرد قتل کر دے تو بدلے میں وہ مرد قتل کیا جائے گا۔ جبکہ دوسرے معاشروں میں، عورت کے قتل کو کوئی خاص بات سمجھا ہی نہیں جاتا۔ (تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں) مگر اسکے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام اس مساوات مرد و زن کا ہرگز قائل نہیں جو اس وقت جدید تہذیب کا تحفہ ہے۔ اس لئے تکریم انسانیت کا مفہوم اسلام اور مغربی تہذیب دونوں میں مختلف ہے۔ بعض چیزیں اسلام کے نزدیک عین عزت اور وقار کی علامتیں شمار ہوتی ہیں مگر مغرب ان پر ناک بھوں چڑھاتا ہے اور جس چیز کو مغرب کی آزادی اور اس کا حق قرار دیتا ہے وہ ممکن ہے کہ اسلام کے نزدیک تذلیل نسوانیت پر مبنی ہو، مثلاً احکام ستر و حجاب کہ مسلمان عورت کے لئے یہ اس کی عزت اور وقار کے تحفظ کے لئے ضروری ہیں، مگر مغرب کے نزدیک یہ عورتوں کی قید اور گھٹن کے مترادف ہے۔

❑ معاشی ذمہ داریوں کے لحاظ سے مرد و عورت کا فرق

اسی طرح اسلام نے مرد و عورت کا فطری دائرہ کار الگ الگ رکھا ہے، جبکہ مغرب دوش بدوش کے فلسفہ کا قائل ہے اور عورت کو کارخانوں، فیکٹریوں، کلبوں، پارکوں میں غرض ہر جگہ گھسیٹ لایا ہے۔ اسلام عورت کی معاشی ذمہ داری مرد پر ڈالتا ہے۔ جبکہ مغربی عورت اپنی معاش کمانے پر مجبور ہے۔ چونکہ اسلام عورت کا پورا معاشی بوجھ مرد پر لادتا ہے لہذا میراث میں مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دوگنا کیا گیا ہے۔ اسی طرح عورت کی نصف

دیت میں بھی وہی حکمت پنہاں ہے' جو عورت کی نصف میراث میں ہے۔ مرد کے قتل کیے جانے کی شکل میں ایک پورا خاندان اپنے کفیل سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس لئے خاندان کی کفالت کے نقطہ نظر سے اس کی پوری دیت ضروری ہے' جبکہ عورت کے قتل کیے جانے کی شکل میں ایسی مالی دقت پیش نہیں آتی' اس لئے اس کی نصف دیت قطعاً غیر معقول نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں نصف دیت مقرر کرنے میں یہ جذبہ کہیں بھی کار فرما نہیں ہے کہ عورت نصف انسان ہے' یا وہ حقیر ہے۔ اس حکم میں معاشی پہلو مدنظر رکھا گیا ہے نہ کہ عورت کو نعوذ باللہ! حقیر سمجھنا۔

اگرچہ حالات بدل گئے ہیں اور کچھ عورتیں معاشی تگ و دو میں شامل ہونے لگی ہیں' مگر پھر بھی بطور اصول میراث میں عورت کا حصہ آدھا ہی رہے گا اور عورت کی دیت نصف ہی رہے گی کیونکہ اصول سب کے لئے ہوتا ہے۔ جہاں کوئی استثنائی صورت حال ہو اس کے لئے فیصلہ بھی استثنائی ہو سکتا ہے' جس کی وضاحت باب کے آخر میں دی جا رہی ہے۔

عورت کی نصف دیت کے ضمن میں دو شخصوں کا اختلاف:

پوری اسلامی تاریخ میں (یعنی 1400 سالہ دور میں) عورت کی دیت کا مسئلہ متفق علیہ رہا ہے۔ "صرف دو شخصوں کا اختلاف منقول ہے۔ جسے فقہاء نے شاذ قرار دیا ہے۔" (المغنی لابن قدامہ' ج 9' صفحہ 532)

یہ دو شخص کون ہیں؟ ابن قدامہ مقدسی نے ان کا نام الاصم اور ابن علیہ تحریر کیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں کا حال بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

☐ **ابو بکر الاصم:** یہ اصم جس کا اصل نام عبدالرحمٰن بن کیسان ہے' اس کے متعلق لسان المیزان' صفحہ 427' ج 3 میں لکھا ہے کہ وہ معتزلی تھا اور ایک عجیب و غریب تفسیر کا مصنف تھا اور حافظ ذہبی نے اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں الاصم کے نام کے تحت ابو بکر الاصم ہی کا ذکر کیا ہے اور اسے شیخ المعتزلہ کہا ہے (ج 9' صفحہ 402)

☐ **ابن علیہ:** ابن علیہ کے نام سے دو شخص مشہور ہیں: اسماعیل بن علیہ اور ابراہیم بن علیہ۔ یہ دونوں باپ بیٹے ہیں مگر اسماعیل بن علیہ کا شمار محدثین میں ہوتا ہے جبکہ ان کے بیٹے ابراہیم بن علیہ کا ذکر اصحاب تراجم نے اچھے انداز میں نہیں کیا۔ یہ الاصم کا شاگرد تھا' معتزلی تھا اور خلق قرآن کا قائل تھا۔ امام شافعی نے اس کے بارے میں کہا ہے: "ضَالٌّ يُضِلُّ النَّاسَ خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا۔" (تاریخ بغداد للخطیب' ج 6' صفحہ 20-22)

یہ دونوں شخص تاریخ میں اتنے گمنام ہیں کہ خود %90 علماء کو بھی ان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔ ان کی بات کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے! ایک طرف احادیث' آثار ائمہ مجتہدین شیعہ حضرات زیدی وغیرہ سب کا متفقہ فیصلہ ہو کہ عورت کی دیت نصف ہے' ان کے مقابلے میں ایسے دو بد عقیدہ شخصوں کی رائے کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے (اور پھر ان کے ہمنوا آج کے وکیل خالد اسحاق اور پروفیسر طاہر القادری کی بھی کیا حیثیت رہ جاتی ہے)!

یہ بھی اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ عورت کی نصف دیت کا ذکر کسی مستند یا معروف کتاب حدیث میں نہیں ہے اور یہ اعتراض اٹھانے والے عموماً وہ لوگ ہیں جو ایک طرف تو خود قرآن کریم ناظرہ پڑھنا بھی نہیں جانتے اور علم حدیث سے بالکل کورے ہیں۔ وہ علم حدیث کی اصطلاحات کو بھی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کیا نسائی صحاح ستہ میں شمار نہیں ہوتی؟ حالانکہ نسائی کی حدیث ہی عورت کی نصف دیت کا اولین ماخذ ہے۔ پھر یہ نسائی کی روایت محدثین کے نزدیک بالاتفاق سند اور متن دونوں لحاظ سے صحیح قرار دی گئی ہے۔ جہاں تک بیہقی کی روایت کا تعلق ہے' اگرچہ اس کی سند میں کچھ ضعف ہے' مگر عمرو بن حزم انصاری ؓ کی حدیث اور نسائی کی حدیث اس کی تائید کر رہی ہے' اس لئے اسے محدثین نے اختیار کر لیا ہے۔ یعنی اسے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔

عورت کی نصف دیت کے سلسلے میں ایک اور مغالطہ انگیزی یوں پیدا کی گئی ہے کہ امام طحاوی' ابو الولید باجی' شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ کی عبارات میں سے سیاق و سباق سے ہٹ کر چند عبارتیں نکال کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی عورت کی دیت اور مرد کی دیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔②

☐ امام طحاوی: ان بزرگ اماموں کی طرف جو بات منسوب کی گئی ہے' وہ دراصل ایک حدیث ہے جو سنن ابی داود' ج 2' صفحہ 267 پر اور السنن الکبریٰ للبیہقی کی ج 8' صفحہ 29 پر موجود ہے: "اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَكَافُوْ دِمَائُهُمْ" (یعنی مومنوں کے خون آپس میں برابر ہیں) اس حدیث کی وضاحت میں امام طحاوی تحریر فرماتے ہیں: "ہم نے نبی پاک ﷺ کے فرمان اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَكَافُوْ دِمَائُهُمْ کے مفہوم پر غور کیا اور تمام اہل علم کو اس کی تشریح پر متفق پایا کہ یہ حدیث قصاص و دیت میں برابری کے لئے ہے۔ یہ حدیث اس بات کی نفی کرتی ہے کہ اونچے درجے کے شخص کو نچلے درجے کے شخص پر کوئی فضیلت ملے۔ اس میں اہل جاہلیت کے اس طرز عمل کی تردید ہے کہ وہ اونچے درجے کے آدمی کو نیچے درجے والے شخص کے مقابلے میں قتل نہ کرتے تھے۔ اس سے ہم نے یہ بھی سمجھا کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا' جس طرح عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے۔" (مشکل الآثار' ج 2' صفحہ 90)

امام طحاوی تو وضاحت کر رہے ہیں کہ نبی پاکؐ کے اس فرمان کا اصل مقصد اہل جاہلیت کے اس طرز عمل کی تردید کرنا ہے کہ وہ قصاص و دیت کے سلسلے میں اونچ نیچ' بڑے چھوٹے' عورت اور مرد میں فرق کرتے تھے۔ اونچے اور بڑے کو چھوٹے اور نچلے آدمی کے بدلے میں قتل نہیں کرتے تھے' اسی طرح عورت کے بدلے میں مرد کو قتل نہیں کرتے تھے (گویا دور جاہلیت کے امتیازات کی اس حدیث سے نفی کی گئی ہے)

اس طرح امام طحاوی کا یہ قول قصاص و دیت کے وجوب کے بارے میں ہے نہ کہ مقدار دیت کے بارے میں۔ امام طحاوی کی اسی عبارت کو آگے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب **اَشِعَّۃُ اللّمعات** میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح ابوالولید باجی کی ایک عبارت جو ان کی کتاب المنتقٰی' ج 7' صفحہ 78 پر ہے' وہاں وہ عورت کی دیت کے بارے میں بیان کرتے ہیں' اس جگہ کاتب کی غلطی سے **اَنَّھَا عَلٰی دِیَۃِ الرَّجُلِ فِی الْقَلِیْلِ وَالْکَثِیْرِ** میں **علی** اور **دیۃ الرجل** کے درمیان **"النصف من"** کے الفاظ کتابت ہونے سے رہ گئے اور مطلب کچھ کا کچھ بن گیا۔ جسے طاہر القادری صاحب نے اپنے موقف کے حق میں استعمال کر لیا' حالانکہ اس کا اصل مفہوم یوں ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ایک کمزور سند کے ساتھ یہ اختلافی روایت بھی ہے کہ قلیل و کثیر میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ کاتب کی غلطی سے اس جملہ کا مطلب بالکل بدل گیا۔ حالانکہ سیاق و سباق سارا عورت کی نصف دیت کا مضمون بیان کر رہا ہے۔ لہٰذا اس قول سے حیلہ پرویزی سے کام لیتے ہوئے حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کی طرف دیت میں جو مرد و عورت کی برابری کی نسبت کی گئی ہے' وہ بالکل بے بنیاد ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کی طرف جو بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ دیت میں مرد و عورت کی برابری کے قائل ہیں وہ بھی بے بنیاد ہے' وہ بھی اپنی کتاب ج 2' صفحہ 271 میں لکھتے ہیں: "میں کہتا ہوں کہ امام مالک کا مسلک یہی ہے کہ ایک تہائی تک برابر اور بعد میں نصف دیت اور اکثر اہل علم کا مسلک یہی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اور عورت کے اعضاء اور زخموں کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔" بحوالہ ترجمان القرآن جون ۱۹۸۴ء

(4) طاہر القادری صاحب نے عورت کی نصف دیت کے بارے میں ایک اور مغالطہ انگیزی خود قرآنی آیت سے پیدا کی ہے۔ سورۃ النساء' آیت 92 میں قتل خطا کی جو دیت بیان ہوئی ہے' اس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ "یہ آیت دیت کی مقدار کا تعین کر رہی ہے۔" کہ یہ آیت خود کہہ رہی ہے **وَدِیَۃٌ مُّسَلَّمَۃٌ اِلٰی اَھْلِہٖ** پھر وہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: "معروف دیت مقتول کے ورثاء کو دی جائے گی" اور چونکہ قرآن کی کوئی آیت یا کوئی صحیح حدیث عورت کی نصف دیت کا تعین نہیں کرتی' لہٰذا عورت کی معروف دیت بھی وہی ہے جو مرد کی ہے۔ اس طرح دونوں کی دیت برابر ہے۔"

طاہر القادری صاحب کا یہ جواز جتنا بودا اور کمزور ہے اس سے ہر وہ شخص واقف ہے' جو عربی زبان سے تھوڑا بہت بھی واقف ہو۔ یہ آیت وجوب دیت کو ثابت کرتی ہے نہ کہ مقدار دیت کو۔ اصل آیت یوں ہے:

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا (النساء:92)

"جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا واجب ہے اور دیت بھی (واجب ہے) جو اس کے خاندان والوں کے حوالے کر دی جائے گی مگر یہ کہ وہ لوگ اس دیت کو معاف کر دیں۔"

دوسرا مغالطہ یہاں لفظ **مسلمه** کا ترجمہ: "حوالہ شدہ یا سپرد کردہ" ہے جو **الی اهله** کے الفاظ کے ساتھ مل کر اپنے پورے معانی دے رہا ہے۔ مگر انہوں نے "**مسلمه**" کا ترجمہ "معروف" سالم' پوری کرکے مرد و عورت کی دیت میں مساوات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بہت بڑی علمی خیانت ہے۔ حالانکہ قدیم وجدید تمام مفسرین نے **مسلمه** کا ترجمہ **مودا ة الی اهله** کیا ہے یعنی اس کے گھر والوں کے حوالے کر دی جائے گی۔

ایک اور شبہ اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ چونکہ قتل عمد میں قصاص کا حکم ہے اور قصاص مرد و عورت کا یکساں ہے' لیکن اگر مقتول کے وارث معاف کر دیں تو جس طرح مرد کی دیت ادا کی جائے گی اسی مقدار میں عورت کی بھی دیت ادا کی جائے گی' لہٰذا مرد و عورت کی دیت یکساں ہے۔ یہ ایک اور مغالطہ ہے جو قصاص کی مثال دیکر پیدا کیا گیا ہے۔

جواب: ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم جو شام کے ایک نامور عالم دین اور ماہر قانون تھے' انہوں نے 1962ء میں دمشق یونیورسٹی میں "فقہ اسلامی اور جدید قانون میں عورت کی حیثیت" کے موضوع پر ایک طویل لیکچر دیا' جس میں بے شمار مردوں اور عورتوں نے شرکت کی۔ اس میں عورت کی دیت پر بات کرتے ہوئے فرمایا:

"دیت کا اصل اور گہرا تعلق اس نقصان سے ہے جو کسی مرد یا عورت کے قتل ہو جانے پر وارثوں کو لاحق ہوتا ہے۔ قتل عمد میں قاتل پر قصاص لاگو ہوتا ہے' خواہ مقتول مرد ہو یا عورت اور خواہ قاتل مرد ہو یا عورت۔ قصاص میں ہم ایک انسان کا دوسرے انسان سے بدلہ لینا چاہتے ہیں اور انسانیت میں مرد و عورت دونوں یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ رہا قتل خطا یا قتل شبہ عمد! تو یہاں بدلے میں انسانی جان لینے کا سوال نہیں ہے' بلکہ صرف یہ سوال ہے کہ جو ذات قتل ہو گئی ہے اس کے ورثاء کو مالی معاوضہ دلایا جائے۔ مالی معاوضہ لگاتے وقت ہمیشہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس حد تک مالی نقصان ہوا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ایک مرد کے قتل ہو جانے میں خاندان کو اتنا ہی مالی نقصان پہنچتا ہے جتنا کہ ایک عورت کے

قتل پر پہنچ سکتا ہے؟ جن بچوں کا باپ غلطی سے مارا گیا ہے یا جس عورت کا خاوند قتل خطا کی نذر ہو گیا ہے وہ دراصل اخلاق اور معنوی سہارے کے ساتھ ساتھ اپنے اس بنیادی مالی سہارے سے بھی محروم ہو گئے ہیں جو ان کا مالی بوجھ اٹھائے ہوئے تھا اور جن کی معاش کے لئے وہ ہمہ تن کوشاں رہتا تھا' لیکن اگر بچوں کی ماں قتل ہو گئی ہے یا مرد کی بیوی مر گئی ہے تو وہ مادی سہارے سے نہیں بلکہ ایک اخلاقی آئینی سہارے سے محروم ہوئے ہیں' اس لئے مال اس نقصان کا معاوضہ نہیں بن سکتا۔

دیت مقتول کی جان کی قیمت نہیں ہے اور نہ قتل خطا کے بدلے میں جان لینا پیش نظر ہے' بلکہ وہ خاندانی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مادی نقصان کی تلافی کی ایک صورت ہے' جو مقتول کے خاندان کو پہنچ گیا ہے۔ یہ ہے عورت کی نصف دیت کا اصل الاصول! پھر خود ہمارے موجودہ قانون میں بھی مقتول کی دیت کی دو حدیں رکھی گئی ہیں۔ ایک حد زیادہ سے زیادہ دوسری کم از کم۔ یہ حدیں صرف اس بناء پر رکھی گئی ہیں کہ مقتول کے خاندان کو لاحق ہونے والے نقصان کے تحت مالی معاوضہ مقرر کیا جاسکے۔ انسانوں میں تفاوت ہوتا ہے' ایک وہ انسان ہے جو محنت و مشقت کرتا ہے اور قانوناً اپنے خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو محنت و مشقت نہیں کرتا اور نہ کسی کے نان نفقہ کا ذمہ دار ہے۔ بلکہ وہ خود دوسروں کی طرف سے نان نفقہ کا محتاج ہوتا ہے۔ کیا ان دونوں قسم کے انسانوں کو مالی معاوضہ میں یکساں رکھا جائے گا---؟" (**اَلْمَرْأَةُ بَیْنَ الْفِقْهِ وَالْقَانُوْنِ**' طبع دوم' صفحہ 37' 38)

"ان تمام وضاحتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سارے عالم اسلام میں عورت کی دیت کے متعلق مسلم علماء' قانون دان اور ججوں کی رائے ایک ہی رہی ہے۔ ماسوا ایک آدھ ایسے ملک کے جہاں اسلام سے انحراف کی رو چل رہی ہو③

❑ تحریف کرنے کا نقصان:

جدید دور کے بعض حضرات کا یہ رائے دینا کہ مرد و عورت کی دیت برابر ہونی چاہئے' مسلمہ و متفقہ مسائل کے خلاف ہے۔ ایسی رائے کے اظہار سے امت مسلمہ کو نہ فائدہ پہنچے گا اور نہ امت کا اجتماعی ضمیر اسے قبول کرے گا' البتہ مغرب زدگی کے مریض حضرات کی ہمت افزائی ضرور ہو گی۔ مگر بات صرف دیت میں مرد و عورت کی مساوات کی نہیں ہے' یہ تو عورتوں کی وراثت' شہادت ہر بات میں مساوات کی ہے۔ پھر آگے بڑھ کر حجاب و ستر کے احکام بھی بدلیں گے' دین بازیچہ اطفال بن جائے گا۔ اور پھر صرف سیکولرازم ہی رہ جائے گا۔ جس کی طرف دوڑ لگاتے ہوئے آج مغربی عورت تذلیل نسوانیت کے آخری دہانے تک پہنچ چکی ہے۔ کیا ایسے قوانین سے پھر پوری شریعت اسلامی نہ بدل لے گی!

ہمیں اس سارے **قضیئے** میں شکایت مغرب زدہ خواتین سے نہیں بلکہ ان وکلاء حضرات سے ہے جو ذاتی مفاد اور خواہشات کی خاطر ان کو بے راہرو کرتے ہیں۔ پھر بھی ہمارے لئے یہ بات باعث

اطمینان ہے کہ ملک کی کروڑوں خواتین نصف دیت پر مطمئن ہیں۔ مغرب زدہ خواتین کو زیادہ درد محسوس ہوتا ہے تو وہ مغرب میں ہی جا کر بس جائیں۔ کیونکہ اسلام کے خلاف قانون سازی اگر کر بھی لی جائے تو عام امت اس کو علماء کے موقف کے برعکس سمجھتے ہوئے قبول نہ کرے گی' ایوب خاں کے عائلی قوانین کا حشر سب کے سامنے ہے۔

انگریزی قانون میں تو گواہ کا سچا اور عادل ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ ہمارے قانون دان حضرات اور وکیل چونکہ اسی انگریزی قانون کے عادی ہوتے ہیں' لہٰذا انہیں عورت سے متعلق وراثت' دیت اور شہادت کے قانون غیرمانوس سے لگتے ہیں۔ وہ اپنی وکیلانہ مہارتوں سے ان میں کمی بیشی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی سند کی کمزوری کا بہانہ بنا کر ایک صحیح حدیث کو چھوڑ دیا' کہیں غلط سیاق و سباق سے اپنا من پسند مفہوم نکال لیا"

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

❑ عورت کی حق تلفی کا خوف:

خالد اسحاق صاحب کو ایک اور بھی خدشہ لاحق ہے کہ عورت کی نصف دیت پر اصرار کرنے کی وجہ سے عورتوں کے اندر شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں گے۔ مگر یہ بات بھی غلط ہے۔ نصف دیت سے آخر عورت کی کیا حق تلفی ہو رہی ہے؟ اس کو خطاً قتل کرنے کی صورت میں جو دیت ملے گی وہ تو اس کے ورثاء بھائی' والدین' خاوند وغیرہ کو ملے گی۔ آخر خود عورت کا اس میں کیا نقصان ہے یا اس کی بے حرمتی کا اس میں کیا جواز ہے؟ اس طرح نصف دیت ملنے کا نقصان اس کو تو نہیں بلکہ اس کے ورثاء کو ہو گا۔ اس کے برعکس مرد مقتول کی دیت اگر عورت سے دوگنی ہے' تو اس کا فائدہ مقتول کی بیوہ کو بھی پہنچے گا۔ اس لحاظ سے غور کیا جائے تو عورتوں میں شکوک و شبہات مسئلہ میراث کی وجہ سے پیدا ہو سکتے ہیں' مسئلہ دیت کی وجہ سے نہیں اور الحمدللہ! مسلمان خواتین نصف وراثت کی حکمت و مصلحت کو سمجھتی ہیں۔ پھر مغرب زدہ خواتین کو نصف میراث کے سلسلے میں جو جواب دیا جائے گا وہی جواب نصف دیت کے بارے میں بھی ہو گا۔

❑ ایک اشکال کا حل:

"آجکل بہت سی خواتین بڑھ چڑھ کر مردوں کی طرح معاشی سرگرمیوں میں حصہ لے رہی ہیں۔ لہٰذا کمانے والی عورتوں کی دیت بھی مرد کے برابر ہونا چاہئے۔"

جواب: پہلی گزارش یہ ہے کہ عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش معاشی تگ و دو میں حصہ لینا اسلام میں مطلوب ہے نہ پسندیدہ' ایسے اس کے خلاف اسلام اقدام کی وجہ سے اسلام اپنے ایک مسلمہ اصول میں تبدیلی کیونکر گوارا کر سکتا ہے!

پھر عورتوں کی اکثریت ملازمت شوقیہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ملازمت پیشہ خواتین اونچے

طبقے سے تعلق رکھتی ہیں' پھر وہ اپنی تنخواہ سے خاندان کی کفالت نہیں کرتیں بلکہ اپنے نت نئے فیشن' بیش قیمت ملبوسات اور سامان آرائش وزیبائش وغیرہ پر خرچ کر ڈالتی ہیں۔ یہ ساری چیزیں تو معاشرے میں فساد وبگاڑ کا باعث ہیں' ایسی چیزوں کی اسلام کیونکر حوصلہ افزائی کرے گا؟

ہاں! چند خواتین ضرور ایسی ہو سکتی ہیں' جو واقعی کسی حقیقی مجبوری کی بناء پر ملازمت کرتی ہیں اور وہ اپنے خاندان کی کفیل ہیں۔ خاندان کا سارا مالی بوجھ انہی کے کندھوں پر ہے۔ اگر کوئی ایسی خاتون قتل خطا کی زد میں آجاتی ہے تو ایسی عورتوں کے بارے میں قاضی کو اختیار دیا جاسکتا ہے کہ وہ نصف دیت کے علاوہ حالات وضروریات کے مطابق مزید رقم بطور تعزیر قاتل سے وصول کرکے متاثرہ خاندان کی دادرسی کرے۔ لیکن اسلام کا یہ اصول پھر بھی اپنی جگہ ناقابل تغیر رہے گا اور ہے کہ عورت چونکہ معاشی ذمہ داریوں سے آزاد ہے لہٰذا دیت میں وہ مرد کے مساوی نہیں اور اسلام کا یہ اصول کسی تحقیر پر مبنی نہیں ہے' بلکہ بیان کردہ حکمت ومصلحت پر مبنی ہے۔ اسلام تو عورت کو گھر کی ملکہ بناتا ہے جبکہ مغربی ذہن اسے معاش کا کل پرزہ بناتا ہے' اسلام اس کو چراغ خانہ بناتا ہے' مغرب اسے شمع محفل بناتا ہے' اسلام اسے صرف خاوند کی خدمت کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر مغرب اسے ایئر ہوسٹس' "ماڈل گرل"' "ریسپشن گرل" اور ایکٹرس کی شکل میں ہر ہوس کار کا خدمت گار بناتا ہے۔ مسلمان عورت جس رستے پر چل نکلی ہے وہ قطعاً اس کی عزت کا راستہ نہیں' بلکہ اس کی تحقیر کا سامان ہے۔ اس میں اسلام سے بھی بغاوت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ اسلام ان کی مساوی دیت یا مساوی وراثت کے غیر فطری مطالبہ اور باغیانہ روش کی کیونکر حمایت کر سکتا ہے!

---

① امام اصم اور ابن علیہ کے موقف کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

② اپریل 1984ء میں پاکستان میں قانون قصاص ودیت کا مسودہ پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تو چند وکلاء اور مغرب زدہ خواتین نے خوب ہنگامہ کیا۔ ان کا منشاء یہ تھا کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ قصاص میں عورت کی گواہی قبول ہو اور عورت کی دیت بھی مرد کے برابر ہو جائے' اس سلسلے میں کراچی کے وکیل خالد اسحاق نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے الٹے سیدھے دلائل پیش کیے جو عورت کی نصف دیت کے متفق علیہ مسئلہ کو شکوک وشبہات کی نظر کر دیں۔ بعد میں لاہور کے طاہر القادری صاحب نے بھی اخباروں میں اس نوعیت کے مضمون دیکر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ واقعی قتل خطا میں عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے۔ حالانکہ خود طاہر القادری صاحب کا یہ حال ہے کہ حدیث فہمی سے بالکل نابلد بلکہ قرآن کی آیت کا بھی غلط ترجمہ کرکے اپنا مطلوب ثابت کر رہے تھے۔ اصل میں یہ دونوں صاحب یعنی خالد اسحاق اور طاہر القادری انگریزی قانون کے پروردہ ہیں اور انگریزی قانون یہی کہتا ہے کہ مرد وعورت دونوں کی دیت ایک جیسی ہونی چاہئے۔ وہ بار بار "لسان المیزان" اور "نیل الاوطار" کے حوالے دے کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ عورت کی نصف دیت والی حدیثوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے' جبکہ ان کی اہمیت دلائل سے واضح کی جا چکی ہے۔

③ ماہنامہ "ترجمان القرآن" جون 1984ء مضمون: "عورت کی دیت شرعی دلائل کی روشنی میں"

17

اسلام اور عورت کی سربراہی

لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ امْرَاَةً (فرمان نبویؐ)

"وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جو اپنے معاملات (کی ذمہ داری) کسی عورت کے سپرد کر دے۔"

(صحیح بخاری، کتاب المغازی)

* عورت کی قیادت اور سابقہ مذاہب:
  - ہندومت
  - یہودیت
  - عیسائیت
* اسلام کا نقطہ نظر
* قرآن پاک کے احکام
* احادیث نبویہ
* سنت الٰہی
* نماز کی امامت
* اسلام میں سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں
* عورت یہ بار نہیں اٹھا سکتی
* عورت کی نفسیات
* اجماع امت
* علامہ ماوردی کی رائے
* امام الحرمین جوینی' امام بغوی وغیرھم
* دور حاضر کے چند فتوے
* اسلامی ممالک کے دساتیر میں سربراہ حکومت کے لئے مرد ہونا لازم ہے
* پاکستان کے دستور کی رو سے عورت کی سربراہی جائز نہیں
* بے نظیر بھٹو کا سربراہ مملکت بننا
* مخالفانہ شبہات اور ان کا تجزیہ
* ارشاد احمد حقانی کا حدیث **لن یفلح**---الخ پر اعتراض
* مرد و زن کی مساوات کا اصول

- کیا حدیث کی سند کمزور ہے؟
- یہ اعتراض کہ دور نبویؐ میں کوئی عورت فارس کی حکمران نہیں بنی
- تاریخ کے سٹیج پر حکمران بننے والی غیر مسلم خواتین کی کارگزاری
- چند مسلمان خواتین کی حکمرانی کو سند جواز بنانا
- ملکہ بلقیس کی حکمرانی کو سند جواز بنانا
- ام ورقہؓ والی روایت سے استدلال
- خلافت سے متعلق عام آیات کو سند جواز بنانا
- جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی شرکت سے استدلال
- مولانا اشرف علی تھانوی کے فتوے سے استدلال
- غزوات میں صحابیاتؓ کی شرکت سے استدلال
- فاطمہ جناح کی نامزدگی سے استدلال
- اسمبلیوں کی رکنیت سے استدلال
- علمائے کرام نے عورت کی حکمرانی کے جواز کا کبھی فتویٰ نہیں دیا
- بے نظیر کی ناکامی

اسلام میں عورت کی سربراہی

عورت کی سربراہی سے متعلق اسلام کا نقطہ نظر پیش کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں سابقہ مذاہب کا نقطہ نظر بھی پیش کیا جائے:

❑ عورت کی قیادت اور سابقہ مذاہب: سابقہ مذاہب کی رو سے عورت اپنی اندرون خانہ کی ذمہ داریوں کی بناء پر بیرون خانہ کی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے معذور ہے۔ اس سلسلہ میں ہندو یہودی اور عیسائیوں کی مذہبی کتب کے احکامات درج ذیل ہیں:

❑ ہندومت: ہندوؤں کی مذہبی کتب کی رو سے عورت کے لئے ملک کی قیادت کا خواب دیکھنا بھی ممکن نہیں ہے' مثلاً: "عورتوں کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے جنیں' ان کی پرورش کریں اور ہر روز خانہ داری کے کام میں مصروف رہیں۔" (منوسمرتی' نواں باب' اشلوک 27)

"اگر کسی بیوی کو اپنے شوہر کی طرف سے جائیداد ملتی ہے' تو اسے جائیداد کی بیع و فروخت کا کوئی اختیار نہیں۔" (اتھروید کانڈا' سواکت' 17 منتر 1) پھر اولاد نرینہ نہ ہو تو بھی بیٹی وارث نہیں بن سکتی بلکہ متبنی (جو غیر کا بیٹا ہوتا ہے) وہ وارث ہو گا۔" (منوسمرتی)

"کسی عورت کو خاوند سے حکومت نہیں مل سکتی۔" (اتھروید کانڈا' سواکت 17' منتر 1) ان حالات میں عورت کے لئے معاشرتی وسیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے' انتخابی مہموں کے لئے وقت نکالنے' اخراجات برداشت کرنے' الیکشن لڑنے اور سیاسی ذمہ داریاں تفویض کئے جانے یا ان کو نباہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

❑ یہودیت: یہودی کتب مقدسہ میں عورت کے بارے میں یہ احکام درج ہیں: "ہر ماہ کا نصف حصہ ناپاک ہونے کی وجہ سے عورت بستی سے باہر رہے گی اور بھرشٹ رہے گی۔ مذہبی راہنما کے کفارہ دینے کے بعد ہی معمول کی زندگی گزار سکے گی۔ احکام زچگی یہ ہیں کہ لڑکا ہونے کی صورت میں 40 دن اور لڑکی ہونے کی صورت میں 80 دن عورت ناپاک رہے گی۔ بعد ازاں کاہن اس کی طرف سے کفارہ ادا کرے گا تو پاک ہو گی اور ڈیرے میں آسکے گی۔"

یہودی روایات کے مطابق "شیطان نے جنت میں پہلے حضرت حوا کو بہکایا۔ انہوں نے خود بھی ممنوعہ پھل کھایا اور پھر حضرت آدم کو بھی کھلایا' لہٰذا بارگاہ ایزدی سے عورت کو اس پر سزا ملی۔ بائبل کے الفاظ یہ ہیں: "میں تیرے درد حمل کو بہت بڑھاؤں گا' تو درد کے ساتھ بچہ جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔" (کتاب پیدائش' باب 3' آیت 16)

الغرض عورت نسوانی کمزوریوں اور ان کی بناء پر عاید شدہ پابندیوں کی وجہ سے حکومتی ذمہ داریاں سنبھالنے کی اہل نہیں۔ پھر مذہبی لحاظ سے مرد کی محکوم ہونے کی وجہ سے بھی وہ حکومتی بار اٹھانے کے لئے نااہل ہے۔

عیسائیت: بائبل بھی اسی طرح عورت کی معاشرتی یا سیاسی ذمہ داریوں کو پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ حکم ہے: "مرد کو اپنا سر نہ ڈھانکنا چاہئے کیونکہ وہ خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے۔ مگر عورت مرد کا جلال ہے' اس لئے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے اور مرد عورت کے لئے نہیں بلکہ عورت مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے' پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہئے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے۔" (کرنتھیوں 11:7 تا 10)

"عورتیں کلیسا کے مجمع میں خاموش رہیں' کیونکہ انہیں بولنے کی اجازت نہیں بلکہ تابع رہیں۔ جیسے تورات میں بھی لکھا ہے اور اگر کچھ سیکھنا چاہیں تو گھر میں اپنے شوہر سے پوچھیں' کیونکہ عورت کا کلیسا کے مجمع میں بولنا شرم کی بات ہے۔" (ایضاً آیت 15۔34:35)

مزید حکم ہے: "اے بیویو! جیسا کہ خداوند میں مناسب ہے اپنے شوہروں کے تابع رہو۔" (اکلیسیوں 3:18)

جس مذہب کی رو سے مذہبی احکام بھی عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی سے نہیں پوچھ سکتی' اسے سیاسی جلسوں و جلوسوں میں شرکت' غیر مردوں سے بے باکانہ گفت و شنید اور اسمبلیوں میں خطابات کی آزادی کہاں ہو سکتی ہے؟ ①

حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب عورت کی قیادت و سیادت کی اجازت نہیں دیتے اور اس کی تمام تر ذمہ داریوں کو گھر' بچوں اور شوہر تک محدود قرار دیتے ہیں۔

اسلام کا نقطہ نظر: اسلام کی رو سے بھی عورت کو سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں۔ قرآن و سنت کے واضح احکامات کے پیش نظر عورت کسی اسلامی ریاست کی سربراہ نہیں ہو سکتی۔ اسلام دین فطرت ہے' اس نے مرد و عورت کی جداگانہ فطری صلاحیتوں کا اعتبار کیا ہے' ان دونوں کا الگ الگ دائرہ عمل تجویز کیا ہے تاکہ دونوں اپنے اپنے مقصد تخلیق کو بطریق احسن پورا کر سکیں۔ عورت کی سربراہی اس فطری نظام کے برعکس ہے۔ لہٰذا یہ تجربہ جہاں بھی ہوگا ناکامی سے دوچار ہوگا۔

علامہ اقبال کی ایک تحریر ملاحظہ ہو: "عورت کے بحیثیت عورت اور مرد کے بحیثیت مرد بعض خاص علیحدہ علیحدہ فرائض ہیں۔ ان فرائض میں اختلاف ہے' مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت ادنیٰ ہے اور مرد اعلیٰ۔ فرائض کا اختلاف اور وجوہ پر مبنی ہے۔ مطلب یہ کہ جہاں تک مساوات کا تعلق ہے' اسلام کے اندر مردوزن میں کوئی فرق نہیں۔ تمدنی ضروریات کی وجہ سے فرائض میں اختلاف ہے۔" (زندہ رود' حصہ سوم' صفحہ 358)

اصل بات تو فطری صلاحیتوں اور اسکے مطابق الگ الگ فرائض کی ہے۔ ان فطری صلاحیتوں کے اعتبار سے مردوں کو عورتوں پر یک گونہ برتری حاصل ہے۔ جس کو صرف اسلام ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب نے تسلیم کیا ہے۔

❑ (1) قرآن پاک کے احکام:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

"مرد عورتوں کے سربراہ ہیں' اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔" (النساء:34)

عربی زبان میں قوام منتظم اور نگران کو کہتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ قوامیت کا منصب مرد کو عطا کیا ہے' اگرچہ اس آیت کا تعلق خانگی معاملات سے ہے۔ مگر اسے صرف خانگی امور تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر گھر کی چھوٹی سی ریاست کی سربراہی بھی عورت کو نہیں دی گئی' تو گھروں کے مجموعے کے وسیع دائرے یعنی پوری اسلامی ریاست کی سربراہی کا منصب اسے کیسے دیا جاسکتا ہے! پھر مرد کے سربراہ ہونے کی وجہ بھی یہاں بیان کر دی گئی ہے کہ عورت کو سربراہ نہ بنانا اس کی کوئی حق تلفی یا تحقیر نہیں ہے' بلکہ یہ تفاوت صلاحیتوں اور تقسیم کار کی بناء پر ہے۔ ایک طرف تو مرد کی ذہنی' نفسیاتی اور جسمانی صلاحیتیں عورت سے زیادہ ہیں' جو اس کے فرائض اور دائرہ کار کے لحاظ سے ضروری ہیں' دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ عورت کے نان نفقہ کا ذمہ دار اور کفیل ہے۔

(2) مرد کی قوامیت اور صلاحیتوں کا ذکر سورۃ بقرہ' آیت نمبر 228 میں اس طرح بیان ہوا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

"اور عورتوں کے بھی معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں' البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے اور اللہ غالب' حکمت والا ہے۔"

اس آیت میں ایک طرف تو قدیم جاہلانہ تصور کی تردید کی گئی ہے' جس کے مطابق عورتوں کا کام

صرف مردوں کی خدمت کرنا تھا اور انکا کوئی حق نہ ہوتا تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں کے حقوق بھی ہیں اور فرائض بھی۔ مگر مرد کو عورت سے ایک درجہ زاید حاصل ہے۔ یہ زائد درجہ انتظامی امور ہی سے تعلق رکھتا ہے' کہ مرد کو گھر کی سربراہی کی ذمہ داری دی گئی ہے اور عورت کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کیا گیا ہے۔ جب عورت گھر کی چھوٹی سی ریاست کی سربراہ نہیں بن سکتی تو پوری ریاست کی ذمہ داری وہ کیسے نباہ سکتی ہے!

2: اللہ تعالیٰ نے جب طالوت کو بنی اسرائیل کا امیر مقرر فرمایا تو امیر مقرر کرنے کی وجہ قرآن میں یہ بتائی گئی۔"

زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ "اللہ نے اسے علم اور جسم میں زیادہ (فراوانی) عطا فرمائی ہے۔ (البقرہ:247)

اس سے ثابت ہوا کہ حکمران اور سربراہ مملکت کے لئے علمی' ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کی وافر موجودگی از حد ضروری ہے۔ یہ اس کی اہلیت کی شرائط میں شامل ہے۔ جبکہ صنف نازک کی نسوانی وجسمانی کمزوری تو سب کو معلوم ہے اور عقلی طور پر مردوں سے کم ہونا بھی ارشاد رسولؐ سے ثابت ہے۔⑤

تو پھر عورت ریاست کی سربراہی کی ذمہ داریاں کس طرح پوری کر سکتی ہے! علاوہ ازیں جو معاشرے مساوات مرد وزن کے مدعی ہیں وہ بھی گھر میں بھی عورت کو سربراہ خاندان تسلیم نہیں کرتے۔ وہاں بھی ہر جگہ مرد ہی کو سربراہ خاندان سمجھا جاتا ہے۔

سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے دائرہ کار اور میدان عمل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: **وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی** "اور اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ ٹھہری رہو اور پہلے کے دور جاہلیت کی طرح بن سنور کر گھر سے باہر نہ نکلو۔" (احزاب:33)

اس آیت سے بھی واضح ہے کہ عورت کا اصل دائرہ کار اور ذمہ داری اس کے گھر کی ذمہ داری ہے۔ بیرونی تمام ذمہ داریوں سے شریعت نے اسے سبکدوش کر دیا ہے' صرف خاص حالات میں وہ گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور وہ بھی پردے کی پابندی کے ساتھ۔ اس آیت کی بہترین وضاحت خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک سے ہوتی ہے: **وَالْمَرْاَةُ رَاعِیَةٌ عَلٰی اَهْلِ بَیْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهَا وَهِیَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ** (صحیح بخاری' کتاب الجمعہ) (عورت شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد پر نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں بازپرس کی جائے گی)

گویا عورت کی اصل ذمہ داری قرآن وسنت کی رو سے امور خانہ داری کو انجام دینا ہے نہ کہ

بیرون خانہ سیاسی سرگرمیاں۔ حکومت اور سربراہی کے تقاضے تو مندرجہ بالا قرآنی احکام کو توڑے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ پردہ، مخلوط مجالس سے اجتناب، محرم کے بغیر سفر کی ممانعت وغیرہ سب ایسے احکام ہیں جو عورت کے لئے نظام مملکت چلانا ناجائز بنا دیتے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ عورت باہر کی جدوجہد سے یکسو ہو کر اپنے گھر کی اصلاح اور اپنے گھرانے کی تربیت کا فریضہ انجام دے، جو درحقیقت پوری قوم اور پورے معاشرے کی بنیاد ہے۔ لہٰذا باہر کی کوئی ذمہ داری بطور اصول اسکو نہیں سونپی جا سکتی۔

(2) احادیث نبویہ:

(1) حضرت ابی بکرہؓ کی مندرجہ ذیل کی حدیث اس سلسلے میں نص شمار ہوتی ہے، جو بخاری میں وارد ہوئی ہے:

لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً "وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جو اپنے معاملات کی ذمہ داری کسی عورت کے سپرد کردے۔" (بخاری، کتاب المغازی)

اس حدیث کی رو سے عورت کی حکمرانی ملت کے لئے تباہی و بربادی کا پیغام ہے نہ کہ فلاح وکامرانی کا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی عائشہؓ یا اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا، نہ صحابہ کرامؓ نے ان میں سے کسی کو سربراہی کے لئے منتخب کیا۔ حالانکہ ان دونوں خواتین کا امت مسلمہ میں بڑا مرتبہ ومقام ہے۔ علم و دانش، تقویٰ و دیانت، عفت وپاکدامنی میں وہ حقیقی معنوں میں بے نظیر تھیں۔ حضرت عائشہؓ تمام مسلمانوں کی والدہ محترمہ تھیں تو حضرت فاطمہؓ خواتین جنت کی سردار ہونے کی بناء پر گرانقدر مرتبہ کی حامل تھیں۔ مگر نہ خود انہوں نے اپنے آپ کو سربراہی کے لئے پیش کیا نہ صحابہ کرامؓ ہی نے ان کا انتخاب کیا۔

(2) ایک حدیث میں نبی پاکؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اجتماعی معاملات عورتوں کے سپرد کردیئے جائیں گے۔ اس وقت زندگی موت سے بدتر ہوگی۔

اُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا "(جب) تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد کردیئے جائیں گے تو پھر تمہارے لئے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہوگا۔" (سنن ترمذی، ابواب الفتن)

مراد یہ ہے کہ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ خاتون کو وزیراعظم یا سربراہ مملکت بنالیا جائے تو ایسی صورت میں ذلت کی اس زندگی کو اطمینان سے نہ گزارو بلکہ اس کو بدلنے کے لئے جدوجہد کرو۔ اس فتنے سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور قوم کو بھی اس سے بچانے کی فکر کرو۔

(3) **عَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَتِ الرِّجَالُ حِيْنَ اَطَاعَتِ النِّسَاءَ** "ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مرد جب عورتوں کی اطاعت کریں تو وہ تباہ وبرباد ہو جائیں گے۔" (مستدرک حاکم)

اس حدیث کا مقصد بھی عورتوں کی حکمرانی کی ممانعت ہے۔ جہاں تک خواتین کے اچھے مشوروں کا تعلق ہے' ان پر عمل کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ خواتین کے مشوروں پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض اوقات عمل کیا ہے اور خلفائے راشدین ؓ نے بھی خواتین کے بعض مشوروں کو قبول اور اختیار کیا۔

(4) لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ تَمْلِكُ رَأْيَهُمْ اِمْرَاَةٌ "جابر بن سمرة ؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ؐ نے فرمایا: "وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جن کی سوچ پر عورت کی حکمرانی ہو۔" (مجمع الزوائد' از: حافظ نورالدین ہیثمی' صفحہ 209)

(5) وہ تمام قرآنی آیات واحادیث بھی عورت کی حکمرانی کے ناجائز ہونے کی دلیل ہیں جن میں عورتوں کو بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے اور ضرورت کے وقت گھر سے نکلتے وقت پردے کی شرائط موجود ہیں' پھر وہ محرم کے بغیر اکیلے سفر بھی نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ حج اور عمرہ کا سفر بھی محرم کے بغیر ممنوع قرار دیا گیا ہے' مخلوط مجالس اور آزادانہ میل ملاپ سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ملک کا انتظام چلانے کے ساتھ ان حدود کی پابندی نہیں ہو سکتی اور ان کو توڑے بغیر کوئی بھی خاتون سربراہ کی ذمہ داریاں پوری نہیں کر سکتی۔ اس لئے وہ نہ وزیراعظم بن سکتی ہے نہ صدر مملکت۔

❑ (3) **سنت الٰہی:** سربراہی اور قیادت کے اصل مستحق تو انبیاء کرام ؑ تھے۔ ان کی تربیت باری تعالیٰ نے خود براہ راست کی تھی۔ انبیاء ؑ کے بعد پھر قیادت اور امارت کا مستحق وہی شخص بن سکتا ہے جو ان انبیاء کرام ؑ کی تعلیمات کا پابند ہو اور حکومت کا پورا کاروبار انہی کے احکامات کے مطابق چلاتا ہو۔ اس روئے زمین پر پہلا حکمران حضرت آدم ؑ تھے' جو نبی بھی تھے اور مرد بھی تھے۔ نبیوں کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلَّا رِجَالاً نُّوْحِیْ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (الانبیاء:7)

"اور آپ سے پہلے جو لوگ (نبی بنا کر) بھیجے گئے تھے وہ مرد ہی تو تھے۔ ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی تھی۔ پس پوچھ لو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔"

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اس نے مردوں کو ہی پیغامبر بنایا اور کسی عورت کو کبھی پیغمبر نہیں بنایا گیا۔ اللہ کی یہ سنت کبھی حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اسلامی حکومت کا سربراہ تو رسول کا نائب ہوتا ہے اور نبی کے احکام کے مطابق ہی کاروبار حکومت چلاتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کوئی عورت اسلامی حکومت کی سربراہ نہیں ہو سکتی۔ اسی سنت الٰہی کے مطابق نہ صرف اسلام بلکہ یہودیت

عیسائیت، ہندو مت غرض ہر مذہب میں عورت کی سربراہی ناجائز قرار دی گئی ہے۔

(4) نماز کی امامت:

اسلام میں حکومت کی سربراہی اور نماز کی امامت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح نماز پڑھنے والے کو امام کہا جاتا ہے، اسی طرح سربراہ حکومت کو بھی امام کہا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں بہت سے مقامات پر سربراہ حکومت کو لفظ "امام" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ علماء و فقہاء امامت کے دونوں معانی (یعنی حکومت کی سربراہی اور نماز کی امامت) میں اس طرح فرق کرتے ہیں کہ نماز کی امامت کو "امامت صغریٰ" اور حکومت کی سربراہی کو "امامت کبریٰ" کہتے ہیں۔ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔ جب وہ چھوٹے درجے کی امامت کی اہل نہیں ہے، تو پھر وہ بڑے درجے کی امامت یعنی حکومت کی سربراہی کی اہل کیسے ہو سکتی ہے! اسلام میں نماز کا حکومت کی سربراہی سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ فقہاء اسلام لکھتے ہیں کہ حکومت کا سربراہ وہی ہونا چاہئے جو نماز کی امامت کی اہلیت رکھتا ہو۔ امامت کبریٰ (حکمرانی) اور امامت صغریٰ (نماز کی امامت) کی شرائط اہلیت یکساں ہیں۔ مذہب و سیاست کی جدائی کا تصور تو سیکولر ذہنوں کی پیداوار ہے وگرنہ دین اسلام میں دینی قیادت (نماز) کی جو شرائط ہیں وہی سیاسی قیادت (حکمرانی) کے لئے بھی ہیں۔ عورت جب نماز کی امامت کی اہل نہیں ہے تو سیاسی قیادت اور حکمرانی کی بھی اہل نہیں ہے۔ امامت کبریٰ کو امامت صغریٰ (نماز کی امامت) پر قیاس کرنے کی ایک مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں نماز کی امامت کے لئے صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابو بکرؓ کو آگے بڑھایا تھا تو اس سے صحابہ کرامؓ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ آپؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد امامت کبریٰ کے بھی سب سے زیادہ اہل ہیں۔

الغرض اسلام میں کسی ایسے سربراہ حکومت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو کسی بھی حالت میں نماز کی امامت کا اہل نہ ہو۔ عورت خواہ تقویٰ و طہارت کے کتنے بلند مقام پر فائز ہو، وہ چونکہ نماز میں مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی لہٰذا امامت کبریٰ یا حکومت کی سربراہی کی ذمہ داری بھی اس کو نہیں دی جا سکتی۔

اسلام میں سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں:

قرآن و سنت کی رو سے اسلامی سربراہ کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ وہ محض قانونی سربراہ نہیں ہے بلکہ وہ اصلاً ملکی معاملات میں ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

اَلْإِمَامُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ "امام جو لوگوں کا سربراہ ہے وہ راعی اور نگران ہے، اس سے اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس ہو گی۔" (بخاری)

اسلامی مملکت کے سربراہ کے فرائض میں یہ بات شامل ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ "یہی وہ لوگ ہیں اگر ہم انہیں زمین پر اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں' نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔" (الحج: ۴۱)

غرض اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت کے احکام مملکت میں جاری و ساری کرے۔ اللہ کی حدود قائم کرے' دشمنوں سے ملک کی حفاظت کرے۔ نماز و زکوٰۃ کا پورا نظام قائم کرے۔ نیکی کی اشاعت کرے۔ تبلیغ و نصیحت کا حق ادا کرے۔ مملکت میں برائیوں کا قلع قمع کرے۔ مالیات کا نظم قائم کرے۔ بغاوت اور بدامنی کو روکے' ہر حال میں عدل و انصاف قائم کرے۔ غریبوں' معذوروں' ناداروں اور لاوارثوں کے مسائل حل کرے اور دوسری طرف امور خارجہ کو بحسن و خوبی ادا کر سکے۔ اتنی بھاری ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے تو انتہائی مستعد' باہوش اور صاحب تدبیر شخص ہونا چاہئے۔ جو ایک طرف فہم و فراست رکھتا ہو' دوسری طرف رعب و دبدبے کا مالک بھی ہو' مضبوط اعصاب کا مالک اور صاحب عزم و استقامت ہو۔ علم' تقویٰ' انتظامی صلاحیت اور شجاعت کی صفات بھی اس کے اندر موجود ہوں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ یہ تمام صلاحیتیں بیک وقت تو سارے مردوں میں بھی نہیں پائی جاسکتیں' عورت میں تو ان کا پایا جانا اور بھی دشوار ہے۔ پھر سربراہ مملکت کو اپنی رعیت سے رابطہ رکھنا بڑا ضروری ہے۔ لہٰذا وہ نماز جمعہ' نماز عیدین وغیرہ پڑھائے اور حج میں لوگوں کا امیر ہو۔ تاکہ ہر جگہ لوگ اس سے باآسانی مل سکیں اور وہ خود بھی ان کے حالات سے براہ راست آگاہ ہو سکے۔

❑ عورت یہ ذمہ داری نہیں اٹھاسکتی: نبی کریمؐ کا ارشاد مبارک ہے: اَلْمَرْاَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ

(ترمذی' باب النکاح)

"عورت پوشیدہ چیز ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگا رہتا ہے۔"

اسی لئے مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ

"اور جب تم ان (عورتوں) سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔"

(احزاب:53)

اسلام کے وہ بہت سے احکام جن کی بجا آوری باہر نکلنے پر موقوف ہے' عورت کو ان سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے مثلاً:

(1) نماز جمعہ مردوں پر فرض ہے' مگر عورت اس سے مستثنیٰ ہے۔ (سنن ابی داؤد' ابواب النکاح)

(2) عورتوں کو جنازہ کے ساتھ قبرستان تک جانے سے منع کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری' باب اتباع النساء الجنائز)

(3) عورت کو تنہا سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے' جب تک اس کا محرم ساتھ نہ ہو۔ (جامع الترمذی' کتاب النکاح)

(4) حج و عمرہ کے سفر میں بھی وہ محرم کے بغیر نہیں جا سکتی۔ اگر اسے محرم نہ ملے تو اس پر سے حج کی ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے۔ مرتے وقت تک محرم نہ ملے تو حج نہ کرے (بلکہ حج بدل کی وصیت کر جائے)۔

(5) اسی طرح جہاد کا فریضہ بھی (جو گھر سے باہر کا کام ہے) خواتین سے ساقط کر دیا گیا ہے۔

(6) دور نبویؐ میں خواتین مسجد نبویؐ میں فرض نماز کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوا کرتی تھیں۔ نبی پاکؐ نے اگرچہ ان کو مسجد میں باجماعت نماز میں شامل ہونے کی اجازت دے دی تھی (ان کے شوق کے پیش نظر) مگر پھر بھی آپؐ نے ارشاد فرمایا: **وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ** (سنن ابی داؤد' کتاب الصلوۃ) "ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔" آپؐ نے مزید ارشاد فرمایا: "عورت کا کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اندرونی کمرے میں نماز پڑھنا بیرونی کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (سنن ابی داؤد) پھر اگر نماز باجماعت میں شامل ہوں تو مردوں کے پیچھے آخری صف میں کھڑی ہوتی تھیں۔ اور جمعہ اور عیدین کے موقع پر خطبوں میں شامل ہوں' تب بھی ان کی نشست گاہ مردوں سے بالکل الگ تھلگ ہوتی تھی۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ جس دین نے عورت کے تقدس اور اس کی حرمت کا اتنا اہتمام کیا ہے کہ دین کے بعض اہم ترین شعائر سے اس کو مستثنیٰ کر دیا ہے' اس کے بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ پورے ملک کی سربراہی جیسی اہم ترین ذمہ داری اس کو سونپ سکتا ہے! حقیقت یہ ہے کہ

اسلام میں کسی ایسے سربراہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے جو:

- کسی بھی حالت میں نماز کی امامت نہ کرا سکے اور نہ اذان دے سکے۔
- جس کا باجماعت نماز پڑھنا پسندیدہ نہ سمجھا جائے۔
- جو اگر جماعت میں شامل ہو بھی جائے تو اس کو آخری صف میں تمام مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا پڑے۔
- جس پر ہر ماہ چند دن ایسے گزرتے ہوں جب اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا بھی جائز نہ ہو اور قرآن پاک کو چھونا بھی جائز نہ ہو۔
- جس پر جمعہ فرض نہ ہو۔
- جس کے لئے جنازے کے ساتھ جانا جائز نہ ہو۔

- جو بغیر محرم کے سفر نہ کر سکے اور راستہ میں بھی اس کو کناروں کے ساتھ ساتھ چلنے کا حکم ہو' وہ درمیان میں نہ چل سکتی ہو۔
- جو تنہا حج نہ کر سکے اور خلوت میں کسی سے ملاقات نہ کر سکے۔
- جس پر جہاد فرض نہ ہو۔
- جس کی گواہی اسلام میں آدھی گواہی شمار ہوتی ہو اور قصاص کے معاملے میں وہ گواہ نہ بن سکتی ہو۔
- جس کے لئے بلا ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہ ہو۔ حتی کہ انتہائی اہم معاملات میں اس سے گھر کے اندر گواہی طلب کر لی جائے۔
- جس کا نان و نفقہ شادی سے پہلے باپ پر اور شادی کے بعد شوہر پر واجب ہو۔
- جو کسی کے نکاح میں ولی نہ بن سکے اور نہ وہ گواہ بن سکے۔
- اور حد یہ ہے کہ جسے اپنے ہی گھر میں بھی سربراہی کا منصب حاصل نہ ہو۔③ (ہفت روزہ الاعتصام '17 تا 24 مارچ 1989ء' صفحہ 23)

پس ثابت ہوا کہ اسلامی حدود و معاشرت کی پابندی کرتے ہوئے عورت کے لئے پبلک زندگی گزارنا ممکن ہی نہیں ہے۔ نیز وہ اپنی قوت' صلاحیت' انداز فکر' افتاد طبع' جذبات و احساسات کسی بھی پہلو سے سیاست کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر نہیں اٹھا سکتی۔ اسلام نے عورت کے ساتھ نہ تو تعصب برتا ہے نہ کسی قسم کی زیادتی کی ہے۔ اس پر وہی ذمہ داریاں ڈالی ہیں جو وہ بآسانی اٹھا سکتی ہو' اور وہ ذمہ داریاں جو اس کی طاقت سے باہر ہیں ان سے سبکدوش کر دیا ہے۔ یہ ناانصافی نہیں عین انصاف ہے۔ یہ زیادتی نہیں بلکہ اس کی فطرت کا لحاظ اور پاس ہے۔

عورت کی نفسیات

جذباتیت: جذبات مرد کی زندگی کا فقط ایک جز ہیں مگر عورت کے دل و دماغ پر گہرے' دوررس اور دیرپا اثرات مرتب کرتے ہیں' بلکہ عورت کی ساری زندگی جذبات سے عبارت ہے۔ وہ اس کا سرمایۂ حیات ہیں' عورت کی زندگی سے جذباتیت کو نکال دیجئے تو راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں بچتا۔

جذبات کی یہ فراوانی عورت کو چند مصلحتوں کی خاطر عطا کی گئی ہے۔ حیات انسانی کی بقا کا ضامن فقط ایک جذبہ ہے اور وہ ہے ممتا۔ یہ خالص نسائی جذبہ ہے۔ ایک خاص عمر تک ماں ہی بچے کی حیاتیاتی اور جذباتی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ وہی اس کے دکھ اٹھاتی ہے۔ باپ کا رول تو کچھ دیر کے بعد ہی

بچے کی جذباتی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔

اگر جذبات کی یہ فراوانی عورت کو ودیعت نہ ہوتی تو وہ نوزائیدہ و ناتواں جان کبھی پروان نہ چڑھ سکتی۔ اس خیر کثیر سے فطرت نے اسے اسی لئے نوازا ہے۔ محبت' ہمدردی' شفقت' رقت قلب اور لطافت جذبات اس میں وافر موجود ہیں۔

تاہم دوسری طرف اس کا ایک کمزور پہلو یہ بھی ہے کہ عورت ہر معاملے میں عقل کی بجائے جذبات سے کام لیتی ہے۔ ہر کام میں اس کا پہلا رد عمل جذبات پر مبنی ہوتا ہے' جس پر اسے بعد میں پچھتانا بھی پڑتا ہے۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ ان کو "سیکنڈ تھاٹ" یعنی بعد میں ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی تربیت دی جائے۔

اسی طرح گریہ زاری عورت میں بکثرت موجود ہے۔ اعصابی تناؤ کو کم کرنے میں بلاشبہ آنسوؤں کا رول بڑا اہم ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو عورت کب کی ٹوٹ پھوٹ چکی ہوتی۔ مردانہ جارحیت سے بچنے' مردوں سے بات منوانے اور انہیں رام کرنے' اکسانے' جوش دلانے یا اپنی بے گناہی ثابت کرنے کیلئے ان کا رول بلاشبہ اہم ہے۔ اس کے برعکس مرد روتے تو نہیں مگر وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں (اکثر خودکشی مرد کرتے ہیں کیونکہ وہ روتے نہیں)۔

بسیار گوئی بھی ان کی خاص بات ہے (سٹیم خارج کرنے کا اہم ذریعہ) مگر اس سے پھر وہ راز افشائی کی مرتکب ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جو دیکھتی ہیں یا محسوس کرتی ہیں' اس پر فوراً رد عمل ظاہر کرتی ہیں۔ زیادہ باتیں کرنے سے ضروری راز بھی افشا ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سراغرساں ایجنسیاں حصول مقاصد کے لئے دشمن قوم کی خواتین سے مراسم کو بڑی اہمیت دیتی ہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ وہ جلد ہی مرعوب ہو جاتی ہیں' اس لئے بھی راز افشائی کر دیتی ہیں۔

❑ عدل وانصاف کا فقدان:

ماہرین نفسیات و حیاتیات اس بات پر متفق ہیں کہ خواتین میں کسی ایسے منصب کی اہلیت قدرے کم ہے' جس میں ذہنی توازن و اعتدال کو برقرار رکھتے ہوئے غیر جانبدارانہ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی ضرورت ہو۔ ہیولاک ایلس' البرٹ اور بعض دوسرے ماہرین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اس کی زندگی میں کچھ ایام ایسے آتے ہیں کہ وہ کسی بڑے منصب کی ذمہ داری کا بار اٹھانے یا کوئی اہم جسمانی یا دماغی محنت کرنے کی صلاحیت اس میں نہیں ہوتی۔

ادھر آمرانہ مسند اقتدار پر متمکن خواتین کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ تمام تر ذہانت و تدبر کے باوجود ان میں سے بیشتر عالم اضطرار میں کسی جذباتی لہر کے زیر اثر کوئی ایک آدھ عاجلانہ قدم ایسا ضرور اٹھا لیتی ہیں' جو ان کی سابقہ کامیابیوں کو گہنا دیتا ہے۔ مثلاً اندرا گاندھی کا سکھوں کے مقدس مقام پر حملہ' جو بالآخر ان کی اپنی تباہی پر منتج ہوا' مبصرین کی رائے میں کچھ ایسا ہی عاجلانہ قدم

تھا۔

جہاں خواتین خود تو بااختیار نہ ہوں لیکن کوئی آمر مطلق ان کا تابع فرمان ہو' وہاں اس کے عاجلانہ اقدامات کی بالعموم وہی محرک ہوا کرتی ہیں۔

ادھر گوناگوں حیاتیاتی' نفسیاتی اور جذباتی عوامل کی بناء پر خواتین میں شہادت یا گواہی کی اہلیت کو بھی ماہرین نفسیات نے محل نظر قرار دیا ہے۔ واقعات کے بیان میں مبالغہ آرائی یا رنگ آمیزی کا رجحان ان میں غالب ہے۔ داخلی اور بیرونی دباؤ کے تحت حقائق سے انحراف اور کذب بیانی کا سرزد ہو جانا بھی بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتا۔

(عورت کی نفسیات' باب سوم کے اقتباسات' از: مشہور پامسٹ و نفسیات دان ایم اے ملک

❑ اجماع امت: قرآن و سنت کے مذکورہ بالا دلائل کی بنیاد پر امت مسلمہ میں ہمیشہ اس امر پر اجماع رہا ہے کہ اسلامی حکومت میں عورت کی حکمرانی نہیں ہو سکتی۔ (آپؐ کے اس ارشاد کی تعمیل میں تاریخی طور پر بھی کسی بھی مسلم ریاست میں کسی خاتون کو حکمران نہیں بنایا گیا) علامہ ابن حزم نے "مراتب الاجماع" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں ان مسائل کو جمع فرمایا ہے' جن پر امت کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں:

وَاتَّفَقُوْا اَنَّ الْاِمَامَةَ لَا تَجُوْزُ لِامْرَاَةٍ (مراتب الاجماع لابن حزم' صفحہ 129)

"اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کا منصب کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔" اور علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "نقد مراتب الاجماع" میں ان کے اس قول کی تصدیق کی ہے۔

❑ علامہ ماوردی: اسلامی سیاست میں علامہ ماوردی کی کتاب **"اَلْاَحْکَامُ السُّلْطَانِیَّه"** اہم ترین ماخذ سمجھی جاتی ہے' اس میں وہ عورت کو سربراہی تو کجا وزارت کی ذمہ داری دینا بھی ناجائز قرار دیتے ہیں' اس میں وہ وزارت کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں۔ ایک وزارت تفویض جس میں پالیسی کا تعین بھی وزیر کا کام ہوتا ہے' دوسری وزارت تنفیذ جو پالیسی کا تعین نہیں کرتی بلکہ طے شدہ پالیسی کو نافذ کرتی ہے۔ چنانچہ وزارت تنفیذ کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں:

"جہاں تک وزارت تنفیذ کا تعلق ہے' وہ نسبتاً ہلکی ہے اور اس کی شرائط بھی کم ہیں--- لیکن یہ جائز نہیں کہ کوئی عورت اس کی ذمہ دار بنے۔ گو عورت کی خبر مقبول ہے مگر یہ وزارت ایسی ذمہ داریوں پر مشتمل ہے جن سے شریعت نے عورت کو الگ تھلگ رکھا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کر دیئے" اسلئے کہ اس وزارت کے لئے جو اصابت رائے اور اولوالعزمی مطلوب ہے' وہ عورتوں میں کم ہوتی

ہے۔ پھر اس وزارت کے فرائض بجالانے میں اس انداز سے لوگوں کے سامنے آنا پڑتا ہے جو عورتوں کے لئے شرعی طور پر ممنوع ہیں۔" (الاحکام السلطانیہ' صفحہ 25 تا 27)

□ امام الحرمین علامہ جوینی: علامہ جوینی جو اسلام کے سیاسی نظام پر ایک سند سمجھے جاتے ہیں' وہ اپنی کتاب "غیاث الامم" صفحہ 82 پر سربراہ حکومت کی شرائط بیان کرتے ہیں: "جو لازمی صفات سربراہ کے لئے شرعاً معتبر ہیں وہ اس کا مذکر ہونا' آزاد ہونا اور اس کا عاقل و بالغ ہونا بھی ہے اور ان شرائط کو ثابت کرنے کے لئے لمبے چوڑے تفصیلی دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔"

یہی امام الحرمین علامہ جوینی اپنی ایک دوسری کتاب "اَلْاِرْشَادُ فِیْ اُصُوْلِ الْاِعْتِقَادِ" میں لکھتے ہیں: "اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔ اگرچہ اس بات میں اختلاف ہے کہ جن معاملات میں عورت گواہ بن سکتی ہے' کیا ان میں وہ قاضی بھی بن سکتی ہے یا نہیں؟" (صفحہ 359' 427)

□ امام بغوی: امام بغوی پانچویں صدی کے مشہور مفسر' محدث اور فقیہ ہیں۔ وہ تحریر کرتے ہیں: "اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ حکومت نہیں بن سکتی' کیونکہ امام کو جہاد کے معاملات انجام دینے اور مسلمانوں کے امور نمٹانے کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے اور عورت پوشیدہ رہنی چاہئے۔ اس کا مجمع عام میں ظاہر ہونا درست نہیں۔"
(شرح السنۃ للبغوی' صفحہ 77' ج 10' باب کراھیۃ تولیۃ النساء)

قاضی ابوبکر ابن عربی' حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ عورت خلیفہ نہیں بن سکتی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔" (احکام القرآن لابن عربی' صفحہ 1445' ج 3' تفسیر سورۃ النمل)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سربراہی کی چوتھی شرط مذکر ہونا ہے لہذا کسی عورت کی امامت منعقد نہیں ہوتی' خواہ وہ تمام اوصاف کمال سے متصف ہو اور اس میں استقلال کی تمام صفات پائی جاتی ہوں۔" (فضائح الباطنیہ للغزالی' صفحہ 180)

علامہ تفتازانی اپنی کتاب "شرح المقاصد" صفحہ 277' ج 2 میں تحریر کرتے ہیں: "سربراہ حکومت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عاقل و بالغ ہو' آزاد ہو' مذکر ہو اور عادل ہو۔"

اس موضوع پر محدثین اور فقہاء کے یہ چند اقتباسات پیش کئے گئے ہیں' وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ علماء اسلام نے جس کتاب میں بھی اسلامی سیاست پر روشنی ڈالی ہے' وہاں سربراہ کا مذکر ہونا شرط لازم کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ علماء کے نزدیک اتنی مشہور و معروف بات تھی کہ بعض نے اس کے باقاعدہ ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی' ورنہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م 1176ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"سربراہ حکومت کی شرائط اہلیت میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مرد ہو عورت نہ ہو' اس لئے کہ عورت کی عقلی قوت ناقص ہے' جنگ و پیکار میں بے کار ہے اور محفلوں میں شرکت کے قابل نہیں ہے' تو اس سے مطلوبہ ذمہ داریاں پوری نہ ہو سکیں گی۔" (ازالتہ الخفاء عن خلافتہ الخلفاء' صفحہ 4)

مشہور محدث مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م 1353ھ) لکھتے ہیں: "امام خطابی نے کہا کہ اس حدیث (**لن یفلح قوم**) سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی۔" (تحفتہ الاحوذی' صفحہ 542' ج 6)

مولانا اشرف علی تھانوی (م 1362ھ) لکھتے ہیں: "ہماری شریعت میں عورت کو حکمران بنانے کی ممانعت ہے۔ پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے۔ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا' دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کو برقرار بھی رکھا ہو تب بھی شرح محمدی ؐ کے خلاف ہوتے ہوئے کوئی حجت نہیں۔" (تفسیر بیان القرآن' سورۃ النمل:23)

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں: "عورتوں کے ہاتھ میں عہدہ و منصب دے دینا یہاں تک کہ انہیں پورے ملک کی فرمانروا بنا دینا یورپ کی ایجاد نہیں ہے' مشرک قوموں کے ہاں ہر دور میں یہ دستور رہا ہے۔ یہ تو اسلام تھا جس نے آکر بریک لگایا اور اس دستور کو ناجائز قرار دیا۔ صحیح بخاری کی صاف حدیث ہے: **لَنْ یُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَھُمْ اِمْرَاَۃً**" (تفسیر ماجدی' سورۃ النمل' آیت:23)

مفکر اسلام مولانا مودودی (م 1399ھ) نے سورۃ النساء' آیت 34 اور بخاری کی یہ حدیث کہ "وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہو گی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنایا" نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ دونوں نصوص اس بات میں قطعی ہیں کہ مملکت میں ذمہ داری کے مناصب خواہ وہ صدارت ہو یا وزارت' یا مجلس شوریٰ کی رکنیت یا مختلف محکموں کی ادارت' عورتوں کے سپرد نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے کسی اسلامی ریاست کے دستور میں عورتوں کو یہ پوزیشن دینا یا اس کے لئے گنجائش رکھنا نصوص صریحہ کے خلاف ہے اور اطاعت خدا اور رسول ؐ کی پابندی قبول کرنے والی ریاست اس خلاف ورزی کی سرے سے مجاز ہی نہیں ہے۔" (اسلامی ریاست' صفحہ 379 و صفحہ 506 تا 513)

پس ثابت ہوا کہ عورت کو سربراہ بنانا دین اسلام کے اجتماعی نظام کے خلاف بغاوت پر مبنی ہے۔

☐ دور حاضر کے چند فتوے:

مصر کی جامع ازھر کی کمیٹی برائے فتویٰ نویسی نے بھی مندرجہ بالا آیات و احادیث کی روشنی میں فتویٰ دیا تھا کہ عورت کو سربراہ حکومت بنانا حرام ہے۔ اس فتوے کا ایک فقرہ یہ ہے: "اس حدیث (**لن یفلح قوم**---الخ) کا یہی مفہوم صحابہ کرام ؓ اور تمام ائمہ سلف نے لیا ہے کہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی۔ انہوں نے اس حکم سے نہ کسی

عورت کو مستثنیٰ رکھا ہے نہ کسی قوم کو۔ بلکہ ان سب نے اس حدیث کو اس حکم کی دلیل قرار دیا ہے کہ عورت کو کسی حکومت کا سربراہ بنانا حرام ہے۔"

سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ:

کویت کے ہفت روزہ "المجتمع" کے پیش کردہ ایک سوال کے جواب میں شیخ عبدالعزیز بن باز لکھتے ہیں: "عورت کو حکمران بنانا اور حکمرانی کے لئے اسے منتخب کرنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے اور اس پر قرآن کریم' سنت رسولؐ اور اجماع امت دلیل ہے۔"

(ہفت روزہ المجتمع: 8 نومبر 1988ء)

اسلامی ممالک کے دساتیر میں سربراہ حکومت کے لئے مرد ہونا لازم ہے:

جامعہ ازہر کے قانون کے استاد ڈاکٹر فواد النادی لکھتے ہیں:

"یورپی ممالک کے اکثر دستوروں میں تو مرد اور عورت کو ہر لحاظ سے مساوی قرار دیا گیا ہے اور سربراہ حکومت یا سربراہ ریاست کے لئے مرد ہونا ضروری نہیں قرار دیا گیا مگر مسلمان ممالک میں سے عراق' الجزائر' کویت اور اردن کے دستوروں میں واضح طور پر حکومت کی سربراہی مرد کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے اور تیونس اور شام کے دستوروں کے سیاق و سباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانی کے لئے مرد ہونا ضروری ہے۔ (مصر کے بارے میں ڈاکٹر فواد لکھتے ہیں کہ) مصر کے دستور 1971ء میں اگرچہ صریح طور پر اس بارے میں کوئی دفعہ نہیں رکھی گئی مگر اس دستور کی دفعہ 11 میں کہا گیا ہے کہ شریعت کے احکام کو نقصان پہنچائے بغیر مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہوں گے اور شریعت تو عورت کی حکمرانی کو ناجائز قرار دیتی ہے۔ اس دفعہ 11 سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مصر کا دستور عورت کی سربراہی کو جائز قرار نہیں دیتا۔"

ڈاکٹر فواد اپنی اس آئینی بحث کو سمیٹتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: "کسی اسلامی ملک میں حتیٰ کہ وہ اسلامی ملک بھی جن کے آئین سربراہ ریاست کی نامزدگی کے لئے کسی جنس کے ذکر سے خالی ہیں' یہ جائز نہیں ہے کہ عورت ریاست کی سربراہ بن جائے۔ اس لئے کہ یہ اسلامی ممالک کے عام نظام (دین اسلام) میں از خود شامل ہے۔" ("المجتمع" شمارہ 125 اکتوبر 1988ء' صفحہ 17)

جائزہ: پاکستان کے دستور کی رو سے عورت کی سربراہی جائز نہیں:

1940ء میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد پاکستان کے لئے دستوری خاکہ مرتب کرنے کے لئے جو کمیٹی قائم کی گئی تھی' اس کی سفارشات میں سربراہ مملکت و حکومت اور دیگر کلیدی مناصب کے

لئے مسلمان ہونے کے علاوہ مرد کی شرط بھی عاید کی گئی تھی' قیام پاکستان کے بعد دستور ساز اسمبلی نے تعلیمات اسلامی بورڈ کی تشکیل کی۔ اس نے بھی دستور پاکستان کے لئے اپنی تجاویز میں "مسلمان مرد" کی شرط قائم رکھی۔ مختلف مکاتب فکر کے 32 نمائندہ علماء کے جنوری 1951ء میں مرتب کردہ 22 نکات تھے' جو بعد میں قرار داد مقاصد کا حصہ بنے۔ ان 22 نکات کے نکتہ 12 میں سربراہ حکومت کے لئے مسلمان مرد ہونا لازمی قرار دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے 1954ء اور 1956ء کے دستور میں مسلمان مرد کی شرط شامل تھی۔ گویا عورت کی سربراہی کا سرے سے کوئی تصور ہمارے دستور سازوں کے ذہن میں نہ تھا۔ یہ ایک صدیوں پرانی اور مسلمہ روایت تھی۔ اس لئے 1973ء کے

دستور میں اس کے صراحتاً ذکر کی طرف کسی کی توجہ نہ جا سکی اور لغت کی زبان میں THE کا مفہوم قانون کی زبان میں She تک کے مفہوم کی وسعت اختیار کر گیا۔ اسی کا فائدہ اٹھا کر عورت کی سربراہی کو آئین کے مطابق یا آئین کے منافی نہ ہونے کی سند مہیا کی جا رہی ہے (لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ جس بات کو آپ مغربی قانون کا سہارا لیکر آئین کے مطابق کہیں' تو اس کو پھر شرعی جواز بھی لازماً مہیا کریں اور مطابق شریعت ثابت کرنے پر اصرار کریں---؟)

اگر 1973ء کے آئین کو سیاق و سباق کی روشنی میں دیکھیں تو وہ بھی عورت کی سربراہی کو ناجائز قرار دیتا ہے--- ملاحظہ فرمائیں:

دفعہ نمبر 2: اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہو گا۔

دفعہ نمبر 2۔ الف:۔ قرارداد مقاصد کے اصول و احکام کو دستور کا مستقل حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی قرارداد مقاصد میں کہا گیا ہے: "جمہوریت' حریت' مساوات' رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں کو' جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے' پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔"

جب اسلام مملکت کا مذہب ہے اور اسلامی اصول مساوات میں وزیراعظم بننے کی اہلیت میں مرد اور عورت دونوں مساوی نہیں ہیں' بلکہ اس منصب کے لئے مرد ہونا لازم ہے تو اس کا مطلب ہے کہ عورت وزیراعظم نہیں بن سکتی اور اگر عورت کو وزیراعظم بنا دیا جائے تو دفعہ 2 اور دفعہ 2 الف کی خلاف ورزی لازم ہو جاتی ہے۔

دفعہ 42 کی رو سے صدر اور دفعہ 3/91 کی رو سے وزیراعظم کو اپنے عہدے پر فائز ہوتے وقت جو حلف اٹھانا پڑتا ہے' اس کی عبارت میں مذکر ہی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ وزارتِ عدل و پارلیمانی امور کی جانب سے دستور کا جو اردو ترجمہ شائع ہوا ہے' اس میں صدر اور وزیراعظم دونوں کے حلف کی عبارت یہ ہے:

"میں صدق دل سے حلف اٹھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور وحدت و توحید قادر مطلق اللہ

تبارک وتعالیٰ، کتب الٰہیہ جن میں قرآن پاک خاتم الکتب ہے، نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت خاتم النبیین، جن کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، روز قیامت اور قرآن پاک اور سنت کی جملہ مقتضیات وتعلیمات پر ایمان رکھتا ہوں۔" (جلد سوم، دفعہ 42و3/91)

اس حلف نامے میں دو جگہ مذکر کا لفظ آیا ہے: "اٹھاتا ہوں" اور "رکھتا ہوں۔" یہ ترجمہ خود حکومت کے وزارت عدل وپارلیمانی بورڈ کا شائع کردہ ہے۔ اگر دستور سازوں کے ذہن میں یہ بات نہ ہوتی کہ پاکستان کے صدر اور وزیراعظم مرد ہی ہوں گے تو وہ حلف نامے میں مذکر اور مونث دونوں کے صیغے درج کرتے اور اس طرح لکھا جاتا: "اٹھاتا/ اٹھاتی ہوں اور رکھتا/ رکھتی ہوں۔" نیز حلف کے الفاظ خود ظاہر کر رہے ہیں کہ دستور 1973ء کے آئین کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی عورت صدر یا وزیراعظم نہیں بن سکتی۔ جب وہ "قرآن پاک اور سنت کی جملہ مقتضیات وتعلیمات پر ایمان رکھتا ہوں۔" کا حلف اٹھاتا ہے تو پھر اسلام کا قطعی حکم تو یہ ہے کہ عورت صدر یا وزیراعظم بننے کی اہل نہیں ہے۔ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کا اجماع ہے کہ عورت حکمران نہیں بن سکتی۔ اگر کسی عورت نے یہ حلف اٹھایا ہے تو پھر وہ حلف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے صدارت یا وزارت عظمیٰ کے عہدہ کو چھوڑ دے۔ کیونکہ شریعت نے تو اس کو حکمران تسلیم ہی نہیں کیا۔ حلف نامہ کی مخالفت شرعی طور پر کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتی ہے۔ تو گویا عورت نے وزیراعظم بن کر "اسلامی آئیڈیالوجی کی حفاظت کرنے کے بجائے" پہلے ہی قدم پر اس کی مخالفت کر دی۔ پھر دستور کی دفعہ 62اور 63 (اہلیت وناہلیت) سے بحث کرتی ہیں، انہی دفعات کی رو سے اتنے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والی خاتون کیا آئینی لحاظ سے بھی پاکستان کی وزیراعظم رہ سکتی ہے۔۔۔؟ وہ اسمبلی کی ممبر بھی نہیں رہ سکتی، کجاکہ وزیراعظم کے عہدے پر فائز ہو"

لگتی ہے کلی کتنی بھلی شاخ چمن پر
ہاتھوں میں پہنچ کر کوئی قیمت نہیں رہتی
مردوں کے اگر شانہ بشانہ رہے عورت
کچھ اور ہی بن جاتی ہے، عورت نہیں رہتی

بے نظیر بھٹو کا پاکستان کا وزیراعظم بننا

1988ء میں ایک خاتون بے نظیر بھٹو کا پاکستان میں وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہونا ایک ایسا افسوسناک سانحہ تھا، جس سے پاکستان کا اسلامی تشخص عالم اسلام میں بہت زیادہ مجروح ہوا۔ عام طور پر پاکستان کو عالم اسلام کا سربراہ اور اسلام کا قلعہ تصور کیا جاتا ہے اور کون نہیں جانتا کہ قیام پاکستان کے

موقع پر اسلام ہی کو پاکستان کا بنیادی نظریہ اور مقصد قرار دیا گیا تھا۔ چنانچہ ایسی صورت میں "اسلام کے قلعہ میں" اسلام ہی کی کھلی خلاف ورزی یقیناً افسوسناک تھی۔ اسلام کا ایک مسلمہ اصول نہایت بے دردی سے پامال کر دیا گیا تھا۔ کشمیر کے صدر سردار عبدالقیوم نے مسٹر نواز شریف کو پنجاب کا وزیراعلیٰ بننے پر مبارکباد دی' اس موقعہ پر صحافیوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے محترمہ بے نظیر بھٹو کو وزیراعظم بننے پر مبارکباد کیوں نہیں دی؟ تو سردار عبدالقیوم نے کہا: "میرا ان سے کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے۔ وہ پاکستان کی وزیراعظم ہیں مگر جس بات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا فعل نہ قرار دیا ہو میں اسے کیونکر اچھا قرار دے سکتا ہوں۔"

(روزنامہ جنگ لاہور' 3 دسمبر 1988ء' صفحہ 3)

انہی دنوں میں پاکستان کے مولانا صہیب حسن (صدر قرآن سوسائٹی لندن) تبلیغ اسلام کی خاطر جرمنی گئے۔ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں: "ترک حضرات کی ایک مسجد میں میرا خطاب رکھا گیا' لیکن خطاب سے قبل میں ایک غیر متوقع صورت حال سے دوچار ہو گیا' ایک ترک بھائی نے بلند آواز میں کہا: "آپ لوگ یہاں ہمیں تبلیغ کرنے کیوں آئے ہیں؟ جب کہ آپ کے اپنے ملک میں تبلیغ کی زیادہ ضرورت ہے' جہاں ایک عورت کو حکمرانی کے لئے منتخب کر لیا گیا ہے۔ یہاں (برلن) کے ایک مقامی اخبار نے پاکستان میں نومبر 1988ء کے انتخابات کے بعد یہ سرخی لگائی تھی:

"خدا کے مقابلے میں ایک عورت کامیاب ہو گئی۔"

صد حیرت ہے کہ کتاب و سنت کے نام پر قائم ہونے والا یہ ملک قرآن و سنت کی تعلیمات سے روگردانی کے باعث کب تک مسلمانوں کی جگ ہنسائی کا باعث بنتا رہے گا۔

(مولانا صہیب حسن کے سفرنامہ برلن سے ایک اقتباس' از: اردو ڈائجسٹ لاہور' جولائی 1989ء' صفحہ 134)

اس پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون! پھر مزید ستم یہ ہوا کہ بے نظیر صاحبہ دوبارہ 1993ء میں پاکستان کی وزیراعظم منتخب ہوئیں اور دونوں دفعہ ہی نااہلی کی بناء پر اپنی مقررہ میعاد پوری نہ کر سکیں۔

□ پاکستان کی عوامی نفسیات:

قارئین کو غالباً یاد ہو گا کہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کے وزیراعظم ہونے اور انتخابات میں کامیاب ہونے سے پہلے میں نے "نوائے وقت" کے اسی کالم میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ "کیا پاکستان کی بے حد مذکر عوامی نفسیات مونث قیادت کی متحمل ہو سکتی ہے؟" میں نے یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں اٹھایا تھا۔۔ بلکہ خواتین نے پاکستان میں جو معاشرتی زندگی اختیار کر لی ہے اور معاشرے نے اسے جس طرح قبول کر لیا ہے' اس کی وضاحت میں نے اپنے کالم میں کی تھی اور یہی عرض کیا تھا کہ مونث قیادت کے لئے اس مذکر عوامی نفسیات کی جارحیت کا مقابلہ کرنا

بہت دشوار ہوگا۔"

(روزنامہ "نوائے وقت" 3 مارچ 1989ء' ابن الحسن کے کالم "جملہ معترضہ" سے ایک اقتباس)

۲۔ عربی اور اردو قواعد کی رو سے وزیر' مشیر اور وزیر اعظم سب الفاظ مذکر ہیں اور مردوں ہی کے لئے استعمال ہونے چاہئیں جبکہ عورتوں کے لئے وزیرہ' مشیرہ اور وزیرہ عظمیٰ (وزارت عظمیٰ کی طرح) کے الفاظ بولے جاسکتے ہیں۔ مگر مسئلہ یہی ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی عورت کو اپنی سربراہی کے لئے مردوں کے سہارے کے ساتھ ساتھ مردانہ الفاظ کی بھی ضرورت ہے۔

ایسے دینی و معاشرتی ماحول میں بے نظیر بھٹو اس ملک کی وزیر اعظم بنی' تو پھر کچھ صحافیوں نے اخبارات و رسائل میں اس خالص علمی و دینی مسئلے کو صحافت کے لئے تختہ مشق بنالیا اور اپنی عادت کے مطابق سطحی قسم کے استدلال کر کے بے نظیر کی حکومت کو شرعی جواز مہیا کرنے کی ذمہ داری اٹھالی۔

اخبارات و رسائل میں اس موضوع پر لمبے چوڑے مضمون تحریر کئے گئے' شبہات اور غلط بحث کے ذریعے سے انہوں نے عوام کو باور کرانے کی کوشش کی کہ علماء محض تعصب اور تنگ نظری سے کام لیکر مخالفت کر رہے ہیں' وگرنہ اسلام میں تو عورت کی سربراہی کی پوری گنجائش موجود ہے۔ پھر یہ مسئلہ بڑھتا گیا۔ 1988ء سے 1990ء کے دوران میں ترکی میں بھی خاتون تانسو چلر حکمران بنی اور بنگلہ دیش میں ایک خاتون خالدہ ضیاء حکمران منتخب ہوئی۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مغالطوں اور شبہات کا کتاب و سنت کی روشنی میں ازالہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ مجھ جیسی عاجز و بے بضاعت کو توفیق عطا فرمائے' آمین!

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

وگرنہ اہل مغرب تو یہی چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ اپنے دین کے تمام واضح احکام کی حرمت پامال کرتی چلی جائے۔ اب یہ تو ہمارا کام ہے کہ اپنے دین کے مسلمات کا مقدور بھر دفاع کریں اور اللہ و رسول ؐ کی ناراضگی سے خود بچنے اور دوسرے مسلمانوں کو بچانے کی بھرپور سعی کریں۔

☐ مخالفانہ شبہات اور ان کا تجزیہ:

یکم مئی 1992ء کے اخبارات میں یہ خبر چھپی کہ موجودہ دور کے محقق محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے الحمراء ہال (لاہور) میں لیکچر دیتے ہوئے کہا: "اسلام میں تنگ نظری نہیں۔ عورت حکمران بن سکتی ہے۔ وہ چہرے پر نقاب رکھ کر حکومت کر سکتی ہے۔ پردہ حکمرانی کے فرائض میں رکاوٹ نہیں بن سکتا' انہوں نے اپنی تحقیق کی تائید میں رضیہ سلطانہ کی حکمرانی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ملکہ بلقیس کی حکومت کا حوالہ دیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یمن کی حکمران بھی عورت

تھی۔"

اسی طرح ارشاد احمد حقانی (جو ملک کے مسلمہ سیاسی مبصر اور معروف سیاسی تجزیہ نگار سمجھے جاتے ہیں) انہوں نے صحیح بخاری کی حدیث: **لن یفلح قوم** ---- پر اعتراض کیا اور اس کی سند کو ضعیف قرار دیا' پنجاب یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر اسلم صاحب نے اس حدیث کی تاریخی حیثیت کو مشکوک بنا دیا کہ فارس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کوئی عورت حکمران بنی ہی نہیں تھی۔ لہٰذا اس حدیث کی صحت مشکوک ہے۔

اپنی حکومت بننے کے فوراً بعد خود بے نظیر بھٹو نے "اپوا" کے ایک اجلاس منعقدہ کراچی میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تمام علماء 1960ء میں عورت کی سربراہی کے جواز پر فتویٰ دے چکے ہیں۔ قرآن نے بھی تو مرد و عورت کے درمیان مساوات بیان کی ہے۔

مخالفین کے دلائل اور ان کا تجزیہ:

دلیل نمبر 1: خود قرآن کریم نے مرد و زن کی مساوات اور برابری کا اصول پیش کیا ہے' لہٰذا اصول کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت کرنے کے حق میں بھی مرد و عورت مساوی ہوں۔ عورت کو اس حق سے محروم کرنا عورت کی حق تلفی ہے اور اس پر ظلم ہے۔

جواب: انسانی وقار اور شرافت میں یقیناً مرد اور عورت از روئے قرآن برابر ہیں۔ قرآن پاک کا فرمان ہے: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ** (بنی اسرائیل) یعنی "ہم نے انسان (بنی آدم) کو بزرگی عطا فرمائی ہے۔" پھر مرد اور عورت پیدائش میں بھی یکساں ہیں: **خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا** (النساء:1) یعنی "اللہ نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا۔" پھر ایمان و تقویٰ اور دینداری کے لحاظ سے بھی دونوں برابر ہیں: **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ** (الحجرات:13) "اللہ کے نزدیک تم میں سے معزز ترین وہ ہے جو تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔" (یہ مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی ہو سکتی ہے)

پھر آخرت میں اجر و مرتبہ اور نجات پانے کے لحاظ سے بھی مرد و عورت دونوں یکساں ہیں۔ بنیادی انسانی حقوق جو اللہ و رسولؐ نے متعین کیے ہیں' ان میں بھی دونوں برابر ہیں۔

مگر قرآن و سنت نے یہ بات کہیں نہیں فرمائی کہ صلاحیتوں اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے بھی دونوں یکساں ہیں--- کیا پیدائش میں اور انسان ہونے میں مساوی ہونا اس بات کی ضمانت بن سکتا ہے کہ دونوں کو یکساں قسم کی صلاحیت اور یکساں قسم کی ذمہ داریاں عطا کی گئی ہیں؟ اگر یہ بات ہوتی تو مخنث اور پاگل آدمی بھی انسان ہوتے ہیں' ان کی پیدائش بھی عام لوگوں ہی کی طرح ہوتی ہے' مگر کیا

مخنثوں یا پاگلوں کو اہم ذمہ داریاں دی جاتی ہیں؟ کیا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مخنث کسی فوج کا سربراہ ہو یا کوئی پاگل آدمی اپنے ملک کا سفیر بنا کر بیرون ملک بھیج دیا جائے؟ آخر ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ اس کی محض ایک ہی وجہ ہے کہ پیدائشی طور پر مساوی انسان ہونے کے باوجود مخنث فوج کی سربراہی کی اہلیت نہیں رکھتا' نہ ہی کوئی پاگل شخص کسی باشعور حکومت کی نمائندگی کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی طرح مرد و عورت پیدائش' انسانی شرافت و کرامت' دینداری و تقویٰ' اخروی اجر و نجات اور بنیادی حقوق و فرائض میں بے شک یکساں ہوں مگر دونوں کی فطری صلاحیتوں میں فرق ہے۔ اس لحاظ سے ان کی ذمہ داریاں بھی الگ الگ نوعیت کی ہیں۔ قرآن و سنت کی رو سے عورت کی جسمانی' عقلی و ذہنی صلاحیتیں مردوں سے کمتر ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کو معاش کے مسائل سے سبکدوش کیا گیا ہے (اس کی معاش کی ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی ہے)۔ مرد کے مقابلے میں عورت کی شہادت آدھی قرار دی گئی ہے۔ اسی طرح مرد و عورت کی ذمہ داریاں بھی الگ الگ ہیں۔ عورت کی جسمانی ساخت اور ذہنی نفسیات کے پیش نظر امور خانہ داری اس کے سپرد کیے گئے ہیں اور مرد پر معاشی مسائل کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بیرون خانہ کی تمام ذمہ داریاں اس کے سپرد کی گئی ہیں۔

عورت پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس کو معاش کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا گیا ہے (لیکن یہاں بھی مساوات مرد و زن کے حاملین نے اعتراض کیا کہ عورت کو معاش کمانے کے "حق" سے محروم کیا گیا ہے)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورت پر مزید یہ احسان کیا کہ حکومت و سیادت کی پیچیدہ گتھیاں سلجھانے سے اسے مستثنیٰ کر دیا۔ تاکہ یکسوئی سے اپنی فطری ذمہ داریاں ادا کرے' گھر سنبھالے' شوہر کی خدمت کرے' بچوں کی مناسب تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے۔ یہ خانگی ذمہ داریاں تو اس کو بہر صورت ادا کرنا ہی ہیں--- تو پھر اس صنف نازک کے ساتھ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اس کی اصل ڈیوٹی بھی برقرار رہے' مزید سربراہ مملکت' سربراہ حکومت' گورنر اور کمانڈر انچیف کی بھاری ذمہ داریاں بھی اس کے سر پر ڈال دی جائیں؟ حکومت اور سربراہی وہ بھی پورے ملک کی' یہ کام اسلامی نکتہ نظر سے' شیر مادر کی طرح میٹھا نہیں۔ حق نہیں بلکہ یہ "فرض" ہے۔ پوری قوم کے تمام معاملات کی ذمہ داری کا عظیم بوجھ' اپنی اصل ذمہ داریوں کی موجودگی میں مزید حکومتی ذمہ داریوں کا بوجھ خود مانگنا اور نہ ملنے پر احتجاج کرنا اور مظاہرے کرنا دانشمندی تو نہیں! یہ تو دیوانگی کی علامت ہے۔

اگر کسی مرد کو کمانے کے جھنجھٹ میں پڑے بغیر معاشی وسائل میسر آ جائیں' تو کیا وہ پھر بھی اپنی جان ہلاک کر کے کمانے کے لئے نکلے گا--- عجیب لطیفہ ہے کہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ گھر بیٹھے ان کی ضروریات کا انتظام فرما رہا ہے اور وہ پھر بھی باہر نکل کر کمانے یا حکومت کرنے کے "گرانقدر فرائض"

مانگتی پھر رہی ہیں۔ جو عورت اپنے گھر میں (اپنی فطری اہلیت کے پیش نظر) سربراہ نہیں بن سکتی، وہ پورے ملک کی سربراہ کیسے بن سکتی ہے! جدید دور ہو یا قدیم، کسی بھی معاشرے میں (چند ایک جنگلی وحشی قبائل کے سوا) عورت کو گھر کا سربراہ بھی نہیں سمجھا جاتا، مرد ہی اپنے گھر کا سربراہ ہوتا ہے۔

یہ حکومتی منصب عورتوں کی فطری استعداد کے برعکس ہیں۔ مساوات مردوزن کے قائل مغربی ممالک خود ذمہ داری کے اونچے مناصب عورتوں کو نہیں دیتے بلکہ مردوں کو ہی دیتے ہیں۔ فرانس میں ایک دفعہ سروے کیا گیا کہ عورتوں کو وزارتیں دی جائیں یا نہیں؟ تو کثرت رائے نے یہ فیصلہ دیا کہ یہ منصب ان کو نہیں دینے چاہئیں--- چنانچہ مغربی ممالک میں بھی عورتوں کو اونچے منصب بہت کم دیئے جاتے ہیں۔ فرانس، امریکہ، برطانیہ کی پارلیمنٹوں میں کتنی خواتین موجود ہیں؟ خود امریکہ میں کبھی کوئی خاتون سربراہ مملکت نہیں بن سکی۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا سبھی ممالک نے عورتوں کے خلاف سازش کرلی ہے؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ عورت کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں حکومت و سربراہی کے بھاری بوجھ کو نباہنے کی اہل نہیں ہیں۔ اسلام کا عورت پر کوئی ظلم یا حق تلفی نہیں ہے بلکہ اسلام نے اس کو اس کی صلاحیتوں کے برعکس ذمہ داریوں سے سبکدوش کردیا ہے۔ خود بے نظیر صاحبہ کا دونوں دفعہ اپنی مدت حکومت پوری نہ کرسکنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یہ بار نہیں اٹھا سکتی۔

سوال یہ ہے کہ روس میں آج تک کتنی عورتیں سربراہی کے منصب تک پہنچ سکی ہیں؟ برطانیہ، فرانس، جرمنی میں اور دیگر مغربی ممالک میں ان کے سربراہ مملکت بننے کی کیا شرح ہے؟ امریکہ کے ایوان بالا تک کتنی عورتیں پہنچ سکی ہیں؟ بلکہ امریکہ کا ایک نادر تجربہ پڑھ کر خود فیصلہ فرمایئے کہ کیا عورت کو یہ منصب دیا جائے؟

1870ء میں امریکن عورتوں کی ایک شاندار کانفرنس زیر صدارت "میڈم مارٹین" منعقد ہوئی۔ جس نے اپنے پولیٹیکل حقوق کا مطالبہ کیا اور بہت سے ایسے پولیٹیکل مردوں کو بھی زیر کرلیا، جو قبل از تجربہ عورتوں کے سیاسی معاملات میں داخل ہونے کو مضرت رساں خیال کرتے تھے۔ اس کانفرنس کی ممبر عورتوں نے عام مجمعوں میں لیکچر دیئے، اخبارات میں مضامین لکھے اور پارٹیوں کے رئیسوں کو پرزور دلائل سے قائل کرنے میں مصروف رہیں۔ یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے مجلس وزراء سے اس بات کا اقرار کرالیا کہ وہ انہیں پولیٹیکل حقوق عطا کرے گی۔ پھر 1872ء کے آتے ہی میڈم مارٹین نے اپنے آپ کو امریکہ کی پریذیڈنسی کے لئے امیدوار بنالیا اور پھر کثرت رائے سے وہ پریذیڈنٹ منتخب کرلی گئی۔ اس کا کرسی صدارت پر بیٹھنا ہی تھا کہ اس کی ساتھ والیوں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ سب اس سے کنارہ کشی کرگئیں۔ حکومت نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً ہی اس قانون کو ہمیشہ کے لئے منسوخ کردیا۔ کیونکہ اسے معلوم ہوگیا کہ عورتوں میں باہم مل کر کام کرنے کی صلاحیت نہیں۔

ولایت متحدہ امریکہ کی تاریخ کا یہ ایک مشہور واقعہ ہے اور "ریویو آف ریویوز" کی اٹھارہویں جلد میں اس کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔

(مسلمان عورت' از: علامہ فرید وجدی آفندی' ترجمہ از: ابوالکلام آزاد' صفحہ 77)

دلیل نمبر2: حدیث: لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ ..... جس سے اسلام میں عورت کی سربراہی کے عدم جواز کو ثابت کیا جاتا ہے' محل نظر ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے' علاوہ ازیں تاریخی لحاظ سے بھی یہ حدیث مشکوک ہے۔ اس لئے یہ حدیث ناقابل قبول ہے۔

جواب: بعض لوگ مندرجہ بالا حدیث کو رد کرنے کے لئے اس کے راوی حضرت ابوبکرہؓ کو مطعون کرتے ہیں' بعض لوگ حضرت ابوبکرہؓ کے بعد کے راویوں پر جرح کرکے صحیح بخاری کی عظمت و اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں' بعض کا اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ کو مطعون کرنے کے لئے یہ حدیث وضع کی گئی تھی۔ بہرصورت ذیل میں اس کا تجزیہ کرکے ان شاء اللہ ثابت کیا جائے گا کہ حدیث ہر لحاظ سے صحیح ہے:

حدیث کی صحت: یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے۔ اس لئے بہت زیادہ ترجیح کی حامل ہے' علاوہ ازیں اسے مسند احمد' ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔ صحیح بخاری میں بھی دوبار آئی ہے' اس لئے اس کی صحت کے بارے میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ پوری حدیث درج ذیل ہے:

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی بوران کو حکمران بنا دیا ہے تو اس پر آپؐ نے فرمایا:

لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً (صحیح بخاری' کتاب المغازی)

(یعنی وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائے گی جس نے اپنا حکمران عورت کو بنا لیا)۔

حضرت عائشہؓ یا کسی صحابی نے اس حدیث کا انکار نہیں کیا۔ حضرت ابوبکرۃؓ 8ھ میں محاصرہ طائف کے دوران میں مسلمان ہوئے' ملکہ فارس کا یہ واقعہ بھی 8ھ میں ہی پیش آیا۔ حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں آپؐ نے مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ بعد میں حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ جمل کے موقع پر حضرت ابوبکرۃؓ نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ سے عدم تعاون کا فیصلہ کیا۔ گویا سب صحابہ اور حضرت عائشہؓ خود اس حدیث سے واقف تھے۔

اہل سنت کا ایک مسلمہ اصول یہ ہے کہ **الصحابہ کلھم عدول** (تمام صحابہ عادل ہیں) جس کا مطلب یہ ہے کہ جس روایت کا سلسلہ سند صحابی تک بالکل درست ہو تو وہ روایت صحیح ہے اور صحابیؓ کے بارے میں سرے سے کوئی تحقیق ہی نہیں کی جائے گی کیونکہ تمام صحابہؓ عادل ہیں' یعنی حدیث

رسول ؐ بیان کرنے میں کسی بھی صحابی سے کذب اور تلبیس کا امکان نہیں ہے۔ اس لئے جو لوگ حضرت ابوبکرہؓ کی کردار کشی کر رہے ہیں وہ اس مسلمہ اصول کے خلاف ہے' جس کی کوئی اہمیت نہیں (خود انہوں نے 8ھ میں نبی پاک ؐ سے یہ حدیث سنی تھی)

اسی طرح حدیث کے دوسرے راویوں پر جرح کرکے روایت کو مخدوش قرار دینے کا مطلب صحیح بخاری کی اَصَحِیّت (یعنی کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب) کو مجروح کرنا ہے حالانکہ صحیح بخاری کے بارے میں بھی امت مسلمہ کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ کتاب اللہ کے بعد حدیث رسول ؐ کا صحیح ترین مجموعہ ہے اور اس کی کسی روایت کی تضعیف و تردید اس مسلمہ عقیدے کے منافی ہے' اسی لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بجا طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے:

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان کی تمام روایات متصل' مرفوع اور قطعی طور پر صحیح ہیں اور ان کے مصنفین تک متواتر ہیں اور ہر وہ شخص جو ان دونوں کتابوں کی اہمیت گھٹاتا ہے' بدعتی ہے۔ مومنوں کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے کا پیروکار ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ' ج 1' صفحہ 134' مطبع منیریہ مصر)

یہی وجہ ہے کہ سوائے ان چند لوگوں کے جو پرویزی حیلے سے کام لیکر حدیث کو مشکوک اور ضعیف بنانے لگتے ہیں' اہل علم میں اس حدیث کی صحت کے بارے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عورتوں کو حکمران بنانا اور ملک کی باگ ڈور ان کے حوالے کرنا ایرانی بادشاہ کسریٰ کے خاندان کی سنت اور موروثی بادشاہوں کی رسم ہے۔ اسی فرمان رسول ؐ کی روشنی میں آج تک کسی عورت کو اپنا حکمران بنانا امت مسلمہ میں کبھی بھی پسند نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں کی تاریخ میں' جو چودہ سو سال پر محیط ہے' سوائے رضیہ سلطانہ' چاند بی بی اور بھوپال کی چند حکمران بیگمات کے مسلمان عورتوں کی حکمرانی کی مثالیں ناپید ہیں۔ یہ دو تین مثالیں بھی اس لئے قابل توجہ نہیں ہیں کہ ان خواتین کو حکمران بنانے میں عوام کا قطعاً کوئی اختیار نہ تھا۔ یہ خواتین تو موروثی بادشاہت ہی کے اصول پر حکمران بنی تھیں۔ مگر ان کی حکمرانی کو بھی امت نے چنداں پذیرائی نہ بخشی۔

❑ **دلیل نمبر3:** یہ اعتراض کہ دور نبوی ؐ میں فارس میں کوئی عورت حکمران بنی ہی نہیں' تاریخی طور پر یہ بات غلط ہے۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ عہد نبوی ؐ میں فارس میں ایک عورت حکمران بنی ہے۔ تاریخ طبری میں اس کا نام بوران بنت کسریٰ پرویز بن ہرمز بتلایا گیا ہے۔ (تاریخ طبری' ج 2' صفحہ 231) حافظ ابن حجر نے اپنی تصنیف "فتح الباری" میں بھی اس عورت کا نام بوران بنت شیرویہ بن کسریٰ بن پرویز لکھا ہے۔ جبکہ طبری نے اسے بنت کسریٰ لکھا ہے۔ عربی اور اردو میں کسریٰ پرویز کو خسرو پرویز پڑھا جاتا ہے۔ مجلس ترقی ادب لاہور کے زیر اہتمام مطبوعہ "تاریخ ایران" میں اس

عورت کے بارے میں لکھا ہوا ہے:

"اس کے بعد خسرو پرویز کی بیٹی بوران دخت تخت نشین ہوئی۔ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوران دخت کے تخت نشین ہونے کی خبر ملی تو فرمایا: "وہ قوم جو ایک عورت کو عنان حکومت سونپتی ہے، وہ کبھی آسائش نہیں دیکھ سکتی۔" وہ چھ ماہ ہی حکومت کر پائی تھی کہ بیمار ہو گئی اور بیماری سے جانبر نہ ہو سکی (تاریخ ایران، مؤلفہ: پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی، ج 1، صفحہ 525، طبع 1967)

دراصل 7ھ کے اوائل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام قبول کرنے کے لئے کسریٰ ایران کو مکتوب لکھا، اس نے گستاخی سے کام لیتے ہوئے آپ کا مکتوب پھاڑ دیا، تو نبی پاک نے اس کے بارے میں بددعا فرمائی کہ اب اس کی حکومت بھی اسی طرح پارہ پارہ ہو جائے گی۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

اس کے فوراً بعد کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا۔ اس ظالم نے صرف اپنے باپ ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ اپنے سولہ بھائیوں کو بھی اس اندیشے کے پیش نظر قتل کر دیا کہ مبادا کوئی اس کی حکومت چھیننے والا نہ رہے۔ مگر چھ ماہ ہی حکومت کر پایا تھا کہ ایک وبائی مرض کا شکار ہو کر لقمہ اجل بن گیا۔ اب اس کی بہن بوران دخت ہی رہ گئی تھی، وہی ملک فارس کی حکمران بنی۔ نبی پاک کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے مذکورہ بالا فرمان ارشاد فرمایا۔ یہ 8ھ کا واقعہ ہے، اس کی صداقت بھی چند سالوں میں دنیا نے دیکھ لی کہ دنیا سے یہ مجوسی حکومت ہی ختم ہو گئی اور اس کی جگہ وہاں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔

❑ دلیل نمبر4: غیر مسلم خواتین کی حکمرانی کو سندِ جواز بنانا:

اس حدیث کے بارے میں پروفیسر اسلم صاحب لکھتے ہیں: "نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان وقتی تھا یعنی صرف بوران دخت کے بارے میں تھا۔ آپ کا یہ فرمان بطور اصول اور کلیہ کے نہیں تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ تاریخ میں اپنی ہوں یا غیر بہت سی خواتین حکمران رہی ہیں اور ان کا دور حکومت کامیاب رہا ہے۔ مثلاً روس کی ملکہ کیتھرائن، برطانیہ کی ملکہ وکٹوریا، تاریخ اسلام میں رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی یا شاہجہاں والیہ بھوپال وغیرہ۔ اس لئے مفتیوں کو اس حدیث کا مفہوم سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔"

تاریخ کے سٹیج پر حکمران بننے والی غیر مسلم خواتین کی کارگزاری:

جواب: روس و برطانیہ کی ملکاؤں ملکہ کیتھرائن، ملکہ وکٹوریہ اور دیگر علاقوں کی حکمران خواتین کے دور کو جو کامیاب بتایا گیا ہے، وہ صرف تصویر کا ایک پہلو ہے۔ ملکہ این ہو یا ملکہ الزبتھ، ہندوستان کی

اندرا گاندھی ہو یا اسرائیل کی گولڈا میئر یا سری لنکا کی بندرانائیکے ہو یا فلپائن کی کوری اکینو' ان کے کامیاب ہونے کا جو اتنا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے' یہ سب حقائق کے برعکس ہے۔ برطانیہ کی ملکہ میری کو تاریخ اس کے ظلم و ستم کی بناء پر "خونی میری" (Bloody Mary) کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اسی طرح مصر کی ملکہ قلوپطرہ کا معاملہ ہے۔ اس کے حجلۂ عیش میں روم کے مرد آہن سیزر اور پھر انٹونی داد عیش دیتے رہے اور ملکہ سمیت سب ہلاکت کو پہنچے۔ ان مذکورہ بالا خواتین کے دور کو کامیاب کہنا در اصل "دور کے ڈھول سہانے" کے مترادف ہے۔ یہ سب خواتین ورثتاً شاہی حکومتوں اور ریاستوں کی حکمران بنی تھیں' ان کے انتخاب میں عوام کی رائے کو کوئی دخل نہ تھا۔ رہ گئی مثالیں زمانہ حال کی منتخب شدہ خواتین کی! مثلاً اندرا گاندھی' بندرانائیکے یا اسرائیل کی مسز گولڈا میئر وغیرہ' تو واقعہ یہ ہے کہ ان کے دور حکومت کو کامیاب کہنا حقائق کے قطعی برعکس ہے۔ اندرا گاندھی کا دور کیا اس لئے کامیاب کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دور میں ہم اہل پاکستان کو ہزیمت کا داغ اٹھانا پڑا اور پاکستان دولخت ہو گیا۔ اس میں اس کی تدبیر سے زیادہ ہماری اپنی حماقتوں اور کوتاہیوں کا دخل ہے۔ خود اہل ہند کو اس کی بدانتظامیوں اور بے تدبیریوں کے بہت سے شکوے ہیں۔ اسی کے دور میں سکھوں کے' آسام اور سری لنکا جیسے مسئلے بھی پیدا ہوئے اور ملک کی اقتصادی حالت بھی بدتر ہو گئی۔

خود اہل مغرب کے معلم اول ارسطو نے کہا تھا: "سیاست میں عورت کا کوئی رول نہیں' ان فیصلوں میں جو گھر سے باہر خلق خدا کی بہتری کے لئے کئے جاتے ہیں' عورت کا کوئی ہاتھ نہیں ہونا چاہئے۔"

علاوہ ازیں ان خواتین کے دور حکومت کو کامیاب کہا جاتا ہے' ان کے اپنے حوالے سے! ہر ایک کا کامیابی کا معیار الگ الگ اور مختلف ہوتا ہے' ایک ہی شخص کے دور حکومت کو چند لوگ کامیاب کہہ دیتے ہیں اور کچھ لوگ اسی کو انتہائی ناکام کہہ دیتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ جسے ایک مورخ نے کامیاب کہا وہ دوسروں کے نزدیک بھی واقعی کامیاب ہو۔ مثلاً ہمارے ہاں تاریخ اسلام میں بعض مورخین نے بنی امیہ کے دور کو بری طرح مسخ کیا ہے۔ حالانکہ وہ دور نبویؐ کے قریب ترین ہونے کی بناء پر بہ حیثیت مجموعی تاریخ اسلام کا بہترین دور ہے۔

باقی رہی بات ان خواتین کے کامیاب دور حکومت کی! اگر تو کامیابی اس بات کا نام ہے کہ فتوحات حاصل کر کے نو آبادیاں قائم کر دی جائیں اور معاشی میدان میں خوشحالی آ جائے' تو یہ حقیقی کامیابی نہیں ہے۔

اہل نظر اور باخبر اہل علم کے نزدیک کامیابی اور فلاح یہ ہے کہ ایسا پاکیزہ معاشرہ قائم کیا جائے جس میں عدل و انصاف کی حکومت ہو' اخلاقی اقدار کی سربلندی اور قلب و نظر کی پاکیزگی عام ہو

جائے۔ جن غیر مسلم ملکاؤں اور خاتون حکمرانوں کی کامیابیوں کا چرچا کیا جا رہا ہے' ان کے دور میں انسانیت کی ترقی نہیں ہوئی تھی' صرف مادی وسائل کی ترقی ہوئی تھی اور انسانی اقدار سے عاری اسی مادی ترقی کی وجہ سے دنیا کو دو عالمگیر جنگوں کا سامنا کرنا پڑا' جن میں لاکھوں نہیں کروڑوں انسان تباہ ہوئے تھے۔ اگر حال کی خوشحالی مستقبل کی تباہی و بربادی کا ذریعہ بن جائے تو یہ ناکامی و نامرادی ہے' کامیابی ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ مسز تھیچر جسکو "دی گریٹ" کہا جاتا ہے' کے دور میں برطانیہ واضح طور پر زوال پذیر رہا۔ معاشی حالت ابتر ہو گئی' کساد بازاری زوروں پر تھی اور بیروزگاری نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔

دلیل نمبر5: چند مسلمان خواتین کی حکمرانی کو سند جواز بنانا:

یہاں عورت کی حکمرانی کے جواز کے لئے رضیہ سلطانہ' چاند بی بی اور بھوپال کی خواتین حکمرانوں کو بطور دلیل پیش کیا جا رہا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایک اصولی اور دینی مسئلے میں بادشاہوں اور شہزادیوں کا طرز عمل دلیل کی کونسی قسم ہے؟ موروثی حکومتوں کے نتیجے میں یہ خواتین ضرورت کے تحت برسراقتدار آئیں تھیں' تو پھر کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں موروثی حکومت بھی جائز ہے؟ بیشک تاریخ اسلام میں بعض بہت نیک دل اور پابند شریعت حکمران موجود رہے ہیں' مگر اس کے باوجود ان کا نظام حکومت شرعی اصولوں کا پابند نہیں تھا۔ سلطان التمش نے رضیہ سلطانہ کو اپنا جانشین مقرر کیا' اس کے اس عمل کو تو دلیل بنایا جا رہا ہے' چاند بی بی اور بھوپال کی شہزادیوں کی حکومتوں کو دلیل بنایا جا رہا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' خلفائے راشدین ؓ' بنو امیہ' بنو عباس کے حکمرانوں کے طرز عمل کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا' جنہوں نے صحابیات ؓ اور شہزادیوں کو جانشین بنایا تھا نہ حکمرانی کے تخت پر بٹھایا تھا' آخر ان چند خواتین کو' جن کی تعداد تاریخ اسلام کے پورے چودہ سو سالہ دور میں 2% تک بھی نہیں پہنچتی' کیوں دلیل بنایا جا رہا ہے اور کس قاعدے کی رو سے دلیل بنایا جا رہا ہے؟ ان ہزاروں حکومتوں کو آخر کیوں دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا' جن کے سربراہ مرد تھے!

اصل بات یہ ہے کہ اصول اور کلیہ ایک ہی ہے۔ بعض استثنائی صورتیں بھی پیش آ جاتی ہیں' مگر استثنائی صورتوں سے اصول اور کلیہ نہیں ٹوٹتا۔ ہزاروں لاکھوں مرد حکمرانوں کے مقابلے میں چند کامیاب خواتین کا آخر تناسب کیا ہے؟ چند عورتوں کی حکمرانی سے یہ اصول اور کلیہ ختم نہیں ہو سکتا کہ عورتوں کی حکومت میں خیر و فلاح نہیں ہے۔ مثال کے طور پر یہ ایک کلیہ ہے کہ مرد بہادر ہوتے ہیں۔ اب اگر چند خواتین بھی خوب داد شجاعت دے دیں' تو یہ اصول اور کلیہ ختم نہیں ہو گا کہ مرد بہادر ہوتا ہے۔ کیا لاکھوں کروڑوں مردوں میں سے 10' 20 عورتوں کے بہادر ہونے سے مردوں کی

مردانگی اور بہادری یا عورتوں کی نسوانی کمزوری والا کلیہ ختم ہو جائے گا؟ نہیں ' ہرگز نہیں! بالکل اسی طرح چند عورتوں کی حکمرانی سے یہ کلیہ ختم نہیں ہو سکتا کہ عورتیں عموماً اپنے ناتواں کندھوں پر حکومت کا بار اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ اب ان مسلم خواتین کی حکومت کے اسباب اور ان عورتوں کی کامیابی کا ترتیب وار تذکرہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

رضیہ سلطانہ: رضیہ سلطانہ کے سات بھائیوں کی موجودگی کے باوجود اس کا درویش صفت باپ سلطان شمس الدین التمش کہا کرتا تھا کہ: "اس کے بیٹے نکمے اور نااہل ہیں اور بیٹی نظم حکومت پوری طرح چلانے کی اہل ہے۔" اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ رضیہ سلطانہ کا اقتدار بطور اضطرار اور مجبوری کے تھا۔

اسی طرح بیجاپور اور احمد نگر دکن کی حکمران عورت چاند بی بی کا اقتدار بھی ایک مخصوص صورت حال کا نتیجہ تھا۔ بیجاپور کا حکمران علی عادل قتل کر دیا گیا' اس کی کوئی نرینہ اولاد تو تھی نہیں' صرف ایک بھتیجا وارث تھا جس کی عمر صرف نو سال تھی' اسی کو تخت کا وارث قرار دیا گیا اور علی عادل کی بیوہ چاند بی بی اس کی نگران مقرر ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد چاند بی بی اپنے باپ حسین شاہ کی ریاست احمد نگر میں آئی' تو وہاں اس کا اکلوتا بھائی ذہنی امراض کا شکار ہو گیا۔ مجبوراً یہ ریاست بھی چاند بی بی کو سونپ دی گئی اور وہ بیجاپور اور احمد نگر کی مشترکہ حکمران بن گئی۔ (ملخص' از: اردو دائرہ معارف اسلامیہ' مطبوعہ: پنجاب یونیورسٹی' ج 7' صفحہ 613'614)

ان دونوں خواتین میں بے شک انتظامی صلاحیت موجود تھی اور وہ سیاسی معاملات خوب نپٹا سکتی تھیں' مگر رہی بات ان دونوں خواتین کے کامیاب دور حکومت کی' تو سچی بات یہ ہے کہ ان کے دور حکومت کو عبرت انگیز ہی کہا جا سکتا ہے۔ رضیہ سلطانہ کی حکمرانی کو اس کے دور کے بیشتر امراء نے تسلیم ہی نہیں کیا۔ رضیہ سلطانہ ان کو زیر کرنے کی کوشش کرتی رہی' مگر کامیاب نہ ہوئی۔ بالآخر ایک بہادر حاکم اختیار الدین التونیہ سے شادی کر کے اپنا اقتدار تسلیم کروانا چاہا' مگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوئی۔ بالآخر رضیہ اور التونیہ دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج 10' صفحہ 310'311) اس طرح اس کا دور حکومت صرف 3 سال چھ دن رہ سکا۔

اسی طرح چاند بی بی کو بھی مسلسل بغاوت اور سازشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر اپنی فوج کے باغی سپاہیوں کے ہاتھوں ماری گئی۔ (اردو' دائرہ معارف اسلامیہ' ج 7' صفحہ 614)

اسی طرح مصر میں ایک خاتون شجرۃ الدر حکمران بنی تھی' مگر عباسی خلیفہ نے پیغام بھیجا کہ اسلام کی رو سے عورت کی حکومت ناجائز ہے۔ اگر مصر میں کوئی مرد حکمرانی کے قابل نہیں رہ گیا تو ہم وہاں کسی کو حاکم بنا کر بھیج دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بھی دستبردار ہونا پڑا۔

دراصل امت مسلمہ کا اجتماعی ضمیر ہی یہ ہے کہ اس میں خاتون کی حکمرانی کامیاب نہیں ہو سکتی

اور عورت کا مختصر سا دور حکومت بھی سازشوں کی نذر ہو کر ناکامی پر منتج ہوتا ہے۔ البتہ بھوپال کی شہزادیوں کا مسئلہ ذرا مختلف ہے اور اس میں سے شاہجہاں بیگم کا دور حکومت کامیاب قرار دیا جاسکتا ہے' مگر اس کی بھی مخصوص وجوہات ہیں۔ مثلاً بلاشبہ قانوناً ریاست کی حکمران یہی بیگمات تھیں' مگر اول ؤ انہوں نے شریعت کی پابندی کی سختی کے ساتھ برقرار رکھی' وہ شرعی پردے کی بھی پوری پابند تھیں--- ‌دوم اسی پردے کی پابندی کی وجہ سے اپنے اختیارات کا زیادہ تر استعمال انہوں نے خود نہیں کیا بلکہ اپنے دیندار ‌وزیروں' مشیروں اور اپنے خاوند کے ذریعے سے کیا' شاہجہاں بیگم کے شوہر نواب صدیق حسن خاں حکومت کے بیشتر معاملات خود سرانجام دیتے تھے۔

"ماثر صدیقی" کے مصنف لکھتے ہیں: "رئیسہ عالیہ (شاہجہاں بیگم) احکام شرع متین کے مطابق ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور وسیع رقبہ مملکت پر حکمران اور کثیرالتعداد مخلوق کے سیاہ و سفید کی مالک تھیں' اس لئے ضروری تھا کہ ان کے دست و بازو ایسے مشیران ریاست اور عمال متدین ہوں جو آغاز دور جدید میں اپنی خداداد قابلیت اور دیانت و تدبر اور خداترسی اور خداپرستی سے حسن انتظام ریاست وترقی مالیات' سرسبزی ملک' رفاہ خلق' تہذیب اخلاق رعایا اور ازدیاد مراتب ریاست میں کافی امداد واعانت کر سکیں"--- وہ ان کے شوہر نواب صدیق حسن خاں کے متعلق لکھتے ہیں: "وہ اپنی تجویز و مشورہ سے رئیسہ عالیہ کے صدور حکم کے بعد تمام کلی وجزئی انتظامی اور اصلاحی امور ریاست انجام دیتے تھے۔ (ماثر صدیقی' حصہ سوم' صفحہ 2' مطبوعہ: لکھنؤ 1924ء)

بلکہ نواب صدیق خاں (شاہجہاں بیگم کے شوہر) پر انگریزوں نے یہ الزام لگا کر ان کے تمام خطابات واعزازات چھین لئے کہ انہوں نے شاہ جہاں بیگم سے شادی کرنے کے بعد ان کو پردہ نشین بنا کر خود تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔ (ماثر صدیقی' ج 3' صفحہ 73)

رہ گئی بات کہ بھوپال کی خواتین کو حکمران بنایا ہی کیوں گیا تھا؟ تو یہ معاملہ بھی اضطرار کا ہی نتیجہ تھا' اس ریاست کے چھٹے (6) حکمران نواب وزیر محمد خاں کے بیٹے نظیر محمد خاں نے 1816ء میں جانشین بننے پر انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا' جس کی رو سے انگریزوں نے یہ ذمہ داری قبول کی کہ ریاست بھوپال کا علاقہ اس کے اور اس کی اولاد کے لئے محفوظ رہے گا' وہ اس کے عوض بعض انگریزی مفادات کا تحفظ کرے گا۔

جب 1820ء میں نظیر محمد خاں فوت ہوا تو اس کی اولاد نرینہ نہ تھی لہٰذا مجبوراً سکندری بیگم' شاہجہاں بیگم اور سلطان جہاں بیگم ترتیب وار حکمران بنیں۔ پھر جب سلطان جہاں بیگم کے ہاں اولاد نرینہ پیدا ہوئی تو ان کے بیٹے نواب حمیداللہ خاں کو ریاست کا ولی عہد مقرر کیا گیا۔ جب وہ بالغ ہوا تو یہ کہہ کر کہ "اب امانت حقدار کو ادا کرنے کا وقت آگیا ہے" اس کے حق میں دستبردار ہو گئیں۔ بہر

صورت یہ بات مسلم ہے کہ رضیہ سلطانہ' چاند بی بی اور بیگمات بھوپال یا دوسری مسلم خواتین خواتین(؟) کی حکومت کو جواز کا فتوی علماء کی طرف سے نہیں ملا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حالات کے دباؤ کی بناء پر خاموش ہو گئے تھے' وگرنہ اس فتنے کو امر واقعہ کے طور پر کسی نے قبول نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ نواب صدیق حسن خاں نے بھی اگر بھوپال کی شہزادیوں کی مخالفت نہیں کی تھی' تو ان کے سامنے یقیناً کچھ مصلحتیں تھیں۔ وگرنہ جواز کا فتویٰ انہوں نے بھی نہیں دیا تھا۔ مصلحت اس میں یہ تھی کہ اس طرح بھوپال کی وسیع و عریض اور خوشحال ریاست مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کے بہت سے کام انجام دے رہی تھی۔ علم و فضل کی خدمت کے لئے اس ریاست کے وسائل وقف تھے۔ اگر ان بیگمات کی حکومت نہ رہتی تو یہ ریاست انگریزوں کے قبضہ میں چلی جاتی اور مسلمان اتنے بڑے وسائل سے محروم رہ جاتے۔

دلیل نمبر6: ملکہ بلقیس کی حکومت کو سند جواز بنانا:

ارشاد احمد حقانی صاحب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں قوم سبا پر ایک خاتون ملکہ بلقیس کی حکمرانی کا ذکر آیا ہے' قرآن کریم نے اس کی حکومت پر نکیر نہیں کی۔ لہٰذا یہ ثبوت ہے کہ قرآن نے خاتون کی حکمرانی کو جائز قرار دیا ہے۔

جواب: قرآن پاک میں سورۃ نمل' آیت نمبر23 میں ملکہ بلقیس کی حکمرانی کا یقیناً ذکر آتا ہے۔ اس کے بارے میں صراحت موجود ہے کہ وہ مشرک تھی' وہ خود اور اس کی قوم سورج پرست تھی۔ تو کیا سورج پرست مشرکوں کا عمل ہمارے لئے شرعی دلیل بن سکتا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے جب اس کو مکتوب ملا کہ سرکشی مت کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجاؤ' تو وہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئی اور اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی۔ کیا یہ واقعہ عورت کی حکمرانی کی کمزوری کی نشاندہی نہیں کرتا؟ اگر بادشاہ کوئی مرد ہوتا تو کیا وہ اتنی آسانی سے بغیر کسی مزاحمت کے سر اطاعت خم کرنے کے لئے تیار ہو جاتا؟

باقی رہی یہ بات کہ ایمان لانے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے بلقیس سے شادی کر لی تھی اور اسے اس کی سابقہ حکومت پر بحال کر دیا تھا! تو عرض یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے اس کے ساتھ نکاح کرنے اور اسے سابقہ حکومت پر بحال کرنے کا ذکر نہ تو قرآن میں آیا ہے نہ کسی صحیح سند والی حدیث میں۔ جب قرآن و سنت نے اسلام لانے کے بعد بلقیس کی حکومت کا ذکر نہیں کیا' صرف حالت کفر میں حکومت کرنے کا ذکر کیا ہے تو ہم ایک فرضی بات کو کیسے دلیل بنا لیں! نہ ہی کافروں کے طرز عمل سے اس قسم کی کوئی حجت قائم ہو سکتی ہے۔

اس کے برعکس تفسیر خازن' ج 3' صفحہ 414 میں' تفسیر کبیر' ج 6' صفحہ 569 اور تفسیر الکشاف' ج 3' صفحہ 370 میں یہ منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کی خواہش کے مطابق اس کی شادی تبع ملک ہمدان سے کر دی اور بلقیس کی بجائے ہمدان کو یمن کا حاکم بنا دیا۔

بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے (جیسا کہ اسرائیلی روایات کا بیان ہے) کہ ملکہ بلقیس ایمان لانے کے بعد بھی یمن پر حکمران رہی تو پھر بھی اس کی نوعیت اب پہلے سے بدل گئی تھی۔ اب شام و فلسطین کی طرح یمن پر بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی۔ آپؑ نے اس کے اعزاز کو برقرار رکھتے ہوئے اسے یمن کی ملکہ برقرار رکھا ہو تب بھی وہ حضرت سلیمان کے ماتحت تھی' اب اس کا منصب سربراہ ریاست یا حکمران کا نہیں رہا تھا' بلکہ وہ حضرت سلیمانؑ کے ماتحت شریعت کے مطابق کام کر رہی تھی۔ مگر قرآن پاک میں اس کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ قرآن نے صرف اتنا بتایا ہے کہ اسلام لانے سے پیشتر جب وہ مشرک تھی' تب یمن کی حکمران تھی۔

☐ دلیل نمبر7: ام ورقہ والی روایت سے استدلال:

ڈاکٹر حمید اللہ نے بہاولپور میں کچھ لیکچرز دیئے تھے۔ جن کو بعد میں "خطبات بہاولپور" کے نام سے شائع کر دیا گیا۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت ام ورقہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد کا امام مامور فرمایا تھا' جیسا کہ سنن ابی داؤد اور مسند احمد بن حنبل میں ہے' اور ان کے پیچھے مرد بھی نماز ادا کرتے تھے۔ ان کا مؤذن ایک مرد خود نبی پاکؐ نے مقرر فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ مؤذن بھی بطور مقتدی کے ان کے پیچھے نماز ادا کرتا ہو گا۔ (خطبات بہاولپور' صفحہ 26' مطبوعہ: اسلام آباد)

ان کا استدلال ہے کہ جب وہ نماز میں امام بن سکتی ہے تو پھر سربراہ مملکت بھی بن سکتی ہے۔

جواب: پہلے اس حدیث کا پورا متن پیش کیا جا رہا ہے۔ سنن ابی داؤد اور مسند احمد بن حنبل' ج 6' صفحہ 405 میں عبدالرحمان بن خلاد انصاری' ام ورقہؓ بنت نوفل سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کی تیاری کی تو میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے۔ میں آپ کے مریضوں کی دیکھ بھال کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں رہو' اللہ عزوجل تمہیں شہادت سے نوازے گا۔ تب انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں ایک مؤذن رکھنے کی اجازت طلب فرمائی تو آپؐ نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ایک مؤذن مقرر فرما دیا' جو ان کے لئے اذان دیا کرتا تھا اور آنحضرتؐ نے حضرت ام ورقہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کروایا کریں۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ مؤذن ایک بہت بوڑھا آدمی تھا۔

(1) ڈاکٹر حمید اللہ نے یہاں عربی کے الفاظ **وامرها ان توم اهل دارها** کے ترجمہ میں وسعت پیدا کر

دی ہے۔ **اهل دارها** میں **دار** سے مراد انکا گھر نہیں بلکہ کالونی کیا ہے اور پھر مرد موذن مقرر کئے جاتے تھے۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ اذان دینے کے بعد ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتا ہو گا حالانکہ یہ انکا ذاتی خیال ہے' جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ عمر رسیدہ شخص اذان دینے کے بعد کسی قریب والی مسجد میں جا کر مردوں کے ساتھ نماز میں شامل ہوتا ہو' کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ عورت مرد کی امام نہیں ہو سکتی۔

(2) ویسے بھی یہ حدیث سنداً سخت ضعیف ہے۔ "حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تہذیب التہذیب" ج 6' صفحہ 168 میں اس حدیث کے اصل راوی عبدالرحمان بن خلاد کے بارے میں ابوالحسن بن قطان کے حوالے سے نقل کیا ہے: "**حاله مجهول**" (اس کے حال کے بارے میں کچھ معلوم نہیں) تو پھر مجہول الحال راوی کی روایات کو بنیاد بنا کر لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنا ڈاکٹر حمید اللہ جیسے سکالر کے لئے مناسب نہیں۔" (ہفت روزہ "الاعتصام" 22 مئی 1992ء' صفحہ 22' از: مولانا فضل الرحمٰن)

(3) اس روایت سے جو استدلال کیا جاتا ہے کہ عورت مردوں کی امام بن سکتی ہے۔ خلاف واقعہ ہے' خود حدیث کا متن بھی اس کی نفی کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ام ورقہ ؓ کو مرد مؤذن مقرر کروانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ان کو خود اذان دینے کی اجازت کیوں نہ ملی؟ سیدھا سا جواب ہے کہ اسلام میں کوئی عورت موذن نہیں بن سکتی۔ اگر ہو سکتی تو ام ورقہ ؓ کو موذن کی تقرری کے لئے درخواست کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ جب عورت مردوں میں کھڑی ہو کر اذان نہیں دے سکتی تو پھر وہ مردوں کی امام کیسے بن سکتی ہے؟ پس ثابت ہوا کہ عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی اور

حضرت ام ورقہ ؓ کی نماز میں بھی صرف عورتیں ہی شریک ہوتی تھیں' مرد نہیں۔ ان کے موذن کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ تو ضرور ان کے مقتدی ہوں گے ہی' ایک خلاف واقعہ بات ہے۔ یہ کیوں نہیں قیاس کیا جا سکتا کہ وہ موذن صاحب اذان دینے کے بعد کسی دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہوں۔ زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ جماعت ان کے گھر میں ہوتی تھی اور اس میں صرف خواتین شرکت کرتی تھیں۔

(4) حدیث میں الفاظ **ان توم اهل دارها** استعمال ہوئے ہیں۔ اس میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لفظ "دار" کا ترجمہ کالونی یا محلّہ کیا ہے۔ بلاشبہ "دار" کے مفہوم میں (بیت یعنی گھر) سے زیادہ وسعت ہے۔ مؤذن بھی تو اسی لئے مقرر کیا گیا کہ آواز کچھ دور تک جا سکے' تاہم اس کے باوجود یہ ماننا بہت مشکل ہے کہ حضرت ام ورقہ ؓ بنت نوفل کے پیچھے کالونی یا محلے کے عام مرد بھی نماز پڑھتے ہوں گے بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کالونی کی دوسری خواتین بھی آ کر حضرت ام ورقہ ؓ کے

پیچھے نماز پڑھتی ہوں گی۔
(5) اگر مندرجہ بالا استدلال صحیح ہوتا تو کم از کم ایک مسجد تو مدینے میں ایسی ضرور ہوتی جو کسی خاتون امام کے لئے وقف ہوتی--- عورت کا مردوں کا امام نہ بن سکنے میں مصلحت یہ ہے:
(1) دراصل عورت اپنے اندر کشش رکھتی ہے۔ اس لئے عورت امام ہونے کی شکل میں مرد دلجمعی سے نماز ادا نہیں کر سکتے۔
(2) جس مسجد کا امام خود ہفتہ ہفتہ بھر مخصوص ایام کی بناء پر نماز سے غیر حاضر رہے وہ جماعت کیسے چلے گی؟
(3) ام ورقہؓ والی روایت شاذ ہے اور دین کلیات پر منحصر ہوتا ہے۔ شاذ مثالیں تو ہر جگہ موجود ہوتی ہیں مگر وہ قانون نہیں بن سکتیں۔ قانون وہی ہو گا جس کا اطلاق اکثریت پر ہو۔
(4) خواتین کے لئے مردوں کی امامت تو درکنار اگر خواتین کی امامت درمیان میں کھڑے ہو کر بھی اگر کوئی مستحسن عمل ہوتا تو کم از کم حضرت عائشہؓ کو یہ استحقاق لازماً ملتا کہ ایک مسجد ان کے لئے وقف ہوتی، جس میں وہ تاعمر نماز پڑھاتی رہتیں۔
مختصر یہ ہے کہ اس حدیث سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی عام مساجد میں امام بن سکتی ہیں۔ اور پھر اس استدلال پر ایک اور عمارت کھڑی کر دی جائے کہ جب وہ نماز میں امام بن سکتی ہیں تو پھر ملک کی سربراہ بھی بن سکتی ہیں--- ایسا استدلال تو بنائے فاسد علی الفاسد ہی کہلائے گا۔

دلیل نمبر8: خلافت کے متعلق عام آیات کو سند جواز بنانا:

بعض مضمون نگاروں نے لکھا ہے کہ قرآن پاک میں خلافت وامارت کے بارے میں جتنی آیات آئی ہیں ان میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں، مثلاً سورۃ نور:55 "وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، وہ ان کو زمین پر حکومت دے گا۔ جس طرح ان سے پہلے والے لوگوں کو حکومت دی تھی۔" یا سورۃ الحج، آیت نمبر41 میں ارشاد رب العزت ہے:
"یہ وہ لوگ ہیں، اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے پاس ہے۔"
چنانچہ مندرجہ بالا آیات اور اس مضمون کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے خلافت، حکومت اور اقتدار کی نسبت عام مسلمانوں کی جانب کی ہے، جس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔ لہٰذا اس عمومی طرز ادا سے ثابت ہوتا ہے کہ اس خلافت میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی اس کی اہل ہیں۔
جواب: ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حکومت ان کی رائے اور مشورے سے بنے گی

اور اس کی تشکیل میں سب مسلمان (مرد ہو یا عورتیں) کی رائے اور رضامندی شامل ہو گی۔ وہ اس کو اپنی حکومت سمجھیں گے اور اس کی برکات سے بھی سب بہرہ ور ہوں گے۔

ان آیات کے ذریعے سے دراصل موروثی بادشاہت اور مطلق العنان آمریت کی جڑ کاٹی گئی ہے۔ ایک خاندان یا ایک فرد کی حکومت کو اسلام کی تائید حاصل نہیں ہے۔ مسلمانوں کی حکومت مسلمانوں ہی کے مشورے سے چلنی چاہئے۔ ان مشورہ دینے والوں میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔ باقی رہ گئی سربراہ حکومت کی اہلیت کی شرائط! وہ یہاں بیان ہی نہیں ہوئی ہیں۔ سربراہ حکومت کی اہلیت کی شرائط پیچھے بیان ہو چکی ہیں (   )۔ اگر ان آیات کے عموم سے ہر مرد یا عورت کا حکمران بننا ثابت ہوتا ہے تو پھر مخنث حضرات، بچے، پاگل افراد، ان پڑھ جاہل، جسمانی طور پر معذور شخص بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں اور کوئی انکا یہ حق دبا نہیں سکتا۔ لیکن یہ بات امر واقعہ کے خلاف ہے۔ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت شورائی اور جمہوری ہوتی ہے، جو پوری قوم کی رائے سے بنتی ہے اور پوری قوم اس سے استفادہ کرتی ہے مگر عملاً ملک کا نظم و نسق چلانے والا بہر حال ایک مرد ہی ہوتا ہے، جو حکومت کی پوری مشینری کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہر معاشرے میں حکمران اور سربراہ مملکت کے لئے اہلیت کا ایک معیار ہوتا ہے۔ اسلام نے جو معیار مقرر کیا ہے اس کی شرائط میں حکمران کے لئے عاقل اور بالغ، سمجھدار ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا مرد ہونا بھی شامل ہے۔

دلیل نمبر9: جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ کی شرکت سے استدلال:

حضرت عثمان ؓ کے قاتلین سے قصاص لینے کی نیت سے حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر ؓ مکہ میں حضرت عائشہ ؓ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ام المومنین ہیں ہمارے ساتھ بصرہ جائیں، لوگ آپ کے احترام کی بناء پر اس نیک کام میں ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ نے یہ درخواست قبول کر لی اور بصرہ جانے پر آمادہ ہو گئیں۔ آپ اس وقت ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ اس لئے اس واقعہ کو جنگ جمل کا نام دیا گیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کی اس شرکت کو کچھ لوگ عورت کی حکمرانی کے لئے سند جواز بناتے ہیں۔

جواب: (1) جنگ جمل میں حضرت عائشہ ؓ کی شرکت کسی اقتدار کے حصول کی خواہش نہ تھی بلکہ ایک ہنگامی صورت حال پر ایک فوری رد عمل تھا۔ وہ حضرت علی ؓ کے مقابلے میں کسی خلافت کی امیدوار نہ تھیں۔ وہ صرف حضرت عثمان ؓ کے خون کا بدلہ لینے اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کروانے کی غرض سے مکہ سے نکلی تھیں۔ چنانچہ حضرت علی ؓ کے ساتھ حضرت عائشہ ؓ، حضرت طلحہ ؓ و حضرت زبیر ؓ کے مذاکرات ہوئے۔ آخر کار صلح ہو گئی۔ فریقین نے اطمینان کا سانس لیا۔ دونوں طرف اصحاب رسول ؐ اور مخلص صحابہ کرام ؓ تھے۔ دونوں کی نیت نیک تھی، اس لئے ان کی غلط فہمیاں بھی دور ہو گئیں۔ طے یہ پایا کہ

صبح صلح نامہ لکھ لیا جائے گا۔ مگر دونوں جانب شورش پسندوں کے ایجنٹ پھیلے ہوئے تھے۔ انہی میں قاتلین عثمانؓ بھی شامل تھے۔ ان کو فکر تھی کہ اگر واقعی صبح صلح ہو گئی تو ہماری خیر نہیں' لہٰذا انہوں نے رات کو ہی (جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے ساتھی خوشی کی اس رات کو آرام فرما رہے تھے) ایک دوسرے پر حملہ کر کے جنگ شروع کر دی۔ اس طرح ام المومنینؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان دوبارہ غلط فہمیاں پیدا کر دیں' جن کے نتیجے میں جنگ جمل وقوع پذیر ہوئی۔

(2) اگرچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ ام المومنین کا یہ عمل خلوص نیت کے ساتھ حالات کی اصلاح کے لئے تھا اور اس میں حکومت کی خواہش بالکل نہیں تھی' مگر اس کے باوجود اپنے اس فعل پر اپنی باقی ماندہ زندگی میں بہت پریشان اور پشیمان رہتی تھیں۔ وہ جب بھی آیت **وقرن فی بیوتکن** (تم اپنے گھروں میں وقار سے ٹکی رہو) پڑھتیں تو بہت روتی تھیں' حتیٰ کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔ (طبقات ابن سعد' طبع: بیروت' ج 8' صفحہ 81)

کسی جگہ آپؓ کے یہ الفاظ مذکور ہیں: "اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بات پسند ہے کہ کاش! میں آج سے بیس سال پہلے ہی مر گئی ہوتی۔" (تاریخ طبری' ج 3' صفحہ 221۔ ابن خلدون' ج 2' صفحہ 64)

(3) ایک ہنگامی صورت حال سے عورت کی سربراہی کا جواز نکالنا کسی طرح بھی مناسب نہیں' مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کروانے کے لئے نکلنا اور سربراہ حکومت بننا دونوں یکساں ہرگز نہیں ہو سکتے۔

دلیل نمبر 10: مولانا اشرف علی تھانوی کا عورت کی حکمرانی کے جواز پر فتویٰ:

مولانا اشرف علی تھانوی کا فتویٰ عورت کی سربراہی کے حق میں ہے۔ وہ اپنی کتاب امداد الفتاویٰ (ج 5' صفحہ 93' 91' مطبوعہ کراچی) میں لکھتے ہیں:

"جمہوری حکومت میں عورت حکمران بن سکتی ہے۔ اس لئے کہ جمہوری حکومت کی حقیقت مشورہ ہے اور عورت مشورہ دینے کی اہل ہے --- حدیث میں عورت کو گھر کی نگران (راعیہ) کہا گیا ہے۔ یہ بھی ایک نوع کی حکومت ہی ہے مگر یہ کامل حکومت نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی نگرانی ہے' تو اس پر جمہوری حکومت کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی کامل حکومت نہیں ہوتی بلکہ مخصوص مشورہ اور نگرانی ہوتی ہے۔ فقہاء نے امامتہ الکبریٰ یعنی کامل حکومت کے لئے تو مرد ہونا شرط قرار دیا ہے لیکن نگرانی اور شہادت کے لئے مرد ہونا شرط قرار نہیں دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد: "وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہو گی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنا لیا" کامل حکومت کے بارے میں ہے' جس میں صرف مشورہ دینا اور نگرانی کرنا نہیں ہوتا بلکہ کامل اور مکمل حکمرانی ہوتی ہے۔ جمہوری حکومت چونکہ محض

مشورہ و نگرانی ہوتی ہے' کامل حکومت نہیں ہوتی لہٰذا اس پر یہ حدیث منطبق نہیں ہو سکتی۔"

جواب: (1) یہ تحریر مولانا صاحب نے اپنی وفات سے 32 سال قبل ایک سوال کے جواب میں تحریر کی تھی۔ اس میں مولانا کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ جمہوری حکومت کا کام صرف مشورہ دینا اور نگرانی کرنا ہوتا ہے اور عورت مشورہ کی اہل ہے' یا کہیں شخصی حکومت بھی ہے مگر ملکہ ہر کام اپنی انفرادی رائے سے نہیں بلکہ مشورے سے کرتی ہے تو ایسی حکومت جائز ہے۔ اسی طرح ایسی ریاستیں جو عورتوں کے زیر فرمان ہیں' عدم فلاح کے حکم سے بری ہیں۔

دراصل اس فتوے کا ایک پس منظر ہے۔ اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں۔ ان میں سے ایک ریاست بھوپال میں زمام کار عورتوں کے ہاتھ میں تھی۔

یہ مسلمان حکمران عورتیں احکام شریعت کی پابند تھیں۔ انہوں نے اپنی ریاست میں بھی اسلامی شریعت کے احکام نافذ کر رکھے تھے۔ حکمران خاندان میں موزوں مرد نہ ہونے کی وجہ سے ان کو زمام کار سنبھالنا پڑی۔ انہوں نے حکمران ہونے کے باوجود بے پردگی اختیار نہ کی۔ مردوں سے بے باکی سے گفتگو نہ کی' نہ اپنے آپ کو عقل کل سمجھا بلکہ معاملات ریاست اہل علم و اہل دانش کے مشورے سے چلاتی رہیں۔ تاہم ان کے دل میں حدیث مذکور کی بناء پر ایک خلش موجود تھی' جس کا جواب مولانا تھانوی نے اس توجیہ کے ذریعے سے پیش کیا۔

(2) یہ تاویل و توجیہ انہی کی ہے' جس کے علماء پابند نہیں ہیں۔ تاہم اس تاویل و توجیہ کو قبول بھی کیا جائے تب بھی وہ پس منظر اور آج کے موجودہ حالات بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً:

وہ خواتین موروثی طور پر گھر بیٹھے حکمران بن گئیں۔ ان کو گھر سے باہر نکلنا ہی نہ پڑا۔ کجا یہ کہ آج کے دور میں عورت کو مردوں کی طرح جلسے جلوسوں' مظاہروں' انتخابی مہم اور بے شمار دیگر سرگرمیوں میں حصہ لینا پڑتا ہے۔ یہ ساری سرگرمیاں تو اسلامی احکام و ضوابط کے خلاف ہیں۔ جن میں مردوں سے بے باکانہ اختلاط' اپنی آواز و شخصیت کا جادو جگانا' اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنا اور اپنے جسمانی حسن کی نمائش کرنا بھی شامل ہے۔ پھر وہ حکمران خواتین نہ کبھی کسی بیرونی دورے پر گئیں' نہ غیر ملکی سفیروں سے ملاقات کی۔ جبکہ آج صورت حال مختلف ہے۔ غیر ملکی سفیروں سے ملنا' بیرونی دوروں پر جانا اور ہر چھوٹے بڑے سے ملنے کا اہتمام اس میں شامل ہے' اس طرح تو تمام اسلامی اصول مکمل طور پر پامال ہو رہے ہیں۔ لہٰذا بھوپال کی حکمران ریاستوں کا آج کے دور کی خاتون حکمرانوں سے کیا مقابلہ! دونوں کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(3) مولانا اشرف علی تھانوی" کا یہ فتویٰ 1330ھ کا ہے۔ اس کے 4 سال بعد 1334ھ میں ان کی تفسیر "بیان القرآن" طبع ہوئی' اس میں انہوں نے ملکہ سبا کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا:

"ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے۔ پس بلقیس کے قصے سے کوئی شبہ نہ کرے۔ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا' دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی (یعنی برقرار رکھا ہو) تو شرع محمدیؐ میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔"

(تفسیر بیان القرآن' پارہ 19' صفحہ 74' ج 8' مطبع مجتبائی دہلی)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی سابقہ تحقیق سے رجوع کر لیا تھا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ عورت کی حکمرانی کا جواز ڈھونڈنے والے مضمون نگار "امداد الفتاویٰ" کی عبارت کا حوالہ تو بکثرت دیتے ہیں' مگر ان کی بعد میں قائم کی گئی رائے کا حوالہ نہیں دیتے' جو ان کی تفسیر "بیان القرآن" میں بیان ہوئی ہے اور جو ان کی آخری تحقیق ہے۔

دلیل نمبر11: غزوات میں صحابیاتؓ کی شرکت سے استدلال:

صحیح بخاری کی روایت ہے: "دور نبویؐ میں بعض اوقات صحابیاتؓ غزوات میں شریک ہوتی تھیں' زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں' شہیدوں کی لاشیں اٹھاتی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔" اس سے ثابت ہوا کہ خواتین بھی مردوں کے دوش بدوش سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہیں۔

جواب: جہاد میں شرکت کو حکمرانی کی دلیل سمجھ لینا کس طرح مناسب سمجھا جا سکتا ہے! حالت جنگ تو ایک ایمرجنسی کی کیفیت ہوتی ہے' جبکہ پورے ملک کی سربراہی ایک مستقل اور اہم ذمہ داری ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے پر کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے! پھر جو جاتی تھیں' وہ لڑنے کی نیت سے نہیں بلکہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کی خاطر جاتی تھیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ کچھ غزوات میں کچھ خواتین اپنے باپ' بھائی یا شوہر کے ساتھ شامل ہوتی تھیں۔ جس سے ان کا مقصود زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا' کھانے پینے کا بندوبست کرنا اور تیر پکڑانا' پانی پلانا وغیرہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیئر کی کتابوں میں غزوات میں خواتین کی شرکت کے اکا دکا واقعات ہی ملتے ہیں اور وہ بھی ان جانے والی خواتین کو اپنے محرم رشتہ داروں کے ساتھ جانا ہوتا تھا۔ مگر یہ بات واضح ہے کہ نہ تو عورتوں کو جہاد پر جانے کا نبی پاکؐ کی طرف سے حکم ملا اور نہ ہی سب عورتیں سب غزووں میں شامل ہوئیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں خواتین نے اپنے شوق سے جہاد میں شامل ہونے کی اجازت مانگی' تو آپؐ نے فرمایا: "تمہارا جہاد تو حج ہے" (صحیح بخاری) غزوہ خیبر کے موقع پر آپؐ نے چند خواتین کو لشکر میں دیکھا تو پوچھا: "تم کس کے ساتھ آئی ہو اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟" پھر آپؐ نے انہیں ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی بلکہ انہیں واپس جانے کا حکم دیا اور وہ واپس چلی گئیں۔ (سنن ابی داؤد)

اس لئے مذکورہ استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ عہد نبوی ﷺ ہو یا بعد کا خلفائے راشدین ؓ کا دور' امت کو بہت سے اجتماعی و سیاسی مسائل پیش آتے رہے۔ مگر ان کے حل کے لئے کسی خاتون کو کبھی نامزد نہیں کیا گیا' نہ کوئی عورت فوج کی کمانڈر بنائی گئی' یا کسی علاقے کی گورنر مقرر ہوئی' نہ قضا کا محکمہ اس کو دیا گیا' نہ مالی امور کا سرپرست بنایا گیا۔ غرض اس دور کے اسلامی معاشرے میں عورتیں کہیں بھی مردوں کے دوش بدوش نظر نہیں آتیں۔ بالخصوص سیاست و جہانبانی کا شعبہ تو اس سے بالکل خالی رہا ہے۔ پھر وہ خواتین غزوات میں اپنے محرم کے ہمراہ نبی پاک ﷺ کی اجازت سے جاتی تھیں' جبکہ آجکل خاتون سربراہ کو حلف تنہا اٹھانا ہوتا ہے اور پھر پوری ذمہ داری تنہا اٹھانا پڑتی ہے۔ ان دونوں مثالوں کا آپس میں کیا اور کیسے موازنہ ہو سکتا ہے!

دلیل نمبر 12: فاطمہ جناح کی نامزدگی سے استدلال:

صدر ایوب خاں کی آمریت سے نجات حاصل کرنے کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی انتخاب میں امیدوار نامزد کیا گیا تھا۔ اس وقت مولانا مودودی ؒ جیل میں تھے۔ انہوں نے جیل سے رہائی پانے کے بعد محترمہ فاطمہ جناح کی صدارتی انتخابات میں نامزدگی کی توثیق کر دی' اس کی نامزدگی کو بھی بے نظیر بھٹو کے حمایتی بڑے زور شور سے پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ خود بے نظیر نے بھی قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر عورت اس وقت سربراہ بن سکتی تھی تو آج کیوں نہیں بن سکتی؟

جواب: اس سوال کا مفصل جواب ایک باخبر صحافی جناب محمد صلاح الدین 'مدیر "تکبیر" کراچی کے حسب ذیل اقتباس میں ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(1) "اس وقت معاملہ یہ تھا کہ ایوب خاں کی آمریت سے نجات پانے کی کوئی مناسب صورت حال تلاش کی جا رہی تھی۔ پہلے اعظم خاں کا انتخاب کیا گیا۔ لیکن اس کی بھنک پڑتے ہی خصوصی پیغامبر مولوی فرید احمد کو لاہور ایئرپورٹ پر گرفتار کر لیا گیا اور اعظم خاں بھی گرفت میں لے لئے گئے۔ چودھری محمد علی' نواب زادہ نصراللہ خاں اور دیگر حضرات نے مادر ملت کی شخصیت میں ایوب خاں کا توڑ تلاش کیا۔ ان پر ہاتھ ڈالنا آسان نہ تھا۔ مولانا مودودی ؒ اس وقت جیل میں تھے۔ فتویٰ کے لئے پہلے مولانا مفتی محمد شفیع ؒ سے رجوع کیا گیا۔ ان پر دباؤ بڑھا تو دو سطر کا فتویٰ جاری کر دیا کہ:

"دو برائیوں میں سے کمتر برائی کا انتخاب کر لیا جائے۔"

ایوب خاں اپنی پرویز نوازی' رویت ہلال اور عائلی قوانین کی وجہ سے دینی حلقوں میں خاصے ناپسندیدہ قرار پا چکے تھے۔ مادر ملت صرف عورت نہیں تھیں' قائداعظم محمد علی جناح کی بہن تھیں۔ پختہ کردار' نیک نام' انتہائی محترم خاتون تھیں' سن رسیدہ تھیں' متنازعہ نہ تھیں۔ ان کے کردار پر کسی

حرف گیری کی گنجائش نہ تھی' ان کی ذات سے کوئی سیکنڈل وابستہ نہ تھا۔ ان سے قوم کو گہری عقیدت تھی۔ مولانا مودودی کی رہائی سے قبل ہی وہ رائے عامہ کی ترجمان بن چکی تھیں۔ مولانا نے رہائی پاتے ہی ان کے حق میں رائے دے دی--- وہ عمر کے اس حصے میں تھیں جہاں شریعت پردے وغیرہ کی پابندیوں کو خود ہی نرم کر دیتی ہے۔ جہاں وہ قباحتیں باقی نہیں رہتیں' جن کے پیش نظر ٹک کر گھر بیٹھنے اور پردہ کے حدود قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان سب کے باوجود مولانا مودودی کی رائے سے اختلاف کیا گیا۔ انکی اپنی جماعت کے لوگوں نے اختلاف کیا--- یہ ایسی رائے نہ تھی جسے علمائے کرام اور عام مسلمان آسانی سے ہضم کر لیتے--- خود مولانا کے فیصلے میں خصوص تھا' عموم نہیں۔

(2) اس معاملے کا دوسرا اور زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ مادر ملت سربراہ حکومت بننے کی امیدوار نہیں تھیں۔ انہوں نے مذاکرات کرنے والے لوگوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں تحریک کی قیادت کر سکتی ہوں' ملک کی صدارت مجھے منظور نہیں۔ انہیں جب بتایا گیا کہ موجودہ نظام میں امیدواری صدارت کے بغیر کوئی تحریک نہیں چل سکتی تو انہوں نے عبوری مدت کا سوال اٹھایا اور پوچھا کہ میری جگہ اصل صدر لانے میں تمہیں کتنا عرصہ لگے گا؟ تو جواب دیا گیا کہ تقریباً ایک سال۔ مگر انہوں نے اس طویل عرصے کو مسترد کر دیا اور صرف تین ماہ کے اندر اندر نیا صدر منتخب کرنے کی مہلت دے دی۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو وہاں حصول حکومت کا محرک ہی موجود نہ تھا۔ وہ کسی خواہش اقتدار کے بغیر محض آمریت سے نجات دلانے کے لئے میدان میں نکلنے پر آمادہ ہوئی تھیں۔ اب ان کی عمر' مخصوص حالات' محدود اور متعین مقصد' حصول اقتدار کے محرک کی عدم موجودگی اور صفات کردار سب کو ذہن میں رکھا جائے تو اس مثال سے عورت کی حکمرانی کا عام جواز نکال لینے کا کوئی قرینہ نہیں بنتا۔ اس کا کہیں اور اطلاق ہو گا تو عمر' صفات کردار اور مخصوص و محدود مقصد سب ہی کو پیش نظر رکھا جائیگا' محض ہم جنس ہونا کافی نہیں ہو گا۔ کہا جاسکتا ہے کہ اب بھی تو آمریت سے نجات پانے کے لئے ایک طاقتور حریف کی ضرورت تھی۔ جواباً عرض ہے کہ وہ آمر (جنرل ضیاء الحق مرحوم) تو جنگ اقتدار سے قبل ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اب اس کے مقابل آنے کی کیا ضرورت؟ دوسرے مادر ملت کی طرح خواہش اقتدار ترک کیجئے! قوم کی قیادت کا حق ادا ہو گیا' جمہوریت کی منزل سر ہو گئی۔ اب اپنا متبادل آگے لائیے! یہاں کوئی ایسی ہنگامی یا اضطراری صورت حال نہیں کہ عورت کی سربراہی کے بغیر ملک و ملت کا کام ہی نہ چل سکے۔" (ہفت روزہ "تکبیر" کراچی' صفحہ 12و13۔ 15دسمبر1988ء)

عام حالات میں تو مولانا مودودی بہر صورت عورت کی سربراہی کے مخالف ہیں۔ ان کی رائے پیچھے اجماع امت کے عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔ انہوں نے صرف اس خصوصی صورت حال کے بارے میں فتویٰ دیا تھا جس میں سربراہ بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔

دلیل نمبر13: اسمبلیوں کی رکنیت سے استدلال:

جب خواتین اسمبلیوں کی رکن بن سکتی ہیں تو حکومت کی سربراہ بھی بن سکتی ہیں کیونکہ سربراہ ارکان اسمبلی میں سے ہی بنایا جاتا ہے' تو جو شخص رکن اسمبلی بننے کا اہل ہے اسے حکومت کی سربراہی کا اہل بھی ہونا چاہئے۔

جواب: اسمبلیاں ایک طرف تو قانون ساز ادارے ہیں' دوسری طرف انہی ارکان اسمبلی میں سے وزیر اعظم' صدر مملکت یا گورنرز اور وزراء اعلیٰ کا انتخاب ہوتا ہے۔ قانون سازی ایک الگ کام ہے' جو علم و فضل اور غور و فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ جس طرح مرد اپنی علمی صلاحیت کے مطابق قانون سازی اور

پالیسی سازی میں حصہ لے سکتا ہے' اسی طرح عورت بھی اپنی علمی و فکری استعداد کے مطابق اس میں حصہ لے سکتی ہے۔ اسی طرح وہ وزیر اعظم یا صدر مملکت 'گورنرز اور وزراء اعلیٰ کے عہدوں کے انتخاب میں اپنی رائے دے سکتی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث سے عورتوں سے مشورہ لینا اور اگر موزوں و صائب ہو تو اس پر عمل کرنے کا جواز ثابت ہے۔ پھر مجلس شوریٰ میں خواتین کی منتخب کردہ نمائندہ عورتیں' عورتوں سے متعلق قوانین و اصلاحات کے بارے میں عورتوں کے نقطہ نظر سے حکومت کو آگاہ کر سکتی ہیں اور حکومت عورتوں سے متعلق مسائل میں ان کی رائے معلوم کرنے کے بعد ہی قدم اٹھائے گی۔ مثلاً حدیث میں اسماءؓ بنت یزید انصاریہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے کہ وہ کس طرح خواتین کی نمائندہ بن کر نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور خواتین کے مسائل آپؐ سے پوچھے۔ خلفاء راشدینؓ حضرت عائشہؓ سے خصوصاً اور دیگر امہات المومنینؓ سے عموماً پیش آمدہ مسائل میں رائے لیا کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ میں احرام کھولنے کے سلسلے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کا مشورہ صائب پا کر قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' اپنے دور میں حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ کو مشورہ میں مقدم رکھا کرتے تھے اور عموماً ان کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ لہٰذا اصولی مسئلہ یہی ہے کہ اگر قومی یا صوبائی اسمبلی کی رکنیت کا شرعی معیار اہلیت موجود ہو تو صرف عورت ہونے کی بناء پر عورتوں کو ان اداروں کی رکنیت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اسمبلی کا رکن بننا الگ ذمہ داری ہے اور سربراہ مملکت بننا الگ ذمہ داری ہے۔ حکومت کی سربراہی کو قانون ساز اداروں کی رکنیت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن و سنت کی نصوص موجود ہیں' جبکہ عورتوں سے صلاح مشورہ لینے اور اس پر عمل کرنے کی مثالیں دور نبویؐ اور دور خلفاء راشدینؓ میں موجود ہیں۔

دوم:۔ ان اداروں کا رکن بننا' علم و فضل اور غور و فکر سے مشورہ دینا یا اونچے مناصب کے لئے ذمہ داران کا انتخاب کرنے تک محدود ہے۔ جبکہ سربراہ حکومت کی ذمہ داریاں عام رکن اسمبلی کے مقابلہ

میں بہت وسیع ہیں۔ وہ پورے ملک کے نظم ونسق کا ذمہ دار ہوتا ہے' یعنی فوج' مالیات' امن عامہ کے مسائل' خارجہ پالیسیاں' بیرونی ممالک کے دورے وغیرہ۔ اس واضح فرق کے ہوتے ہوئے آخر کس طرح حکومت کی سربراہی کو عام رکن اسمبلی پر قیاس کیا جا سکتا ہے؟

علمائے کرام نے عورت کی حکمرانی کے جواز کا کبھی فتویٰ نہیں دیا:

27 فروری 1989ء کو راولپنڈی میں عورت کی سربراہی کے مسئلے پر اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے علماء کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد ہوا تھا۔ جس میں ملک بھر سے علمائے کرام شریک ہوئے اور انہوں نے متفقہ طور پر عورت کی حکمرانی کے عدم جواز کا فتویٰ دیا (الاعتصام: 17 مارچ 1989ء)

جمعیت علماء اسلام (درخواستی گروپ) کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی نے وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے نام اپنے ایک مراسلے میں ان کے اس موقف کو کہ 1960ء میں علمائے کرام نے عورت کی حکمرانی کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا' غلط قرار دیتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ علمائے کرام نے کسی دور میں بھی عورت کے حکمران ہونے کے جواز میں فتویٰ نہیں دیا۔ 1951ء میں دیوبندی' بریلوی' اہلحدیث اور شیعہ مسالک سے تعلق رکھنے والے 31 علماء کرام نے جن 22 دستوری نکات کا متفقہ طور پر اعلان کیا تھا' ان میں یہ صراحت موجود ہے کہ حکمران کے لئے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا مرد ہونا بھی ضروری ہے۔ 1960ء میں بھی تینوں بڑے مذہبی مکاتب فکر (دیوبندی' بریلوی' اہلحدیث) کے علماء کرام نے محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ عورت شرعاً مسلم ملک کی حکمران نہیں بن سکتی۔ 1973ء میں بھی اس ضمن میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ عورت کا حکمران بننا شرعاً جائز نہیں مگر پیپلز پارٹی نے دستور ساز اسمبلی میں اپنی اکثریت کے بل بوتے پر یہ تجویز مسترد کر دی تھی۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کی قائم کردہ مجلس شوریٰ میں جو آئینی کمیٹی قائم کی گئی تھی' اس کی رپورٹ میں بھی قاضی عبداللطیف کا یہ اختلافی نوٹ موجود ہے کہ حکمران کے لئے مسلمان مرد ہونے کی شرط ضروری ہے۔ اس لئے وزیر اعظم کا کراچی میں "اپوا" کی طرف سے اپنے اعزاز میں دیئے گئے استقبالئے میں یہ کہنا کہ علماء عورت کی حکمرانی کے جواز میں فتویٰ دے چکے ہیں' تاریخی لحاظ سے درست نہیں۔ (روزنامہ "نوائے وقت" 5 مارچ 1989ء)

ہمارا اصل مسئلہ

آخر میں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ہمارا اصل مسئلہ ایمان کی کمزوری اور یقین کے اضمحلال کا ہے' جس کے نتیجے میں ہمارا مسلمان کی طرح جینے اور اسلام کی حالت میں مرنے کا ارادہ کمزور پڑ گیا ہے۔ اسی بناء پر شریعت کے احکام کے ضمن میں تمام چور دروازوں کی تلاش میں ہم سرگرداں رہتے ہیں اور مغربی تہذیب کے جھوٹے نگوں کی صناعی سے مرعوب ہو کر شریعت کے احکامات کی کتر بیونت

کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا ایک ہی حل ہے کہ رشد و ہدایت کے اصل منبع اور علم و عرفان کے اصل مخزن' قرآن کی طرف صدق دل سے رجوع کریں' اس کی تعلیم و تربیت سے اپنے ایمان کو تقویت پہنچائیں اور پورے معاشرے میں تعلیم قرآنی کو پھیلا دیں۔

جب معاشرے میں ایمان راسخ اور مستحکم ہو گا تو خود بخود شریعت کے احکام کی پیروی کا جذبہ بیدار ہو گا بلکہ یہ جذبہ آہستہ آہستہ اتنا قوی ہو گا کہ ہمیں کوئی چور دروازہ تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

❑ بے نظیر کی ناکامی:

لیکن اگر اس سے گریز کیا گیا' تو خواتین کو بار بار سربراہ بنانے کے دلفگار سانحات پیش آتے ہی رہیں گے۔ حالانکہ خود بے نظیر صاحبہ دو بار منتخب ہوئیں' مگر دونوں بار اپنی نااہلی کی بناء پر اپنی مقررہ میعاد پوری نہ کر سکیں۔ جب یہی بات شریعت کہتی ہے کہ عورت یہ ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی تو پھر اس کی تردید کیوں کی جاتی ہے؟ اب تو تاریخ نے بھی اس کی دوبارہ توثیق کر دی ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ محترمہ بے نظیر صاحبہ کی ناکامی کا بہت بڑا سبب ان کا شوہر آصف زرداری تھا' جنہوں نے بیوی کو دبا کر زراندوزی' کرپشن اور لوٹ مار کے وہ ریکارڈ قائم کئے کہ وطن عزیز پاکستان دنیا میں کرپشن میں دوسرے نمبر پر شمار ہونے لگا۔

❑ بے نظیر حکومت پر تبصرہ:

سیاسی مخالفوں کے تبصرے تو پڑھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ مخالفت پر مبنی ہوتے ہیں' مگر خود ان کے منتخب کردہ صدر فاروق لغاری جو ان کی اپنی پارٹی کے بھی بڑے وفادار تھے' ان کی حکومت توڑنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے الزامات کی ایک لمبی چارج شیٹ ان کی حکومت کو برخاست کرنے کے لئے پیش کی۔ اسی طرح ان کے ایک حلیف نوابزادہ نصراللہ خاں کا بیان تھا: "بے نظیر حکومت پاکستان کی تاریخ کی سب سے زیادہ غیر معقول حکومت تھی" (ہفت روزہ ندائے ملت' 15 نومبر 96' صفحہ 2) اور "پاکستان میں اضطراب آخری حد کو پہنچ گیا تھا۔" (نوائے وقت 15-11-96)

15-11-96 کے روزنامہ نوائے وقت ہی میں یہ خبر شائع ہوئی: "بے نظیر حکومت کی برطرفی پر مغرب میں بھی کسی نے آنسو نہ بہایا۔ بے نظیر صاحبہ کو اپنی برطرفی کے بعد اس بات پر بڑا دھچکہ لگا کہ 5 نومبر (جب ان کی حکومت برخاست کی گئی) سے آج تک کسی بھی ملک نے نہ تو ان کی برطرفی کی مذمت کی' نہ اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ ذرائع کے مطابق وزارت خارجہ نے تبدیلی کے متعلق عالمی رائے عامہ

کے بارے میں اپنی سمری نگران وزیراعظم کو پیش کر دی ہے کہ پاکستان کی امداد کرنے والے ملک اس برطرفی کو پاکستان کا اندرونی معاملہ قرار دیتے ہیں۔ خود بی۔ بی۔ سی نے بھی بے نظیر دور کی ناکامی اور ابتری کی رپورٹ کئی بار نشر کی تھی۔"

بہر صورت مسلمانوں کے لئے جواں سال اور خوبصورت بے نظیر کی حکومت کا جو سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو تھا' وہ ان کی بھرپور جوانی' بھرپور فیشن پرستی کے ساتھ ساتھ ان کے خانگی مسائل تھے۔ پہلے دور حکومت میں ان کے ہاں بچی کی پیدائش ہوئی۔ حمل کے آغاز سے لیکر وضع حمل تک کس طرح وہ عالمی ذرائع ابلاغ کا موضوع بنی رہی! آخری آٹھ دس دن جس انداز میں پاکستانی وزیراعظم کی خبریں چھپتی رہیں' عزت مآب اور عفت باز خواتین کے سر جھکا دینے کو وہی خبریں کافی تھیں۔

قبل ازیں جو مسلم خواتین بدقسمتی سے مسلمانوں کی سربراہ مختلف اوقات میں بنتی رہی ہیں' کم از کم اس طرح کی چٹخارے دار خبروں کا موضوع ہرگز نہ بنی ہوں گی۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

علامہ اقبال کی پیشین گوئی کس طرح پوری ہوئی۔

یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوشمند
غیرت نہ تجھ میں ہو گی نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لئے ووٹ چاہے گی

کیا اب بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک "جس قوم نے اپنے معاملات عورت کے سپرد کر دیئے' فلاح ہرگز نہیں پائے گی" کسی وضاحت کا محتاج رہ گیا ہے؟

---

② یہ حدیث "گھر کی سربراہی" اور "عورت اور مسئلہ شہادت" میں دو جگہ بیان کی جا چکی ہے۔

③ قرآن کریم کی رو سے تو عورت گھر کی سربراہ نہیں ہے۔ مگر آزادی نسواں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے اس دور میں بھی کوئی ایسا معاشرہ روئے زمین پر ہمارے علم میں نہیں ہے' جہاں شوہر کے ہوتے ہوئے عورت کو سربراہ خاندان قرار دیا گیا ہو۔ (ہفت روزہ الاعتصام 17' تا 24 مارچ 1989ء' صفحہ 23)

④ کئی دیگر مسلم خواتین نے بھی اضطراری کیفیت میں اپنے اپنے علاقوں کے انتظامی معاملات سنبھالے اور خوش اسلوبی سے معاملات انجام دیئے۔ مگر کبھی وہ بذات خود سربراہ نہیں ہوتی تھیں' بلکہ اپنے نابالغ بیٹے یا بھتیجے کی سرپرستی کے طور پر۔ نام اور سکہ ان منتظم عورتوں کا نہیں بلکہ ان نابالغ سربراہوں کا ہی چلتا تھا۔ پھر جب وہ بالغ ہو جاتے تو عنان حکومت خود سنبھال لیتے۔ مثلاً:

1- آٹھویں عباسی خلیفہ المقتدر باللہ (295ھ تا 320ھ) کی والدہ قطر الندیٰ۔

2۔ دیلمی فرمانروا مجد الدولہ (387ھ میں تخت نشین ہوا' وہ نابالغ تھا) کی والدہ ملکہ سیدہ۔

یہ تمام تفصیلات ہفت روزہ الاعتصام ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۴ میں محمد اسلم رانا کے مضمون سے لی گئی ہیں۔

3- المکرم احمد 473ھ میں یمن کے تخت حکومت پر بیٹھا۔ بہت نالائق اور عیش پرست تھا' تو اس کی بیوی بی بی سیدہ نے سارا کاروبار حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی کامیابی سے سنبھالا۔ باہر کی سفارتوں سے بھی سارے معاملات وہی طے کرتی تھیں۔

4- کرمان کے تیسرے قتلغ خانی حکمران قطب الدین ایبک (650ھ تا 655ھ) کی اہلیہ تھی۔ اس کی وفات پر امراء نے اسی کو اپنا فرمانروا منتخب کر لیا (655ھ تا 681ھ) پورے چھبیس سال تک بڑی کامیابی سے کرمان کی حکومت سنبھالے رکھی۔ ملکہ قتلغ خاتون اسکا نام تھا۔

5۔ ملکہ مخدومہ جہاں: شمالی دکن کے بہمنی فرمانروا ہمایوں شاہ (862ھ تا 865ھ) کی ملکہ تھی۔ شوہر کی وفات پر اپنے کمسن بیٹے نظام شاہ کی نائب بن کر معاملات حکومت حسن تدبیر اور کامیابی سے سنبھالے۔ 865ھ سے لیکر 875ھ تک دس سال انتظام حکومت سنبھالا۔ اس اثنا میں نظام شاہ فوت ہو گیا' دوسرا کمسن بیٹا محمد شاہ فرمانروا بنا۔ یہ بیٹا جب 14 برس کا ہوا تو حکومت کی امانت اس کے حوالے کر کے خود گوشہ نشین ہو گئی۔

6- ملکہ ماہ پیکر: اٹھارویں عثمانی خلیفہ سلطان مراد چہارم کی والدہ تھی۔ تخت نشین ہوتے وقت سلطان مراد کی عمر صرف بارہ سال تھی اور سلطنت کے حالات بہت ابتر تھے' ملکہ ماہ پیکر نے عنان حکومت کامیابی سے سنبھالی' وہ جلد ہی لاولد فوت ہوا تو اس کا بھائی ابراہیم تخت نشین ہوا۔ مگر وہ بڑا نااہل تھا۔ لہٰذا امراء نے اس کو معزول کر کے اس کے بیٹے محمد کو فرمانروا بنا دیا۔ محمد صرف سات سال کا تھا۔ ملکہ ماہ پیکر نے اس کی بھرپور سرپرستی جاری رکھی۔ گویا 1032ھ سے لیکر اپنی وفات (1064ھ) تک ملکہ ماہ پیکر نے ترکی کے سیاسی وانتظامی معاملات کامیابی سے سنبھالے رکھے۔

7- کابل کے گورنر امیر خان (1677ء تا 1698ء) کا اکیس سالہ دور گورنری اس کی بیوی بی بی صاحب جی کی بیدار مغزی اور تدبیر مملکت کے باعث کامیاب رہا۔ تاریخ سے مسلمان خواتین کی کامیاب وبیدار مغز حکمرانی کی اور بھی مثالیں مل جاتی ہیں' مگر ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ وہ کسی کی نائب بن کر حکومت کرتی رہیں۔ خود مستقل طور پر حکمران نہ تھیں بلکہ کسی اضطرار کا نتیجہ تھیں اور پردہ کے پیچھے رہ کر وہ امور مملکت انجام دیتی تھیں۔

18

صرف اسلام ہی طبقہ نسواں کا محسن ہے

1. وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (النساء:19)

"عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو۔"

2. اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ (فرمان نبوی)

"جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔"

- اشتراکی معاشرہ
- برطانیہ ' فرانس
- یو۔ این۔ او اور حقوق
- اسلام اور شرف نسوانیت
- قرآن کے احکام
- زوجین کا قریبی تعلق
- ماں کا مقام
- خاندانی ادارہ
- عفت کا تحفظ
- عورت کا نان نفقہ کا حق
- عورت کا حق وراثت
- حقوق ملکیت
- مذہبی حقوق
- علمی حقوق
- نجی زندگی کا تحفظ
- تمدنی حقوق
- عملی مواقع
- ملی خدمات
- خواتین کی علمی سرگرمیاں
- حربی خدمات
- اصل دائرہ کار
- اسلام کا احسان
- مغربی مصنفین کا اعتراف
- عورت کا احترام تاریخ کی روشنی میں

صرف اسلام ہی تحفظ حقوق نسواں کا ضامن ہے

دین فطرت' اسلام نے عورت کے جملہ حقوق کو بہترین انداز میں تحفظ عطا فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں اسے معاشرہ میں اعلیٰ وارفع مقام و مرتبے سے نوازا ہے۔ اس مضمون میں مختصر طور پر اسلام کی طرف سے عورت کو دیئے گئے حقوق اور پھر اس کے مطابق اسے ملنے والے احترام و مرتبہ کا ذکر کیا جاتا ہے' مگر اس سے قبل پہلے غیر مسلم معاشروں کی ایک ہلکی سی جھلک ملاحظہ ہو۔

❑ **اشتراکی معاشرہ:** اشتراکیت کے مطابق انسان معدے اور مادے کا مجموعہ ہے اور معاشی جدوجہد اس کا واحد مقصد حیات ہے۔ اب اسے روٹی' کپڑے' مکان اور علاج کے علاوہ اور کیا چاہئے یا اس کے علاوہ اس کے اور کونسے حقوق ہو سکتے ہیں؟ اس لئے اشتراکی معاشرہ صرف انہی مادی ضرورتوں کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ عورت کے معاشی حقوق کا تحفظ اس طرح ہو رہا ہے کہ دنیا بھر میں عورت اشتراکی معاشرہ میں سب سے زیادہ زبوں حال اور خوار ہے۔ گھر کی ذمہ داری' بچوں کی پرورش' مرد کے ساتھ برابر فیکٹریوں پر کام کرنا' سڑکیں کوٹنا' پل بنانا' نہریں کھودنا' کھیتی باڑی کرنا' غرض ہر کام جو مرد کرتا ہے وہ اسے بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے بدلے میں ایک طرف عورت دوسرے مال و اسباب کی طرح ریاست کی ملکیت ہے جس کی عفت کا معاشرہ میں کوئی تصور نہیں' دوسری طرف وہ ہر وقت مردوں کی طرف سے ظلم و زیادتی اور جسمانی تشدد کا شکار بنتی رہتی ہے۔ روسی عورت حقیقتاً دنیا کی مظلوم ترین عورت ہے۔

❑ **برطانیہ:** برطانیہ میں عورت کے بنیادی حقوق نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جس طرح مظلوم وہ صنعتی انقلاب سے پہلے تھی' ویسے ہی اب بھی ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ اب وہ ہر جگہ مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ ہانپتی کانپتی دوڑ لگا رہی ہے مگر عملاً مساوات اسے نہیں مل رہی۔ بڑے بڑے مناصب ابھی بھی مردوں کے پاس ہیں' مردوں کی تنخواہیں عورتوں کی نسبت سے کہیں زیادہ ہیں۔ دوسری طرف میک اپ اور ملبوسات پر بے تحاشا خرچ کرنے کے باوجود مردوں کے جنسی اور جسمانی تشدد کا بہت زیادہ شکار ہے۔ سکارمین سر لیزلی (Scarman Sir Leizlie.) اپنی کتاب "انگریزی قانون" (English law) میں لکھتا ہے (واضح رہے کہ وہ ایک جج ہے): "برطانوی قانون میں انسانی حقوق کا

کوئی ضابطہ ہے ہی نہیں۔ اگر ہوتا تو شمالی آئرلینڈ میں تفتیش کے جو انتہائی اذیت ناک طریقے اختیار کئے گئے ہیں' کیا وہ ممکن تھے؟"

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہاں عورت کے کون سے حقوق ہو سکتے ہیں!

❑ **فرانس:** فرانس میں شادی کی شرح بہت کم ہو گئی ہے۔ بیشتر افراد شادی کے بغیر زندگی گزارتے ہیں۔ پھر اس قلیل شادی شدہ تعداد میں سے بھی بہت کم ہیں جو واقعی باعصمت اور پاکدامن رہنے کی نیت سے نکاح کرتے ہیں۔

اسی طرح نیویارک میں بھی شادی شدہ آبادی کا ایک تہائی حصہ اپنی عائلی زندگی میں مخلص نہیں ہے' کم سن محرمات سے زیادتی کرنا ایک معمول کی بات ہے حتیٰ کہ بیٹی اور پوتی تک محفوظ نہیں ہیں۔ اب وہاں اس کو معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا۔ اب تو جدید عورت دراصل ایک گمشدہ جنس ہے' وہ جنس جس نے دنیا کو اگلی نسل دینی تھی' تربیت یافتہ نسل! اب وہ جنس یورپ و امریکہ میں معدوم ہو چکی ہے۔ باعفت و پاکدامن عورت دور' بہت دور کہیں کھو چکی ہے۔ نہ عورت کو اپنی عصمت کی فکر ہے نہ معاشرے کو اسے تحفظ مہیا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ سفاح اور زنا کو جس طرح مرد اپنے لئے جائز سمجھتا ہے' عورت بھی اسی طرح اپنے لئے جائز سمجھنے لگی ہے۔ بلکہ اب یہ "مہذب" معاشرے عورت کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے وہ ہم جنس پرستی کی آغوش میں پناہ لے رہے ہیں۔ وہاں برہنہ لوگوں کے باڑے عام ہیں۔ جہاں------

❑ **باقی رہ گئی اقوام متحدہ:** یو۔ این۔ او کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو انسانی حقوق سے متعلق 30 دفعات پر مشتمل عالمی منشور کا اعلان کیا تھا' جو گویا بنیادی حقوق کے ضمن میں انسانی کوششوں کی معراج ہے۔

یو۔ این۔ او نے 1952ء میں خواتین کے سیاسی حقوق کے لئے' 1957ء میں شادی شدہ عورتوں کی قومیت کے تعین کے لئے مختلف قراردادیں منظور کیں۔ مگر بنیادی حقوق کے محافظ کی حیثیت سے۔ یو۔ این۔ او اپنے رکن ممالک سے اس پر عمل نہ کرا سکی۔ 76-1975ء کی رپورٹ کے مطابق 142 ارکان ممالک میں سے 113 ممالک میں ان قراردادوں کی سنگین خلاف ورزیاں ہوئیں۔

پھر یو۔ این۔ او کے تحت اب تک عالمی سطح پر خواتین کی چار کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ جن میں سے آخری یعنی چوتھی عالمی کانفرنس جو بیجنگ میں منعقد ہوئی' درحقیقت تذلیل نسوانیت کی کانفرنس تھی۔ جس کا مقصد وحید عورتوں کو مادر پدر آزادی دلانا تھا تاکہ وہ بچوں کو جنم دینے کے "فریضہ" بلکہ جھنجھٹ سے آزاد ہو سکیں' اگر ہو جائے تو اپنی مرضی سے اسقاط حمل کروا سکیں' ہم جنس پرستی اور آزادانہ شہوت رانی میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے۔ یہ ہے یو۔ این۔ او کی حقوق نسواں اور

شرف نسواں کے سلسلے میں کوششوں کی معراج! وہ عورت کو مساوات' حقوق اور ترقی دینے چلے ہیں مگر ~

مردوں کے اگر شانہ بشانہ رہے عورت
کچھ اور ہی بن جاتی ہے' عورت نہیں رہتی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
تمہاری تہذیب آپ اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پر آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

اسلام اور شرفِ نسوانیت

اس کے برعکس اسلام نے عورت کو تحفظ مہیا کیا ہے' اسے عزت واحترام دیا ہے۔ اسے وقار عطا کیا ہے' سچی بات ہے کہ عورت نے جتنا اعلیٰ وارفع مقام اسلام کے جوار رحمت میں پایا ہے' اس کی نظیر تمام مذاہب عالم میں تو کجا' خود موجودہ دور کی نام نہاد مہذب مغربی تہذیب میں بھی پایا جانا بلکہ اسکا صرف عُشرِ عشیر بھی پایا جانا ناممکن ہے۔ قرآن وسنت میں اس صنف نازک کے حقوق کی پاسداری' تمام معاملات میں اس کی خصوصی نگہداشت اور فطری کمزوری کے باعث اس کی رعایات پر نظر ڈالی جائے تو بے اختیار یہ بات زبان سے نکلتی ہے کہ یہ واقعی خالق کائنات ہی کی حکمت بھری تعلیم ہے۔

قرآن پاک کے تاکیدی احکام عورت کے سلسلے میں:

ہر حیثیت میں عورت کو قرآن وسنت نے عزت واحترام سے نوازا ہے۔ ماں' بیوی' بیٹی' بہن ہر لحاظ سے معاشرہ میں اس کو شرف اور وقار کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ مرد کو شریعت نے گھر کا قوام اور سربراہ بنایا ہے اور اسے تاکید کی ہے کہ وہ عورت سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ کہیں بھی اور کسی انداز میں بھی عورت پر ظلم اور زیادتی کا مرتکب نہ ہو' بلکہ ہر وقت اس سے ہمدردی کا رویہ رکھے!

❑ **قرآن کے احکام:** وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء:19) "عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو۔" فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرہ:229) "عورت کو (اگر رکھنا ہے تو) بھلے طریقے سے روک لو یا بھلے طریقے سے اسے رخصت کر دو۔" (دونوں صورتوں میں بہرحال شائستہ انداز اختیار کیا جائے)

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا (البقرہ:231)۔

"محض ستانے کی خاطر انہیں نہ روکے رکھنا کہ یہ زیادتی ہوگی۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازیوں کی انتہا دیکھئے! آپؐ اگر محسن انسانیت ہیں تو اسی طرح آپؐ محسن نسواں بھی ہیں۔ آپؐ نے حقوق کی رعایت اور حسن سلوک میں عورت کو تین گنا زیادہ مقدم قرار دیا۔ اشیائے دنیا میں سے عورت کو اپنے لئے پسند فرمایا۔ ماں کے قدموں تلے جنت کی بشارت دی۔ بیٹیوں اور بہنوں کو گھر والوں کے لئے باعث رحمت و برکت اور ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کو دوزخ سے نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ آپؐ نے عورتوں کو نازک آبگینوں سے تشبیہ دی۔ صالح بیوی کو دنیا کی سب سے قیمتی متاع قرار دیا اور حجتہ الوداع کے موقعہ پر عورتوں سے حسن سلوک کی خصوصی ہدایات فرمائیں۔

قرآن پاک نے زوجین کے قریبی تعلق کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ:187)

"وہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔"

دونوں میاں بیوی کو اللہ رب العزت ایک دوسرے کے لئے لباس قرار دے رہا ہے۔ لباس کی یہ تشبیہ (میری ناقص رائے کے مطابق) پورے عالمی ذخیرہ علم و ادب میں سے بہترین تشبیہ ہے' جو ان کے تعلق کی صحیح نوعیت کو بیان کر رہی ہے۔ یہ تشبیہ آخر بہترین کیوں نہ ہو! یہ انسانی فطرت بنانے والے رب حی وقیوم نے خود ارشاد فرمائی ہے۔

لباس اور انسان میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لباس انسان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ وہ اس کو گرمی سردی سے بچاتا ہے' وہ اس کو حسن و جمال عطا کرتا ہے' لباس سے انسان کے وقار اور رعب و جمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہیں' نہ مرد تنہا مکمل ہے نہ عورت تنہا مکمل۔ دونوں کے باہمی تعاون سے ہی ان کے روحانی و جسمانی تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کی ستر پوشی کرتے ہیں۔ عزت و اخلاق پر حرف لانے والے اثرات سے ایک دوسرے کو بچاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ مل کر اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ اس طرح دونوں کے تعاون ہی سے جہاں تمدن کی گاڑی درست سمت میں سفر طے کرتی ہے' وہاں خود ان کی اپنی صلاحیتوں کی نشوونما بھی ہوتی رہتی ہے۔ اگلی نسل کی تربیت بھی بہترین انداز میں ہوتی رہتی ہے اور یہ سارے کام اعتماد اور سکون کی فضا میں انجام پاتے ہیں۔

□ ماں: اسلام عورت کو اپنے گھر کی ملکہ قرار دیتا ہے۔ اندرون خانہ کے تمام مسائل وہ اپنے ناخن تدبیر سے حل کرتی ہے۔ ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے۔ دنیا میں جتنے بھی نبی' صدیق' شہید اور ولی ہوئے ہیں' سب عورتوں کے بطن سے ہی پیدا ہوئے' انہی کی گود میں تربیت پائی اور پروان چڑھے۔ اسلام نے عورت کے اس مرتبہ و مقام کو اس طرح تسلیم کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول

کریم ؐ کے بعد جو ہستی سب سے زیادہ قابل تکریم ہے' وہ صرف ماں ہے۔ جس کی خوشنودی میں اللہ کی خوشنودی اور جس کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ بڑے بڑے ولی اور بزرگ اللہ کے ہاں اسی وقت کوئی مقام حاصل کرسکتے ہیں جب ان کی بوڑھی' کمزور اور نحیف و نزار ماں ان سے راضی ہو۔ اس طرح اسلام عورت کو "خیر کی بنیاد" قرار دیتا ہے۔ (اس کے برعکس ہندو' عیسائی اور یہودی مذاہب سب میں عورت کو گناہ کی جڑ اور ناگزیر برائی سمجھا جاتا ہے۔ ان کا نکتہ نظر یہ ہے کہ معاشرہ میں ہر جگہ عورت کو مرد کے ساتھ ساتھ رہنا چاہئے' اس کی خدمت کرنے اور اس کا دل بہلانے کے لئے۔ اس کے بغیر مردوں کا گزارہ نہیں ہو سکتا' اس لئے وہ ناگزیر برائی ہے۔ مرد حاکم ہے اور عورت کا کام اس کی خدمت بجالانا ہے۔ اس کی اپنی کوئی رائے ہے نہ مرضی اور نہ حق)

❏ خاندانی ادارہ: اسلام نے نکاح کے ذریعہ سے عورت کو تحفظ دیا۔ ولی اور گواہوں کی موجودگی میں اس کا نکاح اس کے وقار و احترام میں اضافہ کرتا ہے جبکہ سرمایہ داروں نے عورت کو گھر سے باہر نکال کر نکاح اور سفاح کی تمیز ختم کردی۔ کمیونسٹوں نے گھر کو سرمایہ داروں کے ہتھکنڈوں کا مرکز اور ان کی کمینہ حرکات کی آخری کمین گاہ قرار دیکر ختم کردیا۔ سترہ سے بتیس سال کی لڑکیاں ریاست کی ملک قرار دی گئیں' جو جس سے چاہے اپنی جنسی ضرورت پوری کرلے۔ اولاد ماں باپ کی جاسوسی پر لگادی گئی۔ حرامی اور حلالی بچوں کی تمیز ختم کردی گئی' نکاح اور طلاق کی ضرورت سے آزاد کر دیا گیا۔۔۔(1917ء سے 1935ء تک یہی کیفیت رہی)

❏ عفت کا تحفظ: (1) اپنی عزت کو محفوظ رکھنا مسلمان عورت کا حق ہے اور معاشرے کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ عورت کی عفت و پاکدامنی کی حفاظت کے لئے ہر ممکن ذرائع استعمال کرے۔ زنابالجبر کی صورت میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتی ہے۔ جس کے نتیجے میں مرد کو سو کوڑوں یا رجم کی سزا دی جائے گی۔ خود عصمت دری کرنا اسلام میں گناہ کبیرہ ہے ہی' اسلام نے تو زنا کی تہمت لگانے کی بھی بہت سزا یعنی اسی کوڑے رکھی ہے۔

(2) اسلام نے عورت کی عفت اور پاکدامنی کی غیر معمولی حفاظت فرمائی ہے۔ پہلے تو مرد عورت دونوں کو اپنی نگاہیں جھکا کر رکھنے (غض بصر) کا حکم ہوا۔ پھر کسی پاکدامن کے کردار پر الزام تراشی کی ممانعت کی گئی۔

ارشاد ہوا (اندازہ کریں کہ قرآن کریم ناموس خواتین کے لئے کتنا غیر معمولی انداز اختیار کرتا ہے: **إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ** (نور:23) "جو لوگ پاکدامن' بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں' ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

(3) اگر کوئی آدمی اپنی بیوی پر الزام لگائے تو ہمارے ہاں جہالت کی بناء پر مرد اپنی بیویوں کو صرف شک وشبے کی بناء پر ہی قتل کرڈالتے ہیں اور اگر واقعی جرم ثابت ہو جائے تو مرد وعورت دونوں کو فی الفور اگلے جہان پہنچا دیتے ہیں مگر شریعت کسی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس نے ایسے موقع پر لعان کا حکم دیا ہے۔

کتب حدیث میں لعان کے دو واقعات تفصیل سے ملتے ہیں' ایک تو ہلال بن امیہ کا واقعہ اور دوسرا عویمر عجلانی کا۔

عویمر عجلانی کے مقدمے کی روداد سہل بن سعد ساعدی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ اور مسند احمد میں ملتی ہے۔ عویمر اور ان کی بیوی دونوں مسجد میں بلائے گئے۔ لعان سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میاں بیوی کو تنبیہ کرتے ہوئے تین بار ارشاد فرمایا: "اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ایک تو ضرور جھوٹا ہے۔ پھر کیا تم میں سے کوئی توبہ کرے گا؟" جب کسی نے توبہ نہ کی تو پھر ان میں ملاعنت کروا دی گئی۔ جب عویمر لعان سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے: "یارسولؐ اللہ! اب اگر میں اس عورت کو رکھوں تو گویا میں جھوٹا ہوں" یہ کہہ کر انہوں نے تین طلاقیں دے دیں' بغیر اس کے کہ رسولؐ اللہ نے انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہوتا۔ ان طلاقوں کو حضورؐ نے نافذ فرما دیا اور ان کے درمیان تفریق کرا دی نیز آپؐ نے فرمایا: "یہ تفریق ہے ہر اس جوڑے کے لئے جو باہم لعان کرے۔" پھر سنت یہ قائم ہو گئی کہ لعان کرنے والے زوجین کو جدا کر دیا جائے۔ اس وقت عورت حاملہ تھی اور عویمرؓ کہہ رہے تھے کہ یہ حمل میرا نہیں ہے۔ لہذا بچہ ماں کی طرف منسوب کیا گیا اور سنت یہ قائم ہو گئی کہ اس طرح کا بچہ ماں سے میراث پائے گا اور ماں ہی اس کی میراث پائے گی۔ پس ثابت ہوا کہ اگر اس لعان میں عورت خاموش رہے تو پھر اس کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں نے قسمیں کھالیں تو دونوں میں جدائی کروا دی جائے گی اور اگر مرد نے عورت پر جھوٹا الزام لگایا' پھر وہ اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کرلے تو اسے حد قذف لگائی جائے گی۔

□ عورت کی عصمت محفوظ ہے:

انہی ہدایات کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں ظلم وستم اور جور وتشدد کی بے شمار داستانوں کے درمیان بھی کوئی ایک ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ کسی مسلم حکمران نے اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے ان کی بہو بیٹیوں یا ماؤں بہنوں کی بے حرمتی کی ہو۔ وہ تو عورت' اپنی ہو یا پرائی' کی عزت وآبرو کے تحفظ کے لئے کٹ مرتے تھے۔

سید امیر علی لکھتے ہیں کہ اسلام کا سپاہی کمزوروں اور مظلوموں کی دادرسی کرنے کے لئے ہر وقت اتنا ہی تیار رہتا تھا جتنا اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے مستعد ہوتا تھا۔ حجاج بن یوسف کے کانوں میں لنکا کی مسلمان مظلوم عورت کی پکار و فریاد پڑی تو فوراً اپنے کمسن بھتیجے اور داماد محمد بن

قاسم ؒ کو فوج دیکر اس دخترِ اسلام کی داد رسی کے لئے روانہ کیا۔ بالاخر اس پوری ہندو راجہ داہر کی حکومت کو فتح کر کے اس خاتون کو اس کا حق دلایا۔

اسی طرح عباسی خلیفہ معتصم کے عہد میں جب رومیوں نے کچھ مسلمان عورتوں کو قیدی بنالیا تو ایک ہاشمی عورت نے چیخ کر معتصم کو اپنی مدد کے لئے پکارا۔ جونہی معتصم کو اس عورت کی فریاد کا پتہ چلا فوراً بیقرار ہو گیا۔ پندرہ دن کا پیادہ پا سفر کر کے عموریہ جا پہنچا اور رومیوں پر فتح حاصل کر کے اس عورت کو بلایا۔ جس رومی فوجی نے اس کو ایذا دی تھی' اس کو بھی بلایا۔ اس عورت نے معتصم کے حکم سے اس رومی کو اسی طرح تھپڑ مار کر اس سے اپنا انتقام لیا۔ اس موقعہ پر معتصم نے کہا: "اے بہن! اب تم ظالم کو بتا دو کہ مسلمانوں کا خلیفہ تمہاری بے عزتی اور توہین برداشت نہیں کر سکا۔ تمہارا انتقام لئے وہ تمہاری مدد کو آن پہنچا ہے۔"

تحفظ جان:

اسلام نے انسانی جان کے احترام کی بڑی تاکید کی ہے۔ دنیا کے کسی بھی مذہبی یا قانونی لٹریچر میں تحفظ جان کی یہ مثال نہیں ملتی ؛ جس میں اسلام نے ایک آدمی کے قتل کو تمام آدمیوں کا قتل ٹھہرا کر انسانی جان کے قتل سے روکا گیا ہو۔ چنانچہ اسلام عورت کی جان کے تحفظ کی بھی بڑی تاکید کرتا ہے۔ مثلاً بیٹی کی حیثیت سے اسے زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا: ارشاد ہوتا ہے:

لَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (انعام:151)

"اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔"

عرب لوگ عورت کو باعث ذلت وعار سمجھتے تھے۔ کبھی اندیشہ فقر سے اور کبھی واقعی غربت کی بناء پر اسے پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ وہ اولاد نرینہ کو ترجیح دیتے تھے کہ یہ بڑا ہو کر کمائے گا اور دشمن کا مقابلہ کرے گا۔ اس لئے اسلام نے اس قبیح حرکت سے سختی سے روکا۔ اس طرح عورت کی زندگی کو تحفظ عطا فرمایا۔ عورتوں سے خصوصی طور پر یہ بیعت لی جاتی تھی:

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ (الممتحنه:12)

"وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔" ①

اسی طرح اسلام نے بیوی کو بھی تحفظ عطا فرمایا کہ مرد کسی بھی موقعہ پر بیوی کو قتل نہیں کر سکتا۔ اس کو بیوی کے کردار پر کوئی شبہ ہے تو اس کے لئے لعان کا طریقہ کار رکھا گیا ہے۔ مگر وہ خود اس کو قتل نہیں کر سکتا'

جب کہ سرمایہ دارانہ اور اور اشتراکی معاشروں میں 25% قتل گھروں کے اندر ہوتے ہیں۔ مرد

اپنے ہاتھوں سے اپنی بیویوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ یہ اسلامی معاشرہ کا خصوصی مزاج ہے کہ مرد عورت پر ہاتھ اٹھانا اپنے لئے باعث عار سمجھتے ہیں۔ عورت کے احترام کی بناء پر بھی ایسا کیا جاتا ہے اور ویسے بھی مرد اس اس کو اپنی مردانگی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حجاج بن یوسف ثقفی جیسے سفاک اور ظالم شخص کے سامنے ایک عورت ام علقمہ نامی گرفتار ہو کر پیش کی گئی۔ پہلے اس کے قتل کا حکم دیا، مگر پھر سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ ام علقمہ نے کہا: "آپ ایک عورت کے قتل کا مشورہ دے رہے ہیں؟" حجاج پر اس کی بات کا ایسا اثر ہوا کہ اسے آزاد کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اسے نصیحت کی: "جا اپنے گھر بیٹھ! اپنے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جا اور آئندہ میری مخالفت سے باز آجا۔" اور اگر کوئی عورت قتل ہو جائے تو اسلامی شریعت مرد کی طرح عورت کو قتل عمد کی صورت میں اس کا قصاص دلاتی ہے اور قتل خطا کی صورت میں دیت دلاتی ہے۔

❑ عورت کا نان نفقہ:

خاندان کے ادارے میں مرد قوام ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بچے سب کی معاشی ضروریات پوری کرے، ان کی جملہ ضروریات پوری کرنے کے لئے بھرپور جدوجہد کرے۔ اگر کوئی مرد عمداً اس ذمہ داری کو اٹھانے میں تساہل برتتا ہے یا بالکل ہی گھر والوں کا نان نفقہ ادا نہیں کرتا تو اس صورت میں عورت کو یہ قانونی تحفظ حاصل ہے کہ وہ عدالت کے ذریعے سے اپنا یہ حق وصول کر سکتی ہے۔

عورت کسی بھی شکل میں بچوں کے مالی اخراجات کی کفیل نہیں ہے۔ نہ شوہر کے گھر، نہ طلاق کی شکل میں اور نہ بیوگی کی صورت میں (ہاں! اگر اپنی خوشی سے وہ بچوں پر خرچ کرتی ہے، یا ان کی خاطر مجبوری کے وقت کام کرتی ہے تو اس کو اس نیکی کا اجر و ثواب ملے گا۔ مگر قانونی لحاظ سے بہرصورت یہ اس کی ذمہ داری نہیں ہے)

اس کے برعکس سرمایہ دارانہ اور اشتراکی معاشروں میں عورت کی کوئی شنوائی نہیں۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ اپنے اخراجات کی خود ذمہ دار ٹھہرا دی جاتی ہے، باپ اس کا خرچ اٹھانے سے انکار کر دیتا ہے۔ پھر طلاق اور بیوگی ہر دو صورتوں میں عورت ہی بچوں کی کفالت کی ذمہ دار قرار دی جاتی ہے۔ وہ نان و نفقہ کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر نہیں کر سکتی۔ پھر مغربی عورت ہو یا اشتراکی معاشرہ عورت کو نہ وراثت کا حق ہے نہ ملکیت کا۔

❑ عورت کا حق وراثت:

صرف اسلام نے عورت کو وراثت کا حق دیا ہے۔ وہ مرد کے مقابلے میں آدھی وراثت کی حقدار ہے اور کوئی اسے حق وراثت سے محروم نہیں کر سکتا۔ (بیوی یا بہن یا کسی اور کو) وراثت سے محروم کرنا اسلام کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ (جبکہ اسلام کے علاوہ کسی اور نظام حیات میں عورت وراثت کی حقدار نہیں ہے۔ ان میں اسے مکمل طور پر

وراثت سے محروم رکھا گیا ہے)

☐ **حقوق ملکیت:** پھر اسلام نے ہی عورت کو ملکیت کا حق عطا کیا ہے۔ مہر' ہدیہ' وراثت کی شکل میں ملنے والے اپنے مال میں وہ خود ہی تصرف کرے گی۔ چاہے اپنے اوپر خرچ کرے' اولاد پر خرچ کرے' وصیت کرے' ہبہ کرے یا کسی فلاحی کام میں لگادے۔ عورت کو جائیداد رکھنے کا یہ حق اسلام نے چودہ سو سال پیشتر دے دیا تھا۔ یہ ان اسلامی تعلیمات ہی کی برکت ہے کہ آج سعودی عرب (جو مغرب کے نزدیک سب سے زیادہ تاریک خیال اور رجعت پسند ملک ہے اور ان کا ہدف تنقید بنا رہتا ہے) کی کل دولت کا 40% خواتین کی ملکیت ہے۔ ریاض میں کل جائیداد کا 25% اور جدہ میں 50% خواتین کی ملکیت ہے۔ وہ خود کاروبار کرتی ہیں۔ وہاں کاروباری خواتین کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ ریاض کے چیمبر آف کامرس میں دو ہزار سے زاید خواتین نے اپنے کاروبار رجسٹر کروا رکھے ہیں۔ خواتین کی دکانوں پر "مردوں کا داخلہ ممنوع ہے" کے بورڈ آویزاں ہوتے ہیں اور وہ پردے کے ساتھ اپنا کاروبار کرتی ہیں۔

اس کے برعکس کسی بھی مغربی معاشرہ میں آج بھی شادی ہوتے ہی عورت کی جائیداد خاوند کی ملکیت میں چلی جاتی ہے' شادی سے قبل باپ اس کی کمائی کا مالک ہوتا ہے۔ جبکہ اشتراکی معاشرہ میں عورت کی کوئی ملکیت ہوتی ہی نہیں' بلکہ مرد کی بھی نہیں ہوتی۔ ہر چیز کی مالک حکومت ہوتی ہے۔ سب مرد و عورت وہاں روٹی' کپڑے اور دیگر ضروریات کے لئے حکومت کے ملازم ہوتے ہیں۔

☐ **مذہبی حقوق:** عورت پر دین کی پابندی اور شعائر اسلام کی بجا آوری اسی طرح لازم ہے جس طرح مرد پر۔ شریعت اسلامی کے مخاطب مرد و عورت دونوں ہیں۔ جو بھی دینداری اور تقویٰ کے حصول میں کوشاں ہو' اللہ سے اجر و مرتبہ پائے گا۔ رضائے الٰہی کا حصول' اتباع سنت' فکر آخرت میں مرد آگے بڑھ جائے' وہ مرتبہ و مقام حاصل کرلے گا اور اگر عورت مرد سے آگے نکل جائے تو عورت مرد سے زیادہ ثواب اور اجر حاصل کرے گی اور تقرب الٰہی میں سبقت حاصل کرلے گی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عورت پر بھی برابر کا عائد ہوتا ہے —— سرمایہ دارانہ معاشروں میں عورت پادری نہیں بن سکتی' اکیلی دعا نہیں مانگ سکتی' کوئی مذہبی فیصلہ نہیں دے سکتی' قاضی نہیں بن سکتی' گواہی نہیں دے سکتی' اور اشتراکی معاشرہ تو مذہب کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔

جبکہ اسلام میں عورت نماز میں عورتوں کی امامت بھی کروا سکتی ہے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے ذریعے سے' تبلیغ کے ذریعے سے عورت حفاظت اسلام کا بہت کام انجام دیتی ہے۔ بلکہ حرم وہ آخری جائے پناہ ہے' جہاں اسلام کو از سر نو تازگی اور شادابی نصیب ہوتی رہتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر بیرونی خراب ماحول سے مرد سارے بھی بگڑ جائیں تو آنے والی نسل تو عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ

اللہ کے احکام کے مطابق بچوں کی پرورش کر کے ' ان میں خدا خوفی ' حب رسول ؐ اور فکر آخرت کے جذبات و احساسات پیدا کر کے ان کو مخلص مسلمان بنا سکتی ہیں۔

☐ علمی حقوق: مغرب میں نپولین کے قول: "عورت ایک ہاتھ سے بچے کا جھولا جھلاتی ہے تو دوسرے ہاتھ سے وہ چاہے تو سارے عالم کا جھولا جھلا سکتی ہے۔" کو تعلیم نسواں کے لئے ایک انقلابی تصور کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر عورت کے متعلق اصل انقلابی تعلیم اسلام ہی نے دی ہے۔ اسلام نے تعلیم مرد کی طرح عورت کے لئے بھی فرض اور لازمی قرار دی ' اور اس دور میں قرار دی تھی جب کہ خود مرد بھی پڑھنا لکھنا بیکار لوگوں کا مشغلہ سمجھتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب جس طرح مرد تھے ' اسی طرح عورتیں بھی تھیں۔ وہ بھی تعلیم دین حاصل کرنے کے لئے اتنی ہی مشتاق اور کوشاں رہتی تھیں ' جس طرح مرد حصول علم میں سبقت کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت عائشہ ؓ ' حضرت حفصہ ؓ ' حضرت ام سلمہ ؓ کی تعلیمی خدمات کس سے پوشیدہ ہیں ! پروفیسر محمد عثمان تعلیم نسواں کے بارے میں لکھتے ہیں: "اسلام یہ نہیں کہتا کہ بچیوں کو پڑھنا لکھنا نہ سکھاؤ ' وہ عورتوں کو کسی ایسے ہنر کی تربیت سے بھی منع نہیں کرتا جو انکا ذریعہ معاش بن سکے ' وہ ان کے جائز طریقوں سے کمانے اور اپنے کام کاج کے لئے گھر سے باہر نکلنے پر بھی پابندی نہیں لگاتا مگر مغربی معاشرت میں عورت کی آزادی کا جو مفہوم لیا جا رہا ہے اسلام یقیناً اس کی تائید نہیں کرتا۔ جنسی بے راہروی اور بے حیائی اسلامی معاشرت کی ضد ہے۔" ("اسلام پاکستان میں:" صفحہ 153)

نجی زندگی کا تحفظ: قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوا (نور: 27)

"اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک گھر والوں کی رضا نہ لے لو۔"

ہر گھر کی بے تکلفی اور پردہ برقرار رہنا چاہئے۔ چادر اور چاردیواری کا تحفظ ضروری ہے۔ ہر گھر دوسروں کی تاک جھانک اور مداخلت سے محفوظ رہنا چاہئے۔ چنانچہ ہر عورت کو اپنی گھریلو زندگی کا تحفظ اسلام نے دیا ہے۔

☐ شخصی آزادی کا تحفظ: امریکہ و یورپ میں آج تک عورت اپنے نام سے نہیں پکاری جاتی۔ وہ اپنی شخصیت کو نمایاں نہیں کر سکتی۔ شادی سے قبل مس ٹامسن ہے تو شادی کے بعد مسز جانسن بن جاتی ہے ' اس کی اپنی کوئی انفرادیت نہیں ہے۔ مگر مسلمانوں کے معاشرے میں ہر عورت کا ذاتی تشخص ہے۔ اس کا ذاتی نام ہے۔ اس کی اپنی رائے ہے۔ اس کی اپنی ملکیت ہے اور یہ سب کچھ اس کو چودہ سو سال پہلے سے حاصل ہے۔ عورتوں کے باقاعدہ حلقہ ہائے درس ہوتے تھے۔ مرد ان سے درس لیتے ' وہ اپنی خواتین اساتذہ کا ذکر کرتے ' اہم معاملات میں عورتوں سے مشورہ لیا جاتا۔

صائب ہونے کی صورت میں اس پر عمل بھی کیا جاتا۔

امریکہ و یورپ میں عورت کو اپنی رائے کا حق اس صدی میں جا کر ملا ہے۔ اس سے پہلے وہ ہر قسم کے شخصی و ذاتی حقوق سے محروم تھی۔

☐ تمدنی حقوق: عورت کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ اس کا نکاح اس کی رضامندی اور مشورے سے ہو۔ غیر شادی شدہ ہو یا طلاق یافتہ یا بیوہ سب کے حقوق شریعت نے مقرر فرمائے ہیں۔ اگر بیوہ یا مطلقہ عورت اپنے بچے کی رضاعت کا فریضہ انجام دیتی ہے تو اس صورت میں بچے کے والد یا اس کے وارثوں سے نان نفقہ کی حقدار ہے۔ اسی طرح طلاق کی شکل میں بچہ اگر ماں کے پاس رہنا چاہتا ہے یا جب تک وہ نابالغ ہے' تو ماں ہی اس کو اپنے پاس رکھنے کی زیادہ حقدار ہے۔ اس کا خرچ اس کا باپ یا باپ فوت ہونے کی شکل میں اس کے وارث ادا کریں گے۔ بیوہ اور مطلقہ کو نکاح ثانی کا حق حاصل ہے۔ شوہر کے ساتھ نباہ نہ ہو سکے تو اسے خلع کا حق دیا گیا ہے۔

سنن ابی داؤد' کتاب الطلاق' ج اول میں ایک روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طلاق ملنے کے بعد بچے کی کفالت کے سلسلے میں حاضر ہوئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ **اَنْتِ اَحَقُّ بِہٖ مَالَمْ تَنْکِحِیْ** "جب تک تو دوسرا نکاح نہیں کر لیتی' تو اس بچے کی (باپ سے زیادہ) مستحق ہے۔"

☐ عملی مواقع: عورتیں اپنے امور خانہ داری انجام دینے کے ساتھ ساتھ کام کے اور بھی بہت سے مواقع اپنے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق حاصل کر سکتی ہیں' مثلاً کپڑے سینا' کاشتکاری کرنا' تجارت' طب' جراحت وغیرہ۔ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک عورت قَیلہ نامی چقندر رینا کر مسجد نبویؐ کے پاس بیچا کرتی تھی' خصوصاً جمعہ کے روز۔ ایک صحابیہ اسماءؓ بنت مخرمہ حضرت عمرؓ کے دور میں عطر بیچا کرتی تھیں۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی خالہ کھیتی باڑی کے کام انجام دیا کرتی تھیں۔ اسی طرح حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کی زمین میں کھیتی باڑی کا کام کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی اہلیہ ایک کاریگر خاتون تھیں اور مختلف چیزیں بنا کر بیچا کرتی تھیں۔

☐ ملی خدمات: مسلم خواتین مختلف تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ملی خدمت کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھیں۔ اشاعت اسلام' شرکت جہاد اور خدمت مجاہدین میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ اگر دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو بلاشبہ اس میں ہمیں صنف نازک کے عظیم الشان کارناموں کا سراغ ملتا ہے۔ اگر مصر اپنی تاریخ میں سے آسیہ زوجہ فرعون کا عظیم الشان نام پیش کر سکتا ہے تو تورات مریم اخت ہارون کا نام پیش کرے گی' انجیل مریم عذرا کا نام سامنے لائے گی۔ بیشک یہ

دونوں ہستیاں یعنی آسیہ بنت مزاحم (زوجہ فرعون) اور حضرت مریم (والدہ عیسیٰ) علیہما السلام بڑی عظیم الشان ہیں' ان کی عظمت مسلم ہے مگر کیا تاریخ نے ان کی ذاتی عظمت و تقویٰ سے بڑھ کر ان کا کوئی مذہبی یا اصلاحی کارنامہ بھی یاد رکھا ہے؟ اس کے برعکس اسلام کے دامن میں آنے والی پردہ نشینوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ حضرت عمرؓ جیسا اولوالعزم شخص اپنی بہن کی ثابتقدمی دیکھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام کے لئے انہوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ حضرت سمیہؓ کا اسلام کی پہلی شہید خاتون ہونے کا اعزاز حاصل کرنا' حضرت خدیجہؓ کا پوری امت میں سے پہلی مسلمان ہونے کا شرف اور پھر اس کے بعد پیغمبرؐ اسلام اور خود اسلام کے لئے ان کے بیش بہا خدمات' حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المومنینؓ کی تدریسی و تربیتی خدمات —— یہ تو ایک طویل فہرست ہے۔

❏ خواتین کی عملی سرگرمیاں:

نبی پاکؐ نے علم حاصل کرنا ہر مرد و عورت کے لئے لازمی قرار دیا تھا' ان کو الگ سے وعظ و تلقین بھی فرماتے۔ خواتین کا علم وتعلم کے سلسلے میں ذوق و شوق اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں بہت سی تعلیم یافتہ خواتین کی کھیپ تیار ہو گئی۔ عمر رضا کحالہ نے اپنی کتاب **"الاصابہ فی تمیز الصحابہ"** میں اسلام کے قرون اولیٰ کی پندرہ سو تینتالیس (1543) محدث خواتین کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سرفہرست حضرت عائشہؓ ہیں۔ قضا' واقعات جاہلیہ' اشعار عرب' علم و فرائض' طب غرض کوئی ایسا شعبہ نہ تھا' جس میں کوئی خاتون بلکہ مرد بھی ان کے ہم پلہ ہوں' خود عمر رضا کحالہ نے اپنی کتاب **"اِعْلَامُ النِّسَاء" جزء ثالث**' صفحہ 105 پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ بلکہ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ دینی و شرعی احکام کا چوتھا حصہ ان سے منقول ہے۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے تقریباً 130 لوگوں کے فتوے منقول ہیں۔ پھر ان میں سات اشخاص ایسے ہیں جن کے فتوے بیان کرنے کے لئے بڑی بڑی کتابوں کی ضرورت ہے اور وہ ہیں: حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت زید بن ثابتؓ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ' حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ۔ گویا طبقہ اولیٰ کے سات مفتی صحابہ کرام میں حضرت عائشہ ام المومنین کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

مفتی صحابہ کی دوسری صف میں حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ساتھ ساتھ حضرت ام سلمہؓ بھی نظر آتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے فتووں سے ایک ایک رسالہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ تیسرے درجے کے مفتی صحابہ میں (جنہوں نے بہت کم فتوے دیئے ہیں) حضرت حسنؓ' حضرت حسینؓ' حضرت ابوذرؓ' حضرت ابوعبیدہؓ وغیرہ کے ساتھ ساتھ ام عطیہؓ' حضرت حفصہؓ' حضرت ام حبیبہؓ' حضرت صفیہؓ' حضرت جویریہؓ' حضرت میمونہؓ' حضرت فاطمہ الزہراءؓ' فاطمہ بنت قیسؓ' زینبؓ بنت ام سلمہؓ' ام ایمنؓ' ام درداءؓ' عاتکہ بنت زیدؓ' ام شریکؓ' اسماءؓ بنت ابی بکرؓ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

حیدر آباد دکن کے شہر مالوہ کے حکمران سلطان غیاث شاہ خلجی (1475ء تا 1500ء) عورتوں کی تعلیم و تربیت میں بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے دربار عام کی طرح اپنے محل سرا میں ایک شاہی دربار قائم کیا تھا جس میں عورتوں کو مختلف فنون اور ہنر سکھائے جاتے تھے، مثلاً زرگری، آہن گری، مخمل بافی، کپڑا بننا، خیاطی، نجاری، کفش دوزی، تیر گری، کمان گری، برتن سازی وغیرہ۔ "تاریخ فرشتہ" کے مطابق اس کے محل میں ایک ہزار کنیزیں حافظہ قرآن تھیں۔ وہ اکثر تلاوت قرآن میں مشغول رہتیں۔ بادشاہ نے ان کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جس وقت وہ لباس تبدیل کر رہا ہو وہ سب مل کر پورا قرآن کریم ختم کر لیں۔ (ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں: تاریخ فرشتہ، چار سو باکمال خواتین، از: طالب ہاشمی، صفحہ 334)

نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتاب "تذکرہ شمع انجمن" میں نواب شاہجہاں بیگم والیہ ریاست بھوپال (1868ء تا 1901ء) کے بارے میں لکھا ہے:

"نواب شاہجہاں بیگم نے اہل علم و فضل اور اصحاب ہنر و کمال کی تربیت پر جس ہمت خداداد سے توجہ مبذول فرمائی اس کی نظیر خواتین ہند میں زیب النساء بیگم دختر عالمگیر اعظم کے سوا کہیں نہیں ملتی۔"

نواب شاہ جہاں بیگم خود بڑی عالمہ و فاضلہ خاتون تھیں۔ وہ نہایت فراخدلی سے اہل علم و ہنر کی سرپرستی کرتی تھیں۔ خود بھی انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی تھیں، جس میں سے "تاج الاقبال" "خزینتہ اللغات" اور "تہذیب نسواں" زیادہ مشہور ہیں۔ (چار سو باکمال خواتین، از: طالب ہاشمی، صفحہ 525)

❑ علمی سرگرمیاں: عثمانی خلافت میں صرف قسطنطنیہ میں چار سو ابتدائی مدارس تھے، جہاں لڑکے لڑکیاں اکٹھے تعلیم پاتے تھے۔ سلاطین دہلی کے عہد میں بعض مقامات پر عورتوں کے جداگانہ مدارس بھی موجود تھے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں بمبئی کے ایک شہر "ہنور" کے بارے میں لکھا ہے کہ وہاں کی تمام خواتین حافظہ قرآن ہوتی ہیں۔ اس شہر میں 13 مکتب لڑکیوں کے لئے اور 23 مکتب لڑکوں کے لئے ہیں۔ یہ بات اس شہر کے علاوہ اور کہیں میں نے نہیں دیکھی —— ہمایوں کی بھتیجی سلیمہ بیگم ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صاحب دیوان شاعرہ تھی، اورنگ زیب کو تو تعلیم نسواں سے خصوصی دلچسپی تھی، اس کی بیٹی زیب النساء اپنے عہد کی بہت بڑی عالمہ اور بہت بڑی شاعرہ تھی۔ فن خطاطی میں بھی بہت ماہر تھی، اس کا کتب خانہ نادر و نایاب کتب کا بہت بڑا مخزن تھا جس سے علماء و فضلا فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ اس نے "زیب التفاسیر" نامی ایک اعلیٰ پایہ تفسیر قرآن بھی لکھوائی۔ اس کی بہنیں بھی عالمہ و فاضلہ تھیں۔ علاوہ ازیں بدر النساء بیگم، زبدۃ النساء اور مہر النساء بیگم نے بھی عبادت، تقویٰ اور حصول علم میں زندگی بسر کی۔ تعلیم نسواں عام تھی۔ خواتین دینی اور تعلیمی اغراض کے لئے مجالس وعظ میں

شریک ہوا کرتی تھیں۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ شیراز کی خواتین بہت پاکباز اور باحیاء ہیں۔ وہ موزے پہن، کر برقعہ پہن کر، لپٹی لپٹائی گھر سے نکلتی ہیں' وعظ کی مجالس میں شرکت کرتی ہیں۔ ان مجالس میں حاضری ہزار تک ہوتی ہے۔ ویسے بھی وہ صدقہ وایثار میں بہت آگے بڑھی ہوئی ہیں۔" (سفرنامہ ابن بطوطہ' ول "صفحہ 223)

❑ **طبی خدمات:** عرب میں فرسٹ ایڈ اور ابتدائی طبی امداد کا شعبہ دراصل امور خانہ داری ہی میں شمار ہوتا تھا۔ کئی خواتین اس میں ماہر تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا' بیماروں کی تیمارداری کرنا' زخمیوں کو پانی پلانا یہ کام بنیادی طور پر خواتین ہی کے سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ ہر غزوہ میں کچھ خواتین ان امور کی انجام دہی کے لئے ہمراہ ہوا کرتی تھیں۔ وہ مجاہدین کے کھانے پکانے کا بندوبست بھی کرتیں اور دوسری ہر ضروری خدمت بھی بجالاتیں تھیں۔ لڑنا اور شمشیرزنی کرنا ان کے فرائض میں شامل نہیں تھا۔ اگر کسی نے حالات کی نزاکت کو دیکھ کر از خود دشمنوں کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا تو یہ ایک ہنگامی نوعیت کا مسئلہ ہوتا تھا۔ ام عطیہ انصاری ؓ سات غزوات میں شامل ہوئیں۔ کیونکہ وہ علم طب میں ماہر تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی خوب کر سکتی تھیں۔

❑ **میدان جنگ میں:** ہنگامی وقت و موقع پیش آنے پر مسلمان خواتین نے میدان حرب میں بھی بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔ عہد فاروقی ؓ میں شام کے محاذ پر اجنادین اور یرموک کے معرکے عظیم ترین تھے' تو ایران کے محاذ پر قادسیہ کا معرکہ بہت اہم اور فیصلہ کن تھا' ان میں خواتین نے عظیم کارنامے انجام دیئے۔

جنگ قادسیہ میں حضرت خنساء ؓ کا کردار مثالی ہے' اپنے چاروں بیٹوں کے ہمراہ وہ اس میں شامل ہوئیں اور ان کی ترغیب سے وہ چاروں شہید ہوئے۔ حضرت اسماء ؓ بنت ابی بکر ؓ کا کردار حجاج کے مقابلے میں بے مثال تھا۔ اسماء ؓ بنت یزید بن سکن نے 9 رومیوں کا سر جنگ یرموک میں پھوڑ کر دشمنوں کو عورتوں کے خیمے کی طرف آنے سے روکے رکھا۔

اجنادین کی جنگ میں خولہ بنت ازور نے کفار کو عورتوں کے خیمے کی طرف آنے سے روکے رکھا' ان پر اتنی زبردست تیراندازی کی کہ وہ ادھر آنے کی جرات نہ کر سکے۔

مشہور مجاہد صحابیات خولہ بنت حکیم ؓ' ام سلیم ؓ' ام عمارہ ؓ' ام عطیہ ؓ انصاری اور خولہ ؓ بنت ازور تھیں۔ سب نے میدان جنگ میں خوب داد شجاعت دی تھی۔ ام حکیم ؓ حضرت عکرمہ ؓ کی بیوی تھیں۔ جوانی میں ہی بیوہ ہو گئیں' بعد ازاں ان کی شادی خالد بن سعید سے ہوئی۔ ابھی دمشق میں دعوت ولیمہ ہو رہی تھی کہ رومیوں نے حملہ کر دیا۔ خالد بن سعید فوراً مقابلے کو نکلے مگر شہید ہو گئے' حضرت ام حکیم ؓ شوہر کی شہادت کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ جوش سے اٹھیں' خیمے کی چوب اٹھا کر جنگ

میں شامل ہو گئیں۔ اس دن سات رومیوں کو انہوں نے جہنم واصل کیا۔ (اعلام النساء)
بلکہ جنگوں میں مسلمان فوجوں کی کامیابی کا بڑا ذریعہ ثابت قدم خاتونان حرم تھیں، جس لڑائی میں خواتین ساتھ ہوتیں، عرب جان پر کھیل جاتے تھے کہ اگر شکست ہو گئی تو خواتین بے حرمت ہوں گی۔ (سیرت النبی، از: شبلی نعمانی، حصہ اول)
(بہر حال بوقت ضرورت میدان جنگ میں مرہم پٹی کی اجازت کا یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ دفتروں اور کارخانوں میں بھی کام کر سکتی ہیں)
حضرت ہند بنت عمرو بن حزام انصاری وہ مسلمان خاتون ہیں، جن کے جنگ احد میں بھائی، بیٹا اور شوہر شہید ہو گئے تھے اور انہوں نے کہا تھا: **كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ** ② پھر ام سلیط ہیں جو حضرت ابو سعید خدری کی والدہ ہیں۔ (بخاری) انہوں نے غزوہ احد میں بہت سی خدمات انجام دی تھیں۔ یہ ساری عورتیں ایک طرف شمشیر زنی و نیزہ اندازی میں ماہر تھیں تو دوسری طرف اپنے دامن عفت کو بچانے میں بھی کامیاب تھیں۔

الغرض مسلم خواتین نے نہ صرف علم و فن میں کمال حاصل کیا، کہیں وہ میدان جنگ میں داد شجاعت دے رہی ہیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہی ہیں، کیمپ سنبھال رہی ہیں، اپنے مردوں کو پسپائی کے وقت حوصلہ دلا کر واپس لوٹنے پر مجبور کر رہی ہیں، ساتھ ہی ساتھ گھر میں شوہر کی خدمت و دلجوئی اور اولاد کی تربیت میں مستعد نظر آتی ہیں، بلکہ درحقیقت ان کے علم نے ان کو اپنے فرائض کی بجا آوری میں مستعد بنا دیا تھا۔ کیونکہ ان کے دل میں حصول رضائے الٰہی کا جذبہ اور محاسبہ آخرت کا خوف تھا اور یہی وہ حقیقی علم ہے جس سے ہر مسلمان خاتون کا آراستہ ہونا ضروری ہے۔

❑ اصل دائرہ کار:

مسلم خواتین کی مندرجہ بالا تمام علمی، عملی اور حربی سرگرمیاں بجا مگر شریعت نے ان کا اصل دائرہ کار بہر صورت گھر ہی کو قرار دیا ہے۔ ایک غزوہ میں ایک صحابیہ نے شرکت کے لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا:

مَنْ قَعَدَتْ مِنْكُنَّ فِي بَيْتِهَا فَإِنَّهَا تُدْرِكُ عَمَلَ الْمُجَاهِدِيْنَ

"جو تم میں سے اپنے گھر میں بیٹھے گی وہ مجاہدین کے عمل کو پالے گی۔" (تفسیر ابن کثیر، ج 3، صفحہ 482)

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن!! اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرار فلاطون

عورت کا کام اگلی نسل کی تربیت اور انسان سازی ہے، گھر انسان سازی کے کارخانے ہیں، ماؤں کی گود بچہ کا ابتدائی مکتب ہے۔ اگر اس مکتب میں اس کی بہترین تربیت ہو گئی تو آخر تک وہ اپنے فرائض حسن و سلیقہ سے ادا کرتا رہے گا اور اگر خدانخواستہ شروع ہی میں بری تربیت ہو گئی تو پھر بعد

میں اس کی اصلاح ہونا بہت مشکل ہے۔

عورت کا دوسرا اہم فریضہ جو اس پر دین کی طرف سے عاید ہوتا ہے' وہ گھروں کو جائے سکون واطمینان بنانا ہے۔ جب مرد دن بھر کا تھکا ماندہ گھر آتا ہے تو گھر کی اطمینان بخش اور پرسکون فضا میں راحت و آرام پاتا ہے۔ یہ راحت رسانی اور سکون کی فراہمی نیک وصالح عورت ہی کا کام ہے۔ اہل مغرب ہوس رانی تو جانتے ہیں مگر راحت وسکون کے اس تصور سے یکسر ناآشنا ہیں۔

□ تمدن کی حقیقی ترقی: یہ امر واقعہ ہے کہ گھر عورت کے بغیر گھر نہیں بلکہ ویرانہ ہے۔ میرا یہ یقین واثق ہے کہ تمدن کی حقیقی ترقی خواتین کے عفت مآب رہنے اور باپردہ خاتون خانہ بننے ہی سے ممکن ہے۔ وہ گھر میں رہ کر مرد کو سکون مہیا کرتی ہے' تو مرد باہر جاکر اپنے حصے کا کام پوری دیانتداری' یکسوئی اور لگن سے انجام دے سکتا ہے۔ اگر اس کو گھر میں سکون میسر نہ ہو کہ گھر کی مالکہ تو ملازمت اور بیرون خانہ سرگرمیوں کے سلسلے میں گھر کو پورا وقت دے ہی نہیں سکتی تو پھر مرد گھر میں بھی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ دوسری طرف معاش کے سلسلے میں قدم قدم پر غیر عورتیں ساتھ ہوں تو خیالات میں ایک انتشار برپا رہتا ہے' طبیعت میں ہیجان اور احساسات میں آگ لگی رہتی ہے۔ جو دن بھر مرد کو بھی اپنے فرائض انجام دینے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

ایک عورت اگر خود گھر میں رہ کر معاشرے کو دیانتدار کمانے والا مرد اور بچوں کی شکل میں دس اچھے کارکن مہیا کردے تو اس نے یقیناً معاشرے کی خدمت اس عورت کے مقابلے میں کہیں زیادہ انجام دی ہے' جو خود بیرون خانہ سرگرمیوں میں اپنے گھر' شوہر اور بچوں کو نظرانداز کردیتی ہے' دوسری طرف مردوں سے مساوات کے شوق میں اپنا وقار' شرف اور نسوانیت کھو بیٹھتی ہے۔

□ اسلام کا احسان عظیم: یہ تو اسلام کا عورت پر احسان ہے کہ وہ عورت کو باہر کی ذمہ داریوں سے بری قرار دیتا ہے۔ اہل خانہ کے جملہ مصارف خوراک' لباس' علاج' رہائش اور تمام ضروریات کا ذمہ دار مرد کو قرار دیتا ہے۔ مسلمان عورت کا غیور رب یہ نہیں چاہتا کہ وہ فیکٹریوں میں جاکر مشینوں کا دھواں کھائے' دفتروں میں جاکر افسران بالا کی جھڑکیاں کھائے' کڑی دھوپ میں محنت مزدوری کرے' سارا دن مشین کی طرح سیلز گرل بن کر دکان پر چلتی پھرے۔ دردر کی خاک چھانتے اور اوباش وبد قماش لوگوں کی ہوسناک نظروں کا نشانہ بننے کے بجائے غیور رب کی تعلیم یہ ہے کہ وہ باعزت وباوقار طریقے سے گھر میں رہے اور گھر کی ذمہ داریاں ادا کرے۔ اور پھر شریعت اس کو یہ اعلیٰ مقام عطا کرے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ "دنیا کی نعمتوں میں سے بہترین نعمت نیک بیوی ہے۔"

(صحیح مسلم 'کتاب النکاح)

ایک اور مقام پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہترین ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہوں۔" (ترمذی)

اب اگر عورت ملازمت کا حق مانگتی ہے تو مرد تو بہت فائدے میں رہے گا۔ وہ تمام مالی ذمہ داریوں سے آزاد ہو جائے گا اور یہ سارا بار عورت کے ناتواں کندھوں پر آ جائے گا۔ اس کی عفت و پاکدامنی ویسے مجروح ہو گی اور اپنا پورا اور مرد کا آدھا کام بھی عورت کے حصے میں آ جائے گا' گویا عورت 3/4 حصہ کام کرے گی اور مرد صرف 1/4 حصہ)

□ **مغربی مصنفین کا اعتراف:** قرآن پاک' حدیث اور فقہ کی کتب میں جو مسائل حضانت' رضاعت' قصاص' طلاق' خلع' نکاح' مہر وغیرہ کے بالتفصیل مذکور ہیں' وہ صرف کتابوں کی زینت بننے کے لئے نہیں تھے۔ ابتدائی دور اسلام اور قرون وسطی میں مسلمان عورت ہر جگہ ان سے شخصی طور پر متمتع ہوتی رہی ہے۔ اور پھر ادارہ قضا اس کی پشت پر تھا۔ نہ مل سکنے کی شکل میں بذریعہ عدالت بھی اپنے حقوق حاصل کرتی رہی ہے۔ یہ احکام شریعت کے نظریاتی موقف کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کے عملی اور حقیقی حالات کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔ ایس۔ پی سکاٹ لکھتا ہے: "اسلام کے طفیل خواتین کا احترام اتنا بڑھ گیا گویا ان کی پرستش ہونے لگی۔" (یورپ پہ اسلام کے احسان' از: غلام جیلانی برق' صفحہ 93)

گستاؤلی بان لکھتا ہے: "ان قانونی حقوق کے علاوہ عورت کو بڑے عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ مشرقی عورتوں کی حالت اسقدر عمدہ ہے کہ سیاحوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ موسیو ڈے امس لکھتا ہے: "عورتوں کا عموماً بہت احترام ہے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ کوئی شخص راستہ میں کسی عورت پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کرتا۔" (تمدن عرب' صفحہ 550)

عورت کا احترام تاریخ کی روشنی میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احترام نسوانیت کے متعلق جو مزاج بنا دیئے تھے' اس کا پر تو تاریخ

کے ہر دور میں مسلم معاشرے میں ہمیں نظر آتا رہا ہے' عائلی اور اجتماعی طور پر ہر اعتبار سے عورتوں کی تکریم اور تحفظ کے مظاہرے موجود رہے ہیں۔ عثمانی خلفاء' سلاطین دہلی اور مغل حکمرانوں کے محلات' حرموں کے اندر عام طور پر ملکہ کا اثر' ماں کا احترام اور بیٹیوں پر شفقت و رعایت بے پناہ ہوتی تھی۔ عثمانی سلاطین ہر معاملہ میں اپنی خواتین کی رائے اور مشورہ لیا کرتے' سلاطین دہلی عورتوں کا بڑا احترام کرتے' ابن بطوطہ کے نزدیک سلطان تغلق اپنی ماں کے احترام و اطاعت میں کوئی کمی نہ کرتا تھا۔ (سفر نامہ ابن بطوطہ' ج اول' صفحہ 240)

تمام مغل بادشاہ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ انتہائی محبت و احترام کے ساتھ پیش آتے۔ بابر اپنے خاندان کی بیگمات کا بڑا احترام کرتا اور اپنی رشتہ دار خواتین کی عزت و احترام کا بڑا اہتمام کرتا۔ ان کو وظائف دیتا' ان کے اخراجات پورے کرتا' بوقت ضرورت ان سے مشوروں کا طالب ہوتا۔ مشکلات میں ان کی ہمدردی اور دلجوئی سے سکون حاصل کرتا تھا۔ یہی روش دیگر مغل فرمانرواؤں اور عام رعایا کی بھی تھی۔ گستاؤلی بان کہتا ہے کہ سلطنت مغلیہ کے دربار میں عورتوں کا بڑا درجہ تھا۔ (از: سید علی بلگرامی' تمدن ہند' صفحہ 365)

عورت کا احترام:

اجتماعی سطح پر مساوات کا جو مزاج اسلام نے مسلمانوں میں پیدا کر دیا تھا' ہمیشہ اور ہر دور میں مسلمانوں میں جاری و ساری رہا' یہ مساوات مسلمانوں میں عملی طور پر بہت مستحکم اور مشرقی طرز معاشرت کا جزبنی رہی۔ (لیبان کا قول' از: منہاج (حیثیت نسواں نمبر) حصہ دوم' صفحہ 99)

مشہور سیاح ابن بطوطہ نے لکھا ہے: "ترک باشندے عورتوں کی بے انتہا تعظیم کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہاں کی عورتیں مردوں سے زیادہ شان والی ہیں۔ سفر میں عورتوں کے ساتھ ان کے شوہر بھی ہوتے ہیں لیکن دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ کوئی خادم ہے (کیونکہ وہ سفر میں عورتوں کی تمام ضروریات کا پورا خیال رکھتے ہیں)۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ' ج اول' صفحہ 39'348)

عہد مغلیہ میں بھی عورتوں کی عزت و تکریم مکمل طور پر قائم تھی۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ امراء اپنی بچیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے تھے۔ گلبدن بیگم' ماہم انگہ' نور جہاں' ممتاز محل' جہاں آرا بیگم' زیب النساء وغیرہ بڑی فاضل خواتین تھیں۔ "الیگزینڈر ڈو" لکھتا ہے کہ ہندوستان میں عورتوں کا اتنا احترام کیا جاتا ہے کہ عام سپاہی بھی قتل و غارت کے ہنگامہ میں بھی انہیں کوئی ایذا نہیں پہنچاتے (منہاج "حیثیت نسواں نمبر" حصہ دوم' صفحہ 100)

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب لکھا ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں ثریا سے بڑھ کر مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں
مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرار فلاطوں

(ضرب کلیم' عنوان: عورت)

---

① آجکل ہندوستان (خصوصاً بہار کا صوبہ) اور چین وغیرہ میں بیٹیوں کو قتل کر ڈالنے کی قبیح رسم ایک اور انداز سے جلوہ گر ہو رہی ہے۔ ضبط ولادت سے انسان اپنے مستقبل کا خون تو کر ہی رہا ہے' مگر ان مقامات پر یا تو لڑکی پیدا ہوتے ہی مار دی جاتی ہے یا پھر الٹراساؤنڈ کے ذریعے سے پتہ چلنے پر وضع حمل سے پہلے پیٹ میں ہی اس کو ختم کر دیا جاتا ہے' یعنی اسقاط حمل کروا دیا جاتا ہے۔

② اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر نبی کریمؐ زندہ سلامت ہیں تو شوہر' بیٹا' بھائی سب کی شہادت ہیچ ہے۔ اس کی کوئی پروا نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

19

قانون الٰہی نہ ماننے والے مسلمانوں کا انجام

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْماً لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ (المائدہ:50)

"اللہ پر یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟"

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (بقرۃ:208)

"اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔" (الحدیث)

* قانون الٰہی کی حکمتیں
* چند قابلِ توجہ امور

قانون الٰہی نہ ماننے والے مسلمانوں کا انجام

مغربی نظریہ مساوات مرد و زن ایک مصنوعی اور غیر فطری نظریہ ہے۔ جس کی بے شمار قباحتیں پیچھے بیان کی جا چکی ہیں' انسان کا بنایا ہوا قانون افراط و تفریط کا حامل ہونے کی بناء پر انسان کا مسئلہ حل کرنے کے بجائے بہت سی الجھنوں میں مبتلا کر دیتا ہے' جبکہ اللہ کا دیا ہوا نظام متوازن اور معتدل ہونے کی بناء پر انسان کے لئے سرتاپا رحمت و برکت کا باعث ہوتا ہے۔ جس طرح کوئی مصنوعی آفتاب پوری دنیا کو منور نہیں کر سکتا بالکل اسی طرح انسانوں کا بنایا ہوا نظام زندگی' زندگی کے پورے گوشوں کو منور نہیں کر سکتا۔ انسان کی عقل محدود' اس کی بصیرت کمزور' اس کا تجربہ ناقص ہے اور اس کا ذاتی لالچ اس کو دوسروں کا مفاد ملحوظ رکھنے ہی نہیں دیتا۔ اس کی فکر و نظر کے مصنوعی آفتاب وقتی طور پر بیشک ایک بڑا ہنگامہ کھڑا دیتے ہیں' مگر ان سے انسانی زندگی روشن نہیں ہو سکتی۔ انسان کے بنائے ہوئے چھوٹے چھوٹے ماہتاب جاہلیت اور جہالت کی تاریکیوں کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟ انہیں دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے آفتاب ہدایت کی ہی ضرورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ آفتاب ہدایت اسی شکل میں روشنی دے گا' جب اسے کلی طور پر اختیار کیا جائے گا۔ اگر اس کو اجزاء میں تقسیم کر کے من پسند اجزاء لے لئے جائیں اور بقیہ چھوڑ دیئے جائیں تب بھی یہ آفتاب فائدہ نہ دے سکے گا۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ "یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ سے بڑھ کر کس کا قانون اچھا ہو سکتا ہے!" (سورہ مائدہ:50)

قانون الٰہی کی حکمتیں: مولانا محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: "حق تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام و ممنوع قرار دیا ہے' وہ پوری انسانیت کے مفاد کی خاطر اور ان کے فائدہ پر مبنی ہے۔ اس کی وجہ بخل یا اللہ تعالیٰ کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ان چیزوں کو اپنے کسی فائدے کی خاطر روکنا چاہتا ہو' یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ علیم و خبیر ہے۔ اس کا کوئی حکم فضول اور بے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جن چیزوں کو حرام اور بے فائدہ قرار دیا ہے' وہ لامحالہ انسان اور انسانیت کے لئے ضرر رساں ہیں' اگر ان میں کوئی نفع محسوس ہو بھی تو مضرت کا پہلو بہر حال نفع پر غالب ہو گا۔"

مندرجہ بالا اقتباس ظاہر کر رہا ہے کہ اسلام کا معاشرتی و عائلی نظام (یعنی مرد کو قوام بنانا' عورت کو

گھر میں رہنے کی تاکید کرنا' اس کا الگ دائرہ کار مقرر کرنا' باہر ستر و حجاب کا اہتمام' محرم اور غیر محرم رشتہ داروں کی تمیز وغیرہ) اپنے اندر بے پناہ حکمتیں لیئے ہوئے ہے' یہ الگ بات ہے کہ انسانی فہم ان کا احاطہ نہ کر سکے' بہرحال ہمارے لئے اس کو برضا و رغبت ماننا اور بشرح صدر قبول کرنا لازم ہے جیسا کہ ارشاد خاوندی ہے:

○ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (احزاب:36)

ترجمہ: "جب اللہ اور اس کا رسول ؐ کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مرد یا عورت کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنا اختیار استعمال کرے اور جو اللہ و رسول ؐ کی نافرمانی کرے وہ بہت زیادہ گمراہ ہو گیا۔"

شریعت الٰہی کے من پسند احکام کو مان لینا اور جو ناگوار گزریں ان کو چھوڑ دینا یا ان کے متعلق تاویلیں کرنا اللہ و رسول ؐ پر ایمان لانے کے منافی ہے۔ اہل ایمان کا معیار یہی ہے کہ وہ کس حد تک اللہ اور رسول ؐ کے احکام کے پابند ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (مشکوٰۃ بحوالہ اربعین نووی) "تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی تعلیم کے ماتحت اور تابع نہ ہو جائیں۔"

پھر اللہ شریعت مطہرہ کے چند اجزاء ماننے اور بقیہ چھوڑ دینے والوں کو متنبہ کرتا ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرۃ:85)

ترجمہ: "کیا تم کتاب الٰہی کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصوں کا انکار کرتے ہو! جو کوئی تم میں سے ایسا کرے اس کی اس کے سوا اور کیا سزا ہو سکتی ہے کہ وہ دنیاوی زندگی میں ذلیل و خوار ہو اور آخرت میں بھی انہیں سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔"

چونکہ یہ مذموم عادت یعنی شریعت کے چند من پسند اجزاء کو اختیار کر لینا اور بقیہ چھوڑ دینا یہودیوں میں موجود تھی' اس لئے قرآن کریم نے ہر جگہ ان کے لئے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (1) کے الفاظ ارشاد فرمائے' غور کیجئے! کتنی کڑی سزا ہے!

کیا اسلامی قانون کو مغربی رنگ دینے والے مسلمان اسی سزا کے مستحق بننا چاہتے ہیں؟

دنیا میں ذلیل و خوار کرنے سے یہ مراد ہے کہ یہ معاشرتی و خاندانی نظام دینے سے عورت پر تعمیر انسانیت کی عظیم الشان ذمہ داری ڈالی گئی ہے' یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا' خاندانی فضا کا انتشار پورے معاشرے کو خلفشار میں مبتلا کر دے گا' ایسے فساد زدہ معاشرے میں لینن' سٹالن' ہٹلر' بش' اسحاق اور ربیرک کارمل جیسے بنی نوع انسان کی تباہی کے ذمہ دار تو جنم لے سکتے ہیں' مگر حضرت عمر فاروق ؓ' حضرت علی مرتضیٰ ؓ' حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ' خالد بن ولید ؓ' سلطان صلاح الدین ایوبی' محمد بن قاسم' طارق بن زیاد جیسے نمونے کا ایک فرد بھی پیدا نہ ہو سکے گا۔

اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان کے غالب طبقہ نسواں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے حقوق پر کوئی گلہ شکوہ نہیں' کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ اسی کو اپنے لئے محفوظ جائے پناہ سمجھتی ہیں اور اس کے دامن میں پناہ لینے کو اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھتی ہیں' ویسے بھی مغرب کے تجربات نے اسلامی قوانین کی برتری پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ جس سے پاکستانی خواتین کے ایمان پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں۔ (2)

البتہ ہمارے ملک کا فرنگ زدہ طبقہ اسلام کے ہر حکم پر اعتراض کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا' اس کا طریق واردات یہ ہے کہ پہلے ایک بہت نادر الوقوع مگر اشتعال انگیز واقعہ گھڑ لیا جاتا ہے' پھر اس مفروضہ کو اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس اس کے تدارک کی ایک ہی شکل رہ جاتی ہے' اور وہ یہ کہ اسلام کے "دقیانوسی و ظالمانہ" قوانین کو چھوڑ کر مغرب کے بظاہر چمکتے دمکتے قوانین کو بے دھڑک اختیار کر لیا جائے۔ مقام صد حیف ہے کہ خود اہل مغرب آہستہ آہستہ صدیوں کے تجربات کے بعد اسلامی قوانین کی بہتری اور برتری کے قائل ہو رہے ہیں مگر ہمارے ہاں کے نام نہاد مرعوب مسلمان مغربی قوانین پر مرے جا رہے ہیں وہ اپنے ہاں کے جواہرات کو چھوڑ کر ان سنگریزوں کو درآمد کر کے فخر محسوس کر رہے ہیں۔

چند اہم نکات:

اسلامی قانون کو اختیار کرتے وقت چند امور کا خیال رکھا جانا ضروری ہے:

(1) حضرت ابوبکر ؓ کے عہد میں چند لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا' تو آپ ؓ نے ان کے ساتھ اسی طرح جہاد فرمایا جس طرح کافروں کے ساتھ جہاد کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت اس بات پر شاہد ہے کہ اسلام میں کسی شخص یا قوم یا پوری دنیا کو بھی اس بات کا اختیار نہیں کہ اس میں کسی طرح کی ترمیم یا تبدیلی کرے۔ ترمیم یا تبدیلی کرنے کا عمل تو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ خود ہم اپنے دین کو ناقص سمجھتے ہیں۔ جس دین کے بارے میں اسی کے اپنے ماننے والے اس طرح کے خیالات رکھتے ہوں وہ اسے دوسروں کے لئے کس طرح باعث کشش بنا سکیں گے؟

(2) جو شخص بھی اسلام کے اندر انتخاب اور اختیار کی پالیسی کا قائل ہے' وہ درحقیقت اللہ کا بندہ

نہیں بلکہ اپنی خواہشات کا غلام ہے' اور خواہشات کا غلام شخص یا گروہ یا قوم کبھی دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیابی تو اصولوں کی مکمل پیروی سے حاصل ہوتی ہے' اصولوں کو نفس کے مطالبہ کے تحت توڑنے موڑنے سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے مسلمان کامیاب تب ہو سکتے ہیں' جب دین کے معاملے میں یکسو ہو جائیں۔ اسی یکسوئی پر ہمارے مستقبل کی کامیابی کا دارومدار ہے۔

(3) پھر کامیابی کے لئے ایک اور لازمی شرط یہ ہے کہ اسلام کے ساتھ ہمارا تعلق کسی دنیاوی غرض کے لئے نہ ہو' بلکہ خاص اللہ کے لئے ہو۔ تب یہ نظام ہمیں آخرت میں بھی سرخرو کرے گا اور دنیا میں بھی کامیابی عطا فرمائے گا۔ بصورت دیگر اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے یا من پسند اجزاء کو اختیار کرنے سے ہم عبرتناک انجام سے دوچار ہو کر رہیں گے"

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

اور

گمان آباد ہستی میں یقین مرد مسلمان کا
بیابان کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

اس بات پر ہمیں یقین محکم ہونا چاہئے کہ اسلامی احکام ہمارے انفرادی اور اجتماعی دونوں دائروں کے لئے بہترین اساس ہیں یہ ایک طرف فکر میں سلجھاؤ' طبیعت میں سلامتی' اخلاق میں مضبوطی اور روح میں لطافت پیدا کرتے ہیں' تو دوسری طرف معاشرتی زندگی میں حسن سلوک' تہذیب میں فضیلت' تمدن میں توازن اور معیشت میں عدل و مساوات کے بھی ضامن ہیں۔ بقول علامہ اقبال"

یقین افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

ویسے بھی مردوں سے مساوات کا مطالبہ کرنے والوں کو یورپ میں اس تحریک کے پس منظر پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یورپ میں آزادی نسواں کا سفر

یورپ میں آزادی نسواں کا قصہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب "ترقی یافتہ" صنعتی معاشرے میں مرد نے عورت کی کفالت کرنے سے انکار کر دیا اور عورت اپنے بچوں کی کفالت پر خود مجبور ہو گئی' مل مالکان نے عورت کا خوب استحصال کیا اور مرد سے نصف اجرت پر اسے مزدوری پر لگا دیا' ایک ہی کارخانے میں ایک ہی وقت میں ایک ہی کام پر مرد کو دگنی اجرت مل رہی تھی اور عورت کو

اس سے آدھی۔ "انصاف" کی ایسی اعلیٰ ترین مثال مغرب کا "تہذیب یافتہ" معاشرہ ہی دے سکتا تھا۔

اب عورت کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اپنا طبعی اور منطقی حق مانگے' لہٰذا عورتوں نے ہڑتالیں' مظاہرے' احتجاج غرض ہر طریقہ آزما دیکھا' مگر پتہ چلا کہ قانون تو مرد کے ہاتھ میں ہے اور وہ یہ حقوق عورت کو آسانی سے دینے پر تیار نہیں ہو گا۔ یہ قانون انسانی تھا اور صرف مرد کے مفاد میں تھا۔ کوئی الٰہی قانون تو نہیں تھا جو مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے حقوق و مراعات کا بھی خیال رکھتا۔ چنانچہ عورت نے تحریک نسواں برپا کی' حق انتخاب' پارلیمنٹ کی ممبری' ملازمتوں اور تعلیم میں مساوات کا مطالبہ کر دیا۔ پھر یہ مطالبے رفتہ رفتہ بڑھنے لگے' مگر مردوں نے مذہب اور روایات کے نام پر اس کے مطالبات ماننے سے انکار کر دیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عورت نے مذہب اور روایات سے دست برداری میں بھی مرد سے مساوات کا مطالبہ کر دیا اور اخلاقی بے راہ روی میں مرد کے دوش بدوش آگئی۔ اس طرح عورت روزی کمانے اور فتنہ پیدا کرنے کے لئے تجارت گاہوں' منڈیوں' بازاروں' کارخانہ غرض ہر جگہ مرد کے ساتھ قدم بقدم چلنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قسم کی بندش ختم ہو گئی اور وہ بے راہروی کا طوفان آیا کہ الامان والحفیظ!

مگر سوال یہ ہے: مسلمان عورت پر تاریخ میں ایسا کونسا دور آیا ہے کہ مردوں نے اسے خود گھر سے باہر نکل کر کمانے پر مجبور کر دیا' یا اس طرح کا صریح جبر اس پر ہوا ہو؟ معاشرے میں انفرادی طور پر چھوٹی موٹی زیادتیاں عورت پر ہوئیں۔ مگر مسلمان عورت پر کبھی ایسی افتاد نہیں آئی۔ لہٰذا مسلمان عورتوں کو محض بھیڑ چال اور نقالی کے طور پر لغو اور فضول مطالبوں میں مغربی عورت کا ہمنوا نہیں بننا چاہئے۔

---

① "ان پر ذلت و محتاجی مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے۔"

② روس نے صرف بیس برس کے تجربات کے بعد اپنی خواتین کو گھر کے محاذ پر واپس آنے کی تلقین کر دی تھی' صرف بیس برسوں میں اتنی تباہی ہو گئی جو ان کی آنکھیں کھولنے کو کافی تھی۔

20

موجودہ مسلمان عورت کی زبوں حالی اور اصلاح احوال

- عورت تاریخ اسلام کی روشنی میں
- اس کے مختلف مصائب
- مغربی استعمار کے بعد
- ترکی میں خلافت کا خاتمہ
- دینی تعلیم سے دوری
- عورت کی موجودہ حالت زار اور معاشرتی ابتری
- اسلامی ثقافت
- عام عورت کے مسائل اور جہالت
- ادھوری تعلیم
- شریعت سکول و کالج
- مطلوبہ مقصد
- عروج و زوال کا اصول
- عورت کے لئے نظام تعلیم
- غیر مخلوط تعلیم
- آج کے دور میں خواتین کے لئے عملی دائرہ کار
- حدود اللہ کو توڑنا ممنوع ہے
- عورتوں کا حصول معاش
- خواتین کی ملازمت کا دائرہ
- فوجی ٹریننگ
- خواتین کے لئے عدالتی چارہ جوئی کا حق
- اشتہارات پر کنٹرول
- خواتین تنظیموں کا کردار

موجودہ مسلمان عورت کی زبوں حالی اور اصلاح احوال

❑ **تاریخ میں عورت ہمیشہ مظلوم رہی ہے:** مختلف مذاہب و نظریات نے عورت کے سلسلے میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ مسئلے کے حل کے لئے اسلام نے انسانیت کو اعتدال کا راستہ دکھایا تھا اور اس کو وہ مقام و مرتبہ عطا کیا جس سے وہ ہمیشہ سے محروم چلی آ رہی تھی۔ یہ صرف اسلام تھا جس نے اسے انسانی اور سماجی حقوق عطا کئے' وراثت کا حقدار ٹھہرایا' اس سے نرمی و درگزر کی تاکید کی' اسے انتخاب رفیق کا حق دیا اور اسے مجموعی طور پر عزت و وقار اور احترام کے ایسے مقام پر فائز کیا کہ انسان کو اپنی نجات کے لئے ماں کے قدموں تلے جنت کی تلاش کی تاکید کی گئی۔ مگر المیہ یہ ہے کہ اس مشکل مسئلے کے حل کے لئے اسلام نے جو فیصلے دیئے اور قرآن و سنت نے جن اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی تھی' مسلمانوں نے ان کی نفی کر کے عورت کو پھر پہلے کی طرح مظلوم و محروم بنا دیا۔

عملی طور پر صرف عہد نبوی ؐ اور خلفائے راشدین ؓ کے دور سعادت میں خواتین اپنے حقوق سے پوری طرح متمتع ہوئیں۔ بعد ازاں جب خلافت موروثی بادشاہت میں بدلی تو اسلام کے دیگر احکام کی طرح خواتین کے حقوق اور مراعات پر بھی زد پڑی اور آہستہ آہستہ دوبارہ وہ حالات عود کر آئے جس میں عورت یا تو محبوبہ ہوتی تھی یا کنیز۔ بحیثیت مجموعی اس کا وہ اعزاز باقی نہ رہا جو اسلام نے اسے عطا کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کو مسلم معاشرے میں بہت احترام اور شرف ملا' ماں کی حیثیت سے بیشک اس کا ایک مرتبہ و مقام تھا مگر شاہی طبقے اور چند خاص طبقوں کو چھوڑ کر عام خاتون جہالت کی زندگی گزارنے پر مجبور تھی۔ ناظرہ قرآن پاک پڑھ لینا اس کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا' برصغیر کی خاتون کی حالت تو ہندو معاشرت کے زیر اثر اور بھی پتلی ہو گئی تھی۔ خواتین کے الگ مدرسہ کا تاریخ میں ہمیں کوئی سراغ نہیں ملتا اور مخلوط تعلیم کا تو اس دور میں رواج ہی نہ تھا۔ علاوہ ازیں:

⇦ انتخاب شوہر کے سلسلے میں اس سے مشورہ یا رائے نہیں لی جاتی تھی۔ وہ ہندو عورت کی طرح بے آواز تھی۔

⇦ مہر کے بارے میں یہ تصور تھا کہ یہ صرف طلاق کے موقعہ پر ادا کرنا ہوتا ہے۔ یا پھر موت کی صورت میں بخشوا لیا جاتا ہے۔ اس طرح عملاً وہ حق مہر سے بھی محروم تھی۔

- بیوہ کو دوسرے نکاح سے محروم رکھا جاتا تھا بلکہ اس کو بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔
- بیوی ہو یا بہن، عملاً وہ وراثت سے بھی محروم رکھی جاتی تھی۔
- پردے کو مبالغہ میز حد تک بڑھا دیا گیا تھا۔ شرفاء کی عورتیں بہت کم گھروں سے باہر نکلتی تھیں۔ اگر نکلتی بھی تھیں تو ڈولیوں اور کئی دبیز پردوں کے اندر رہتے ہوئے۔
- اس کی سب سے بڑی محرومی یہ تھی کہ وہ حصول علم کے حق سے محروم تھی۔ صرف چند اونچے گھرانوں کی لڑکیاں قرآن پاک ناظرہ پڑھ لیتی تھیں اور کچھ ابتدائی درسی کتب، عام عورتوں کے بارے میں تصور یہ تھا کہ یہ پڑھ لکھ کر خود سر ہو جائیں گی۔ گویا مرد ان کو تابع مہمل بنا کر رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا ان کو تعلیم کے حق سے محروم رکھا گیا۔ نتیجہ یہ تھا کہ عورت توہمات، عقیدہ اور عمل کی بہت سی خرابیوں میں مبتلا تھی، رسوم و رواج کی پابند تھی۔
- خاوند کو مجازی خدا کہہ کر اس کی بے چون وچرا اطاعت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مگر اس کے اپنے حقوق کا کہیں ذکر ہی نہیں ہوتا تھا۔

اس طرح عورت عملی زندگی میں حصہ لینے سے بالکل محروم تھی۔ اپنے تحفظ کے سلسلے میں ناکام تھی۔ اپنے حقوق کا اسے شعور تھا، نہ اس کے حصول کے لئے اس کے اندر کوئی آرزو یا تمنا تھی۔ چنانچہ اس صورت حال کا بدترین نتیجہ 1947ء میں قیام پاکستان کے وقت سامنے آیا جب ہزاروں کی تعداد میں مسلم خواتین نے اپنی ناموس کی حفاظت کے لئے یا تو زہر کھا لیا یا تالابوں اور کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔ اگر ان کو اپنے تحفظ کے لئے تربیت دی گئی ہوتی تو یہ صورت حال بالکل پیش نہ آتی۔

پھر اسلام کی یہ تعلیم کہ علم حاصل کرنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔ معطل ہو کر رہ گئی تھی۔ بالائی طبقہ کی خواتین گھروں میں پرائیویٹ بندوبست سے بے شک پڑھ لیتی تھیں اور ان میں علم کا واقعی چرچا بھی تھا، مگر ایک عام عورت اس حق سے محروم تھی۔ بلکہ ایک وہ وقت بھی آیا کہ فتویٰ دے دیا گیا کہ عورتوں کے لئے لکھنا پڑھنا مضر ہے۔ طبقہ نسواں کے علم سے محرومی کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ گھر کی چار دیواری تک محدود ہو کر رہ گئی اور اس طبقے کے بارے میں پھر وہی بحثیں چھڑ گئیں کہ عورت برائی کی جڑ ہے یا خیر کی بنیاد؟ بہرحال عورتیں اپنے دین کی حقیقی روح سے بڑی حد تک بیگانہ ہو کر رہ گئی تھیں۔ چنانچہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں کے دور میں اکا دکا زنانہ مدارس کے علاوہ عام خواتین کی تعلیم کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

برصغیر میں شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے طبقہ نسواں کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ آپ نے اپنی بیوہ پھوپھی کا دوبارہ نکاح کر کے نکاح بیوگان کی سنت کو زندہ کیا۔ عورتوں کو دینی تعلیم دی۔ ان کے بہت سے غلط عقائد کی اصلاح کی اور بہت سی غلط رسوم و رواج کے خلاف تحریک برپا

کی' ان کوششوں سے طبقہ نسواں کو بہت سے فوائد بھی حاصل ہوئے۔ بعد میں سر سید نے بھی تعلیم نسواں کے لئے ایک موثر تحریک برپا کی' اور بچوں کے ساتھ ساتھ بچیوں کو بھی تعلیم دلوانے پر زور دیا' تاکہ وہ معمولات زندگی میں حصہ لے سکیں۔ بھوپال کی حکمران بیگم شاہجہاں نے بھی اپنی کتاب "تہذیب النسواں" میں نکاح بیوگان پر بڑا زور دیا ہے۔

عورت اس دور میں کچھ فقہی موشگافیوں کی بناء پر بھی مظلوم بنا کر رکھ دی گئی تھی۔ مثلاً جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا ہو وہ 90 سال تک شوہر کا انتظار کرے۔ پھر 15 سال بعد اس کے بارے میں اعلان کروائے (یہ مسئلہ ہی عقل سلیم کے خلاف ہے)۔ کونسی عورت اتنی لمبی عمر پا سکتی ہے یا اتنا انتظار کر سکتی ہے؟) اسی طرح عورت عملاً خلع کے حق سے بھی محروم کر دی گئی تھی۔ پھر تین طلاق کا مسئلہ بھی ہمیشہ مسلمان عورت کے لئے پریشان کن رہا ہے۔ غلطی مرد کی ہو اور سزا کے طور پر عورت حلالہ کروائے' بہر صورت طلاق کی تلوار ہر وقت عورت کے سر پر لٹکتی رہتی ہے اور مرد بڑی کثرت سے عورتوں کو طلاق کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ حالانکہ شریعت نے تمام حلال چیزوں میں سے اس کو سب سے زیادہ ناپسند قرار دیا ہے۔

☐ جہیز کا مسئلہ: اسی طرح ہندو معاشرت کے زیر اثر مسلمانان پاکستان و ہندوستان کے لئے جہیز کا مسئلہ بڑا پریشان کن ہے۔ اگر کوئی عورت تھوڑا جہیز لیکر جائے تو ساس' نندیں اور خود شوہر آنے والی بہو اور بیوی کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ اس غریب کو بے تحاشا طعنے اور کوسنے دیئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات غریب عورتیں کم جہیز کے طعنے سن سن کر یا تو تنگ آ جاتی ہیں یا مستقل طور پر میکہ میں بھیج دی جاتی ہیں اور یا پھر وہ کسی نہ کسی بہانے خود کشی کر لیتی ہیں۔

داماد کا اپنے سسرال والوں سے تحقیر آمیز رویہ:

ہندو معاشرت کا ایک اور کرب ناک پہلو جو مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے' وہ داماد کا اپنے سسرال والوں کے سامنے نواب اور شہزادہ بن کر رہنے والا رویہ ہے۔ "سالا" اور "سورا" دو گالیاں عام لوگوں میں رائج ہو گئی ہیں۔ ("سالا" اپنی بیوی کے بھائی کو کہتے ہیں اور "سورا" بیوی کے باپ کو) اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بیوی کے والدین اور بہن بھائی کا شوہر کے دل میں کیا احترام ہوتا ہے۔ ان کو ہر وقت اپنے شاہانہ مزاج اور رعب داب سے مرعوب کئے رکھنا عموماً داماد کا وطیرہ رہتا ہے اور بیوی کے ماں باپ بھی اپنے داماد کے چاؤ چونچلے مجبوراً پورے کرتے ہیں' اس کی خوب خاطر خدمت کرتے ہیں' کہ کیا کریں؟ مجبور ہیں' بیٹی کو تو بسانا ہے۔ کسی طرح اسکا معاملہ نبھ جائے' گڑبڑ نہ ہونے پائے۔

عورت کے ساتھ سسرال والوں کا اور خود شوہر کا سلوک:

مرد باہر سے ہنستا مسکراتا گھر آئے تو گھر آتے ہی ایک دم منہ پر اس طرح تیوریاں چڑھ جاتی ہیں کہ بیوی کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ جائے۔ ہر وقت اس کو مرعوب کرنا' وقت بے وقت اس کو ڈانٹنا' گالم گلوچ کرنا کئی مردوں کا وطیرہ ہے۔ بلکہ بعض بڑے بڑے مولوی حضرات کا بھی یہ انداز ہے کہ باہر عورت کے احترام کے موضوع پر خطبہ دے کر گھر آرہے ہیں اور آتے ہی بیوی کو بے نقط سنانے لگے۔ طلاق کی دھمکی دینا تو مردوں کا دل پسند موضوع ہے۔ "لاؤ ذرا کاغذ' میں تمہیں دو حرف لکھ دوں" کئی مردوں کا یہ اپنی بیویوں سے طرز کلام ہے۔

پھر سسرال میں سے ساس' نندیں بھی اپنی بہو اور بھابھی کے نقائص تلاش کرنے میں مصروف رہتی ہیں۔ بیٹے اور بھائی سے لگائی بجھائی کر کے اس کو شوہر کی نظروں میں گرانے کی پوری کوشش کرتی ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا اور آج تک مجھے یہ منظر نہیں بھولتا' دو اڑھائی سال کا بچہ توتلی زبان سے گالیاں دے رہا تھا' پاس دادی اور پھوپھیاں بڑی خوش ہو ہو کر اسے سکھا رہی تھیں کہ اپنی ماں کو یہ گالیاں دو اور پھر جب اس نے ماں کو گندی گالی دی تو سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ بہت سے آٹھ دس سال کے بچوں کو میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ ماں کو اتنی غلیظ گالیاں دیتے ہیں جن کا مطلب ومفہوم بھی وہ نہیں جانتے ہوتے۔ بسا اوقات اس میں عورت کی اپنی جہالت اور بچوں کی تربیت نہ کرنے کا بھی دخل ہو سکتا ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ دادی اور پھوپھی کے سکھانے پر معصوم بچے اپنی ماں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اس طرح اس کی زندگی تلخ بنا دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پھر ایسے گھروں میں مائیں بھی غصہ میں بچوں کو غلط اور نامناسب گالیاں اور بددعائیں دیتی ہیں' جو جہالت کا ایک شاخسانہ ہے۔

□ عورت کی زبوں حالی کا اہم سبب: (1) جہالت

بہرحال اس جہالت نے عورت کی زندگی کو ایک عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ پھر بچپن سے عورتوں کی تربیت اس انداز میں کی جاتی ہے کہ اصل قابل قدر کام تو وہ ہے جو مرد انجام دیتے ہیں' وہ ہر گرم سرد حالات میں کما کر لاتے ہیں لہٰذا اچھی خوراک کی ضرورت صرف مردوں کو ہے اور بچی کھچی کھالینا اور اگر کچھ نہ بچے تو پھر ویسے ہی گزارہ کر لینا عورت کا مقدر ہے۔ عورت کو اچھی خوراک صرف واضع اور شدید بیماری کے وقت دی جاتی ہے۔

غرض ایک ہندوستانی مسلمان خاتون کی حیثیت ایک مسکین گائے کی سی تھی' جس کا کام صرف مردوں کی ہاں میں ہاں ملانا اور ان کے ہر جھوٹ سچ پر آمنا وصدقنا کہنا ہے۔ یہ صورت حال ادنیٰ سے تغیر کے ساتھ اب بھی جاری ہے' انہی حالات سے بغاوت کرنے والی خواتین نے مغربی نظریہ مساوات

مرد و زن کو بے دھڑک اختیار کر لیا۔

❑ مغربی استعمار کے بعد: اٹھارویں صدی میں جب مسلمانوں کے زوال کے بعد استحصالی قوتوں نے اسلامی ممالک پر فرداً فرداً قبضہ کر لیا تو وہاں اپنا نظام تعلیم رائج کر دیا' یہ نظام تعلیم سیکولر اور مادی تھا' اخلاقی اقدار سے عاری تھا۔ چنانچہ وہ بھی اپنے تلخ ثمرات مسلمان نوجوانوں میں منتقل کرنے لگا' مگر اس میں تیزی اس وقت آئی جب مسلمان خواتین بھی اس تعلیم میں شامل ہو گئیں۔

❑ ترکی میں حکومت کا خاتمہ: جب 1923ء میں ترکی میں جنگ عظیم اول کے خاتمہ کے بعد ادارۂ خلافت کو ختم کر کے مصطفیٰ کمال پاشا نے مغربی تہذیب کو اپنے ہاں کلی طور پر رواج دینے کا پروگرام بنایا' تو اس کے نتیجے میں خواتین کا پردہ اترا اور خواتین نے بھی مغربی تعلیمی اداروں میں پڑھنا شروع کر دیا۔ اس طرح وہاں آزادی نسواں کی لہر بڑی شدومد کے ساتھ ابھری۔ ان کی دیکھا دیکھی مصر میں بھی یہی آزادی نسواں کی تحریک شروع ہوئی اور پھر ایران اور دوسرے مسلمان معاشرے بھی اسی رو میں بہنے لگے۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد یہاں بھی "اپوا" کی بیگمات نے آزادی نسواں کا سوال بڑی شدت سے اٹھایا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ خواتین سکولوں' کالجوں میں پڑھ رہی تھیں۔ وہ مردانہ نصاب تعلیم مردانہ اداروں میں ہی پڑھ رہی تھیں۔ یہ نصاب تعلیم سیکولر اور دین بیزار تو پہلے ہی تھا' صرف مادی اقدار سکھانے والا تھا' اب جو یہی مردانہ تعلیم خواتین نے' مردانہ تعلیمی اداروں میں حاصل کی' نہ ان کے لئے الگ سے نصاب بنایا گیا' نہ الگ تعلیمی ادارے' تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلاس رومز میں اختلاط مرد و زن بڑھا' پردہ اور چادر اتری' خواتین نے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عملی میدان میں بھی مردوں کے ساتھ مقابلہ بلکہ مسابقت شروع کر دی۔ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ زن نازن بن گئی۔ وہ اپنی نسوانیت کھونے لگی' اپنے بنیادی فرائض کو خود ہی حقیر سمجھنے لگی اور ملازمت کو اپنی ترقی کی معراج گردانا۔ اب چونکہ وہ مردوں کے ساتھ ہر میدان میں ملازمت کر رہی تھی اس لئے دوپٹہ تک اتار پھینکا۔ بھرپور میک اپ کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے لگی۔ شرم و حیاء کا زیور دور قدیم کی یادگار قرار پایا۔ اب صرف دل کے پردے اور آنکھوں کی حیاء پر اکتفا کیا جانے لگا۔

اب ماں کے پاس بچوں کی پرورش اور تربیت کے لئے وقت نہ رہا تھا' لہٰذا "بچے دو ہی اچھے" کا نعرہ گونجا۔ گھروں میں بیویاں چونکہ مردوں ہی کی طرح پڑھی لکھی تھیں اور کما بھی رہی تھیں' لہٰذا خم ٹھونک کر مردوں کے مقابلے پر آ گئیں۔ گھر دنگل بننے لگے۔ اعلیٰ طبقہ کی بیگمات جو ملازمت نہیں بھی کرتی تھیں وہ بھی کلبوں کو رونق بخشنے لگیں۔ وہ سماجی سرگرمیوں کے نام پر گھروں سے باہر نکل آئیں۔ اس طرح امت مسلمہ کی اگلی نسل ماں کی عدم دلچسپی کی وجہ سے اس کی شفقت و محبت سے محروم ہو گئی

اور خود رو جھاڑ جھنکار کی طرح پلنے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کے مغربی تعلیم پڑھنے اور پھر گھر سے باہر نکلنے سے جو اخلاقی بگاڑ بلکہ بحران امت مسلمہ میں اس وقت پیدا ہو چکا ہے' اس کی مثال گزشتہ چودہ سو سالوں میں کہیں نہیں ملتی۔ مناسب محبت اور شفقت نہ ملنے کی وجہ سے نوجوان نسل جرائم' تشدد اور مار دھاڑ کی عادی بن رہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب مسلمان معراج ترقی پر گامزن ہیں' عورتیں پردہ کی قیدو بند کو توڑ کر باہر نکل آئی ہیں اور مردوں کے دوش بدوش قومی و ملکی خدمات سرانجام دے رہی ہیں اور میں حیران و پریشان ہو کر سوچتی ہوں ؎

کیسے اعتبار انقلاب آسمان کرلوں!

کیا یہی تعمیر قوم ہے کہ عورت اپنے بنیادی فرائض اور خانگی امور کو چھوڑ کر کمانے کے لئے گھر سے باہر نکل آئے اور دوسری طرف گھر میں شوہر اور بیوی میں کشمکش شروع ہو جائے ؎

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش؟

(2) دینی تعلیم سے دوری:

امت مسلمہ کے ہمہ پہلو بگاڑ اور خصوصاً طبقہ نسواں کی زبوں حالی کا دوسرا اہم سبب قرآن وسنت کی تعلیم سے دوری ہے۔ جوں جوں مغربی تعلیم بڑھتی جاتی ہے' اسی نسبت سے عوام میں اپنی دینی و اخلاقی اقدار سے بیگانگی بڑھتی جا رہی ہے۔ پہلے مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم مدارس اور مساجد میں ہوتی تھی' جو دین کی بنیادیں ملت کے ہر بچہ کے اندر راسخ کر دیتی تھیں۔ مگر اب بچوں کی بنیاد انگریزی میڈیم سکولوں سے ہوتی ہے۔ جو بلی و کتے سے محبت اور ناچ گانے جیسے "بنیادی فرائض" سکھا رہے ہیں:

(1) C — CAT
(2) D — DOG,
(3) SHE IS DANCING
(4) SHE IS SINGING

اور یہ ان کی بالکل ابتدائی تعلیم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے بقول ماہر القادری مرحوم ؎

قوم کی وہ بیٹیاں جنہیں بننا تھا بتول
مدرسوں میں سیکھتی ہیں ناچ گانوں کے اصول

یہی وجہ ہے کہ اس وقت امت مسلمہ رقص' گانے اور موسیقی کی دلدادہ ہے (حالانکہ موسیقی (بالاتفاق سب مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مزامیر (آلات موسیقی) کو توڑنے کے لئے بھیجے گئے تھے) اسی رسول ؐ کی امت اب اغیار کی دیکھا دیکھی موسیقی کو) اپنی روح کی غذا قرار دیتی ہے اور ناچ گانے کو تفریح کا سامان۔ معاشی میدان میں سود کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ

مسلمان کراہ رہے ہیں مگر سود کے جال سے نکل نہیں پارہے۔ سیاسی میدان میں مغربی جمہوریت نے مسلم ممالک میں اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑ رکھے ہیں۔ مغربی جمہوری استعمار کے کارندے مسلم حکمرانوں کے ذریعے سے مغربی مفادات کی مکمل حفاظت کر رہے ہیں۔ اب مسلمانوں کا معاشرتی نظام بھی اس طرح ابتری کا شکار ہے کہ تیرہ سو سال تک مسلمانوں میں جو امور بالاتفاق حرام اور ممنوع تھے اب خود مسلمان ان کی نئی نئی تاویلیں کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً گھروں میں مردوں کی حاکمیت' شوہر کی خدمت' عورت کا چراغ خانہ بن کر رہنا' پردہ کی پابندی' اگر گھر سے باہر نکلنا پڑے تو سادگی وو قار کے ساتھ۔ عورت کی نصف شہادت' نصف دیت' نصف وراثت' طلاق' ولایت کا حق مرد کے پاس ہونا' عورت کا اسلامی مملکت کی سربراہ نہ بن سکنا وغیرہ —— یہ سب باتیں دین سے کھلی بغاوت کے مترادف ہیں۔

❑ عورت کی موجودہ حالت زار اور معاشرہ کی ابتری:

اب اسلامی معاشرہ میں عورت کے بارے میں نقطہ نظر ہی بدل گیا ہے۔ اس کی حیثیت محترم ماں اور محترم بہن کی تھی۔ مگر اب ایسا کارکن بنایا جارہا ہے' جو زندگی کی جدوجہد میں مردوں کے برابر جدوجہد کرے۔ خاندان کی کمائی میں اضافہ کرنے کے لئے اسے گھر سے باہر نکلنا پڑے گا۔ عورت کی عفت و عصمت کا تصور بھی اب گئے دور کی یادگار سمجھا جانے لگا ہے۔

اب خاندانی نظام کے اوپر بھی مسلسل وار کیے جا رہے ہیں۔ گھر کا ہر فرد اپنی من مانی کرنا چاہتا ہے۔ بزرگوں کا احترام قصہ پارینہ بنتا جارہا ہے۔ حتیٰ کہ کنواری دوشیزائیں بھی اپنے نکاح خود ہی رچانا چاہتی ہیں اور ہماری عدالتیں اسے قانونی جواز فراہم کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب معاشی خود مختاری اور مادہ پرستانہ نقطہ نظر دونوں مل جائیں تو پھر یہی نتیجہ نکلے گا۔ طلاقیں بکثرت ہونے لگی ہیں' بچے آیاؤں کے رحم و کرم پر رل گئے ہیں۔ وہ ماں کے شفقت بھرے لمس اور پاکیزہ دودھ کی دھاروں سے محروم رہ جانے کی وجہ سے جرائم پیشہ' وحشی اور مار دھاڑ کے عادی بن رہے ہیں۔

جب خاندانی وفاداریاں ختم ہو جاتی ہیں تو بوڑھے والدین بھی کس مپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جب گھر والیاں کمانے کے لئے گئی ہوں تو بوڑھے معذور سسر' ساس کی کون تیمارداری کرے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ آزادی نہیں عذاب ہے' ترقی نہیں بلکہ وبال ہے' جس نے معاشرے کا پورا نظام دگرگوں کر دیا ہے۔ ہمارے اخبارات اور ریڈیو' ٹی۔ وی نے باقاعدہ مہم چلا رکھی ہے۔ وہ بنت حوا کے نام سے مختلف ڈرامے پیش کر کے اور مختلف تحریریں شائع کر کے سب خواتین کو گھر سے باہر نکال لانا چاہتے ہیں۔ خواتین کے مصائب کا تذکرہ بڑے دردناک انداز میں کرتے ہیں' مگر کبھی حقیقی

مظلوم اور محنت کش عورت کے مسائل کا صحیح تجزیہ نہیں کرتے۔ وہ دینی اور اسلامی تعلیمات کو وحشیانہ اور بربریت پر مبنی کہہ کر اس سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق تو ماں محترم اور واجب الاطاعت ہے۔ لیکن اب یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ عورت کو گھر سے باہر نکال کر فیکٹریوں' سڑکوں' دفتروں اور کارخانوں میں کام کرنے کے قابل بنانا گویا طبقہ نسواں پر بہت بڑا احسان ہے۔ صورت حال کتنی گھمبیر ہے! ذرا اندازہ کیجئے' اکتوبر 1995ء میں ایک پاکستانی ایکٹرس --- کا بیان دو کالمی سرخیوں کے ساتھ اخبارات میں چھپا ہے' وہ کہتی ہے: "ہمارے ہاں بھی ایسی فلمیں بننی چاہئیں جو خون میں حرکت پیدا کریں۔" "میں جسم کو چھپانا نہیں چاہتی۔ جو نہیں دیکھنا چاہتا آنکھیں بند کر لے۔" "سین کی ڈیمانڈ پوری کرتی ہوں۔ تنگ کپڑے اور بارش کا سین ایک ایک انگ نمایاں کرتا ہے۔" پھر آگے ان سرخیوں کا متن ملاحظہ ہو:

"کراچی۔ (پی۔ پی۔ اے) عالمی شہرت یافتہ ماڈل گرل اور اداکارہ نے کہا ہے کہ بھارت کے بعد اب پاکستان میں بھی سیکسی فلمیں بننی چاہئیں۔ مخصوص علاقے کی لڑکیاں فلم بینوں کی ڈیمانڈ سے بخوبی واقف ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہر شخص میرے جسم کو دیکھ کر اس کی تعریف کرے اور اگر کوئی دیکھنا نہیں چاہتا تو اپنی آنکھیں بند کر لے۔"

اس نئی ذہنی ساخت کا ایک نمونہ سابق گورنر پنجاب الطاف حسین نے (94ء میں) پیش کیا۔ انہوں نے روزنامہ "نوائے وقت" اور اسی ادارے کے انگریزی روزنامے "دی نیشن" کے سینئر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: "عوام کو ذہنی گھٹن سے نجات دلانے کے لئے ضروری ہے کہ

ناچنے گانے کی آزادی ہو۔ موصوف نے اس حسرت کا اظہار بھی کیا کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی پر طوائفوں کو بلانا چاہتے تھے (مگر کسی وجہ سے شاید نہ بلا سکے)۔

اور اس طرز فکر کا ایک نمونہ "اسلامی جمہوریہ پاکستان کی وزیراعظم" بے نظیر بھٹو نے بھی پیش کیا۔ انہوں نے لندن میں پاکستانیوں کے ایک اجتماع سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: "اگر میں اسلامی لباس پہنتی تو ملک کی وزیراعظم نہیں بن سکتی تھی۔" (واضح رہے کہ اس وقت فرانس میں ان مسلمان طالبات کو جنہوں نے سر ڈھانپنے پر اصرار کیا تھا' ان کے تعلیمی ادارہ سے نکال دیا گیا تھا اور اس وقت وہی مسلمان طالبات اور ان کا سر ڈھانپنے پر اصرار والا مسئلہ ہی زیر بحث تھا) اس پر مستزاد ملک میں گینگ ریپ کے بھیانک اور لرزہ خیز واقعات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مساوات مرد و زن کو پاکستان میں عملاً نافذ کرنے والے خواتین و حضرات اس بے پردگی' بے حیائی' حسن فروشی اور خود نمائی کو آرٹ اور کلچر و ثقافت کی ترقی کا نام دے رہے ہیں۔ جس سے نئی نسل گمراہی کی طرف جا رہی ہے۔ فلموں' ڈراموں' مصنوعات کی تشہیر کے لئے اخبارات

اور دیگر اشتہارات وغیرہ میں مختلف شرمناک پوز کے ذریعے سے عورت کی جو تذلیل کی جا رہی ہے' اس کے خلاف ان کا لب کشائی کرنا تو کجا اس کو "شوبز" کا نام دے کر اس سے سکون قلب حاصل کیا جا رہا ہے۔

❑ شوبز' خاص طبقہ کی ثقافت:

اسلام کی اپنی ثقافت ہے جو آفاقی اور بلند نصب العین کی حامل ہے۔ اس ثقافت میں انسانوں کی خود ساختہ ثقافت والی بے پردگی' آوارگی' عریانی' فحاشی اور مخرب اخلاق شوبز کی بالکل گنجائش نہیں۔

یہ بات محل نظر رہے کہ عورت کے حقوق اور اس کی ترقی کی آڑ میں شوبز کی دلدادہ عورتیں ہمارے ملک و قوم کی تمام عورتوں کی نمائندہ نہیں ہیں۔ ان کی تعداد تو چند سینکڑوں تک محدود ہے۔ مگر ذرائع ابلاغ کا یہ ظلم اور زیادتی ہے کہ وہ انہی خواتین کو کوریج دیتے ہیں۔ اس کے برعکس ہماری عام عورت (جو ملک میں سات کروڑ سے زاید ہے) تو حیاء دار اور باپردہ رہنے کی خواہشمند ہے۔ لہٰذا ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ان بگڑی ہوئی عورتوں کی اصلاح کی جائے کیونکہ وہ اسلامی تعلیم اور اسلامی کلچر کی تذلیل کر رہی ہیں۔

❑ عام عورت کے مسائل اور جہالت:

ہماری عام عورت کا مسئلہ یہی ہے کہ وہ ناخواندہ اور جاہل ہے۔ اس کا سب سے بڑا مسئلہ ہی اس کی جہالت ہے۔ دیہاتوں کی محنت کش خواتین جو اپنے مردوں کے تشدد کا شکار بنتی ہیں' وہ بھی ہیں' جن کے شوہر منشیات کے عادی ہیں اور وہ دوسرے گھروں میں کام کر کے' برتن دھو کر' صفائی کر کے اپنے بال بچوں اور شوہروں کو پال رہی ہیں' پھر دن بھر کام کاج سے تھکی ماندی واپس لوٹتی ہیں تو شوہر اپنا نشہ پورا کرنے کے لئے مار پیٹ کر ان سے ان کی مختصر سی جمع پونجی جو انہوں نے بچوں پر خرچ کرنا تھی' وہ بھی چھین کر لے جاتے ہیں۔ وہ خواتین بھی ہیں جو صرف اپنے بھائیوں کا منہ دیکھنے کے لئے وراثت سے عملاً دستکش ہو جاتی ہیں۔ پھر عورت کی ایک مظلومیت یہ ہے کہ والدین چند پیسوں یا کسی ذاتی غرض کے عوض (اکثر جائیداد بچانے کے لئے) اپنی بیٹی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کسی نااہل شخص سے کر دیتے ہیں۔ یہ سب جہالت کے نقصانات ہیں۔ پھر عورت پر خود عورتوں کے مظالم کی فہرست بڑی طویل ہے۔ نند بھاوج' ساس بہو' سوکن کو گھر سے نکال دینا' پھر بعض اوقات خود عورت بھی مرد کے لئے ظالم کا روپ دھار لیتی ہے۔ پسند کے مرد سے شادی کے لئے حقیقی شوہر کو قتل کروانا' آوارگی اور فحاشی سے روکنے والے بھائی' باپ اور بیٹے کو قتل کروانا اور نرم مزاج یا کمزور شوہر پر سخت مزاج عورت کے مظالم ایک الگ داستان ہے۔

❑ تعلیم مسائل کا حل ہے:

میں تو یہ کہوں گی کہ ہمارے معاشرے میں ہر قسم کی برائیاں ہمارے مردوں اور عورتوں کو دینی تعلیم حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔

اصل موضوع یہی ہے کہ عورت کو اگر دین و دنیا کی کماحقہ تعلیم دی جائے تو وہ یقیناً نہ خود مظالم کا شکار بنے نہ کسی پر ظلم ڈھائے۔ یقینی امر ہے کہ تعلیم ہی ایک ہتھیار ہے جو انسان میں خود شناسی اور خود اعتمادی پیدا کر کے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے جراتمند بنا دیتا ہے۔ دوسری طرف اپنے فرائض کا شعور دیگر دوسروں کی حق تلفی کرنے سے بھی روکتا ہے اور یقیناً یہ دینی و اسلامی تعلیم ہی ہے جو انسان کو ہر قسم کی خود اعتمادی فراہم کرتی ہے۔ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے جری بناتی ہے۔ دوسری طرف اس طرح کی خدا خوفی پیدا کرتی ہے کہ انسان اپنے رب کی رضا کے لئے اور اپنی نجات کے لئے دوسروں کے حقوق ادا کرنے پر آمادہ و مستعد نظر آتا ہے۔ سزا و جزا کا پختہ یقین جو انسان کو ہر قسم کے ظلم اور برائی سے روک دے' صرف اور صرف دینی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے۔

لہٰذا ہر انسان اور بالخصوص عورت کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ دین اسلام کی پوری تعلیم حاصل کر کے اپنے حقوق و فرائض سے بہرہ ور ہو' اس میں حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی ہمت پیدا کر دی جائے۔

ادھوری تعلیم: اس وقت ایک اور الجھن پیدا ہو رہی ہے' وہ یہ کہ تعلیم کو دینی اور دنیاوی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ جو لوگ عصری سکولوں' کالجوں سے تعلیم حاصل کر کے نکلتے ہیں وہ دین سے بالکل ناواقف اور کورے ہوتے ہیں' دوسری قسم کی تعلیم وہ دینی مدارس

ہیں جو اپنے مسلک کی تعلیم تو دیتے ہیں مگر رائج الوقت مسائل سے بالکل بے بہرہ رکھتے ہیں۔ اس وقت وطن عزیز میں بمشکل لاکھ میں سے ایک آدمی ہو گا جو دین و دنیا کے علوم سے بیک وقت صحیح طور پر آگاہی رکھتا ہو۔ جبکہ دین اسلام تو دین و دنیا دونوں کی راہنمائی کرنے والا ہے۔ تو پھر کیوں اس کو بابو اور ملا میں تقسیم کر دیا گیا ہے؟ گویا ہماری تعلیم جو بھی ہے وہ ادھوری ہے۔ رائج الوقت عصری تعلیم گاہوں کا تو یہ حال ہے کہ یہاں مسلمان داخل کیا جاتا ہے' مگر جب وہ فارغ التحصیل ہو کر نکلتا ہے تو وہ دین بیزار اور ملحد بن چکا ہوتا ہے۔

شریعت سکول: لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس وقت ایسے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں جو بیک وقت دینی اور عصری تعلیم فراہم کریں۔ مثلاً طلبہ اور طالبات کے لئے الگ الگ شریعت سکول و کالج قائم کئے جائیں۔ جن میں تعلیم کا آغاز تو قرآن پاک اور دین کے بنیادی لوازم سے ہو۔

ساتھ ساتھ اردو نوشت و خواند اور بنیادی حساب بھی کروایا جائے اور پھر درجہ بہ درجہ دین اور دنیا کی تعلیم بیک وقت دی جائے۔ میٹرک تک تعلیم پانے والے کو قرآن پاک کا ترجمہ' روز مرہ زندگی میں رہنمائی کرنے والی حدیث اور فقہ کی ضروری تعلیم دی جائے۔ میٹرک سے آگے جانے والے کو

اسلامی علم و ادب یعنی قرآن مجید کی تفسیر سے مکمل آگاہی ہو۔ پوسٹ گریجوایشن تک پہنچنے والے کو مذاہب عالم اور اسلامی علوم کا تقابلی مطالعہ کروایا جائے۔ کسی مضمون میں ایم۔ اے یا پی۔ ایچ ڈی کرنے کے لئے کسی ایک مضمون کا انتخاب کرنے کے بجائے دو لازمی مضمون ہوں' ایک تو اسلامیات کا اور دوسرا اپنا پسندیدہ مضمون۔ الغرض قرآن کا اور سنت کا گہرا شعور دینا اور زندگی کا محور اور مرکز سیرت طیبہ کو بنانا لازمی ہونا چاہئے۔

❑ مطلوبہ مقصد: مطلوبہ مقصد یہ ہے کہ ہر طالب علم کو دین اور دنیا کا ضروری علم ہونا چاہئے' امید ہے کہ ان شاء اللہ! اسی طرح مثالی معاشرہ وجود میں آئے گا۔ جس میں کمزور پر مظالم (خصوصاً عورت پر) اور دیگر معاشرتی جرائم کا خاتمہ ہو سکے گا۔ حکومت کو بھی اس طرح کے شریعت سکول اور شریعت کالج قائم کرنے چاہئیں اور نجی شعبہ کو بھی آگے بڑھ کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالنا چاہئے۔ ہمارے ہر بچے کے قلب و ذہن میں یہ بات راسخ ہونی چاہئے کہ اسلام ہی مکمل اور صحیح ترین شکل میں جدید دور کے سائنسی اور تمدنی تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔ یہی دین انسان کو مکمل رہنمائی فراہم کر سکتا ہے۔ باقی سارے مذاہب اور نظریئے دم توڑ چکے ہیں۔ ان کے لئے دور حاضر کی پیچیدگیوں اور فکر و نظر کی تاریکیوں میں راستہ بنانا ناممکن ہو چکا ہے۔

جملہ اقوام عالم کے عروج و زوال کے احوال میں یہ بات یکساں ہے کہ جب عورت اپنے محترم مقام پر فائز ہوئی اور اس نے اپنے فطری فرائض ذمہ داری سے ادا کئے تو کسی اور کوشش کے بغیر زندگی کے تمام شعبوں کے لئے معاشرے کو مہذب' قابل اور محنتی افراد میسر آئے اور خوشحالی اور خوش بختی کے باب کھلتے چلے گئے۔ اور یہ سب کچھ تب ہو سکتا ہے جب ہر مرد اور ہر عورت دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ ہو۔ عورت کا احترام سے محروم ہونا اور اولاد کا ماں کی محبت اور توجہ سے محروم ہونا کسی معاشرہ کی نہایت ابتر حالت ہے۔ جب گھر والی ہی گھر میں نہ رہے بلکہ کمانے کے لئے نکل کھڑی ہو تو گھر میں جو بدنظمی' بدسلیقگی ہوگی اس سے زندگی کی اعلیٰ قدریں قدم قدم پر پامال ہونے لگتی ہیں۔ امن و سکون عنقا اور عدل و انصاف نایاب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عورت کو اس کا صحیح احترام ملنا بھی نتیجہ ہوتا ہے صحیح دینی و تعلیمی نظام اور درست انداز فکر کا۔

❑ عورت کے لئے نظام تعلیم: ان شریعت سکولز اور شریعت کالجوں میں ابتدائی مرحلہ میں طلبہ و طالبات کی تعلیم یکساں ہو سکتی ہے' لیکن ثانوی مرحلہ سے عورتوں کے لئے خصوصی مضامین اور کورسز کا اہتمام بھی کیا جانا چاہئے۔ ثانوی کے بعد کے مرحلہ میں ایسے اداروں کا جال بچھا دیا جائے جہاں تربیت پا کر وہ ملازمت کرنے کی پابند نہ ہوں' بلکہ گھر میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں اور اسے ان کی تعلیم و تربیت میں سرمایہ کاری کا مفید نتیجہ سمجھا جائے۔

ان نصابات میں لازمی طور پر عورت کی شخصیت' نفسیات اور اس کے فطری فرائض کو پیش نظر رکھا جانا چاہیے۔ مثلاً:

(1) خواتین کا منصب اور ان کے حقوق و فرائض

(2) دائرہ زوجیت اور فریضہ امومت کے متعلق اسلامی حکمت عملی

(3) خواتین کی عہد نبویؐ سے لیکر دور حاضر تک ایمانی' اخلاقی' عملی و فکری' ملی' رفاہی' تعلیمی و تصنیفی خدمات اور کارہائے نمایاں

(4) ترقی نسواں اور مساوات مرد و زن کے نظریہ کا تنقیدی جائزہ

(5) پردے کے موضوع پر عقلی تجربات اور مشاہدے کی روشنی میں دینی احکام کی حکمت و مصلحت

(6) خانگی امور مثلاً ابتدائی طبی معلومات' گھریلو معاشیات' سلائی کڑھائی وغیرہ

خواتین کے لئے یہ نظام تعلیم مغرب کے دیئے گئے نظریہ فکر کے بالکل برعکس ہے۔ جہاں ابتداء سے لیکر انتہا تک کسی مرحلے پر بھی مرد و عورت میں فرق نہیں کیا جاتا۔

غیر مخلوط تعلیم: خواتین کے لئے یہ تعلیم شروع سے لیکر آخر تک طلبہ سے بالکل الگ اور غیر مخلوط ہونی چاہیے۔ مخلوط تعلیم خواتین کی عملی و فکری استعداد کو پوری طرح نشو و نما پانے سے روکتی ہے۔ دوسرے بے شمار مفاسد کے علاوہ خالص تعلیمی نقطہ نظر سے بھی مخلوط تعلیم عورتوں کی تعلیم کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لئے خواتین یونیورسٹیوں کا قیام بھی ازبس ضروری ہے۔

❑ آج کے دور میں خواتین کے لئے عملی دائرہ کار:

بلاشبہ اسلامی معاشرہ میں اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں عزت و احترام سے رہیں اور ان کے حقوق مکمل طور پر ادا کیے جائیں۔ زندگی کی تمام سہولتوں میں وہ برابر کی شریک ہوں اور اجتماعی سرگرمیوں میں حدود اسلامی کے ساتھ شرکت کریں۔ گھر میں رہ کر امور خانہ داری انجام دینے والی اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں اپنا حصہ ادا کرنے والی خواتین کو عزت و مرتبہ کا مقام دیا جائے۔ یہی حکومت کی پالیسی ہونی چاہیے اور یہی عوام کا رجحان ہونا چاہیے۔

❑ حدود اللہ کو توڑنا ممنوع ہے:

لیکن اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ عورت کا گھر سے باہر نکلنا' یا باہر نکل کر حصول معاش کرنا یا کرنے میں تعاون کرنا سرے سے ممنوع ہے۔ ممنوع جو چیز ہے وہ حدود کو توڑنا ہے۔ حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے حالات کی گنجائش کے مطابق معاشرے میں خواتین چند ذمہ داریاں انجام دے سکتی ہیں۔ مثلاً پورے ملک میں ہر مرحلہ پر لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے خواتین اساتذہ' ادارے کے انتظام و انصرام کے لئے خواتین عملہ' عورتوں کے علاج معالجہ کے لئے خواتین ڈاکٹرز اور خواتین نرسز وغیرہ۔ لہٰذا ان سب کی تعلیم و تربیت کا انتظام اسلامی

نظام تعلیم کا جز ہونا چاہئے۔ ان سب کو تعلیم دینے والی خواتین اسلامی معاشرہ کی مسلمان خواتین ہی ہو سکتی ہیں۔

❑ عورتوں کا حصول معاش:

عورتوں کا حصول معاش میں حصہ لینا کچھ خواتین کے لئے مفید بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً ان کی کوئی ذاتی مجبوری' یا ان کی اپنی صلاحیت و قابلیت جو معاشرہ کی تعلیم و تربیت میں نفع بخش ثابت ہو سکتی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وہ گھر سے باہر کام کر سکتی ہیں بشرطیکہ:

(1) یہ جز وقتی کام ہو' پورا وقت نہ لے یا حالات کے تحت زندگی کے کسی خاص دور میں وہ اس میں سرگرم عمل ہوں۔ بہر صورت اس سے گھر اور ننھے منے روتے بلکتے بچوں کو نقصان نہیں پہنچنا چاہئے۔ میری ایک تجویز ہے کہ 20 سے 40 سال تک کی عمر کے لئے خواتین کو ملازمت سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ اس عمر میں بچے عموماً بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں 40 سال کی عمر میں عورت سنجیدہ فکر اور پختہ کار ہو جاتی ہے۔ اس کے باہر معاشرے میں نکلنے کے مفاسد بہت کم رہ جاتے ہیں۔ گھر کو بھی نقصان زیادہ نہیں پہنچتا۔

(2) وہ شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ سادگی' وقار اور پردے کے ساتھ گھر سے باہر نکلیں۔ یہ نہ ہو کہ وہ اپنی عیاشی اور ذواتی کے لئے کھلے بندوں معاشرے میں وندناتی پھریں۔

❑ خواتین کی ملازمت کا دائرہ:

معاشرہ میں کچھ کام تو وہ ہیں جو صرف مردوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں اور کچھ کام ایسے ہیں جو صرف عورتوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں اور ان میں مردوں سے واسطہ نہیں پڑتا۔ تو جو کام مردوں کے لئے مخصوص ہیں اور ان کو انجام دینے کے لئے مردوں سے واسطہ پڑنا ضروری ہوتا ہے' ایسے کام عورت کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہیں۔

عورتیں وہ کام بآسانی انجام دے سکتی ہیں جو ان کی افتاد طبع کے مطابق ہیں اور پردہ کی حدود کے اندر رہ کر وہ اس کو انجام دے سکتی ہیں' مثلاً:

(1) معلمی کے پیشہ کا وسیع دائرہ خواتین کے لئے ہے۔ دینی و عصری تعلیم' تبلیغی سرگرمیاں' تعلیم و تربیت کے ادارے اور میڈیکل کالجز وغیرہ

(2) خواتین کو ایلوپیتھک' ہومیوپیتھک اور قدیم طبابت کے شعبوں میں تربیت دینا۔

(3) اگر عورتوں کے لئے یہ اہتمام ہو کہ ان کے لئے دندان ساز ڈاکٹرز خواتین ہی ہوں تو خواتین دندان سازی کی وسیع ضرورت معاشرہ کو درپیش ہو گی۔

(4) تمام خواتین کے تعلیمی اداروں کا تعلیمی و انتظامی عملہ اور کلرک خواتین' پھر ان خواتین کی تربیت

کے لئے خواتین کے ادارے۔

(5) دستکاری کی مختلف گوناگوں صنعتیں' جو عورتوں ہی کے ہاتھوں انجام پاتی ہیں' اس شرط کے ساتھ کہ وہاں مردوں سے اختلاط کے مواقع نہ ہوں گے اور مردان کا ناجائز استحصال نہیں کریں گے۔

(6) بہت بڑا علمی و تحقیقی کام خواتین کا منتظر ہے۔ مثلاً دیگر زبانوں سے تراجم وغیرہ۔ یہ کام خواتین گھر میں بیٹھ کر بھی سرانجام دے سکتی ہیں۔ خواتین کا اعلیٰ تعلیم میں انگریزی' عربی اور بعض دوسری زبانوں میں مہارت پیدا کرنا اور دوسری زبان میں منتقل کرنا' اس کے لئے خواتین کی خصوصی تربیت کی جائے اور کچھ ترجمہ ان کے کورس و نصاب کا حصہ بنا دیا جائے' جس سے ان کی بہتر تربیت ہو سکے۔ یہ تربیت بھی خواتین ہی کریں گی۔

غرض یہ ایک مختصر سی فہرست آج کے حالات کے مطابق دے دی گئی ہے۔ یہ بطور نمونہ ہے' ورنہ میدان وسیع ہے مگر یہ کام کسی بھی عورت کی اپنی مجبوری' اس کے خاص ذوق یا اس کے اپنے ماحول و حالات کے مطابق حدود اللہ کے ساتھ کام کیا جائے۔ حدود اللہ کو توڑنے یا عیاشی کے لئے کسی خاتون کو بیرون خانہ اسلامی معاشرہ میں کام کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

اسلامی معاشرہ جھوٹی مساوات کا قائل نہیں۔ (وہ تو خواتین کو صرف بے وقوف بنانے والا نظریہ ہے) اس لئے اسلامی معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ:

(1) عورت کے لئے شرائط کار اور اوقات کار میں خصوصی مراعات کا لحاظ بھی رکھا جائے۔

(2) ساتھ وہ ان کے لئے عفت و عصمت کے تحفظ کا ضامن بھی ہو۔

(3) اپنے دفتر یا ادارے تک جانے کے لئے ٹرانسپورٹ کا بندوبست بھی کرے تاکہ عورت سڑکوں پر نہ رلتی پھرے۔

□ فوجی ٹریننگ:

اسلامی معاشرہ کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کے لئے فوجی ٹریننگ کا بندوبست کرے تاکہ ضرورت پڑنے پر خواتین اپنے تحفظ کا خود بندوبست کر سکیں' کالجوں میں طالبات کا اس وقت این۔ سی۔ سی کا ایک نظام ہے اس کے تحت ① تمام طالبات کے لئے فوجی ٹریننگ لازمی کر دی جائے ۔ ② یہ ٹریننگ دینے والا عملہ خواتین پر مشتمل ہونا چاہیے۔ یہ فوجی ٹریننگ (این۔ سی۔ سی) کا سلسلہ مدت سے شروع ہے' اب تک کتنی خواتین تربیت یافتہ ہو چکی ہیں۔ انہی تربیت یافتہ خواتین کو طالبات کی ٹریننگ کے لئے تیار کیا جائے یا پھر فوجی حضرات اپنی بیویوں' بیٹیوں' بہنوں کو خود ٹریننگ دیں۔ پھر وہ آگے خواتین کے لئے اس ٹریننگ کا بندوبست کریں۔

□ خواتین کے لئے عدالتی چارہ جوئی کا حق:

بلاشبہ اسلام عورت کو بہت سے حقوق دیتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے سے وہ اپنے ان حقوق کا شعور بھی حاصل کرے۔ پھر بھی عملاً مرد ان کو بہت سے حقوق سے محروم رکھتے ہیں۔ آجکل عدالتی نظام

بھی اس طرح کا ہے کہ عام عورت کے لئے اپنے مظالم کے سلسلے میں عدالت تک پہنچنا مشکل مرحلہ ہے۔ اگر کسی طرح پہنچ بھی جائیں تو وہاں ایسے دیوانی مقدمے دس دس سال تک لٹکتے رہتے ہیں۔ مقدمہ کرنے والے بسا اوقات قبروں میں پہنچ جاتے ہیں مگر مقدموں کے فیصلے ہونے میں نہیں آتے' ضرورت ہے کہ خواتین کی جائز دادرسی کی جائے۔ عدل و انصاف کے حصول کا نظام آسان اور سادہ بنایا جائے تاکہ خواتین اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے عدالتی کارروائی میں دقت محسوس نہ کریں۔ سستا اور فوری انصاف مہیا کیا جائے' نیز عائلی مقدمات کی کارروائی بند کمرے میں ہونی چاہئے تاکہ عوام میں برائی کی تشہیر نہ ہو۔

❑ **اشتہارات پر کنٹرول:** ضروری ہے کہ حکومت ان تمام اشتہارات پر پابندی عائد کردے جن میں عورت کو ذریعہ تشہیر بنایا گیا ہو۔ اشتہارات اور پبلسٹی پر جو رقم لگائی جاتی ہے' وہ پرائس کنٹرول پر لگادی جائے۔ نیز ماڈلنگ اور شوبز جیسے منافی اسلام پروگرام' فحاشی و عریانی پر مبنی فلمیں اور آڈیو ویڈیو کیسٹیں بند کی جائیں۔ میک اپ کے سامان کی درآمد بند کردی جائے اور ان کے مضر اثرات سے خواتین کو آگاہ کیا جائے۔ اسی طرح خاندانی منصوبہ بندی میں وہ تمام دوائیں جنکے اثرات ماؤں اور بچوں پر پڑتے ہیں اور جن کا استعمال دوسرے ملکوں میں ممنوع ہے' پاکستان میں ان کی درآمد پر پابندی لگائی جائے۔

❑ **خواتین تنظیموں کا کردار:** خواتین کی فلاحی تنظیموں کو بھی مردوں سے مسابقت اور محاذ آرائی کی پالیسی کو ترک کرکے اپنی توانائیاں خواتین میں مثبت اور تعمیری کاموں کے فروغ کے لئے صرف کرنی چاہئیں۔ انہیں مرد کا "رفیق" اور معاون و مددگار سمجھتے ہوئے صرف کریں' عورت کا نسوانی تشخص ہر حال میں بحال رہے۔ عورت کو مرد بنانے کی غیر فطری روش میں نہ تو ان کا اپنا بھلا ہے اور نہ معاشرے کا۔۔۔ ("عورت کی نفسیات" صفحہ 173' از: ایم۔ اے ملک)

معاشرے کا کردار

"کفالت' نان نفقہ' وراثت' والدین اور شوہر کی جائیداد میں حصہ' اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے سودمند ذرائع معاش کا حصول' اپنی کمائی میں مکمل تصرف' حق ملکیت جس سے خاندان اور معاشرے میں عورت کو معاشی تحفظ حاصل ہو سکے' اسے فیاضانہ طور پر ملنے چاہئیں۔ تاہم خاندان کی کفالت اور کسب معاش اصولی طور پر مرد ہی کی ذمہ داری ہو۔" (ایضاً)

ہمیں خاندان کے قلعے کو بھی مضبوط بنانا ہوگا' جس میں بنیادی کردار ماں کا ہے جس کی گود میں مستقبل کی نسل پروان چڑھ رہی ہے۔

عورت کے معاشی استحکام کی بحالی کے لئے شوہر کی طرف سے حسب حیثیت حق مہر کی فوری ادائیگی کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شوہر کو حق مہر کی فوری ادائیگی

پر مجبور کرے' اسی طرح شوہر' باپ' بھائی' بیٹے کی وراثت میں سے عورت کو حصہ دلا کر اس کا کھویا ہوا وقار بحال کیا جائے۔

غرض ہمارے استاد' علماء' صحافی' سیاستدان اور دیگر سب لوگ مل کر یہ تحریک برپا کریں کہ عورت کو وہ مقام اور حقوق دے دیئے جائیں جو اسلام کی رو سے اس کا حق ہیں۔ اگر عورت کو وہی حقوق دے دیئے جائیں' تو اس کا کھویا ہوا وقار اور شرف بحال ہو جائے گا۔ مساوات مرد و زن کا مغربی نظریہ ایک دھوکہ ہے' فریب ہے' جو عورت کے حق میں زہر قاتل ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا دیا ہوا نظام نہ صرف مسلمان خواتین کے لئے بلکہ دنیا بھر کی غیر مسلم خواتین کے لئے اپنے اندر بہت دلکشی اور جاذبیت رکھتا ہے۔ جو لوگ واقعی قوم کو ترقی پذیر اور خوشحال بنانا چاہتے ہیں' وہ خالص معاشی نقطہ نظر سے بھی جتنا غور کریں گے اس نظام کو اپنے حق میں مفید اور معاون پائیں گے۔ آئندہ باب میں نو مسلم خواتین کے دیئے گئے تاثرات اس زندہ جاوید حقیقت کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ البتہ اس نظام سے پریشانی صرف ان چند خواتین کو لاحق ہو سکتی ہے' جو آوارہ مزاج اور اوباش فطرت ہیں' اپنی فطرت مسخ کر کے مغرب کی نقالی کرتی ہیں اور مساوات کے تصور میں مگن مخلوط روزگار کو چند روزہ زندگی گزارنے کا پر لطف ذریعہ سمجھتی ہیں۔

میں یقین و ایمان کے ساتھ دعویٰ کرتی ہوں کہ اگر مسلمان ممالک عورت کو دیئے گئے اسلامی حقوق کو صحیح صورت میں اپنے ہاں رائج کر لیں تو اللہ کی رحمت و برکت کے دروازے کھل جائیں گے اور خوشحالی و ترقی مسلمان ملت کا مقدر بن جائے گی' ان شاء اللہ العزیز!

ہمیں اپنا یوسف گم گشتہ تلاش کرنے اور اپنانے میں کسی کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہئے' اللہ فرماتا ہے: **وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ** "جن لوگوں نے ہماری جستجو میں کوشش کی' بے شک ہم ان کو اپنی راہیں دکھائیں گے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔" (العنکبوت:69)

21

تذکرہ چند اولوالعزم باکمال خواتین

* حضرت ام خلادؓ انصاریہ ستر و حجاب کی پاسداری میں
* حضرت سبیعہ غامدیہؓ
* شوہر کی اطاعت و وفاداری
* حضرت ام دحداحؓ
* فاطمہ بنت عبد الملک
* نبی کریم ﷺ سے الفت و محبت
* والدین کی فرمانبرداری
* صبر و رضا

* مہمان نوازی
* اللہ و رسول ؐ کے آگے سر تسلیم خم ہے
* بچے کی اعلیٰ تربیت
* حضرت ام عمارہؓ —— ام ربیعۃ الرائے
* حضرت امام شافعی کی والدہ
* دین پر ثابت قدمی و عزیمت
* حضرت فاطمہؓ بنت خطاب
* حضرت سمیہؓ بنت خباط
* حضرت خنساءؓ
* ایک افغانی گورنر کی مثال

تذکرہ چند اولوالعزم باکمال خواتین کا

اسلام کے سایہ عاطفت میں پناہ لینے کے بعد خواتین کی دنیا یکسر بدل گئی تھی' ان میں قلب و نظر کی پاکیزگی و طہارت پیدا ہوئی تو دوسری طرف حسن عمل' رفعت کردار اور عصمت و عفت کے گوہر آبدار کے تحفظ کے بے مثال کارنامے وجود میں آئے۔ صحابیات رضوان اللہ علیہن طبقہ نسواں کے وہ گل سر سبد ہیں' جن پر انسانی تاریخ تا قیامت نازاں و فرحاں رہے گی۔ تاریخ ان صحابیات ؓ کی حقیقتاً نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

ایک طرف تو باکمال خواتین کے وہ نمونے ہیں جنہوں نے وحی و نبوت سے کسب فیض کر کے ایک عالم کو فیض پہنچایا' دوسری طرف وہ "کارنامہ" ہے جو دور جدید میں "آوارگی نسوانی" کی تحریک برپا کرنے والی خواتین کا ہے۔ انہوں نے اپنی عورت بگاڑ طوفانی مہم سے زن کو "نازن" بنا کر رکھ دیا' عورت تمام مردو جود میں آنے لگے اور گھر ویرانوں میں تبدیل ہونے لگے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اس مختصر ترین تذکرے میں امہات المومنین ؓ اور بنات طاہرات (یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں) کو شامل نہیں کیا گیا۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ صفحہ دھر پر ان عفت ماب باکردار خواتین کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔ یہاں عام خواتین کا ذکر ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عام خواتین کی دنیا بھی کس طرح بدل گئی تھی۔ ان کے خیالات و اعتقادات' اخلاق و کردار' عزم و یقین' صدق و صفا اور شرم و حیاء کی کیفیت کس طرح یکدم اوج کمال تک پہنچ گئی!

ستر و حجاب کی پاسداری کی مثال

❑ (1) **حضرت ام خلاد انصاریہ ؓ:** ان کو خبر ملی کہ ان کا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ یہ خبر سن کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ اس جانگاہ حادثہ کی خبر پا کر بھی وہ سمٹی سمٹائی باپردہ حاضر ہوئی تھیں۔ حاضرین میں سے کسی نے بے

ساختہ کہا: "تعجب کی بات ہے! بیٹا شہید ہو گیا ہے مگر تم ایسی ہوشربا خبر سننے کے باوجود چہرے پر نقاب ڈال کر باپردہ حاضر ہوئی ہو!" تو ام خلادؓ نے اطمینان و سکون سے جواب دیا: "اگر میں نے اپنا بیٹا کھو دیا ہے تو کیا اب شرم و حیاء بھی کھو دوں؟"

خدا خوفی

☐ (2) **حضرت سبیعہ غامدیہؓ:** واللہ! کیا ایمان افروز تذکرہ ہے اس خوف خدا رکھنے والی خاتون کا! قبیلہ بنو غامد کی ایک شریف زادی حضرت سبیعہؓ سے ایک بار زنا کی لغزش سرزد ہو گئی۔ اگرچہ کسی کو پتہ نہیں چلا مگر ان کا اپنا احساس معصیت ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔ بالآخر وہ بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ! مجھے پاک کر دیجئے، مجھ سے معصیت کا ارتکاب ہو گیا ہے۔" نبی پاکؐ نے گواہ طلب کئے تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! اس وقت اللہ کے سوا کوئی اور دیکھنے والا نہ تھا۔ اس پر ارشاد ہوا: "واپس جاؤ! اللہ سے توبہ استغفار کرو۔ شاید وہ تمہیں معاف کر دے۔"

اس دن تو حضرت سبیعہؓ واپس لوٹ آئیں۔ مگر اللہ کی نافرمانی کا احساس اتنا شدید تھا کہ دوسرے دن پھر بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں: "یا رسولؐ اللہ! مجھے پاک کیجئے۔ میں بدکاری کے نتیجے میں حاملہ ہوں۔ کیا آپؐ مجھے بھی اسی طرح واپس لوٹانا چاہتے ہیں جس طرح ماعز بن مالک اسلمی کو (بغیر سزا دئے) لوٹا دیا تھا۔"

آپؐ نے فرمایا: "واپس جاؤ----" اور وہ چلی گئیں۔

مگر تیسری دفعہ پھر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں: "یا رسولؐ اللہ! مجھ پر حد جاری کیجئے تاکہ میں پاک ہو جاؤں۔" حضورؐ نے فرمایا: "واپس جاؤ اور بچہ پیدا ہونے کا انتظار کرو۔"

وہ خاتون واپس چلی گئیں۔ جب بچہ پیدا ہوا تو پھر بچہ کو گود میں لے کر نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور نبی کریمؐ سے درخواست کی کہ اب مجھ پر حد جاری کیجئے۔ مجھے گناہ سے پاک کیجئے۔ نبی پاکؐ نے فرمایا: "اس بچہ کو جا کر دودھ پلاؤ۔ جب اس کی مدت رضاعت ختم ہو جائے گی تب آنا۔" وہ واپس چلی گئیں۔ جب بچہ روٹی کھانے کے قابل ہو گیا تو روٹی کا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ میں پکڑائے ہوئے نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں: "یا رسولؐ اللہ! اب تو روٹی کھانے لگ گیا ہے۔ اب مجھ پر حد جاری کیجئے۔" اس پر حضورؐ نے سبیعہؓ پر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، اور اس کو سنگسار کر دیا گیا۔

جب اس کو پتھر مارے جا رہے تھے تو خون کی چھینٹیں اڑ کر حضرت خالدؓ بن ولید کے چہرے پر پڑیں اور

ان کے منہ سے حضرت ہیبہ ؓ کے لئے کوئی نازیبا کلمہ نکل گیا۔

تو نبی پاک ؐ نے فرمایا: "خالد! زبان کو قابو کرو! خدا کی قسم! اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ ظلم وجور سے محصول چنگی وصول کرنے والا بھی اگر ایسی توبہ کرے تو بخشا جائے۔"

بعد میں آپ ؐ نے اس خاتون کی نماز جنازہ پڑھائی اور ساتھ ارشاد فرمایا: "اس خاتون نے تو راہ خدا میں جان قربان کی ہے۔ محض خوف خدا سے خود آ کر اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور اپنی جان قربان کر دی۔"

(3) شوہر کی اطاعت و وفاداری:

1- ام الدحداح ؓ مشہور صحابی حضرت ثابت بن الدحداح انصاری ؓ کی اہلیہ تھیں۔ حضرت ام الدحداح انصاری اپنے شوہر کی اطاعت میں بے مثال تھیں۔ جب سورۃ الحدید کی یہ آیت "تم میں سے کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے؟ تو اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے گا اور اس کے لئے بہترین اجر ہے" نازل ہوئی تو حضرت ثابت (ان کی کنیت ابو الدحداح تھی) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "یا رسول ؐ اللہ! کیا اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ تو پھر میں اپنا باغ اللہ کو قرض دیتا ہوں۔"

اس طرح حضرت ابو الدحداح نے یہ باغ راہ حق میں صدقہ کر دیا۔ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے۔ اسی میں ان کا گھر تھا' جس میں ان کے بیوی بچے رہتے تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کر کے سیدھے اپنے گھر پہنچے اور باہر ہی سے اہلیہ کو پکار کر کہا: "اے ام الدحداح! باہر آ جاؤ' میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔"

حضرت ام الدحداح بولیں: "اے ابو الدحداح! تم نے تو بہت نفع والا سودا کیا ہے۔" یہ کہہ کر اپنا سامان اور بچے لیکر گھر سے باہر آ گئیں۔

اللہ اکبر! شوہر سے یہ نہیں پوچھا کہ تم نے ہمارا کیا بندوبست کیا؟ پہلے ہمیں کسی اور گھر میں بٹھا دیتے' پھر یہ راہ خدا میں دیتے۔ بلکہ ان کو مبارک دے رہی ہیں کہ تم نے بہت ہی فائدہ والا سودا کیا ہے۔ یہ ہے رب کی رضاجوئی' رسول ؐ کی محبت اور شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کی بہترین مثال!

(2) فاطمہ بنت عبدالملک کا کردار بھی شوہر کی اطاعت اور وفاداری میں بے مثال ہے۔ وہ پہلی صدی ہجری کی نہایت معزز اور بلند کردار خواتین میں سے تھیں' چار اموی خلفاء کی بہن' ایک اموی خلیفہ عبدالملک کی بیٹی اور ایک اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اہلیہ تھیں' گویا بنی امیہ کے چھ خلفاء کے ساتھ ان کا براہ راست تعلق تھا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کتنے ناز و نعم میں پرورش پائی ہو گی۔ ان کے شوہر حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی بڑے نفاست پسند اور شاہ خرچ واقع ہوئے تھے۔

اچھی سے اچھی غذا کھاتے' بہترین لباس پہنتے' خوشبو و عطر کا بکثرت استعمال کرتے اور بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے۔ مگر 99 ہجری میں جب اموی خلافت کا بوجھ ان کے کندھوں پر آن پڑا' تو اسلامی مملکت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی یکدم ان کے اندر انقلاب آگیا۔ انہوں نے تمام شاہی طور طریقے یکسر ختم کر دیئے اور حضرت عمرفاروق ؓ کی طرح درویشی و سادگی اختیار کی۔ خلیفہ بنتے ہی تمام جاگیریں اصل مالکوں اور حقداروں کو واپس کر دیں اور اپنی اہلیہ یعنی فاطمہ بنت عبدالملک کو (جنکے پاس اپنے باپ اور بھائیوں کا دیا ہوا بہت سازیور اور مال اسباب تھا) حکم دیا کہ یا تو تم سارا زیور اور مال اسباب شاہی بیت المال میں جمع کروا دو یا پھر مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بیوی نے اطاعت شعاری اور وفاداری کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ انہوں نے باپ کا دیا ہوا بیش قیمت ہیرا اور بھائیوں کے دیئے ہوئے تمام مال اسباب فوراً بیت المال میں جمع کروا دیئے اور اپنے درویش صفت شوہر کی رفاقت کو ترجیح دی۔ ان کی بقیہ ساری زندگی عسرت اور فقروفاقہ سے گزری مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں۔ گھر کا سارا کام کاج خود کرتی تھیں' بچے بھی اسی تنگی ترشی میں گزر بسر کرتے۔ ان کو بھی ہر وقت صبرو قناعت اور سیر چشمی کی تلقین کرتی رہتیں۔ شوہر کی وفات 101ھ میں ہوئی۔ بی بی فاطمہ ان کے بعد بھی کافی دیر زندہ رہیں۔ مگر تکلف والی زندگی دوبارہ مرتے دم تک اختیار نہ کی' اور اسی سادگی و درویشی کو عمر بھر نبھایا۔ شاہی خاندان کے افراد بارہا ان کو ترغیب دیتے' مگر انہوں نے اپنے شوہر کی سکھائی ہوئی روش عمر بھر نہ بدلی۔

(4) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت و محبت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تو ہر مومن صادق کا حاصل زندگی ہے۔ صحابہ کرام ؓ نے آپ کی محبت کی لازوال نظیریں اور مثالیں پیش کیں' صحابیات ؓ نے بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے لازوال نمونے چھوڑے۔ انہی میں سے ایک اعلیٰ نمونہ حضرت ہند ؓ بنت عمرو بن حرام کا ہے۔ اس انصاری خاتون نے جنگ احد کے موقع پر حب رسول ؐ کا ناقابل فراموش مظاہرہ کیا۔ اس جنگ میں اس بہادر خاتون کے شوہر' بھائی اور بیٹا تینوں نے مردانہ وار لڑ کر مرتبہ شہادت حاصل کیا۔ حضرت ہند ؓ نے جب باری باری شوہر' بھائی اور فرزند کے شہید ہونے کی خبر سنی تو بجائے پریشانی اور غم کے اظہار کے سوال کیا: "مجھے صرف یہ بتا دو کہ رسول ؐ خدا کیسے ہیں؟ نصیب دشمناں' ان کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔" جب ان کو اطلاع ملی کہ نبی پاک ؐ بخیریت ہیں تو ان کو قرار آگیا۔ میدان جنگ میں جا کر خود روئے انور ؐ کی زیارت کر لی' تو بے اختیار زبان سے ایک جملہ نکلا اور وہ تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گیا۔ انہوں نے عرض کیا:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدكَ جَلَلٌ "اگر آپ سلامت ہیں تو پھر سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔" مولانا شبلی نعمانی نے اس واقعہ کو اس طرح شعر کا جامہ پہنایا ہے:

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہ دیں! تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(5) والدین کی فرمانبرداری:

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن تھیں۔ ان کی والدہ قتیلہ شرف اسلام سے بہرہ یاب نہ ہوئی تھی۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہجرت سے قبل ان کو طلاق دے دی تھی۔ وہ ایک دفعہ حضرت اسماءؓ کے لئے کچھ تحفے تحائف لیکر مدینہ میں بیٹی سے ملنے آئیں۔ حضرت اسماءؓ کی دینی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ مشرک ماں کے تحفے قبول کریں یا انہیں اپنے مکان میں ٹھہرائیں۔ چنانچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس موقع پر میرے لئے کیا حکم ہے؟ نبی پاکؐ نے فرمایا کہ ان کے تحائف قبول کرلو اور ان کو اپنے گھر میں مہمان رکھو۔ حضورؐ سے اجازت ملنے پر انہوں نے والدہ کو اپنے مکان میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور ان کے تحائف قبول کر لئے۔ پھر والدہ نے حضرت اسماءؓ سے ضرورت پڑنے پر کچھ رقم بھی ادھار مانگی۔ حضرت اسماءؓ ان کی مدد کرنا چاہتی تھیں۔ مگر ان کے شرک کی وجہ سے کچھ سوچنے لگیں۔ بالآخر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

"یا رسولؐ اللہ! میری والدہ مشرک ہیں۔ وہ مجھ سے کچھ رقم مانگتی ہیں۔ کیا میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں! اللہ تعالیٰ صلہ رحمی سے نہیں روکتا۔"

چنانچہ انہوں نے ضرورت کے مطابق اپنی مشرک والدہ کو ادھار دے دیا۔ اور ان سے حسن سلوک بھی فرمایا۔

(6) صبر و رضا:

1- ایک صحابیہ حضرت ام عطیہ انصاریؓ مدینے میں رہتی تھیں۔ خلافت راشدہ کے دور میں ان کے ایک فرزند جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اتفاق سے میدان جنگ میں سخت بیمار ہو گئے۔ جوں توں کر کے بصرہ پہنچے تاکہ وہاں ان کا علاج معالجہ ہو سکے۔ والدہ کو بیٹے کی بیماری کی خبر ملی تو وہ مدینہ سے بصرہ کو روانہ ہوئیں۔ مگر وہ ابھی راستے میں ہی تھیں کہ بیٹا اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔ بصرہ پہنچنے پر جب ماں کو علم ہوا کہ بیٹا تو دو دن قبل ہی خالق حقیقی سے جا ملا ہے تو شدت الم سے نڈھال ہو گئیں اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گئیں۔ نہ بین، نہ واویلا اور نہ رونا دھونا۔ جب تیسرا دن ہوا تو خوشبو منگوا کر اپنے ہاتھوں پر لگائی اور فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ شوہر کے علاوہ کسی کی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کیا جائے۔" مجھے اس وقت خوشبو استعمال کرنے کی حاجت تو نہ تھی۔ مگر یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میں نے جوان سال بیٹے کا سوگ

حسب حکم رسول ؐ ختم کر دیا ہے۔"

(2) صبر و رضا کی ایک بہترین مثال ایک اور جلیل القدر صحابیہ حضرت ام سلیم ؓ کی ہے۔ ان کے ننھے بیٹے ابو عمیر تین چار سال کے تھے۔ انہوں نے کم سنی ہی میں وفات پائی۔ تو حضرت ام سلیم ؓ نے اپنے لاڈلے بچے کی رحلت پر کمال صبر و استقلال سے کام لیا۔ خاموشی سے اس کی میت کو غسل دے کر کفنایا اور پھر ایک طرف رکھ دیا۔ اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو منع کر دیا کہ ان کے شوہر ابو طلحہ ؓ کو ننھے بیٹے ابو عمیر کی موت کی خبر نہ دیں۔ رات کو حضرت ابو طلحہ ؓ گھر آئے۔ ام سلیم ؓ نے انہیں کھانا کھلایا۔ جب وہ اطمینان سے بستر پر لیٹے تو ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"اگر کوئی چیز آپ کو مستعار دی جائے اور پھر کچھ دیر بعد واپس لے لی جائے تو اس کا واپس لیا جانا کیا آپ کو ناگوار تو نہ گزرے گا؟" حضرت ابو طلحہ ؓ نے جواب دیا: "ہرگز نہیں" بولیں: "پھر تمہارا لاڈلا بیٹا بھی اللہ کی امانت تھی۔ جو اس نے واپس لے لی۔ تمہیں اب اس کی طرف سے صبر کرنا چاہئے۔" ابو طلحہ ؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان سے کہا: "تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا؟" بولیں: "تاکہ تم اطمینان سے کھانا کھالو۔"

صبح اٹھ کر ابو طلحہ ؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ نبی پاک ؐ نے بھی ان کے تسلیم و رضا کے شیوہ پر ان کی تعریف فرمائی اور دعا دی: "اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو ابو عمیر کا نعم البدل عطا فرمائے۔" اس کے بعد اللہ نے ان کو ایک اور فرزند عطا فرمایا، جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ عبداللہ نے طویل عمر پائی اور ان کی پرورش و تربیت بھی حضور ؐ ہی کے سایہ رحمت میں ہوئی تھی۔

(7) مہمان نوازی: یہی حضرت ام سلیم ؓ مہمان نوازی میں بھی بے مثال اور لاجواب تھیں۔ ایک دفعہ ان کے شوہر حضرت ابو طلحہ ؓ اپنے ساتھ ایک مہمان لائے اور اپنی اہلیہ ام سلیم ؓ سے پوچھا: "کیا گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا: "بچوں کے لئے تھوڑا سا کھانا موجود ہے بس اور کچھ نہیں۔" حضرت ابو طلحہ ؓ نے کہا: "کوئی بات نہیں، بچوں کو کسی طرح بہلا پھسلا کر سلا دو۔ جب وہ سو جائیں تو ہم وہ کھانا مہمان کے آگے رکھ دیں گے۔ تم کسی بہانے سے چراغ گل کر دینا۔ اندھیرے میں مہمان کھالے گا اور ہم یوں ہی منہ چلاتے رہیں گے۔" غرض اس طرح دونوں میاں بیوی نے مہمان کو کھانا کھلا دیا۔ بچوں نے اور خود ان دونوں نے رات فاقے سے گزار دی۔ صبح جب ابو طلحہ ؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ آیت جاری تھی:

"وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" "وہ لوگ دوسروں کو ترجیح

دیتے ہیں، اگرچہ خود ان پر تنگی کیوں نہ ہو۔" (سورۃ حشر)
پھر آپ ؐ نے حضرت ابو طلحہ ؓ سے فرمایا: "رات کو مہمان کے ساتھ تم دونوں کا برتاؤ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔"

☐ (8) اللہ و رسول ؐ کے فرمان کے آگے سر تسلیم خم ہے:

1- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت سعد الاسود سہمی، ظاہری حسن و جمال سے محروم تھے۔ اس لئے کوئی ان کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے پر راضی نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنا مسئلہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا۔ تو نبی پاک ؐ نے فرمایا: "تم اسی وقت عمرو بن وھب ثقفی کے گھر جاؤ اور سلام کے بعد کہو کہ رسول اللہ ؐ نے آپ کی بیٹی کا رشتہ میرے ساتھ کر دیا ہے۔" حضرت سعد عمرو بن وھب ثقفی کے گھر پہنچے اور انہیں حضور ؐ کے فرمان سے آگاہ کیا۔

انہیں سعد کی بات پر اعتبار نہ آیا اور انہوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کی صاحبزادی نے باپ کا جواب سنا تو لپک کر دروازے پر آئیں اور حضرت سعد ؓ سے مخاطب ہو کر کہا:
"اے اللہ کے بندے! اگر واقعی رسول ؐ خدا نے تمہیں بھیجا ہے تو میں بخوشی تیرے ساتھ شادی کے لئے تیار ہوں۔"

حضرت سعد ؓ نے واپس جا کر ساری بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی۔ تو آپ ؐ نے لڑکی کو دعائے خیر دی۔ ادھر لڑکی نے بھی اپنے باپ کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ وہ بارگاہ نبوی ؐ میں حاضر ہو کر معافی کے طالب ہوئے۔ اس طرح نبی پاک ؐ نے بنت عمرو کا نکاح حضرت سعد ؓ سے کر دیا۔ حضرت سعد ؓ اپنی بیوی کو ابھی رخصت کروا کر بھی نہ لائے تھے کہ ایک غزوہ میں شہید ہو گئے اور حضور ؐ نے ان کا ترکہ بنت عمرو بن وھب کو دلایا۔ اس طرح انہیں شہید کی بیوہ ہونے کا اعزاز حاصل ہو گیا۔ تسلیم و رضا کی یہ لازوال مثال! اللہ اکبر!

(2) اسی طرح ایک اور صحابی حضرت جلیبب انصاری ؓ بھی ظاہری حسن و جمال سے محروم تھے۔ قد بھی چھوٹا تھا۔ کوئی ان کو رشتہ دینے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔ آخر حضور ؐ نے انصار کے ایک خاندان میں ان کی نسبت ٹھہرائی۔ لڑکی کے والدین نے رشتہ دینے میں پس و پیش کرنا چاہی تو خود سعادتمند لڑکی نے ان کے سامنے اللہ کا یہ حکم پیش کیا کہ "جب اللہ و رسول ؐ کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مسلمان کو اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔" جو رسول ؐ اللہ کی مرضی ہے وہ میری بھی مرضی ہے۔ میں جلیبب ؓ سے شادی کرنے پر آمادہ ہوں۔" رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو بے حد خوش ہوئے اور دعا فرمائی: "الٰہی! اس بچی پر خیر کا دریا بہا دے اور اس کی زندگی تلخ نہ کر۔" پھر آپ ؐ نے اس کا نکاح

جلیبؓ سے کر دیا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ حضرت جلیبؓ اور ان کی اہلیہ کی خانگی زندگی بہت بابرکت ثابت ہوئی۔ اللہ نے ان کو بہت خوشحالی عطا فرمائی تھی اور تمام انصار میں کوئی عورت بھی اہلیہ جلیبؓ سے بڑھ کر آسودہ حال اور شاہ خرچ نہ تھی۔

(9) بچے کی اعلیٰ تربیت:

1- جنگ احد میں جب گھمسان کا رن پڑا اور رسول اکرم ﷺ کے پاس صرف گنتی کے چند سرفروش باقی رہ گئے' اس وقت حضرت ام عمارہؓ نے تلوار اور ڈھال سنبھال لی اور حضورؐ کے پاس پہنچ کر کفار کے سامنے سینہ سپر ہو گئیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی یورش کو بار بار اپنے نیزے اور تلوار پر روکتیں۔ حضرت ام عمارہؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ بھی اس وقت اپنی والدہ کے ہمراہ کفار کا بھرپور مقابلہ کر رہے تھے۔ اچانک ایک مشرک تیزی سے آیا اور حضرت عبداللہؓ کا بازو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ حضرت ام عمارہؓ نے اپنے ہاتھ سے بیٹے عبداللہؓ کا زخم باندھا اور فرمایا: "بیٹے! جاؤ اور جب تک دم میں دم ہے ان سے لڑو' یہ آرام کا وقت نہیں بلکہ جہاد کا وقت ہے" اور پھر ان کے ہاتھ میں تلوار پکڑا دی۔ کوئی اور ماں ہوتی تو وہ کہتی کہ بیٹا! جا کر آرام کرو۔ مگر یہ ام عمارہؓ تھیں جو خود بھی بڑی بہادری سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے والا ہر وار روک رہی تھیں۔ اس دن ام عمارہؓ کے جسم پر بارہ زخم لگے تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ان کی جاں سپاری اور سرفروشی کی تعریف فرمائی: "جنگ احد کے دن دائیں بائیں جدھر نظر ڈالتا تھا ام عمارہ ہی ام عمارہ لڑتی نظر آتی تھیں۔"

2- ام ربیعۃ الرائیؒ:

حضرت ربیعۃ الرائیؒ (م 136ھ) مدینہ کے ایک مشہور عالم اور امام مالک کے قابل فخر استاد تھے۔ ام ربیعہ اسی عالم اَجَل کی والدہ تھیں۔ ان کی شادی مدینہ کے ایک صالح نوجوان ابو عبدالرحمان فروخ سے ہوئی تھی۔ امام ربیعہ ابھی شکم مادر میں ہی تھے کہ ان کے والد فروخ کو خراسان کی مہم پر جہاد کے لئے جانا پڑا۔ جاتے وقت وہ اپنی بیوی کو تیس ہزار اشرفیاں خرچ کے لئے دیتے گئے۔ علاوہ ازیں ہونے والے بچے کی پرورش عمدہ طریقے سے کرنے کی تلقین کی۔ باپ کے جانے کے پانچ ماہ بعد ربیعہ پیدا ہوئے۔

ام ربیعہ بہت نیک اور دین دار خاتون تھیں۔ انہوں نے خود تنگی ترشی سے گزارہ کر کے ساری رقم اپنے بیٹے ربیعہ کی تعلیم پر خرچ کر دی اور ان کی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ سے اعلیٰ بندوبست کیا۔ حضرت ربیعہ بھی بے حد محنتی اور ذہین تھے۔ چنانچہ انہوں نے چھوٹی عمر میں ہی قرآن حفظ کیا' پھر حدیث' فقہ' ادب اور دوسرے تمام علوم پر عبور حاصل کر لیا۔ بیس بائیس برس کی عمر میں اپنے وقت کے امام تسلیم کئے گئے اور بڑے بڑے اہل کمال مسجد نبویؐ میں ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان کے حلقہ درس میں شامل ہونے لگے۔

پورے 27 برس کے بعد فروخ کو جہاد سے فرصت ملی تو سیدھا وطن کا رخ کیا۔ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ کر نیزے کی انی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ امام ربیعہ دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ باپ بیٹا دونوں ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ فروخ بے تکلفی سے اندر جانے لگے تو امام ربیعہ نے انہیں ٹوکا' بات بڑھ گئی۔ دونوں کی آواز بلند ہونے لگی تو اندر سے فروخ کی اہلیہ نے اپنے شوہر کی آواز پہچان لی۔ سیدھی دروازے پر پہنچیں' دونوں کو اندر بلا بھیجا اور دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف کروایا۔

فروخ گھر میں بیٹے دنوں کے حالات پوچھتے رہے خصوصاً اپنی دی ہوئی رقم کے بارے میں پوچھا کہ اس کو کہاں خرچ کیا؟ بیوی نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں۔ وہ سب اشرفیاں محفوظ ہیں۔ آپ پہلے مسجد نبوی ؐ میں نماز پڑھ آئیں پھر میں آپ کو بتاؤں گی۔

حضرت فروخ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں گئے۔ نماز کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک مجلس میں بڑے بڑے علماء جمع ہیں۔ ان کے درمیان مسند درس پر ان کے بیٹے ربیعہ تشریف فرما ہیں۔ وہ سب کو درس دے رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فروخ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ خوشی سے آنسو چھلک پڑے۔ دوڑے دوڑے گھر آئے اور کہنے لگے: "آج میں نے اپنے بیٹے کی جو عزت اور شان دیکھی ہے اس سے پہلے کسی بڑے سے بڑے آدمی کی بھی نہیں دیکھی تھی۔" اور پھر دیر تک اللہ کا شکر ادا کرتے رہے۔ نیک دل والدہ بھی اللہ کا شکر ادا کرتی رہیں اور پھر شوہر سے کہنے لگیں: "تمیں ہزار اشرفیاں زیادہ عزیز ہیں یا ایسا انمول بیٹا؟ میں نے وہ ساری اشرفیاں اس کی تعلیم و تربیت پر خرچ کر دی ہیں۔"

فروخ نے بے ساختہ جواب دیا: "خدا کی قسم! ان اشرفیوں کا اس سے بہتر کوئی استعمال نہ ہو سکتا تھا۔ تم نے بہت خوب کیا۔ ان اشرفیوں کو بیٹے کی تعلیم پر لگا کر اسے ایک ایسے خزانے کا مالک بنا دیا' جس کو کبھی زوال نہیں۔"

امام ربیعہ کا علم و فضل میں اتنا بلند مقام تھا کہ بڑے اجل علماء و فقہاء بلکہ سربراہان حکومت بھی ان کے سامنے عقیدت سے سر جھکاتے تھے اور یہ سارا مرتبہ ان کو اپنی دور اندیش اور علم دوست والدہ کی بدولت نصیب ہوا تھا۔ جنہوں نے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کے لئے مال دولت غرض ہر چیز نچھاور کر دی تھی۔

❑ 3- امام شافعیؒ کی والدہ:

امام شافعی مکہ کے رہنے والے ایک مشہور عالم تھے۔ قرآن' حدیث' فقہ اور شعر و ادب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ ان کا اصل نام محمد بن ادریس تھا' قریش کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ باپ کا انتقال ہو چکا تھا' گھر میں ان کی والدہ اور وہ دو افراد ہی تو تھے۔ امام شافعی کی ابتدائی زندگی بہت محنت و مشقت سے گزری' علم کا شوق بچپن سے

تھا' چھوٹی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ مکہ میں جتنا علم حدیث حاصل کر سکتے تھے' وہ بھی حاصل کر لیا پھر تیرہ چودہ سال کی عمر میں ماں سے حصول علم کے لئے سفر پر جانے کی اجازت مانگی۔ والدہ نے بڑی خوشی سے اجازت دے دی۔ دو پرانی یمنی چادریں گھر میں تھیں۔ وہی بیٹے کو دیتے ہوئے کہا: "جا! میں نے تجھے اس خدا کے سپرد کیا جس کی تو امانت ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ تجھے ضائع نہیں کرے گا اور غیب سے تیری تمام مالی و دیگر ضرورتیں پوری فرمائے گا۔ خدا تجھے آسمان علم پر سورج بنا کر چمکائے۔" امام شافعی ماں سے رخصت ہو کر مدینہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آٹھ نو ماہ ان کی خدمت میں رہ کر ان سے علم حاصل کیا' پھر کوفہ میں امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں بھی کافی مدت رہ کر امام محمد سے علم دین حاصل کر لیا۔

تین سال بغداد میں بھی گزارے۔ پھر دوبارہ امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام مالک کے پاس اس وقت اللہ کا دیا بہت کچھ تھا۔ انہوں نے اپنے ہونہار شاگرد امام شافعی کو بہت سا مال اسباب دے دیا۔ اب امام شافعی اپنی بوڑھی والدہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ اب تک وہ علم و فضل کے بے شمار خزانے حاصل کر چکے تھے۔ امام مالک نے امام شافعی کی مکہ روانگی کی تیاری کروا دی اور بے شمار مال و اسباب دے کر ان کو روانہ کیا۔

نیک دل والدہ کو اپنے بیٹے محمد بن ادریس (امام شافعی) جو اب ایک بہت بڑے عالم بن چکے تھے کی واپسی کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ جب امام شافعی حدود حرم کے قریب پہنچے' تو والدہ کو اور خالہ کو اپنے استقبال کے لئے موجود پایا۔ ماں اور خالہ دونوں نے ان کی بلائیں لیں۔ مگر ماں امام شافعی کے ساتھ اتنا مال و اسباب دیکھ کر بڑی ملول اور رنجیدہ ہوئی۔ بیٹے نے عرض کیا کہ چلو اماں جان! گھر چلیں تو والدہ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور بولیں:

"بیٹے! گھر کیسے چلیں؟ میں نے تجھے حصول علم کے لئے روانہ کیا تھا اور جاتے وقت صرف دو یمنی چادریں تجھے دی تھیں۔ میں نے تجھے یہ دنیا لانے کے لئے کب بھیجا تھا! بیٹے! یہ غرور کی پونجی تو اس لئے ساتھ لایا ہے کہ اپنے چچا کے بیٹوں پر اپنی بڑائی جتائے اور انہیں حقیر سمجھے۔"

بیٹے نے فرط ندامت سے سر جھکا لیا اور عرض کیا: "اماں جان! فرمایئے' اب میں کیا کروں؟" والدہ بولیں: "بیٹے! کرنا کیا ہے۔ عام اعلان کر دو کہ بھوکے آئیں اور غلہ لے جائیں' پیادے آئیں اور سواری لے جائیں' ننگے آئیں اور کپڑے لے جائیں' نادار آئیں اور دولت لے جائیں۔" چنانچہ والدہ کی خواہش کے مطابق اعلان عام کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ سارے اونٹ اور مال و اسباب مکے کے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم ہو گیا۔ اب امام شافعی کے پاس جیب میں پندرہ دینار تھے اور ایک خچر جس پر وہ سوار تھے۔ یہ سارا قافلہ اب مکے میں داخل ہو رہا تھا۔ اتفاقاً راستے میں امام

شافعی کا کوڑا نیچے گر گیا۔ پاس سے گزرنے والی ایک باندی نے وہ کوڑا امام صاحب کو پکڑا دیا۔ انہوں نے باندی کو انعام دینے کے لئے پانچ دینار جیب سے نکالے تو والدہ بولیں:

"اچھا تو ابھی تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟" بیٹے نے عرض کیا: "ابھی دس دینار اور ہیں۔" ماں نے کہا: "یہ دس دینار کس لئے رکھے ہیں؟۔" بیٹے نے عرض کیا: "اب غلہ بھی نہیں رہا۔ یہ رقم وقت بے وقت کام آئے گی۔"

اماں: "ارے بیٹا! تعجب ہے کہ تمہیں اتنا کچھ پڑھ لکھ لینے کے باوجود ان پندرہ دیناروں پر اتنا بھروسہ ہے اور سب کچھ دینے والے پر ذرا بھروسہ نہیں۔ سارے دینار نکال کر اس باندی کے حوالے کر۔" اب بیٹے نے وہ سارے دینار نکال کر باندی کو دے دیئے۔ اس طرح خالی ہاتھ دونوں ماں بیٹا اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ گھر جا کر ماں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بڑے پیار و محبت سے بیٹے کو فرمایا: "آج تو اس حال میں جھونپڑے میں داخل ہوا ہے جس حال میں یہاں سے نکلا تھا۔ مگر آج میرے جھونپڑے میں وہ روشنی ہو گی، جو اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ اللہ نے تیری پیشانی میں علم کا نور رکھا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ نور دنیا کی فانی راحتوں سے میلا ہو اور اس میں کمی آئے۔" اللہ، اللہ! یہ استغناء اور قناعت! یہ کسی کسی کا نصیب ہے۔

(10) دین پر ثابت قدمی و عزیمت :

1- حضرت فاطمہؓ بنت خطاب، حضرت عمرؓ بن خطاب کی بہن تھیں۔ ابتدائے اسلام سے ہی اپنے شوہر حضرت سعیدؓ بن زید کے ہمراہ حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ حضرت سعیدؓ بن زید تو ان خوش قسمت اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے تھے جن کو دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری مل چکی تھی۔

جب اسلام آہستہ آہستہ مکہ میں پھیلنے لگا اور 38 سعید مسلمانوں نے اسلام قبول کر لیا، پھر امیر حمزہؓ بھی آغوش اسلام میں داخل ہو گئے تو کفار کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے کہ کسی طرح اس دین کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ کوئی جوشیلا نوجوان آگے بڑھ کر خود اسلام کے داعی اعظم ہی کو ختم کر کے رکھ دے۔ اس کام کے لئے عمر بن خطاب نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ خصوصاً جب حضرت حمزہؓ مسلمان ہوئے تو کافروں کا غیض و غضب بہت بڑھ گیا، ابو جہل نے مشتعل ہو کر ایک اجتماع عام میں اعلان کیا: "جو شخص محمد (ﷺ) کو قتل کرے گا، اسے سو سرخ اونٹ (جو بہت قیمتی سمجھے جاتے تھے) اور چالیس ہزار درہم نقد بطور انعام دیئے جائیں گے۔" ابو جہل کی تقریر سن کر عمر بن الخطاب نے (جنہیں اپنی بہادری اور شہ زوری پر بڑا ناز تھا) اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔

چنانچہ اسلام کی شمع بجھانے کی نیت سے ننگی تلوار ہاتھ میں لئے گھر سے نکلے۔ راستے میں حضرت نعیمؓ سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ ننگی تلوار ہاتھ میں پکڑے دیکھ کر بولے کہ آج کیا ارادہ ہے؟ عمر بن

خطاب نے جواب دیا: "میں آج محمد (ﷺ) کا خاتمہ کرنے جارہا ہوں۔ آج میں روز روز کا جھگڑا مٹانا چاہتا ہوں۔" دوست نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی تو کب سے مسلمان ہو چکے ہیں۔

یہ سننا تھا کہ حضرت عمرؓ کے تن بدن میں آگ لگ گئی' پلٹ کر بہن کے گھر پہنچے۔ دروازہ پر ہی سے کچھ پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ حضرت عمرؓ نے یہ آواز سن کر زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت فاطمہ سمجھ گئیں کہ یہ عمر ہیں۔ فوراً قرآن پاک کے اجزاء چھپا کر دروازہ کھول دیا۔ عمر نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا کہ یہ کیسی آواز تھی جو ابھی میں نے سنی ہے؟

جب کوئی مناسب جواب نہ ملا تو آؤ دیکھا نہ تاؤ' اپنے بہنوئی سعید بن زیدؓ کو مارنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ شوہر کو بچانے کے لئے اٹھیں' تو انہیں بھی پیٹنا شروع کر دیا۔ بہنوئی کو چھوڑ کر بہن پر پل پڑے۔ مارتے مارتے انہیں لہولہان کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ آج جان بچتی نظر نہیں آتی تو چٹان کی طرح ڈٹ گئیں اور بولیں: "ہاں! ہم نے دین حق کو قبول کر لیا ہے۔ تم جو کر سکتے ہو کر لو۔ دین حق کو اب ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ الفاظ حضرت فاطمہؓ نے تین چار بار کہے: "جو کرنا ہے کر لو' ہم اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے۔"

خون میں نہاتی ہوئی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر حضرت عمرؓ حیران و پریشان ہو گئے اور ان کا غصہ ندامت اور غور و فکر میں بدل گیا' بہن کے زمین پر بہتے ہوئے خون نے بھائی کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد بولے: "اچھا جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔" بہن نے کہا: "ہم اللہ کا کلام پڑھ رہے تھے۔ تم اس وقت تک اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے جب تک غسل نہ کر لو۔" حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے وہ صحیفہ جس میں سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی' ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ اب گویا بڑی چٹان چھوٹی چٹان (یعنی بہن) سے ٹکرا کر ٹوٹ چکی تھی۔ حضرت عمرؓ نے آیات قرآنی کو پڑھا' غور کیا تو دل پر رقت طاری ہو گئی۔ بے اختیار پکار اٹھے: **ما احسن الکلام** (یعنی یہ کلام کتنا عمدہ ہے) پھر پکار اٹھے: **اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ**

پھر بہن اور بہنوئی سے اپنی زیادتی پر معافی بھی مانگی اور اس کے بعد حضرت خبابؓ بن ارت کے ہمراہ دار ارقم کی طرف روانہ ہوئے' جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم مسلمانوں کو دین کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ نبی پاکؐ نے ان کو دیکھ کر پوچھا: "ابن خطاب! کس نیت سے یہاں آئے ہو؟" حضرت عمرؓ جلال نبوت سے لرز گئے اور عرض کیا: "اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔"

ایک طرف کفار مکہ منتظر تھے کہ کب عمر پیغمبرؐ اسلام کا سر لے کر آتے ہیں' دوسری طرف حضرت

عمرؓ اپنی کمزور و ناتواں بہن کا پہاڑ سے زیادہ مضبوط عزم دیکھ کر بھیچ گئے تھے۔ اب وہ اپنے بہن اور بہنوئی کے زخم بھی صاف کر رہے تھے۔ ان سے معافی بھی مانگ رہے تھے اور پھر نبی پاکؐ کے در پر حاضر ہو کر اپنی گزشتہ اسلام دشمنی کی تلافی مافات کرنے کی بھی فکر میں لگے تھے۔ یہ حضرت فاطمہؓ کی استقامت اور عزیمت تھی' جس نے کفر کے اس مردِ آہن کو پگھلا کر رکھ دیا تھا۔

2۔ حضرت سمیہؓ بنت خباط:

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں اسلام کی آواز مکہ کے گلی کوچوں میں بلند کی تو جن ہستیوں نے آگے بڑھ کر پہلے پہلے آپ کا ساتھ دیا ان میں حضرت سمیہؓ بنت خباط بھی ہیں۔ ساتھ ہی ان کے شوہر یاسرؓ بن عامر اور ان کے سعادت مند بیٹے عمارؓ بن یاسر بھی مسلمان ہو گئے۔ حضرت سمیہؓ جب مسلمان ہوئیں تو وہ ایک تو اس وقت بوڑھی تھیں' دوسرے ان کا تعلق ایک غلام خاندان سے تھا اور وہ خود لونڈی تھیں۔ اس دور میں مسلمان ہونا کافروں کے شدید غیظ و غضب کا نشانہ بننے والی بات تھی۔ ان کے شوہر حضرت یاسرؓ بھی ضعیف العمر تھے۔ ان دونوں کی ایمانی قوت اور استقامت کا یہ عالم تھا کہ مشرک ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے اور ان کو اسلام چھوڑنے پر مجبور کرتے' مگر ان کے قدم لمحہ بھر کے لئے بھی جادۂ حق سے نہ ڈگمگائے۔ ان مظلوموں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر مکہ کی تپتی ریت پر لٹانا' سینہ پر بھاری پتھر رکھنا' پشت کو آگ کے انگاروں سے داغنا' پانی میں غوطے دینا کفار کا روز کا معمول تھا۔ حضرت سمیہؓ کا مالک ولید بن مغیرہ مکے کا صاحب اقتدار شخص تھا۔ وہ مکے کے شریر لوگوں کو ان کے پیچھے لگا دیتا۔ یہ شریر ان کو اس طرح مسلسل ستاتے رہتے جیسے وہ دیوانی ہوں۔ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یاسرؓ' حضرت سمیہؓ اور ان کے بچوں کو مبتلائے مصیبت دیکھا تو فرمایا: "اے آل یاسر! صبر کرو۔ تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے۔" یہ ظلم سہتے سہتے بوڑھے یاسرؓ تو خالق حقیقی سے جا ملے' مگر مشرکوں کو پھر بھی رحم نہ آیا اور حضرت سمیہؓ اور ان کی اولاد پر ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رہا۔

ایک دن حضرت سمیہؓ دن بھر کفار کی سختیاں جھیل کر شام کو گھر آئیں تو ابوجہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور پھر یکدم اسے اتنا غصہ آیا کہ اپنا برچھا حضرت سمیہؓ پر کھینچ مارا۔ وہ اس کی تاب نہ لا سکیں۔ زمین پر گر پڑیں اور اپنے رب کو پیاری ہو گئیں۔

بوڑھی جان نے کفار کے کتنے ظلم سہے' مگر چٹان کی طرح ڈٹی رہیں' آخر اس راہ میں اپنی جان قربان کر دی' مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اس بے کسی کی شہادت کی اطلاع ان کی اولاد نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دی' آپؐ نے ان کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا: "اے اللہ! آل یاسر کو دوزخ سے بچا۔" بعد میں جب غزوہ بدر میں ابوجہل مارا گیا تو نبی پاکؐ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہاری والدہ کے قاتل سے بدلہ لے لیا۔" حضرت سمیہؓ وہ پہلی شہید خاتون ہیں جنہوں نے اسلام

کے راستے میں اپنی جان قربان کر دی تھی۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا:

حضرت خنساءؓ بنت عمرو عرب کی مشہور مرثیہ گو شاعرہ گزری ہیں۔ دور جاہلیت میں ان کا ایک بھائی صخر دشمن کے نیزے سے زخمی ہو گیا۔ پورے ایک سال تک بہن نے بھائی کی تیمارداری کی، مگر آخر وہ فوت ہو گیا۔ اس حادثہ نے بہن کو دیوانہ بنا دیا۔ دن رات بھائی کی یاد میں روتیں۔ دردانگیز مرثیے لکھتیں۔ عام مجمعوں میں ان کو پڑھتیں خود بھی روتیں دوسروں کو بھی رلاتیں۔ ان کے یہ مرثیے عربی ادب کے بہترین مرثیے سمجھے جاتے ہیں۔

اس کے بعد ایک وہ موقع بھی آیا کہ اپنے وفد کے ہمراہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اسلام قبول کر لیا۔ اس موقعہ پر خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کا کلام سنا۔ وہ سناتی جاتی تھیں اور نبی پاکؐ ان کی فصاحت و بلاغت پر تعجب کا اظہار کرتے رہے۔ مسلمان ہونے کے بعد واپس اپنے قبیلہ میں گئیں۔ زبان میں تاثیر اللہ نے بہت دے رکھی تھی۔ ان کی تبلیغ سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ بعد میں وقتاً فوقتاً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ مدینے آئیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ کے بھائی زیدؓ بن خطاب ایک معرکہ میں شہید ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خنساءؓ سے اس کا مرثیہ کہنے کے لئے کہا، تو اس کے جواب میں حضرت خنساءؓ نے ایک فصیح و بلیغ بات کہی: "خدا کی قسم! میں صخر اور معاویہ (اپنے بھائیوں) کی موت پر ہرگز نہ روتی اگر ان کو بھی نیک اور پرہیزگار زیدؓ کی طرح شہادت نصیب ہوتی۔" حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا: "خنساءؓ سے بہتر میرے بھائی کی تعزیت کسی نے کبھی نہیں کی۔"

مگر حضرت خنساءؓ کی زندگی کا سب سے تابناک واقعہ وہ ہے جب وہ قادسیہ کی جنگ میں (عہد فاروقیؓ میں) اپنے چاروں جوان بیٹوں کے ہمراہ شریک ہوئیں۔ یہ چاروں بچے ان کے بڑھاپے کا سہارا تھے۔ ان کو رات کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ اس کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

"تم جانتے ہو کہ مسلمانوں کے لئے راہ خدا میں جہاد کرنا بڑا ثواب کا کام ہے۔ تم خوب سمجھ لو کہ ہمیشہ رہنے والی آخرت کے مقابلے میں یہ دنیا کچھ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے: "مسلمانو! صبر سے کام لو، ثابت قدم رہو اور آپس میں مل کر رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ فلاح پاؤ۔" تو اے بیٹو! کل جب گھمسان کا رن پڑے گا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑکنے لگیں گے تو تم دشمن

کی فوجوں میں گھس جانا اور بے دریغ تلوار چلانا' اللہ تعالیٰ سے نصرت اور کامیابی کی دعا بھی کرتے رہنا۔ اللہ نے چاہا تو آخرت کے دن شرف پاؤ گے اور کامیاب ہو گے۔"

حضرت خنساءؓ کے چاروں بیٹوں نے بیک زبان کہا: "اے مادر محترم! ان شاء اللہ! ہم آپ کی توقعات پر پورے اتریں گے اور آپ ہمیں ثابت قدم پائیں گی۔"

چنانچہ صبح جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو خوب وارفتگی سے لڑے' لڑائی پورے شباب پر تھی۔ وہ دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ بہت دیر تک بہادری سے لڑتے رہے۔ آخر یکے بعد دیگرے چاروں شہید ہو گئے۔ جب حضرت خنساءؓ کو ان کی خبر ملی تو فرمایا: "اللہ! تیرا شکر ہے کہ میرے بیٹوں کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا۔ مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ میں اپنے بچوں سے اللہ کی رحمت کے سائے میں ملاقات کروں گی۔" یہ ضعیف العمر خاتون جنہوں نے تسلیم و رضا اور صبر و تحمل کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ چشم فلک نے کبھی اس کی نظیر نہ دیکھی تھی' ان کے اس کارنامہ نے ان کے نام کو جریدہ عالم پر دوام کا مستحق بنا دیا تھا۔ اگر ملت اسلامیہ ان پر تا ابد ناز کرتی رہے تو وہ بجا طور پر اس کی مستحق ہیں۔ یہ وہی خنساءؓ ہیں جو اسلام لانے سے قبل بھائیوں کی وفات پر دیوانی ہو رہی تھیں' حالانکہ اس وقت جوان تھیں اور اب اسلام لانے کے بعد کس طرح بدلیں کہ اپنے جگر گوشوں کو بلکہ بڑھاپے کے جوان سہاروں کو خود شہادت کے لئے تیار کیا اور ان کو تلقین کی کہ کسی نے پشت پر زخم نہیں کھانا۔ پھر ان کی شہادت پر بارگاہ الٰہی میں سجدہ شکر بجا لائی ہیں۔ اسلام کی تعلیم اور ایمان کے تقاضوں نے ان کو کتنا بدل کر رکھ دیا اور انہوں نے اپنے بچوں کی کیسی اچھی تربیت کی۔ اولاد کی اس سے اچھی تربیت کیا ہو سکتی ہے!

صحابیاتؓ اور ان کے بعد تابعات کا تذکرہ بھی بہت روح پرور اور ایمان افروز ہے۔ ملت کی تعمیر میں انہوں نے فی الواقع گراں قدر کارنامے انجام دیئے۔ ایک سے ایک بڑھ کر نمونہ! سمجھ نہیں آتی کہ کس کا ذکر چھوڑا جائے اور کس کو لیا جائے؟ ہر تذکرہ ہی ایمان و یقین کو دل میں راسخ کرنے والا اور ملت کی تقدیر کو بدل کر سنوار دینے والا ہے' رضی اللہ عنھن!

یہ تو ایمان و عمل اور صدق و وفا کی ایک سلک مروارید ہے جس کا ہر موتی یاقوت اور مرجان کی طرح خالص اور قیمتی ہے۔ بارہ صدیوں تک مسلمانوں کا معاشرتی نظام اسی طرح چلتا رہا۔ ایک طرف خواتین کا معاشرہ میں بڑا احترام تھا' دوسری طرف خواتین نے' پردہ نشینان حرم نے بھی اللہ و رسولؐ کی محبت' دینداری' اخلاص نیت' شوہر کی وفاداری' علم پروری' تربیت اطفال' غرباء پروری' خودداری' درویشی و قناعت غرض ہر میدان میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ ہر بڑے آدمی کی پشت پر اس کی عظیم المرتبت والدہ کی تربیت کا بڑا دخل رہا ہے' حضرت عبدالقادر جیلانی کی والدہ نے اپنے بیٹے کو ہر حال میں سچ بولنے کی تربیت دے کر امت پر کتنا احسان کیا۔ سرسید اور علامہ اقبال کو ایک عظیم

فرد بنانے میں ان کی ماں کا کردار کتنا اہم اور عظیم الشان تھا۔ مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی شوکت علی کی عظیم ملی خدمات کے پیچھے ان کی عالی مرتبت والدہ بی اماں کی گہری تربیت شامل تھی اور اب ماضی قریب کی ایک مثال بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے میں اپنی بات ختم کرتی ہوں:

ایک افغانی گورنر[1] نے اپنے بیٹے کو دشمن کے خلاف مہم پر بھیجا۔ ایک ماہ گزر گیا' مگر کوئی اطلاع نہ ملی۔ آخر کچھ دیر کے بعد گورنر کو اڑتی اڑتی خبر ملی کہ تیرا بیٹا تو دشمنوں سے شکست کھا کر بھاگ گیا ہے۔ وہ گورنر فوراً اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور بولا: "تو نے اپنے بیٹے کی کیسی پرورش کی تھی! جو وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔" اس راسخ العقیدہ اور پارسا بیوی نے کہا: "یہ ممکن ہی نہیں کہ میرا بیٹا میدان جنگ سے بھاگ جائے۔ وہ جہاد میں شہید ہو سکتا ہے یا فتحیاب ہو کر غازی بن کر واپس آ سکتا ہے۔ مگر دشمن کے مقابلے میں پیٹھ نہیں دکھا سکتا۔"

پھر کچھ دیر کے بعد اطلاع ملی کہ پہلے والی خبر غلط تھی۔ قافلے کے سپہ سالار نے تو لڑتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی ہے۔ گورنر سجدہ شکر بجا لایا اور بیوی سے اس کے یقین محکم کے بارے میں استفسار کیا تو وہ خاتون بولی: "میں نے جب بھی بیٹے کو دودھ پلانا ہوتا تھا تو پہلے وضو کرتی' نماز ادا کرتی پھر اس کے لئے دعا کرتی کہ یا اللہ! میرے بیٹے کو سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت سے نوازنا' پھر اس کو دودھ دیتی تھی۔ بعد میں اس کے لئے کھانا بھی میں ہمیشہ باوضو ہی تیار کرتی تھی۔ مجھے اپنے لاڈلے کے کردار کا بخوبی اندازہ تھا۔ وہ میدان جنگ سے بھاگنے والا نہیں تھا۔"

[1] یہ کابل کے والی امیر دوست محمد خاں تھے جن کا دورِ حکومت ۱۸۳۱ء سے ۱۸۶۳ء تک تھا۔

22

جدید مغربی نومسلم خواتین کے اسلام کے بارے میں تاثرات

- اکیسویں صدی انشاءاللہ اسلام کی صدی ہے۔
- محترمہ امینہ (امریکہ)
- مریم جمیلہ (امریکہ)
- ثریا (امریکہ)
- ڈاکٹر خدیجہ (آسٹریلیا)
- فاطمہ (چیکوسلواکیہ)
- فاطمہ ہیرن (جرمنی)
- عائشہ (انگلستان)
- شاہین گلفام (ہالینڈ)
- کتابیات خولہ لکاتا (جاپان)
- ملائشیا کی ایک نومسلم طالبہ

چند نو مسلم خواتین کے اسلام کے بارے میں تاثرات

❑ اکیسویں صدی ان شاءاللہ اسلام کی صدی ہے:

آج کا دور تہذیبوں کے تصادم کا دور کہلاتا ہے' اہل مغرب اسلام کی جاندار لچکدار فطری اور قابل عمل تعلیم کو اپنے لئے زہر قاتل تصور کرتے ہیں' وہ مغرب میں قبول اسلام کی بڑھتی ہوئی رفتار سے خوفزدہ ہیں' اس لئے وہ اسلامی تہذیب کو مٹانے کے لئے فکر و عمل کی تمام قوتیں اور صلاحیتیں استعمال کر رہے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا ہر ایک سے متواتر بھیانک پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ اسلام انسانیت دشمن مذہب ہے' مسلمان دہشت گرد' رجعت پسند اور متشدد ہیں۔ 45 غیر ملکی ریڈیو سٹیشن اس وقت اسلام کے خلاف زہریلے پروگرام پیش کر رہے ہیں۔ بعض مقامات پر تو ریڈیو سٹیشن اپنی 75% نشریات اسلام کے خلاف پیش کرتے ہیں۔ برطانیہ' فرانس' امریکہ' جرمنی' ماسکو ہر جگہ کم و بیش یہ مسموم پروگرام جاری ہیں۔ اس شدید پروپیگنڈے کی وجہ یہ ہے----

ہمارے دشمن اس بات سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ اگر اسلام غالب آگیا۔ تو کفر اور باطل کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی' اسی لئے وہ مسلمانوں کو ہر حربے اور ہتھیار سے دبا رہے ہیں۔ یہود وہنود کا گٹھ جوڑ' امریکہ کا ورلڈ آرڈر' یو۔ این۔ او کی چھتری' عالمی ذرائع ابلاغ کی پوری جدوجہد سب اس لئے ہے کہ کہیں سوئے ہوئے مسلمان جاگ نہ جائیں اور صحیح مسلمان نہ بن جائیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود حالات بتا رہے ہیں کہ اگلی صدی ان شاء اللہ اسلام کی صدی ہو گی۔ اب اسلام مشرقی ممالک سے نہیں بلکہ خود مغربی ممالک میں جاندار قوت بن کر ابھرے گا۔ فرانس اسلام دشمنی میں سب سے آگے ہے مگر خود فرانس میں ہر سال تین ہزار فرانسیسی دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ (اسلامک وائس آئی۔ آئی۔ این۔ اے) ایک جرمن ریسرچ سکالر نے دوران ریسرچ انکشاف کیا کہ جرمنی میں گزشتہ چار سالوں میں آٹھ ہزار خواتین نے اسلام قبول کیا وہ بڑھتی ہوئی فحاشی اور عریانی کے خلاف اسلام کے سایہ عاطفت میں سکون و اطمینان کے حصول کے لئے آئی ہیں۔ (ماہنامہ الدعوۃ مئی 97ء عنوان اخبار و آراء)

الحمد للہ! ہم پیدائشی مسلمان ہیں' ہمیں دین حق اسلام کی نعمت وراثتاً حاصل ہوئی ہے۔ لہٰذا تمام

پیدائشی مسلمانوں کو جو دنیا میں تقریباً ایک ارب کی تعداد میں موجود ہیں' اسلام کی عظیم سعادت اور نعمت کی سچی قدر نہیں ہے۔ ہم اس کی وقعت اور مقام و مرتبہ سے ناواقف ہیں۔ نعمت اسلام کی قدر و قیمت تو ان مسلموں سے پوچھئے! جنہوں نے راہ حق کی تلاش میں بڑی ٹھوکریں کھائیں' مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا اور بالاخر اسلام ہی نے ان کی بے قرار روح کو اطمینان اور سکون قلب کی دولت سے مالا مال کیا۔ میں اپنے اس مختصر مقالہ میں چند نو مسلم خواتین کے تاثرات بیان کرنا چاہتی ہوں جس سے اندازہ ہو گا کہ اسلام بحیثیت مجموعی بھی دنیا کا بہترین نظام ہے اور اس کا معاشرتی نظام خصوصاً اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ اتنا اعلیٰ وارفع ہے کہ اسی نے مغرب کی بہت سی سسکتی بلکتی پریشان و بے قرار خواتین کو سکون واطمینان سے بہرہ ور کیا ہے:

❑ (1) **محترمہ امینہ صاحبہ (امریکہ):** امریکہ کی مسٹر امینہ پہلے سنڈے سکولوں میں عیسائیت کی تبلیغ کیا کرتی تھیں۔ 1977ء میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ اپنے قبول اسلام کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"میرے نزدیک عام یورپی لوگوں کی طرح اسلام وحشت و جہالت کا مذہب تھا اور مسلمان غیر مہذب' عیاش' عورتوں پر ظلم کرنے والے اور اپنے مخالفوں کو زندہ جلا دینے والے لوگ تھے۔ عیسائیت کی رضاکارانہ تبلیغ کے ساتھ ساتھ میں نے مزید تعلیم کے لئے یونیورسٹی میں داخلہ بھی لے لیا' وہاں کچھ مسلمان کلاس فیلوز بھی تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ مسلمان طالب علموں کا رویہ دوسرے لوگوں سے مختلف تھا۔ وہ شائستہ' مہذب اور باوقار تھے۔ عام امریکی نوجوانوں کے برعکس نہ لڑکیوں سے بے تکلف ہونا پسند کرتے اور نہ آوارگی وعیش پرستی کے رسیا تھے۔ میں تبلیغی جذبے کے تحت ان سے بات کرتی اور ان کو عیسائیت کی دعوت دیتی۔ مگر وہ بحث میں الجھنے کے بجائے مسکرا کر خاموش ہو جاتے' ویسے بڑے وقار اور احترام سے ملتے۔ ان کے اس رویہ نے مجھے خود اسلام کے بارے میں مطالعہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ کچھ ان سے گفتگو اور کچھ مطالعہ' میں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا۔ مزید اطمینان کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیا۔ دوسری طرف عیسائیت کی طرف سے میرے ذہن میں بہت سے شکوک و شبہات جنم لینے لگے۔ اسلام کا مطالعہ کرتی تو معلوم ہوتا کہ سارے اندھیرے چھٹ رہے ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ کی تعلیم کا مطالعہ کیا تو مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ مغربی مصنفین کے برعکس حضورؐ بنی نوع انسان کے سچے محسن اور عظیم خیر خواہ ہیں۔ خصوصاً عورت کو انہوں نے جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا اس کی پہلے یا بعد میں کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ ماحول کی مجبوریوں کی بات دوسری ہے ورنہ میں طبعاً بہت شرمیلی ہوں اور خاوند کے سوا کسی مرد سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ جب میں نے پڑھا کہ

پیغمبر اسلام خود بھی بے حد حیاء دار تھے اور خصوصاً عورتوں کے لئے عفت و پاکیزگی اور حیاء کی تاکید کرتے ہیں تو میں بہت متاثر ہوئی اور اسے عورت کی ضرورت اور نفسیات کے مطابق پایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا درجہ جس حد تک بلند فرمایا اس کا اندازہ اس قول سے ہوا کہ "جنت ماں کے قدموں میں ہے" اور آپ ؐ کے اس فرمان پر تو میں جھوم اٹھی کہ "عورت نازک آبگینوں کی طرح ہے اور تم میں سے سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اور گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے۔"

مسز امینہ نے قبول اسلام کے بعد اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دی۔ وہ امریکی خواتین کو ان کی زبوں حالی اور اس کے مقابلے میں اسلام میں عورت کے مقام و مرتبہ کا تقابلی موازنہ کر کے خواتین کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتی ہیں۔ چنانچہ ان کی تبلیغ سے تقریباً چھ سو امریکی خواتین مسلمان ہو چکی ہیں' خود ان کا خاندان جس نے ان کے مسلمان ہونے پر ان کا سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا' اس کے بیشتر افراد بھی شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکے ہیں۔

محترمہ امینہ صاحبہ 1990ء میں انٹرنیشنل یونین آف مسلم وومن کی عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے پاکستان بھی آئیں۔ یہاں انہوں نے اسلام آباد اور لاہور کے کئی تعلیمی اداروں میں خطاب فرمایا۔ انہوں نے پاکستانی خواتین کو بار بار یہی بات سمجھانے کی کوشش کی کہ حجاب میں عورت کے لئے عزت واحترام ہے اور عورت کی سب سے بڑی ذمہ داری اپنے بچوں کی پرورش ہے۔ آپ امریکی خواتین کی نقالی نہ کریں' وہاں تو بوڑھے والدین شدید کس مپرسی کی زندگی گزارتے ہیں۔ جونہی کوئی خاتون 35 سال سے بڑھ جاتی ہے تو اسے اس طرح نظرانداز کیا جاتا ہے کہ وہ زندہ درگور ہو کر نفسیاتی مریض بن جاتی ہے۔ چنانچہ امریکہ کے ذہنی امراض کے ہسپتال مریضوں سے بھرے پڑے ہیں۔ غرض وہاں عورتوں کو سکون حاصل ہے نہ بچوں کو اور نہ بوڑھوں کو۔ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پاکستانی خواتین اور مرد حضرات اس معاشرے کو اپنا آئیڈیل کیوں سمجھتے ہیں اور وہی اطوار کیوں اختیار کر رہے ہیں جنہوں نے امریکی اور یورپی سماج کو تباہ کر ڈالا ہے؟

(ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ از: عبدالغنی فاروق' صفحہ 39 تا 45)

❏ (2) محترمہ مریم جمیلہ صاحبہ (امریکہ):

مریم جمیلہ نیویارک (امریکہ) کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ وہ شروع سے ہی امریکی معاشرہ کے برعکس پاکیزہ طور اطوار کی مالک تھیں۔ بچپن سے موسیقی سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔

گیارہ سال کی عمر میں ایک دفعہ ریڈیو پر عربی موسیقی سن لی۔ جس سے دل و دماغ کو بڑی فرحت حاصل ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عربی موسیقی سے خاصا لگاؤ پیدا ہو گیا۔ ایک دن سورۃ مریم کی بہت دلنواز تلاوت (جو

مصر کی ام کلثوم کی سریلی آواز میں ریکارڈ کی گئی تھی) سنی تو دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ بعد میں اکثر وہ سورۃ مریم کی تلاوت سنا کرتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام اور عربوں کے بارے میں جاننے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ تلاش حق کے ایک لمبے سفر کے بعد یقین ہو گیا کہ قرآن پاک واقعتاً اللہ کا کلام ہے۔ توراۃ، تلمود اور انجیل میں عقیدہ آخرت مبہم ہے، اس کے برعکس قرآن پاک نے آخرت کے امکان اور وقوع کو بڑے واضح اور مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے اور زندگی کا واضح مقصد دیا ہے۔ قرآن پاک کا یہ پہلو ان کے لئے بہت متاثر کن تھا۔ نیز سیرت طیبہ کا مطالعہ بھی ان کے لئے ایک مہمیز ثابت ہوا: "نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی تعلیمات کا مکمل و اکمل نمونہ تھے۔ میں نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا ایک ایک پہلو مثالی ہے۔ ایک بچے کی حیثیت سے، ایک باپ کی حیثیت سے، ایک پڑوسی، ایک تاجر، ایک مبلغ، ایک دوست، ایک سپاہی اور ایک فوجی جرنیل کے اعتبار سے، ایک فاتح، ایک منصف، ایک قانون ساز، ایک حکمران اور سب سے بڑھ کر اللہ کے فرمانبردار بندے کے حساب سے وہ خدا کی کتاب کی ہو بہو مثال تھے۔" پھر "آپ" کی دن بھر کی مصروفیات کی تفصیل نے مجھے بہت متاثر کیا۔ وہ دن کا ایک لمحہ ضائع نہ کرتے اور سارا وقت اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے لئے وقف رکھتے۔ ان کا اپنی بیویوں سے سلوک نہایت منصفانہ اور مثالی تھا۔ انصاف، عدل اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ان کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنی جائز ضرورت کے لئے ایک غلام کی درخواست کی تو آپ نے تقویٰ کی تلقین فرمائی اور اپنے کنبے پر دوسرے مسلمانوں کی ضرورتوں کو ترجیح دی۔ آپ روزمرہ زندگی کی ضروریات کا خاص لحاظ کرتے تھے۔ شگفتہ مزاج اور خوش بیان تھے۔ بچوں کے ساتھ کھیل بھی لیتے تھے مگر اصل توجہ کے قابل انہوں نے آخرت کی زندگی ہی کو سمجھا اور مادی و روحانی زندگی میں حد درجہ توازن پیدا کر دیا۔"

"پہلی مرتبہ میں نے توراۃ کی تنگ اور جامد قوم پرستی کے مقابلے میں قرآن کی ہمہ گیر بین الاقوامیت کا مشاہدہ کیا۔ میری بیقراری کو سکون مل گیا۔ میں نے اسلام میں ہر وہ اچھی، سچی اور حسین چیز پائی جو زندگی اور موت کو معنی اور مقصد عطا کرتی ہے جبکہ دیگر مذاہب میں حق مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ قرآن نے بتایا کہ جو لوگ کسی اخلاقی ضابطے کے بغیر زندگی گزارتے ہیں اور خدا کی خوشنودی کو پیش نظر نہیں رکھتے، دنیاوی زندگی میں وہ خواہ کتنے ہی کامیاب ہوں مگر آخرت میں صریح خسارے میں رہیں گے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہمیں ہر وہ فضول اور بے فائدہ کام ترک کر دینا چاہئے، جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہو۔" "یہ قرآن ہے اور اسلام ہے جس نے عربوں کو سربلندی عطا کی ہے۔ اسی کے طفیل عرب دنیا بھر میں کامیاب و بامراد ہوئے ہیں۔"

یہ ہیں محترمہ مریم جمیلہ کے اسلام کے بارے میں تاثرات اور احساسات! اسلام قبول کرنے کے بعد وہ پاکستان آ گئی تھیں۔ انہوں نے تبلیغ اسلام کے لئے غیر معمولی قسم کی قابل قدر علمی و دینی خدمات

انجام دیں' ایک درجن سے زاید کتب انگریزی میں لکھیں جو اپنی وقعت' سند اور خیالات کی گہرائی و معنویت اور وسیع اثرات کی وجہ سے دنیا بھر کے علمی حلقوں میں خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔

(3) محترمہ ثریا صاحبہ (امریکہ):

مارچ 90ء میں شمالی امریکہ میں مسلمانوں کے ایک ماہوار رسالہ "یونٹی ٹائمز" میں نو مسلم طالبہ ثریا کا انٹرویو شائع ہوا۔ انہوں نے بتایا:

"جب میں کالج میں حصول تعلیم کے لئے داخل ہوئی' وہاں مسلمان طلبہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ انہی کے ذریعہ سے اسلام سے تعارف حاصل ہوا۔ میں اسلام کے اس پہلو سے بہت متاثر ہوئی کہ یہ عیسائیت اور یہودیت کی طرح جزوقتی مذہب نہیں (یعنی ایک ہفتے میں صرف ایک گھنٹہ کے لئے اتوار کے روز چرچ جانا) بلکہ زندگی کے ہر شعبہ پر محیط ہے۔ یہ دن اور رات کے ایک ایک لمحے کے لئے راہنمائی دیتا ہے۔ دوسرا پہلو جس نے مجھے متاثر کیا' وہ یہ تھا کہ جو شخص اسے عملی طور پر اختیار کر لے اس کی زندگی میں نظم و ضبط' سلیقہ اور استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے دو سال تک مختلف مذاہب کا مطالعہ کر کے اسلام کا انتخاب کیا جو ہر لحاظ سے بہترین اور عقل کے عین مطابق ہے۔ جو مکمل دین ہے۔ انسان کی فطرت کے بھی عین مطابق ہے' لہٰذا میں نے اسے دل و جان سے قبول کر لیا۔ پھر یہ نعمت بھی کچھ کم نہیں کہ اللہ پر ایمان اور اس کی اطاعت انسان کے اندرون کو تزکیہ اور سکون سے مالا مال کرتے ہیں۔ روح میں رفعت اور مقاصد میں بلندی پیدا ہوتی ہے اور انسان سرد و گرم ہر قسم کے حالات میں مایوسی سے محفوظ رہتا ہے۔"

جب ثریا صاحبہ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے اپنے بالوں کو ڈھانپا ہوا ہے' امریکہ کے عریاں ماحول میں آپ کو یہ کیسا لگتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: "میں نے اپنا سر ڈھانپ کر دراصل اس ماحول کی آلودگیوں سے تحفظ حاصل کیا ہے۔ عام عورت نیم برہنگی کی وجہ سے جس خوف اور سراسیمگی کی کیفیت میں مبتلا رہتی ہے' میں نے بڑی حد تک اس سے نجات پالی ہے۔ پھر میرا سر ڈھانپنا ایک قسم کا اعلان بھی ہے کہ میں مسلمان ہوں اور اہم بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں اللہ نے جو حکم دیا ہے میں اس کی پیروی کر رہی ہوں۔"

(4) محترمہ ڈاکٹر خدیجہ صاحبہ (آسٹریلیا):

51 سال کی عمر میں 1980ء میں لاہور میں اسلام قبول کیا۔ قبل از اسلام نام "مارلینا گارسیا" تھا۔ شروع سے فطرت صالح تھی۔ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا سے گریجوایشن کرنے کے بعد پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی' ساتھ ساتھ شراب' تمباکو نوشی اور دیگر منشیات کے خلاف لیکچر بھی دیئے اور اخباروں میں مضامین بھی لکھے۔ عیسائیت کا تثلیث کا عقیدہ شروع سے ان کو مہمل اور مضحکہ خیز لگتا تھا۔ چنانچہ تلاش حق کی خاطر مختلف مذاہب کا مطالعہ شروع کیا۔

(ان کے بقول) پھر "محترمہ مریم جمیلہ کی اسلام پر لکھی گئی کتابیں میرے ہاتھ لگیں' تو دل اسلام کی حقانیت کا قائل ہونے لگا میں 60ء کے لگ بھگ صحافیوں کے ایک وفد کے ساتھ پاکستان آئی۔ یہاں مریم جمیلہ سے ملاقات ہوئی تو ان کی سادگی اور شخصیت سے بہت متاثر ہوئی۔ مریم صاحبہ نے ایک ایسے شخص سے شادی کی جو پہلے ہی شادی شدہ تھا اور اس کے بچے بھی تھے۔ وہ اپنی ضعیف العمر ساس کی خوب خدمت کرتیں اور خاموشی و وقار سے خدمت دین میں مصروف رہتی تھیں۔ مریم جمیلہ نے مجھے مولانا مودودی سے بھی متعارف کروایا اور ان کی ایک کتاب "ٹوورڈز انڈر سٹینڈنگ اسلام" بھی دی۔ میں 80ء میں دوبارہ پاکستان آئی اور یہاں مریم جمیلہ صاحبہ کے مشورہ پر منصورہ گئی۔ میاں طفیل صاحب کی وساطت سے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ اس سعادت پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔"

"میں اپنی مسلمان بہنوں تک یہ پیغام پہنچانا چاہتی ہوں کہ وہ وہی طریقہ اختیار کریں جو پیغمبر اسلامؐ نے دیا ہے۔ میں نے شلوار قمیض' چادر اور برقعے سے بڑھ کر اچھا لباس خواتین کے لئے کوئی نہیں دیکھا۔ اسی سے خواتین کی عزت ہے اور یہی چیز معاشرے کو مختلف قباحتوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ میں پاکستانی خواتین تک یہ بات پہنچانا چاہتی ہوں کہ یورپ میں عورتوں کا لباس انتہائی لچر اور توہین آمیز ہوتا ہے۔ اللہ کے لئے ان کی نقالی سے بچیں اور پردے کا وہ انداز اختیار کریں جس کی تلقین اسلام نے کی ہے۔"

❑ (5) محترمہ فاطمہ صاحبہ (چیکوسلواکیہ):

مسیحی نام مونیکا تھا' بیس برس کی عمر میں 1963ء میں اپنے ایک ترک استاد عمر کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اپنی قبولیت حق کی داستان بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں: "میں بچپن سے غور و فکر کی عادی تھی۔ اپنا آبائی مذہب عیسائیت مجھے مطمئن نہ کر سکا کہ یہ غیر عقلی اور غیر منطقی تھا۔ پھر میں نے دوسرے مذاہب کا بھی مطالعہ کیا مگر دل کو اطمینان نہ ملا۔ انہی دنوں ہمیں چیکوسلواکیہ چھوڑ کر مغربی جرمنی (کاروبار کے سلسلے میں) آنا پڑا۔ یہاں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ترک باشندے ملازمت کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں' میں نے ان لوگوں کے خاندانی اور معاشرتی نظام کو بہ نظر تحقیق دیکھا تو مجھے یہ لوگ یورپ کے اندھیروں کے مقابلے میں روشنی کے مینار نظر آنے لگے' اسیؐ سے مجھے اسلام سے دلچسپی پیدا ہوئی اور میں نے اسلام کو سمجھنے کے لئے اس کا باقاعدہ مطالعہ کرنا شروع کیا۔ قرآن پڑھا' اسلام کے بارے میں کئی کتب پڑھیں۔ ایک فاضل ترک استاد سے بھی کئی گفتگوئیں ہوئیں۔ اب اسلام کی بے میل اور پاکیزہ تعلیم مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھی' میرے لئے سب سے زیادہ پرکشش اسلام کا مثالی معاشرتی نظام تھا' جو بلاتمیز رنگ و نسل سب انسانوں میں برابری اور مساوات پر استوار ہے۔ پھر روحانی و دنیاوی معاملات میں بے پناہ آسانی اور رخصت اور دونوں کے تقاضوں کو توازن و اعتدال کے ساتھ انجام دینے کی ترغیب' علم و عقل کی یہ کارفرمائی کہ طلب علم مرد و عورت سب پر فرض کر دیا گیا' پھر عورت کو جو بلند مرتبہ اور عزت و احترام

دیا گیا' اس سے میری روح جھوم جھوم اٹھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا اور انسان کے درمیان بلا واسطہ تعلق! ان سب چیزوں نے میرے دل و دماغ کو مسحور کر دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلسفی نہیں ہیں۔ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں' اسلام ان کے ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ وحی الٰہی کا نتیجہ ہے۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس کی طرف شروع سے اللہ نے راہنمائی کی ہے اور آج بھی صرف اسی مذہب میں یہ حوصلہ ہے کہ زمانے کے مسائل کا سامنا کر سکے اور دکھی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھے۔ اس یقین کے فوراً بعد میں نے اسلام قبول کر لیا۔"

"حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں اسلام کے لئے حالات بہت ہی سازگار ہیں۔ اس میں ایک عالمگیر دین بننے کی ساری صلاحیتیں موجود ہیں اور اس دور کے انسان کی تمام روحانی و مادی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے پیروکار اس موقع سے کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں؟"

(6) محترمہ فاطمہ ہیرین (جرمنی):

1934ء میں جرمنی میں پیدا ہوئیں۔ دوسری عالمی جنگ کو قریب سے دیکھا تو ظلم پر مبنی مناظر دیکھ کر دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا۔ عیسائیت کا مطالعہ کیا تو اس کی تعلیم سراسر خلاف عقل اور ناقابل عمل نظر آئی۔ اتفاق سے ایک یورپی مسلمان نوجوان سے ملاقات ہو گئی۔ ان کا نام عمر عبدالعزیز تھا (بعد میں اسی کے ساتھ فاطمہ کی شادی ہو گئی تھی) ان کے ساتھ فاطمہ کی اسلام کے موضوع پر تفصیلی گفتگوئیں ہوتی رہیں۔ اسلام کی تعلیم ان کے اپنے الفاظ میں: "مجھے عقل عام کے مطابق نظر آنے لگی۔ میں نے جرمن زبان میں اسلام پر وہ ساری کتابیں پڑھ ڈالیں جو غیر متعصب اور منصف مزاج مصنفین نے لکھی تھیں۔ خصوصاً محمد اسد کی کتاب "اے روڈ ٹو مکہ" نے میرے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

اب مجھے پتہ چل گیا تھا کہ اسلام کی ہر تعلیم اپنے پس منظر میں کوئی نہ کوئی زبردست حکمت رکھتی ہے۔ ساتھ وہ ترک نوجوان (جو اب میرے شوہر ہیں) بھی میرے ہر سوال کا جواب شرح و بسط کے ساتھ دیتے حتیٰ کہ مجھے کلی اطمینان قلب نصیب ہو گیا اور میں مسلمان ہو گئی۔"

قبول اسلام کے بعد دونوں میاں بیوی نے جرمنی چھوڑ کر کسی اسلامی ملک میں چلے جانے کا فیصلہ کیا' بالاخر پاکستان میں قیام اختیار کیا۔ لیکن بعد میں یہاں کے ماحول سے بھی بددل ہو گئے اور واپس جرمنی چلے گئے دونوں میاں بیوی راسخ العقیدہ اور باعمل مسلمان ہیں اور آجکل جرمنی میں دعوت و تبلیغ میں مصروف ہیں۔

محترمہ فاطمہ ہیرین مکمل پردہ کرتی ہیں۔ ایسا پردہ جسے مثالی کہا جا سکتا ہے' ایسا پردہ پاکستانی خواتین بھی نہیں کرتیں۔ وہ جب پاکستان آئیں تو "اپوا" کی بیگمات نے اس عظیم جرمن خاتون کو "ماڈرن" سمجھ کر اپنی عید ملن پارٹی میں بلا لیا۔ وہاں محترمہ فاطمہ نے ان کو بے پردہ دیکھا تو ان کی ایسی خبر لی کہ

بیگمات بس بغلیں جھانکتی رہ گئیں۔ انہوں نے کہا: "تم اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہو حالانکہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم نے تبرج جاہلیت کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اسلام تم سے سادگی اور پردہ کا تقاضا کرتا ہے اور تم نے مسرفانہ طرز زندگی اور بے حجابی کی راہ اختیار کر لی ہے۔ اسے تم ترقی سمجھتی ہو حالانکہ یہ بدترین گمراہی اور صریح جاہلیت ہے۔"

(7) محترمہ عائشہ (انگلستان):

محترمہ عائشہ نے 21 برس کی عمر میں اسلام قبول کیا' والدین عیسائی تھے مگر کبھی ان کو عبادت کرتے نہ دیکھا۔ بچپن میں عائشہ کو ایک مذہبی سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ مگر عیسائیت کے عقائد ان کو بری طرح کھٹکنے لگے۔ خصوصاً تثلیث کا عقیدہ اور کفارہ کا عقیدہ (کہ حضرت عیسیٰؑ تمام انسانوں کے گناہوں کے بدلے میں صلیب پر چڑھ گئے۔ اب ہر عیسائی اپنے تمام افعال میں مکمل طور پر آزاد ہے) جب عیسائیت کے بارے میں شکوک و شبہات بڑھ گئے تو پھر انہوں نے دیگر مذاہب کا بھی مطالعہ کیا' مگر دل کو اطمینان نصیب نہ ہوا۔ اکثر یہ سوال ذہن کو پریشان کرتا "کیا کائنات حادثہ کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہے؟ اس کا آغاز کیا ہے؟ انسان کا انجام کیا ہے؟" بس یہی سوالات ان کو پریشان کرتے رہتے۔ اسی دوران میں انہوں نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ وہاں کچھ مسلمان طالب علموں سے تعارف ہوا۔ ان سے گفتگو ہوئی۔ انہوں نے پورے صبر و تحمل سے عائشہ کے پریشان کن مسائل سنے اور پھر اسلام کی روشنی میں انکا مدلل جواب دیا۔ ساتھ پڑھنے کو کچھ اور کتب بھی دیں' جن کو عائشہ نے سنجیدگی سے پڑھا تو ایک دم قلب و ذہن میں تبدیلی محسوس ہونے لگی۔ پھر انہوں نے ایک ایک مسئلے میں ان مسلمان کلاس فیلوز سے رہنمائی حاصل کی اور مسلمان ہو گئیں۔ وہ لکھتی ہیں:

"مجھ سے اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ میرے اسلام قبول کرنے کی بڑی وجوہات کیا تھیں؟ اس سوال کا جواب اتنا آسان نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی مثال جیومیٹری کے نقشے کی سی ہے جس کا ہر جز دوسرے جز کی تکمیل کرتا ہے اور نقشے کا اصل حسن تمام اجزاء کے تناسب اور ربط و تعلق میں ہوتا ہے۔ اسلام کی یہی وہ خصوصیت ہے جو انسانوں پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ ذرا فاصلے سے دیکھیں تو تمام انسانی ارادوں' مقاصد' اعمال اور عام اشیاء کی عمومیت میں اسلام گہری بصیرت کا ثبوت دیتا نظر آتا ہے' اس کے سیاسی اور حکومتی نظام کا مطالعہ کریں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اگر سماجی و انفرادی نقطہ نظر سے دیکھیں تو یہ تجی اخلاقیات کی مشعل لئے ایک ایک پہلو میں زندگی کی صاف اور سیدھی شاہراہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور ان معاملات میں دنیا کا کوئی اور نظام یا مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مسلمان جب بھی کوئی کام کرتا ہے اللہ کا نام لیتا ہے۔ جب وہ اللہ کا نام لیتا ہے تو گویا اپنا احتساب بھی کرتا ہے۔ اس طرح اونچے معیار کو پا لیتا ہے۔ اس طرح روزمرہ زندگی میں اور مذہبی

تقاضوں میں کوئی بعد نہیں رہ جاتا بلکہ دونوں میں ایک متناسب تعلق قائم ہو جاتا ہے' جو متوازن بھی ہوتا ہے اور بے حد ضروری بھی۔"

"پھر میں اپنے احباب سے اسلام کے بارے میں کھل کر بات کرتی تو وہ اسلام کی حکمتوں کو تسلیم کرتے۔ میرے احباب نے تسلیم کیا کہ عائلی زندگی کے مسائل کا بہترین حل وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔۔۔ آخر میں' میں اسلامی ملکوں کے خاندانی مضبوط نظام اور صاف ستھری زندگی کو خراج تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اگر ہم اس کا مقابلہ یورپ کی معاشرتی اور خاندانی قباحتوں سے کریں تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمان عظمت کی کن بلندیوں پر فائز ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر فی الواقع اسلام کا سماجی نظام بر سر عمل آجائے تو رحمت و برکت کا کیا عالم ہو گا!"

(8) محترمہ شاہین گلفام (ہالینڈ):

پہلا نام کرونی تھا۔ پروفیسر شاہین گلفام قبول اسلام سے پہلے عیسائی مذہب کی پیروکار تھیں۔ فطرتاً طبع سلیم کی مالک تھیں۔ ہر بات پر غور و فکر کرنے کی عادی تھیں۔ سولہ برس کی عمر سے ہی عیسائیت کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات قلب و ذہن میں پرورش پانے لگے' یونیورسٹی میں داخل ہوئیں تو عربی کا مضمون بھی منتخب کر لیا۔ اس طرح اسلام' اسلامی تاریخ اور اسلامی ثقافت کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں یونیورسٹی میں ایک پاکستانی مسلمان سے ملاقات ہو گئی۔ وہ ایک عملی اور باکردار مسلمان تھا۔ کرونی نے اس سے شادی کر لی۔ شوہر ہر وقت اسلامی کتب بیوی کو برائے مطالعہ دیتا رہتا تھا' مگر کبھی مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ اس دوران میں وہ جس کتاب سے سب سے زیادہ متاثر ہوئیں وہ علامہ محمد اسد کی کتاب "اے روڈ ٹو مکہ" تھی۔ بالآخر شادی کے اڑھائی سال بعد کرونی نے اسلام قبول کر لیا' تو شوہر نے ان کا اسلامی نام شاہین گلفام رکھا۔ شاہین گلفام صاحبہ نے اپنے مسلمان ہونے کے اسباب یوں بیان کئے: "اگر میں عیسائی رہتی تو اب تک نن بن چکی ہوتی کیونکہ عیسائیت میں عورتوں کے لئے روحانی بالیدگی حاصل کرنے کے لئے نن بننے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ مگر اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ اسلام میں روزمرہ کا ہر کام ہی عبادت ہے بشرطیکہ نیت درست ہو اور اخلاص کے ساتھ کام کیا جائے۔ اسلام کا کسی بھی لحاظ سے عیسائیت سے تقابل' میں سمجھتی ہوں' اسلام سے زیادتی کے مترادف ہو گا۔ صرف نماز ہی کو لیجئے! اسلام سے پہلے میں ورزش اور روحانی تسکین کے لئے یوگا کیا کرتی تھی۔ اب نماز پڑھتی ہوں تو اس سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ روحانی بالیدگی بھی ملتی ہے' جسمانی اعصاب کی تھکن بھی ختم ہوتی ہے اور اللہ کا قرب بھی حاصل ہوتا ہے۔"

محترمہ پروفیسر شاہین گلفام دس سال تک ایک بین الاقوامی ایئرلائن میں ملازمت کرتی رہی ہیں۔ وہ دنیا کی پہلی ایئرہوسٹس تھیں' جو دوران پرواز میں بھی برقعہ میں ملبوس ہوتی تھیں۔ اس راہ میں

انہیں بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر پردہ ترک نہ کیا' بعد میں ناگزیر حالات کی بناء پر ملازمت ترک کر کے ڈچ یونیورسٹی کی ملازمت اختیار کر لی' جہاں صرف تین سال کے بعد شعبہ "الشرقیہ" کا انہیں سربراہ بنا دیا گیا۔

اب انہوں نے تن' من' دھن سے تبلیغ اسلام کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ ایک انجمن قائم کی' جس کا نام "النساء" تھا اور پھر تبلیغ کا دائرہ وسیع ہوا تو ایک ماہنامہ بھی شروع کیا جس کا نام "وائس آف اسلام" تھا۔ اب اس رسالے کی گونج ولندیزی دانشوروں کے حلقے میں گونجنے لگی' تو شاہین گلفام صاحبہ کو ڈچ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اسلامی نظام زندگی کے مختلف موضوعات پر خطاب کے لئے بلایا جانے لگا' وہ خود بیان کرتی ہیں: "مجھ سے ریڈیو' ٹی۔ وی اور دیگر تقریبات میں ایک سوال اکثر پوچھا جاتا تھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد عورتوں کو پردے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے؟" میں اس کے جواب میں بتاتی کہ پردے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا بلکہ ہم برضا و رغبت اسلام کے اس حکم کی تعمیل کرتی ہیں' چونکہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے یہ حکم دے رکھا ہے لہٰذا اس حکم کی تعمیل ہی میں ہمارے لئے بہتری ہے۔ اسلام قبول کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے سامنے اپنا سر جھکا دیا جائے۔ اگر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ہم نے ہر کام میں اپنی ہی مرضی کرنی ہے تو پھر اسلام قبول کرنے کا کیا فائدہ؟ میں لوگوں کو یہ بتاتی ہوں کہ عورت خواہ کسی بھی روپ اور مرتبے میں ہو' اس عظیم مذہب میں اسے یکساں عزت' محبت اور توقیر سے نوازا جاتا ہے۔ عالم اسلام کی خواتین پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ رسولؐ کی بعثت نے معاشرے کی سب سے کمزور مخلوق کو سب سے زیادہ طاقتور بنا دیا۔ مجھے آج تک وہ منظر کبھی نہیں بھولتا جب میں نے اپنے مرکز میں آتی ہوئی غیر مسلم خواتین کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا کہ "جنت ماں کے قدموں تلے ہے" تو عورتوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور جب میں نے انہیں حضورؐ کے مزید وہ ارشادات سنائے جو آپؐ نے عورت کی عظمت کے بارے میں تفصیل سے بیان کئے ہیں' تو "النساء" کے مرکز میں آئی دس کی دس خواتین جب مرکز سے نکلیں تو وہ سب اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چکی تھیں۔ یہ 4 دسمبر 1986ء کا واقعہ ہے۔" یوں اس باہمت اور باعمل خاتون کی کوشش اور محنت سے تیرہ سال کے عرصہ میں چار ہزار (4000) خواتین نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

❑ (9) محترمہ خولہ لکاتا (جاپان):

جاپان سے تعلق رکھنے والی نومسلم خولہ لکاتا پیرس میں حصول تعلیم کے لئے گئیں۔ وہاں وہ اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہوئیں اور تب سے باپردہ زندگی اختیار کر لی۔ وہ لکھتی ہیں: "میں بعض اوقات مردوں کے گھورنے سے گھبرا جاتی تھی۔ اب حجاب اختیار کرنے کے بعد مجھے یکدم یوں محسوس ہوا گویا حجاب نے مجھے لوگوں کی ناشائستہ نظربازی سے محفوظ کر دیا ہے۔ میرا پردہ اللہ کی فرمانبرداری کی علامت اور میرے ایمان کا اعلان

تھا۔ وہ ہر دیکھنے والے کو یہ بتا رہا تھا کہ اب میں مسلمان ہو گئی ہوں۔ جیسے پولیس آفیسرز اپنی وردی میں ہر وقت اپنی حیثیت اور ذمہ داری سے آگاہ رہتے ہیں' اسی طرح میں نے حجاب کے اندر اپنے آپ کو اہم مسلمان فرد محسوس کیا جو ہر وقت مجھے اللہ کی فرمانبرداری کی یاددہانی کراتا رہتا ہے۔ میں نے اپنی عرب مسلمان بہنوں کے سیاہ خمار کو جب دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ رومن کیتھولک ننوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ تعجب ہے کہ لوگ کیتھولک نن کے پردے پر اعتراض نہیں کرتے' لیکن مسلمان عورت کے پردے پر سخت تنقید کرتے ہیں اور اسے دہشت گردی اور ظلم کی علامت قرار دیتے ہیں۔ جب کہ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ باپردہ عورتوں سے مرد دور رہتے ہیں اور انہیں بہن کہہ کر پکارتے ہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ پردے کے بغیر میرے کچھ راز ہیں جو دیکھے جا رہے ہیں' گویا بے پردہ عورت سب کو عام دعوت نظارہ دیتی ہے۔ اس کے برعکس پردہ دار خاتون ہر اک کے رحم و کرم پر نہیں ہوتی' بلکہ اسے حجاب کے اندر امن و سکون ملتا ہے اور آزادی' لطف اور مزہ حاصل ہوتا ہے۔ اس احساس تحفظ کو وہی جان سکتا ہے جو اس تجربے سے گزرتا ہے۔ تجربہ سے پہلے اس لطف اور سکون کا تصور کرنا بھی ناممکن ہے۔" اگر اسلام عورتوں پر پردہ کی پابندی لگا کر ان پر واقعی ظلم کرتا ہے تو پھر یورپ' امریکہ' جاپان' آسٹریلیا بلکہ ساری دنیا سے تعلق رکھنے والی خواتین جو بہترین تعلیم یافتہ اور نوجوان ہیں' اپنی آزادی اور خود مختاری کو ترک کر کے کیوں اسلام قبول کرتیں!

(10) امریکہ میں زیر تعلیم ایک نومسلم ملائیشی طالبہ نے ایک اسلامی پروگرام کے دوران اسلام کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا:

"میں ایک لڑکی ہوں۔ مغربی تہذیب نے تعمیر کے نام پر عورت کے ساتھ جو دھوکہ و فراڈ کیا ہے۔ اس سے مردوں سے کہیں زیادہ واقف ہوں پہلے میں بھی اسی مغربی تہذیب کی دلدادہ انتہائی ماڈرن لڑکی تھی۔ مجھے اصرار تھا کہ جو کچھ مرد کر سکتے ہیں وہی کچھ عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ میں عورت ہونے کے باوجود مغربی تہذیب کے زیر سایہ مردوں کی سی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ اس لئے تنہا اپنے ملک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ آگئی' تاہم اس وقت میری زندگی میں زبردست انتشار تھا۔ امریکہ آکر اپنی چند مسلمان بہنوں کی کوشش سے میں اسلام کے قریب ہوئی۔ آہستہ آہستہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ اسلام سے دور رہ کر میں نے اپنے اوپر کتنا ظلم کیا ہے۔ اسلام نے عورت کی حیثیت سے میرے مقام کو تسلیم کیا اور میرے لئے ایک متوازن خوشگوار' باعزت اور بامقصد زندگی کی نشاندہی کی۔ آج میری زندگی سکون و اطمینان سے بھرپور ہے۔ اب میں نے اپنے ہم وطن مسلم نوجوان سے شادی کر لی ہے۔ میں اپنے گھر کی ذمہ دار ہوں۔ اپنی تعلیم اچھی طرح سے پوری کر رہی ہوں۔ اپنی مسلمان بہنوں کے ساتھ دینی پروگراموں میں حصہ لیتی ہوں اور ہفتہ میں ایک بار اس شہر کے مسلم بچوں کو دینی

تعلیم بھی دیتی ہوں۔ آج میرے سامنے زندگی کا ایک مقصد ہے۔ اب میں ایک باوقار مسلمان عورت ہوں اور مغربی تہذیب کی طرح کسی کمتری کا شکار نہیں ہوں۔ اسلامی لباس اور حجاب میرے لئے وقار اور تحفظ کی علامت ہیں۔ تلكَ عشرةٌ كاملةٌ"

جدید تعلیم یافتہ نومسلم خواتین کی یہ حکایات بہت دلچسپ اور لذیذ ہیں باوجود اختصار کی کوشش کے دارز تر ہوتی جاتی ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ مندرجہ بالا سب نومسلم خواتین انتہائی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں جو ڈاکٹری انجینئرنگ' سائنس' معاشیات اور تعلیم کے شعبوں سے وابستہ ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اسلام کے مختلف فضائل و خصوصیات کو محسوس کر کے اس کی برتری کو مطالعہ اور مشاہدہ ہر طریقے سے جانچ کر اختیار کیا ہے' مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ سب نومسلم خواتین نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے حجاب اور ستر کے احکام کی پوری پابندی کی ہے۔ یہ سب خواتین راسخ العقیدہ اور باعمل ہیں۔ انہوں نے اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہونے کے بعد پوری کوشش سے یہ نعمت دوسری غیر مسلم بہنوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

مغربی تہذیب کے علمبرداروں نے سب سے زیادہ اسلام کے معاشرتی نظام اور خصوصاً پردہ کو ہدف بنایا ہے۔ مگر اللہ کی قدرت اور شان دیکھئے! یہ اسلام کا معاشرتی نظام اور خصوصاً حجاب ہی تو ہے جو خود مغربی خواتین کو کشاں کشاں اسلام کی طرف کھینچ کر لا رہا ہے۔ انہیں اسلام میں عورت کا بلند مقام و مرتبہ دیکھ کر اسلام میں بے پناہ دلکشی محسوس ہو رہی ہے۔ یہ سب خواتین مساوات مرد و زن کے کڑوے کسیلے پھلوں کو چکھ چکی ہیں اور اب ان سے جان چھڑانا چاہتی ہیں۔ وہ اپنی جنت گم گشتہ (گھر) میں واپس آنا چاہتی ہیں لہٰذا یہ نومسلم خواتین اسلام کے تمام احکام پر برضا و رغبت مکمل طور پر عمل پیرا ہو رہی ہیں۔ وہ اسلام کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ رہی ہیں۔ کیا اس صورت حال میں ہم پیدائشی مسلمان خواتین کے لئے کوئی درس عبرت اور پیغام موجود ہے؟ قرآن پاک کی آیت بے ساختہ میری زبان پر جاری ہو گئی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

(سورۃ مائدۃ 3:)

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے۔"

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے چودہ سو سال قبل سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم پر مکمل دین نازل فرما کر اپنے بندوں کے لئے اپنے انعامات و احسانات کی انتہا کر دی' سب سے بڑی نعمت سے ان کو بہرہ ور کر دیا۔ اب جو شخص مسلمان ہے اور اللہ کا اور رسول ؐ کا اطاعت گزار ہے' اسی سے اللہ

راضی ہے۔ وہی ذہنی و قلبی سکون سے مالا مال ہے' اخروی اجر وثواب کا مستحق ہے۔ ہم مسلمانوں کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے۔ بلا تحقیق و تنقید اہل مغرب کی ہر ادا پر مرتے جاتے ہیں' اپنے ہاں کی ہر روایت اور ہر ادا غیر مقبول اور ان کی ہر الٹی سیدھی بات سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔

سود کی زبردست حرمت کے باوجود سود ہماری رگ وپے میں جاری و ساری ہے۔ اب خود اہل مغرب سود کی تباہ کاریوں اور ہلاکتوں کا عملی تجربہ کرنے کے بعد بلا سود بینکاری کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ سویٹزر لینڈ میں سودی نظام کی جگہ بلا سود بینکاری لائی جا رہی ہے۔ یہی معاملہ تحریک آزادی نسواں کا ہے۔ جب وہاں یہ تحریک برپا ہوئی تو ان کے دانشور اور فلاسفرز مثلاً ژول سیمان' آگسٹ کاؤنٹ' سامویل سمائلز اور پروڈون وغیرہ نے چیخ چیخ کر اس کے خلاف احتجاج کیا اور زن کو نازن بنانے پر مسلسل نوحہ کناں رہے۔

پھر جب اس تحریک کی بانی اور محرک خواتین نے خود اس کے کڑوے پھل چکھ لئے۔ ذاتی اور اجتماعی زندگیوں میں ابتری اور انتشار کا مشاہدہ کیا تو خود انہوں نے پھر "گھر واپس چلو" (BACK TO HOME) اور "حجاب میں آزادی" (FREEDOM IN HIJAB) یعنی مردوں کی ہوسناکی اور جنسی تشدد کے مقابلے میں پردہ اور حجاب ہمارے ہتھیار ہیں' جیسی تحریکیں برپا کیں اور اس طرح اسلام کے اجتماعی بہبود کے نظام پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے! کیا ہم اب بھی اپنے دین کے سنہری اصولوں کی طرف رجوع کریں گے یا نہیں؟ میں اپنی بہنوں سے دلسوزی سے گزارش کرتی ہوں کہ وہ اپنی جنت میں واپس آئیں۔ اپنے گھر اور اپنے خاندان کو پوری توجہ دیں۔ کیونکہ اگر گھروں کی حفاظت کے لئے گھر والیاں موجود نہ ہوں تو پھر میدانوں میں مرد بھی جنگ ہار جاتے ہیں۔

اسلام اور ملک یمین

- غلامی کا رواج
- اسلام میں قیدیوں سے حسن سلوک
- خواتین قیدی
- قبل از اسلام لونڈی کی حالت زار
- اسلام کی مغرب پر برتری
- مغربی تہذیب کو ملک یمین پر اعتراض کیوں ہے؟

اسلام اور ملک یمین

گزشتہ ابواب میں خواتین کے تمام مسائل جدید تحریک نسواں کے حوالے سے بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ ایک ایسا مسئلہ رہ گیا ہے جس کا براہ راست جدید نسوانی تحریک سے تعلق نہیں مگر مستشرقین اور خود مغرب زدہ مسلمانوں نے اس پر بڑی شدومد سے اعتراض اٹھائے ہیں کہ اسلام تو عورتوں کے حقوق کا محافظ ہے۔ اس نے چودہ صدی پیشتر عورت کو آزادی اور مساوات کے حقوق سے آشنا کیا۔ پھر اس نے ملک یمین سے بلا نکاح تمتع کی اجازت دیکر عورت کے استحصال کا دروازہ کیوں کھلا رکھا؟ اس طرح اس نے عورت کی غلامی کو برقرار رکھنے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

اس طرح ملک یمین کے مسئلے پر یورپی مستشرقین کی غیر منصفانہ تنقید اور خود مسلمانوں کی افراط و تفریط نے معاملہ اور بھی الجھا دیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس مسئلے پر اسلام کے صحیح موقف کو واضح کیا جائے۔

غلامی کا رواج: اس سلسلے میں قابل غور امر یہ ہے کہ اسلام نے دنیا میں لونڈی غلاموں کا نظام متعارف نہیں کرایا۔ اس کا وجود تو زمانہ قدیم سے تمام قوموں اور تہذیبوں میں چلا آیا ہے اور یہ غلامی اس وقت کے معاشی و معاشرتی نظام کا ناگزیر حصہ بن چکی تھی۔ روم' ایران' ہندوستان غرض ہر جگہ غلاموں کی منڈیاں لگتی تھیں اور وہ حیوانوں کی طرح خریدے اور بیچے جاتے تھے۔ ان کی کمر گراں بار ذمہ داریوں اور مظالم سے جھکی ہوئی تھی' مگر ان کا کوئی حق نہ تھا۔ اسلام نے تاریخ عالم میں پہلی بار غلاموں کے حق میں آواز بلند کی اور غلاموں کی آزادی کے لئے ایک ایسی جاندار تحریک برپا کی جس کی مثال بعد کی بارہ صدیوں تک کہیں نہیں ملتی۔ اسلام نے قانوناً غلامی کی ہر شکل کو ختم کر دیا' سوائے ایک استثناء کے' اور وہ تھا جنگی قیدیوں کا مسئلہ۔ میدان جنگ میں فاتح قوم یا قبیلہ اپنے مفتوح قوم کے تمام افراد کو یا تو تہ تیغ کر دیتا یا پھر ان کو لونڈی غلام بنا لیتا۔ جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنا لینا ایک ٹھوس روایت بن چکی تھی۔ ان حالات میں اسلام کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ یک طرفہ طور پر دشمن کے تمام قیدی رہا کر دے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا تو یہ مصلحت سے بعید ہوتا اور دشمن کو مزید شہ ملتی۔ وہ کسی جوابی ردعمل کے خدشے سے بے نیاز ہو کر مسلمانوں کے قیدیوں کو سنگین مظالم اور انتقامی کارروائیوں کا تختہ مشق بناتے۔ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی یہ روایت اس وقت تک ختم نہ ہو سکتی تھی جب تک دیگر اقوام اس سلسلے میں مل کر ایک مشترکہ لائحہ عمل نہ طے کر لیں۔

دور جدید میں بین الاقوامی طور پر جنگی قیدیوں کے باہمی تبادلہ کا اصول رائج ہو گیا ہے' تو اب غلامی کا خاتمہ کرنا ممکن ہو گیا ہے۔

اسلام میں قیدیوں سے حسن سلوک: (1) اگرچہ اسلام نے غلامی کو ختم نہیں کیا اس وقت کے مخصوص حالات کے پیش نظر 'مگر اس نے غلاموں کے ساتھ ہر ممکن حد تک حسن سلوک کیا اور غلامی کو ختم کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی۔ اس نے معاشرے میں غلاموں کو باعزت مقام دلایا اور **بعضکم من بعض** (النساء:45) "یعنی تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو" فرما کر غلاموں کو آزاد انسانوں کے برابر لا کھڑا کیا۔

(2) یاد رہے کہ صرف انہی قیدیوں کو لونڈی غلام بنایا جاتا جو لاوارث ہوتے اور کوئی ان کو واپس لے جانے والا ہی نہ ہوتا۔ اگر ان قیدیوں کو ان کے وارث زر فدیہ دیکر یا بطور احسان واپسی کا مطالبہ کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔

(3) چونکہ اس دور میں حکومت کے لئے ان قیدیوں کو الگ جیلوں یا کیمپوں میں رکھنے کا بندوبست کرنا دشوار تھا' اس لئے سہولت کی خاطر قیدیوں کو فوج ہی کے افراد میں تقسیم کر دیا جاتا۔ قیدی چونکہ اس ملک میں بالکل اجنبی اور نووارد ہوتا اس لئے اپنے مالک کے خاندان کے ایک جز (غلام) کی حیثیت سے اس کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ رہتا۔ مالک کو بھی اس سے ہر خدمت لینے کا اختیار حاصل تھا۔ مگر ساتھ اس کے قیام' طعام' لباس اور آرام غرض ہر ضرورت کا ممکن حد تک خیال رکھنا واجب تھا۔

(4) چونکہ یہ لونڈی غلام فوجیوں کو ان کی فوجی خدمات کے عوض ملتے تھے' اس لئے انہیں یہ حق حاصل تھا کہ چاہے تو انہیں اپنے پاس رکھیں اور چاہیں تو کچھ معاوضہ لیکر انہیں آگے فروخت کر دیں۔ مگر یہ تاکید کی کہ اپنے پاس رکھیں تو ان سے بالکل بھائیوں والا سلوک کریں۔

(5) اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے لونڈی غلاموں کو آزاد کرنے کی بہت سی ترغیبات دیں۔ مثلاً مختلف گناہوں کے کفارے میں لونڈی غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ مصارف زکوۃ میں غلاموں کی آزادی کو ایک مستقل مد قرار دیا۔ پھر غلاموں کو آسان شرائط پر اپنی آزادی خریدنے کا حق دیا جس کا شرعی نام "مکاتبت" ہے۔ مسلمانوں کے بیت المال کو بھی مکاتبت کرنے والے غلاموں کی مدد کرنے کا حکم دیا۔ علاوہ ازیں آپؐ نے غلاموں کی نفسیات کو بدلا۔ ان میں آزادی کی تڑپ اور امنگ پیدا کی۔ ان سے آزاد لوگوں نے رشتے ناتے کئے۔ ایک غلام کی جان کو آزاد انسان کے برابر قرار دیا گیا۔

خواتین قیدی: اگر یہ عورت (لونڈی) ہوتی تو اس کے مالک کو اس سے ہم بستری کا بھی حق حاصل تھا۔ قابل غور امر یہ ہے کہ اس اجازت کے بغیر لونڈی کو مرد کے ماتحت کر دینے کا نتیجہ بھی تو وہی برآمد ہوتا جس کی جھلک عموماً مرد افسروں کے ماتحت ملازم خواتین کی صورت میں نظر آتی رہتی ہے۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ جو عورتیں اس طرح قیدی بنیں خواہ ان کے شوہر دار الحرب میں موجود ہوں' ان کے قیدی بننے سے ہی ان کے سابقہ نکاح ٹوٹ گئے۔ اب ایسی عورتوں سے ان کے نئے مالکوں کو تمتع کا حق حاصل ہے۔ اگر مالک اس غلام عورت کی حسن تربیت کرے اور پڑھائے لکھائے' پھر آزاد کر کے اس سے باضابطہ نکاح کر لے تو پھر اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک اس کی حسن تربیت کرنے اور اس کو پڑھانے لکھانے کا اور دوسرا اجر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے کا۔ (بخاری و مسلم)

ہاں اگر دونوں میاں بیوی ایک ساتھ گرفتار ہوں تو پھر ان کے سابقہ نکاح باقی رہتے ہیں یا نہیں؟ اس میں

فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ یہ ہے کہ نکاح باقی رہے گا جبکہ امام شافعی و امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ ان کا سابقہ نکاح باقی نہیں رہے گا۔

لونڈیوں سے تمتع کے مسئلے میں چونکہ بہت سی غلط فہمیاں عوام الناس میں پائی جاتی ہیں' لہٰذا ان امور کو واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

(1) جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں ان کو پکڑتے ہی ہر سپاہی ان سے تمتع کرنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ وہ سب خواتین حکومت کی تحویل میں ہیں اور حکومت ہی ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔ چاہے ان کو ویسے ہی رہا کر دے اور چاہے فدیہ لے کر رہا کرے' چاہے تو اپنے مسلمان قیدیوں کے تبادلے میں واپس کر دے اور چاہے تو اپنی فوج میں تقسیم کر دے۔ ایک سپاہی صرف اسی عورت سے تمتع کرنے کا مجاز ہے جو باضابطہ اس کو حکومت کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ حاکم کی طرف سے باضابطہ دیا جانا نئے نکاح کا قائم مقام بن جاتا ہے' لہٰذا اب وہ اس کی تمام ذمہ داریوں کا ضامن ہے۔

(2) جو عورت اس طرح کسی فوجی کی ملک میں آگئی ہے' وہ اسی وقت اس سے مباشرت نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کو ماہواری نہ آجائے اور یہ اطمینان ہو جائے کہ وہ حاملہ تو نہیں ہے۔ اس سے پہلے مباشرت کرنا حرام ہے اور اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک اس سے تمتع ناجائز ہے۔

(3) جو عورت جس شخص کو دی گئی' صرف وہی شخص اس سے تمتع کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے شخص کو اس سے جنسی تعلق رکھنا حرام ہے۔ اس عورت سے اس شخص کی اولاد جائز اولاد ہوئی۔ اس اولاد کے قانونی حقوق وہی ہوں گے جو شریعت میں صلبی اولاد کے لئے مقرر ہیں۔ صاحب اولاد ہونے والی لونڈی کو "ام الولد" کہا جاتا ہے۔ ام الولد کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اپنے مالک کے فوت ہوتے ہی وہ خود بخود آزاد ہو جائے گی۔

(4) لونڈی کی اگر اولاد نہ بھی ہو تب بھی باپ کی مدخولہ لونڈی اولاد کے لئے اسی طرح حرام ہے جس طرح اپنے باپ کی منکوحہ بیوی۔ اسی طرح دو سگی بہنیں بھی بطور لونڈی کے ایک شخص کے پاس نہیں رہ سکتیں۔

(5) جو عورت اس طرح کسی کی ملک میں آتی ہو' اگر اسے اسکا مالک کسی دوسرے شخص کے نکاح میں دے دے تو پھر مالک کو اس سے عام خدمت لینے کا حق تو حاصل رہتا ہے مگر اس سے جنسی تعلق رکھنا حرام اور ممنوع ہو گا اور مالک اس لونڈی کا ولی شمار ہوتا ہے' لیکن نکاح کے لئے خود لونڈی کی رضامندی ضروری ہے۔ اسی طرح وہ مہر کی بھی حقدار ہو گی۔

(6) جس طرح شریعت نے بیویوں کی تعداد کو چار تک محدود کر دیا ہے' اسی طرح کی کوئی پابندی لونڈیوں پر نہیں لگائی گئی۔ اس معاملہ میں کوئی حد مقرر نہ کرنے سے شریعت کا منشاء یہ نہیں ہے کہ امیر لوگ بے شمار لونڈیاں خرید خرید کر اپنے گھروں کو عیاشی کے اڈے بنا لیں بلکہ اس عدم تعین کی اصل وجہ جنگی حالات کا عدم تعین ہے۔ اگر دولت مند لوگ اپنی عیاشی اور فحاشی کی خاطر ایسا کریں تو اسلام کی روح اور منشاء کے خلاف ہے۔ اسلام تو غلامی کو ختم کرنا چاہتا ہے نہ کہ نت نئے طریقوں سے اس کو بحال رکھنا۔ لہٰذا ایسا کرنے والے لوگ مجرم ہیں۔

(7) حکومت کی طرف سے حقوق ملکیت کا باقاعدہ عطا کیا جانا ویسا ہی ایک قانونی فعل ہے جس طرح نکاح ایک قانونی فعل ہے۔ جب آدمی نکاح کے بعد جنسی فعل میں کسی قسم کی کراہت محسوس نہیں کرتا بالکل اسی طرح ملک یمین سے بھی تمتع کرنے میں خواہ مخواہ کی کراہت محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(8) حکومت ایک بار کسی کو اسیران جنگ دیکر واپس لینے کی مجاز نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی عورت کا ولی اس کو کسی کے نکاح میں دے کر واپس لینے کا حقدار نہیں رہتا۔

(9) اگر کوئی فوجی کمانڈر محض وقتی اور عارضی طور پر اپنے سپاہیوں کو قیدی عورتوں سے اپنی شہوانی خواہشات پوری کرنے کی اجازت دے دے اور کچھ وقت کے لئے انہیں فوج میں تقسیم کر دے تو یہ اسلامی قانون کی رو سے قطعاً ایک ناجائز فعل ہے۔ اس میں اور زنا میں کوئی فرق نہیں اور اسلامی قانون میں زنا حرام اور جرم ہے۔

(10) لونڈی کی جنسی خواہش پوری ہونی چاہئے' چاہے مالک اس سے خود تعلق رکھے یا اس کا نکاح کر دے۔ یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ ممکن ہے کہ مرد کی اپنی بیوی بھی ہو یا کوئی اور ملک یمین ہو' جہاں وہ اپنی خواہش پوری کر لیتا ہو۔ مگر اس صورت میں یہ عورت اپنے جنسی داعیات کو کیسے پورا کرے؟ لہٰذا اس کا کسی اور جگہ نکاح کرنے کا حکم ہے۔ اگر یہ دونوں بندوبست نہ ہو سکیں تو اس کا مطلب ہے کہ عورت کو خود حرامکاری کی راہ دکھائی جا رہی ہے۔ اس لئے ملک یمین سے خود تمتع کرنا یا اس کا دوسری جگہ نکاح کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

(11) نکاح کے بعد اگر لونڈی زنا کی مرتکب ہو تو اسے بھی سزا دی جائے گی' جو آزاد عورت کی سزا کا نصف ہو گی یعنی صرف پچاس کوڑے (النساء:25) اب نکاح ہونے پر اسے شوہر کی جو حفاظت حاصل ہوئی ہے وہ ادھوری ہے۔ چونکہ شوہر کی حفاظت میں آنے کے بعد بھی وہ اپنے مالک کی ملک سے آزاد نہیں ہوئی اور نہ اسے معاشرت میں وہ مرتبہ حاصل ہے جو خاندانی عورت کو حاصل ہے' لہٰذا اس کی سزا بھی آزاد خاندانی عورت کی سزا سے آدھی یعنی پچاس کوڑے ہو گی۔

(12) بہر صورت لونڈی کی منکوحہ بیوی کے سے حقوق و مراعات حاصل نہیں ہو سکتے۔ جنگی قیدیوں کو فاتحین جیسے پورے شہری حقوق و مراعات نہ آج تک کبھی دیئے گئے ہیں نہ کبھی دیئے جا سکتے ہیں۔ اسی لئے لونڈی سے تمتع کے باوجود وہ قابل فروخت ہے اور اگر اس کا نکاح ہو جائے تو زنا کے ارتکاب کی شکل میں اس کی سزا آزاد عورت کی سزا سے نصف ہے۔

قبل از اسلام لونڈی کی حالت زار:

اسلام نے لونڈیوں پر کتنے احسان کئے اور ان پر کس طرح رحمت و برکت کے دروازے کھول دیئے؟ یہ معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ قبل از اسلام قیدی خواتین کی حالت زار کا مطالعہ کیا جائے۔ قیدی عورتوں کو بھی اس دور میں ان تمام مظالم اور مصائب کا نشانہ بنایا جاتا تھا جو اس دور میں غلاموں کے لئے مقرر سمجھی جاتی تھیں۔ اس پر مزید یہ کہ ان کا دامن نسوانیت تار تار ہو جاتا تھا۔ قیدی عورتوں کی عصمت ریزی میں فاتحین کو کوئی باک نہیں ہوتا تھا۔ بعض اوقات تو باپ بیٹے اور بہت سے دوست احباب مل کر ایک ہی عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے اور وہ ان کی مشترک داشتہ قرار پاتی تھی۔ اس پر بھی صبر نہیں آتا تھا تو ان سے طوائف اور کسبی کا کاروبار کرواتے' اس طرح وہ لونڈیوں کے ذریعہ کمائی کرتے تھے۔ دور کیوں جائیں ابھی حال ہی میں سربیا نے بوسنیا پر 1992ء میں جو حملہ کیا تو اس دوران بے شمار بوسنیائی خواتین سربی درندوں کی ہوس اور درندگی کا نشانہ بنیں اور کثیر بوسنیائی بچوں کو جنم دینے پر مجبور کر دی گئیں۔ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں کے بعد جب پاکستانی خواتین بھارت کی قید سے آزاد ہو کر واپس آئیں تو انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں کسی کے بازو شکستہ تھے تو کسی کی ٹانگیں نہیں تھیں اور ہر

عورت کے پاس ایک دو بچے ضرور تھے۔

اسلام کی مغرب پر برتری: مگر اسلام کو یہ برتری اور فضیلت حاصل ہے کہ وہ غلامی اور قید کی حالت میں بھی عورتوں کی نسوانیت کا احترام ملحوظ رکھتا ہے۔ کسی مسلمان فوجی کو انہیں بے آبرو کرنے یا مال غنیمت کا جز سمجھتے ہوئے ان پر قابض ہونے کی اجازت نہیں' نہ ہی وہ قوم کی مشترکہ ملکیت قرار پاتی ہیں۔ اس کے برعکس صرف اور صرف اپنے مالکوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ان کے مالک ان کی کفالت کے ذمہ دار ہیں اور کسی غیر کے لئے ان سے جنسی تعلقات جائز نہیں رہے۔ پھر "ام ولد" کو اپنے مالک کی موت کے بعد آزاد قرار دینا اور مکاتبت کے ذریعہ ان کے لئے آزادی کی راہ کھولنا' کیا یہ قیدی عورتوں کے ساتھ اسلام کے فیاضیانہ اور کریمانہ برتاؤ کا ثبوت نہیں ہے۔ کیا اسلام ملک یمین کے حق میں دین رحمت ثابت نہیں ہوا کہ وہ ان کو کسی معاشی یا جنسی مجبوری اور اضطرار کی بناء پر غلط کاری اور بے راہ روی کا شکار ہونے سے نہ صرف بچاتا ہے بلکہ اپنے مالک کے تحفظ میں صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی کی ضمانت دیتا ہے۔

مغربی تہذیب کو ملک یمین پر اعتراض کیوں ہے؟: جدید مغربی معاشرت میں لذت پرستی اور عیاشی کی خوگر سوسائٹی گرلز جس "آزادی" اور بے باکی سے اپنے جسموں کو دوسروں کے حوالے کرتی نظر آتی ہیں کیا اسی کا نام "آزادی" ہے؟ یہ تو غلامی کی وہ بدترین قسم ہے جس میں غلام برضا و رغبت غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیتے ہیں۔ جدید یورپ کے ہاں یہ آزادانہ صنفی اختلاط ہی ترقی کی معراج ہے۔ وہ بدکاری کو جرم یا گناہ سمجھتا ہی نہیں' اسی لئے چودہ صدی پیشتر اسلام کے لونڈیوں کے متعلق طرز عمل کی آڑ لیکر اس پر زبان طعن و تشنیع دراز کرتا ہے۔ وہ یہ بات فراموش کر جاتے ہیں کہ ملک یمین کے متعلق اسلام کا طرز عمل بھی مسئلے کا عارضی حل تھا (جب تک دنیا غلاموں کے متعلق کوئی مشترکہ لائحہ عمل اختیار نہیں کرلیتی) اور یہ عارضی حل بھی ان کی بیسویں صدی کی تہذیب سے کہیں زیادہ پاکیزہ' فطری اور اکمل اور اعلیٰ ہے۔

بدقسمتی سے کچھ مسلمان امراء و حکام نے اسلام کے بہت سے دیگر احکام کی طرح لونڈی غلاموں کے متعلق اسلام کی روح کو فراموش کر دیا اور دوسرے ممالک سے بچے پکڑ کر ان امراء کے ہاں بیچے جانے لگے اور انہوں نے یہ کہہ کر شغل جاری رکھا کہ انہوں نے باقاعدہ قیمت دیکر خریدے ہیں' لہٰذا ان لونڈیوں سے تمتع جائز ہے۔ مگر ان مسلمان امراء اور حکام کا یہ طرز عمل اور لونڈیوں کے ساتھ عیاشی و فحاشی کسی طرح بھی منشائے اسلام نہ تھی' لہٰذا ان پر اعتراض اسلام پر اعتراض نہیں۔ وہ اپنے طرز عمل کے خود ذمہ دار ہیں نہ کہ اسلام۔

حرف آخر: مسئلہ کوئی بھی ہو! مرد کا' عورت کا' بچوں کا' قیدی و لونڈی غلام کا' اسے صرف اسلام ہی حل کر سکتا ہے۔ اس لئے ہم سب مرد عورتوں اور بچوں کا اولین فرض یہی ہے کہ مل جل کر صحیح اسلامی ریاست کے قیام کے لئے کوشش کریں اور اپنی زندگیاں بھی اسلام کے مطابق ڈھالیں۔ یہ کام جب ہم کریں گے تو عملی دنیا میں بھی اپنے عقائد و نظریات کو غالب کر سکیں گے' زندگی میں توازن اور اعتدال پیدا کرنے کا یہی راستہ ہے۔ جو ہر قسم کی بے انصافی' ظلم و استبداد اور جور و ستم سے پاک ہے۔

غیرت کا قتل اور اسلامی احکام

- سمیعہ عمران کیس
- مشرق و مغرب کا فرق
- پاکستانی معاشرہ اور اسلامی احکامات
- قتل غیرت بہر حال قتل عمد ہے
- بعض فقہاء کا موقف
- قتل کی اجازت نہ دینے کی حکمت
- ہمارا این جی اوز سے بنیادی اختلاف
- پاکستانی قانون اور قتل غیرت
- این جی اوز کا سنگین جرم
- قتل خطا قرار دینا جرائم کے فروغ کا باعث ہے
- پاکستان میں قتل غیرت کی اصل حقیقت
- مسئلہ کا اسلامی حل
- چند معاصر علماء کرام کی آرا

غیرت کا قتل اور اسلامی احکام

گذشتہ کئی سالوں سے مغرب کے سرمائے سے چلنے والی "انسانی حقوق" کی علم بردار این جی اوز کی طرف سے مسلسل یہ مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ پاکستان میں غیرت کے جرائم کا خاتمہ کیا جائے۔ یعنی غیرت کے نام پر قتل کرنے والے قاتلوں کے لیے سزائے موت کا قانون نافذ کیا جائے۔ اگست 1997ء میں خواتین تحقیقاتی کمیشن کی سفارشات جب منظر عام پر آئیں تو اس میں ایک مندرجہ ذیل سفارش بھی شامل تھی۔

"غیرت کے ہاتھوں قتل کو قانون کے تحت قتل عمد قرار دیا جائے اور اس کے لیے مناسب قانون سازی کی جائے"۔ (رپورٹ باب 6، ص 62)

مذکورہ خواتین تحقیقاتی کمیشن نے جسٹس ناصرا سلم زاہد کی سربراہی میں اپنی یہ رپورٹ پیش کی تھی مگر اس کمیشن کی اصل روح رواں پاکستان میں یو این او کی طرف سے "بنیادی انسانی حقوق" کی علم بردار عاصمہ جہانگیر اور ان کی مغرب زدہ اپوائی بیگمات تھیں۔ ان کا موقف یہ تھا کہ کوئی لڑکا اور لڑکی گھر سے بھاگ کر نکاح کے بغیر آپس میں جنسی تعلقات قائم کر لیں یا والدین کی مرضی کے بغیر نکاح کر لیں تو یہ ان کا حق ہے۔ خاندان کے افراد ان کو کیوں قتل کر دیتے ہیں؟ پھر عدالتیں بھی ایسے مقدمات کو غیرت کا قتل قرار دے کر ان کی سزا میں کیوں تخفیف کر دیتی ہیں؟ بجائے اس کے کہ ان کو قتل عمد کی سزا ملے اور قصاص کے طور پر ان کو بھی قتل کیا جائے، عدالتیں تو اس کو قتل خطا قرار دے کر ان کو چند سال کے لیے قید کی سزا دے دیتی ہیں۔ چند سالہ سزا بھگت کر وہ پھر چھوٹ جاتے ہیں۔ اس طرح تو غیرت کے ہاتھوں خواتین کا قتل ہوتا رہے گا اور شوہروں یا قریبی عزیزوں مثلاً باپ بھائیوں کے ہاتھوں خواتین کا استیصال جاری رہے گا۔ یہ کمیشن اپنی رپورٹ میں ہر سال ایسے قتل کی باقاعدہ تعداد بھی ریکارڈ کراتا ہے۔ چنانچہ ان کی رپورٹ کے مطابق 1995ء میں پورے ملک میں 110 خواتین غیرت کی بھینٹ چڑھادی گئیں اور 98ء میں یہ تعداد 286 بیان کی گئی۔

☐ **سمیعہ عمران کیس:** اس مسئلہ کو زیادہ شد و مد سے پشاور کی سمیعہ عمران [1] کے کیس میں اٹھایا گیا۔ شادی شدہ سمیعہ اپنے آشنا نادر خاں کے ساتھ بھاگ کر لاہور

آئی تھی۔ عاصمہ جہانگیر کے ادارہ "دستک" میں نادر خاں نے اسے ٹھہرایا۔ پھر وہ روزانہ کئی کئی گھنٹے دستک میں آکر اس سے گفتگو کرتا، اس کے والدین جب حج سے واپس آئے اور بیٹی کے کرتوت سے واقف ہوئے تو فوراً سمیعہ کا باپ، ماں اور چچا اپنے ملازم حبیب الرحمٰن کے ہمراہ لاہور آئے۔ لڑکی کی والدہ، اس کا چچا اور حبیب الرحمٰن تینوں "دستک" میں آئے۔ والدہ نے پہلے بیٹی کو سمجھایا بجھایا۔ جب وہ نہ مانی تو والدہ کے اشارے سے ملازم حبیب الرحمٰن نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر "دستک" کی نگران حنا جیلانی نے اپنے چوکیدار کو بلایا۔ اس نے آناً فاناً سمیعہ کے قاتل حبیب الرحمٰن کو ڈھیر کر دیا۔ بعد ازاں حنا جیلانی نے واویلا مچایا کہ حبیب الرحمٰن نے سمیعہ کو قتل کیا ہے، یہ غیرت کا قتل ہے۔ اس غیرت کے قتل کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ اگلے دن این جی اوز نے 15 اپریل 1999ء کو "غیرت کے نام پر قتل" کے موضوع پر پریس کلب لاہور میں ایک سیمینار منعقد کیا۔ جس میں عاصمہ جہانگیر، حنا جیلانی اور ان کے دیگر ہم خیال دانشوروں نے جارحانہ انداز میں غیرت کے قتل کے خلاف دل کی خوب بھڑاس نکالی۔ 16 اپریل کو روزنامہ "دن" میں اس سیمینار کی روداد اس طرح شائع ہوئی۔

حنا جیلانی کی دہائی: غیرت، غیرت، غیرت، خواتین کو بھی جینے کا حق دیا جائے۔ اس کے نیچے بیان یہ تھا: "سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ عورت کے متعلق عدالتوں کا رویہ امتیازی ہے۔ عدالتوں کو چاہیے کہ وہ عورت کو عزت و وقار سے جینے کا حق دیں۔ انھوں نے کہا کہ غیرت کے نام پر قتل، مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کی اصطلاح ہے۔ اور آج ہمیں اسٹیٹ کے تمام اداروں کو اس سوچ کے خلاف جھنجھوڑنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سمیعہ عمران کے قتل کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔

حنا جیلانی کا مذکورہ بالا بیان ان این جی اوز کی قلبی واردات کی مکمل غمازی کر رہا ہے۔ بظاہر تو وہ عورتوں کے حقوق کی محافظ بن رہی ہیں مگر درحقیقت وہ پورے پاکستانی معاشرہ بلکہ پاکستان کے عدالتی نظام کی بھی توہین کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتیں۔

اس واقعہ کے بعد حقوق انسانی کے ان نام نہاد علم بردار این جی اوز کی طرف سے یہ سوال ہر پلیٹ فارم پر بکثرت اٹھایا گیا۔ پریس کانفرنسز اور اجتماعات میں ایک ہی سوال جگہ جگہ گھوم رہا تھا کیا آپ غیرت کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز؟ گویا اس قتل کو ناجائز سمجھنا تو ترقی پسندی کی دلیل ہے اور جائز سمجھنا رجعت پسندی بلکہ دہشت گردی کی علامت ہے۔

چنانچہ بیجنگ پلس فائیو کانفرنس میں بھی پاکستان کے سرکاری وفد کو یو این او کے ادارے میں اس سوال کا جواب دینا پڑا۔ غیرت کے جرائم کا پاکستانی وفد نے یوں جواب دیا کہ آپ کے ہاں مغرب میں

بھی تو جذبات کے تحت قتل ہوتے ہیں۔ غیرت کا قتل اور جذبات کا قتل بس ایک ہی چیز ہے۔ اس طرح یو این او والوں کو سردست تو چپ کرنا پڑا۔ مگر ہنوز ان کا قتل غیرت کو ختم کرنے کا دباؤ پاکستان پر موجود ہے۔

مشرق و مغرب کا فرق: دراصل مشرق اور مغرب کی معاشرتی و اخلاقی اقدار بالکل جداگانہ ہیں۔ اہل مغرب کے ہاں غیرت' حیا اور عصمت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ نکاح بھی ان کے ہاں ایک فرسودہ رسم بنتی چلی جا رہی ہے۔ وہاں ایک مرد بیک وقت کئی عورتوں سے تعلق رکھ سکتا ہے اور بیوی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ اسی طرح بیوی کے بھی کئی جگہ مراسم ہوتے ہیں۔ مگر اس پر شوہر کو اعتراض کا حق نہیں۔ لہٰذا وہ اہل مشرق کے غیرت و حمیت کے جذبات و احساسات کو محسوس نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی اسی آبرو باختہ معاشرت کو بہترین سمجھ کر اسلامی ممالک میں اس کو پھیلانا اپنے لیے لازمی سمجھتے ہیں۔ یو این او کی طرف سے ممبر ممالک میں یہ منحوس کام این جی اوز کے ذریعے سرانجام دیا جاتا ہے۔ مزید برآں میڈیا کے ذریعے اسلامی تہذیب و ثقافت کے خلاف اور مغربی ثقافت کے حق میں زبردست پروپیگنڈہ جارحانہ انداز میں برپا کیا جا رہا ہے۔ اسلام کے مضبوط خاندانی نظام میں دراڑیں ڈالنے کے لیے وہ اپنے یہ بظاہر پُرکشش اور لبرل نظریات پیش کرتے رہتے ہیں مثلاً بی بی سی نے اپنے ایک پروگرام میں پاکستان میں 1998ء میں غیرت کے نام پر ہونے والے 286 قتل کی رپورٹ پیش کی۔ عورت کو ترقی کے نام پر گھر سے باہر نکالنا' بچوں کو والدین سے متنفر کرنا' ولی کے بغیر پسند کی شادی کو جائز قرار دلوانا وغیرہ ان کے اہم مقاصد ہیں۔

پاکستانی معاشرہ اور اسلامی احکامات: اس تمام پروپیگنڈے کے درپردہ مقاصد کچھ اور ہیں۔ وہ بنیادی انسانی حقوق کی آڑ میں پاکستان میں آزاد جنسی معاشرہ قائم کرنے کی مذموم کوشش میں مصروف ہیں جبکہ ہم اہل پاکستان مسلمان ہیں۔ ہماری تہذیب جاندار' معقول اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت ان مغربی اقدار سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ لہٰذا اہل مغرب کی مکروہ مساعی کو رد کر کے اسلام کے احکامات کی وسیع پیمانے پر اشاعت کرنا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں کی وضاحت پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

غیرت کے جوش میں آ کر اپنی عورتوں کو قتل کر دینے کا تصور عرب کے جاہلی معاشرے میں بھی

رائج تھا۔ جب پاک دامن عورتوں پر الزام لگانے کے نتیجے میں "قذف" کا حکم قرآن پاک میں نازل ہوا تو اچانک یہ سوال زور شور سے اٹھا کہ غیر عورت کے بارے میں تو انسان ایسے موقع پر خاموش رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کو کسی غیر کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھے تو کیا کرے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال نبی پاک ؐ کی خدمت میں پیش کیا اور ایک بار نہیں دو تین بار پیش کیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے الفاظ میں: "حد قذف کا حکم جب نازل ہوا تو لوگوں میں یہ سوال پیدا ہو گیا کہ غیر مرد اور عورت کی بدچلنی دیکھ کر تو آدمی صبر کر سکتا ہے، گواہ موجود نہ ہوں تو زبان پر قفل چڑھا لے اور معاملے کو نظرانداز کر دے۔ لیکن اگر وہ اپنی بیوی کی بدچلنی دیکھ لے تو کیا کرے؟ قتل کرے تو الٹا سزا کا مستوجب ہو۔ گواہ ڈھونڈنے جائے تو ان کے آنے تک مجرم کب ٹھہرا رہے گا۔ صبر کرے تو آخر کیسے؟ طلاق دے کر عورت کو رخصت کر سکتا ہے مگر نہ اس عورت کو کسی قسم کی مادی یا اخلاقی سزا ملی، نہ اس کے آشنا کو۔ اور اگر اس کو ناجائز حمل ہو تو غیر کا بچہ الگ گلے پڑا۔ یہ سوال ابتداًء تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے ایک فرضی سوال کی حیثیت میں پیش کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ میں اگر خدانخواستہ اپنے گھر میں یہ معاملہ دیکھوں تو گواہوں کی تلاش میں نہیں جاؤں گا بلکہ تلوار سے اسی وقت معاملہ طے کر دوں گا[2] (بخاری و مسلم)۔ لیکن تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ بعض ایسے مقدمات عملاً پیش آگئے جن میں شوہروں نے خود یہ معاملہ دیکھا۔ ہلالؓ بن امیہ نے آکر اپنی بیوی کا معاملہ پیش کیا جسے انھوں نے بچشم خود ملوث دیکھا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ثبوت لاؤ ورنہ تم پر حد قذف جاری ہو گی"۔ صحابہؓ میں اس پر عام پریشانی پھیل گئی اور ہلالؓ نے کہا "اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں بالکل صحیح واقعہ عرض کر رہا ہوں۔ جسے میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ میرے معاملے میں ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ بچا دے گا۔ اس پر آیت لعان نازل ہوئی"۔ (بخاری، ابوداؤد)

(تفہیم القرآن، ج 3، سورۃ نور، حاشیہ نمبر 7)

سورۃ نور کی آیت 6 سے لے کر 9 تک لعان کے قانون کی وضاحت کی گئی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ الزام لگانے والے شوہر اور اس کی بیوی دونوں کو اللہ کو گواہ بنا کر پانچ پانچ مرتبہ اپنی بات کے ثبوت میں قسمیں کھانا پڑتی ہیں۔ اگر دونوں پانچ پانچ قسمیں کھالیں تو پھر دونوں میں جدائی کروا دی جاتی ہے۔ چنانچہ ہلالؓ بن امیہ کی بیوی کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ

اختیار فرمایا تھا۔ لعان کے بعد پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ وہ ماں کی طرف منسوب ہو گا اور اگر بالفرض اس بچہ کی شکل اس شخص سے ملتی جلتی ہو جس کے بارے میں الزام لگایا گیا تھا تب بھی لعان کے بعد عورت کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اور اگر عورت لعان کے موقع پر خاموش ہو جائے اور قسمیں کھانے سے انکار کر دے تو پھر شریعت اس کو زانی محصن کی سزا کے طور پر رجم کی سزا دینے کا حکم دیتی ہے۔ باقی رہ گیا یہ مسئلہ کیا ایسی صورت حال میں مرد خود اپنی بیوی کو قتل کر سکتا ہے؟ تو حضرت سعد بن عبادہؓ کا بار بار سوال اور آپؐ کا یہ جواب "اپنے سردار کو دیکھو وہ کتنا غیور ہے مگر اللہ تعالیٰ تو سعد سے بھی زیادہ غیور ہے"۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرمائی "یا اللہ تو اس بارے میں فیصلہ فرما"۔ گویا آپؐ نے قتل کی اجازت ہرگز نہیں دی۔ لعان کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودی رقمطراز ہیں:

"جو شخص بیوی کی بدکاری دیکھے مگر لعان کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے قتل کا مرتکب ہو جائے' اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ اسے بطور خود حد جاری کرنے کا اختیار نہ تھا' دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے فعل پر کوئی مواخذہ ہو گا بشرطیکہ اس کی صداقت ثابت ہو جائے۔ امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ اس امر کے دو گواہ لانے ہوں گے کہ قتل کا سبب یہی تھا۔ مگر جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اس کو قصاص سے صرف اس صورت میں معاف کیا جائے گا جب وہ زنا کے چار گواہ پیش کرے۔ یا مقتول مرنے سے پہلے خود اس امر کا اعتراف کر چکا ہو کہ وہ اس کی بیوی سے زنا کر رہا تھا اور مزید یہ کہ مقتول شادی شدہ ہو۔ (نیل الاوطار' ج 6' ص 226)

(تفہیم القرآن' ج 3' ص 359)

اس تمام بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی کی بدچلنی دیکھ کر مرد خود کارروائی نہ کرے بلکہ معاملہ عدالت میں لائے۔ اور اگر خود قتل کر ہی دے تب بھی اس قتل کا ثبوت اسے عدالت کو مہیا کرنا پڑتا ہے۔ باقی رہ گیا مسئلہ اپنی بیٹی یا بہن وغیرہ کو کسی غیر مرد کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھنے کا' وہاں بھی یہی حکم ہے کہ خود قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں۔ انسانی جان کو قتل کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ ایسے موقع پر بھی معاملہ عدالت کے ہاں لے جایا جائے گا۔ عہد نبویؐ میں پھر خلفائے راشدین کے عہد میں جو ایسے اکا دکا واقعات پیش آئے تو متعلقین نے خود معاملہ عدالت میں پہنچایا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ایسے معاملات پر ستر پوشی کی تلقین کرتے۔ وگرنہ قانون کے مطابق کارروائی کرتے۔ وہ غیر شادی شدہ مرد و عورت کو پہلے سزائے تازیانہ دیتے۔ پھر بعد میں ان کا نکاح

کروا دیتے۔ یہ بات صحابہ کرام میں اتنی جانی پہچانی تھی کہ کوئی شخص ایسے مواقع پر بذات خود قتل نہیں کر سکتا بلکہ وہ عدالت کو آگاہ کرے گا کہ حضرت علیؓ کے عہد میں ایک ایسا واقعہ ملک شام میں پیش آیا۔ حضرت معاویہؓ حاکم شام نے صورت حال معلوم کرنے کے لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ میں حضرت علیؓ کے پاس روانہ کیا۔ حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا "یہ معاملہ ہمارے ہاں پیش نہیں آ سکتا کیونکہ لوگوں کو اس کا حل بخوبی معلوم ہے کہ جو قتل کرے گا وہ لازماً بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اب اگر وہ چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اسے پوری سزا ملنی چاہیے"۔ (فقہ علیؓ، ص 229، بحوالہ موطا، ج دوم، ص 737)

❑ قتل غیرت بہرحال قتل عمد ہے

بہرحال یہ قتل مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر قتل عمد ہے:

1- اللہ تعالیٰ نے قتل اور زنا دونوں کو حدود میں شمار کیا ہے۔ دونوں کی سزا خود مقرر کی ہے۔ ایک حد کی جگہ پر کوئی دوسری سزا دینا (یعنی بجائے رجم کرنے کے قتل کر دینا) گویا اللہ تعالیٰ کے حق میں مداخلت ہے۔

2- سزا کا نفاذ خصوصاً (حدود کے معاملات میں) کسی انسان کی نہیں، بلکہ حکومت وقت کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ صرف وہی سزا دینے کی مجاز ہے۔ لہٰذا یہ قتل غیرت دراصل قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے۔ جو شریعت کے احکام سے متصادم ہے۔

3- عدالت کسی بھی معاملے میں قانونی پہلوؤں کو خوب اچھی طرح جانچ پرکھ کر اور شہادت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد سزا کا نفاذ کرتی ہے اور عدالت کا قیام ہوتا بھی اسی مقصد کے لیے ہے۔ اگر کوئی شخص بطور خود سزا نافذ کرنے لگے تو عدل، قانون، شہادت وغیرہ کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

4- اللہ تعالیٰ نے جرم زنا کے سلسلے میں میاں بیوی کے سلسلے میں لعان کا قانون عطا فرمایا۔ حالانکہ کچھ صحابہؓ نے عذر پیش کیا تھا۔ ایسے موقع پر کیا ہم گواہ ڈھونڈنے نکل کھڑے ہوں۔ مگر آپ ﷺ نے پھر بھی قتل کی اجازت نہ دی بلکہ فرمایا: ثبوت لاؤ یا حد لگواؤ اور سعد بن عبادہؓ کے بارے میں فرمایا۔ اپنے سردار کو دیکھو یہ کتنا غیرت والا ہے (جو اس موقعہ پر اپنی بیوی کو قتل کر دینے کی بات کر رہا ہے) مگر یاد رکھو میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے

زیادہ غیرت والا ہے۔ اس طرح آپؐ نے بار بار کے اصرار کے باوجود اس قتل کی اجازت نہیں دی۔

5- قتل بہرصورت زنا سے بڑا گناہ ہے۔ سورۃ فرقان کی آیت 68 کے مطابق عبادالرحمٰن کی صفات میں ذکر ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ

(وہ لوگ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں پکارتے اور اس شخص کو ناحق قتل نہیں کرتے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور وہ بدکاری بھی نہیں کرتے۔ پھر سورۃ نساء آیت 93 میں اللہ نے قتل عمد کرنے والوں کو چار سخت سزاؤں کی وعید سنائی ہے۔ ان میں دائمی جہنم' اللہ کا غضب' اس کی لعنت اور عذاب عظیم شامل ہیں۔

ان احکام کی روشنی میں زانی کو قتل کرنا چھوٹے گناہ کے مقابلے میں بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے جو شخص ایک بار قتل ہو جائے وہ کبھی دنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ قاتل کا تاحیات توبہ کرنا' صدقہ دینا اور مختلف قسم کی نیکیاں کرنا بھی مقتول کو واپس نہیں لا سکتا۔ یہی امر قتل کے سنگین جرم ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ رجم کرنا بھی تو ایک قسم کا قتل ہے۔ مگر رجم ایک مخصوص انداز کی سزا ہے جسے صرف عدالت نافذ کر سکتی ہے۔ وہ بھی صرف اس وقت جب ثبوت اور گواہیاں مکمل ہو جائیں اور جس کا پورا ہونا عمومی حالات میں ایک امر محال ہے۔ پھر بھری مجلس میں سزا کا نفاذ کیا جاتا ہے تاکہ عوام الناس کو عبرت حاصل ہو اور وہ گناہ سے نفرت کریں جبکہ یوں خاموشی سے قتل کر دینے سے شرعی حد کی حکمت اور عبرت کا تقاضا مکمل نہیں ہو سکتا۔

6- قتل کسی بھی وقت اشتعال میں آکر فوراً ہو جاتا ہے جبکہ زنا کا ارتکاب یکدم نہیں ہوتا بلکہ اس کے پیچھے کافی مدت کی غیر شرعی دوستیاں اور شناسائیاں موجود ہوتی ہیں۔ زنا کے محرکات کے ظہور کے بعد ہی اصل زنا کا ظہور عمل میں آتا ہے۔ ولی حضرات باپ بھائی' شوہر وغیرہ تب کہاں ہوتے ہیں۔ وہ عورت کے نگران ہیں۔ ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ عورت کو بے حجابی سے روکیں' نامحرموں سے میل ملاقات پر پابندی لگائیں۔ مخلوط تقریبات میں نہ جانے دیں۔ گھر کے ماحول کو بھی ہیجان انگیز میڈیا سے بچائیں۔ یہ سب کچھ نگران مردوں کی لاعلمی' چشم پوشی اور مجرمانہ غفلت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے قصور سے صرف نظر کرتے ہوئے سزا کا نشانہ اپنی عورتوں کو بناتے ہیں۔ اپنی مجرمانہ غفلت پر پردہ ڈالنے کے لیے عورتوں کو قتل

کی بھینٹ چڑھا دینا کتنی بڑی ناانصافی کی بات ہے۔ مردوں کو چاہیے کہ وہ کسی بڑے گناہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے سے قبل ہی آنکھیں کھلی رکھیں اور عورت کی چال ڈھال' میک اپ' بے حجابی' بغیر ضرورت باہر کی چلت پھرت سے روکیں۔ اگر کوئی نامناسب حرکت محسوس کریں تو اس کے سدباب کے لیے زبانی طور پر' ہاتھوں سے' اور پابندیوں سے اسے باز رکھنے کی کوشش کریں۔

خود اللہ تعالیٰ نے زنا سے روکتے ہوئے لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا (زنا کے قریب نہ جاؤ) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ لَا تَفْعَلُوا الزِّنَا (زنا نہ کرو) کے الفاظ بیان نہیں کیے۔ کیونکہ زنا کا صدور آخری مرحلہ ہے اور اس کی شروعات بہت زیادہ ہیں۔ اسلام نے احکام ستر وحجاب اور احکام استیذان اسی لیے ضروری قرار دیے ہیں۔

7۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حدود سے تجاوز کرنے والوں کو ظالم قرار دیا ہے اور حدود سے تجاوز کرنے کی سزا جہنم بتائی گئی ہے۔ (نساء' آیت 12 اور 14)

کہنے والا اعتراض کر سکتا ہے کہ آپ اس طرح این جی اوز کے مطالبے کو ہی تقویت دے رہے ہیں۔ مگر سوچنے کی بات ہے کہ وہ قتل غیرت کو قتل عمد قرار دینے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ معاشرہ کو سیکس فری بنانے اور اباحیت پرستی کو فروغ دینے کے لیے جبکہ راقمہ کا مقصد ہے کہ اصل اسلامی تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے جس سے نہ صرف این جی اوز کے مذموم مقاصد تشنہ تکمیل رہیں گے بلکہ معاشرہ میں ایسی صورت حال بھی شاذ و نادر ہی پیدا ہو گی۔

اصل اسلامی تعلیم تو یہی تھی کہ ایسا معاملہ عدالت کے حوالے کیا جائے لیکن عملاً صورت حال یہ ہے کہ اسلامی قوانین مدت سے معطل ہیں۔ تو پھر ہر مسلم ملک میں مقامی رسم و رواج کے مطابق لوگ از خود ہی ایسے مقدمات کا فیصلہ کرنے لگے۔ اور مغربی قوانین چونکہ قتل کی سزا کے ویسے ہی مخالف رہے ہیں اس لیے انھوں نے ہر جگہ اس کو قتل خطا ہی قرار دیا تھا۔ پھر زمانے کی گرد میں آہستہ آہستہ مقامی رسم و رواج غالب آتے گئے اور اصل اسلامی تعلیم اتنی نایاب ہو گئی کہ اس کو پیش کرنے پر عوام الناس بھی چونک اٹھیں اور علماء بھی آج اسی رسم و رواج کے محافظ بنے بیٹھے ہیں۔ ورنہ پہلے خود موقع پر مشتعل ہو کر قتل کر دینے کی صورتیں استثنائی ہوا کرتی تھیں۔ اصل قانون مجرمان کو عدالت کے حوالے کرنے ہی کا تھا' اور ہے بلکہ تاقیامت رہے گا۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب!

بعض فقہاء کا موقف:

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ شریعت نے منکر کو اپنے ہاتھ سے تبدیل کرنے کا حکم دیا ہے (مَنْ رَآی مِنکُمْ مُنکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ) کے مطابق زانی محصن کو حالت زنا میں اگر قتل کر دیا جائے تو قاتل پر کوئی سزا نہیں ہے۔ قطع نظر اس کے زانی عورت اس سے کوئی رشتہ رکھتی تھی یا اجنبی تھی۔ یا یہ قتل تو منکر کے ازالے کے لیے ہے۔ ان کی دلیل حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ ہے کہ ایک شخص ان کے پاس تلوار لہراتا ہوا آیا۔ اس کی تلوار خون میں لت پت تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے کچھ لوگ آئے اور انھوں نے دعویٰ کیا کہ اس نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا ہے (غیر شادی شدہ کو)۔ آپؓ نے اس شخص سے سوال کیا تو اس نے کہا "میں نے اپنی بیوی کی دونوں رانوں کو کاٹا ہے اگر ان کے بیچ میں کوئی تھا تو وہ بھی کٹ گیا ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس نے اپنی بیوی کی دونوں رانوں کو کاٹا اور بیچ میں ہمارے آدمی کو کمر سے دو ٹکڑے کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے قاتل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اگر یہ دوبارہ ایسا کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اسی طرح سے کرو"۔ فقہاء کے نزدیک یہ اجازت اس بنا پر نہیں تھی کہ قاتل کو غیرت آگئی کہ اس کی بیوی یا بیٹی کے ساتھ بدکاری ہو رہی ہے بلکہ اس اجازت کی بنیاد منکر کو اپنے ہاتھ سے تبدیل کرنا ہے اور یہ ہر اس آدمی پر واجب ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہے۔

مگر مسئلہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی صورت حال میں قتل کر دینے کی اجازت مانگتے رہے مگر آپؐ نے نہیں دی۔ چنانچہ ایک مسلمان کو سوچنا یہ چاہیے کہ غیرت یقیناً ایک اچھی خوبی ہے لیکن وہ کتنا بھی غیور ہو، بہرصورت اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ایک مسلمان کی غیرت کا کمال یہی ہے کہ اپنی غیرت کو اللہ کی غیرت کے تابع کر دے۔ جب اللہ نے غیرت میں آکر قتل کرنے کی اجازت نہیں دی تو کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جوش و غضب میں دوسرے مسلمان کو قتل کرے۔ رہا مسئلہ منکر کو اپنے ہاتھ سے تبدیل کرنے کا۔ تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ واقعہ المغنی ابن قدامہ میں نقل ہوا ہے۔ مگر اس کی استنادی حیثیت اور تاریخی حقیقت محکم نہیں ہے۔ جس بنا پر یہ قابل حجت قرار دیا جا سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ منکر کو اپنے ہاتھ سے روکنے یا بدلنے کا اختیار عوام الناس کے پاس بھی ہے یا کہ صرف حاکم وقت کے پاس۔ یہ بھی ایک متنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔

علماء کا ایک گروہ ایسا ہے جو منکر کو ہاتھ سے بدلنے کا اختیار صرف اولی الامر کے لیے خاص کرتا ہے۔ کیونکہ اگر ہر شخص کو یہ اختیار تفویض کر دیا جائے اور ہر شخص اپنی صوابدید پر برائی اور بدی کا

قلع قمع کرنے بیٹھ جائے۔ تو پھر عدالتوں کا وجہ جواز کیا رہ جاتا ہے۔ نیز اس طرز عمل سے بجائے خیر اور صلاح کے معاشرے میں فساد' ٹوٹ پھوٹ' جنگ و جدل اور انتشار کا امکان زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بدکاری کے مخصوص فعل سے پہلے بے شمار گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے لو میرج یا بدکاری کی نوبت یکدم تو آتی نہیں۔ یہ مختلف مراحل کا نتیجہ ہے۔ نامحرم کو دیکھنا' ان سے گفتگو کرنا' باہم دلچسپی لینا' تنہائی میں ملاقاتیں کرنا' لمبے چوڑے عہدو پیمان باندھنا' پھر غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا وغیرہ۔ یہ منکرات ایسے ہیں جو روکے جانے کے بالاولیٰ مستحق ہیں۔ جبکہ انسانی جان کے معاملے میں منکر کو تبدیل کرنا اور سزا کا نفاذ کرنا تو صرف حکومت ہی کا کام ہے۔ قتل کا معاملہ کوئی شخص اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔

❑ قتل کی اجازت نہ دینے کی حکمت:

اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کو حرام قرار دیا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ''جو شخص اللہ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرتا ہے' اس کے لیے تین باتوں کے سوا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ (1) کوئی شادی شدہ ہو کر زنا کرے (2) کسی کو قتل کردے (3) یا پھر کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور جماعت سے الگ ہو جائے۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کرے' شریعت نے اس کا قتل جائز رکھا ہے۔ مگر کوئی شخص یہ قتل اپنے طور پر نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے شریعت نے حاکم وقت کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ باقاعدہ عدالت کے ذریعے بدکار مرد یا عورت کو سزا دے' اور پھر یہ سزا دینے کے لیے بھی شریعت نے بڑی سخت شرائط اور قیود رکھی ہیں۔ جس میں الزام لگانے والے کو کم از کم چار عینی گواہ پیش کرنے ضروری ہیں۔ (سورۃ نور' آیت 4)

یعنی وہ یہ گواہی دیں کہ انھوں نے ملزم کو واقعتاً اپنی آنکھوں سے زنا کرتے دیکھا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک گواہ بھی مشکوک ہو تو ملزم پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ عام حالات میں چار گواہ اور وہ بھی جنھوں نے ارتکاب جرم اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو' ملنا اور سنگساری کے لیے گواہی کا نصاب پورا ہونا ہی بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ جو لوگ رجم کی حد کو وحشیانہ کہتے ہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس کڑی شرط کی موجودگی میں شہادتوں کی بنا پر شاذ و نادر ہی کسی کو رجم کی سزا مل سکتی ہے اور اگر کبھی لگ بھی جائے تو اس سے پورے معاشرے کو ایسی عبرت حاصل ہوتی ہے کہ انھیں آئندہ ایسا جرم کرنے کی ہمت ہی نہ ہوگی اور اس سے عورت کی عصمت و آبرو کو مستقل تحفظ مل جائے گا۔

ہمارا این جی اوز سے بنیادی اختلاف: این جی اوز کا معاملہ یہ ہے وہ صرف عورت کی جان کی حفاظت چاہتی ہیں۔ عورت کی عصمت و آبرو کی حفاظت کی وہ قائل ہی نہیں ہیں حالانکہ عورت کی عصمت محفوظ نہ ہو تو اس کی جان بھی عملاً محفوظ نہیں رہ سکتی۔ ہمارے اور ان کے نکتہ نظر میں اختلاف دراصل اس بنیادی بات پر ہے۔ چنانچہ مغرب میں جہاں عورت کی رضامندی سے بدکاری جائز ہے وہاں بھی عورت کی جان محفوظ نہیں اور عورتوں کو اپنی جان کی حفاظت کے لیے بے شمار تنظیمیں بنانا پڑتی ہیں اور پھر حد رجم (جس کے عملی نفاذ کی نوبت اگرچہ بہت کم آتی ہے) اس سے بھی معاشرہ اخلاقی برائیوں کا شکار ہونے سے بھی بچ جاتا ہے۔ عورت کی عزت محفوظ ہونے کے ساتھ اس کی جان بھی محفوظ ہوتی ہے۔ تو پھر حد رجم سے بچنا اور اس سے گریز کرنا آخر کہاں کی عقل مندی ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف معاشرہ کو اخلاقی برائیوں سے بچانے کے لیے حد رجم جیسی سخت سزا رکھی۔ دوسری جانب اس حد کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی کڑی شرط رکھی تاکہ کوئی شخص محض شک یا ذاتی عناد کی بنا پر کسی کو رسوا نہ کر سکے۔ ایسا خوبصورت توازن اور عورت کی جان و عزت دونوں کا تحفظ آج دور جدید کا کوئی بھی انسانی دستور یا نظام پیش کرنے سے قاصر ہے۔ شریعت نے بے گناہ خاتون پر تہمت زنا کی سزا 80 کوڑے رکھی ہے۔ اور اسے سات کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ نبی پاکؐ کے دور میں ایک عورت کھلی فاحشہ تھی۔ مگر اس کے خلاف بدکاری کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ اس لیے اس کو کوئی سزا نہ دی گئی حالانکہ حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا اگر کسی کو بغیر ثبوت سزا دی جا سکتی تو میں اس کو ضرور دیتا' مگر آپؐ نے اس کو کوئی سزا نہ دی۔ (مفہوم تفہیم القرآن' سورۃ نور' حاشیہ نمبر2' ص 333' ج 3)

پاکستانی قانون اور قتل غیرت: پاکستانی قانون میں بیوی' بیٹی' بہن کو کسی غیر کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پاکر قتل کر دینے والے کو قتل عمد قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اسے قتل خطا قرار دیا گیا ہے۔ قاتل چند سال سزا کاٹ کر واپس گھر آجاتا ہے مگر جہاں تک اس قانون کے غلط استعمال کا تعلق ہے مختلف لوگوں نے اسے مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ مثلاً ہمارے دیہاتوں میں عام سی بات ہے بہن' بیٹی' بیوی کو بدچلنی کے الزام میں ٹوکے' چھری' کلہاڑی وغیرہ سے فوراً موقع پر ہی قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح قتل و قتال کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ بسااوقات اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے بے قصور اور بے گناہ

عورتوں کو اپنے دشمنوں کے ساتھ ملوث دیکھنے کا بہانہ بنا کر دشمنوں کو اور ساتھ اپنی خواتین کو بے دریغ قتل کر دیا جاتا ہے۔

گویا قتل غیرت کو قتل خطا قرار دینے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وڈیرے جاگیردار اپنی دشمنیوں کا بدلہ قتل غیرت بنا کر لیتے ہیں۔ اپنی بہن' بیٹی بے قصور ماری گئی۔ مگر اس طرح دشمن تو ہلاک ہو گیا۔ اب کیس غیرت کے قتل کا بنایا گیا' نہ کہ قتل عمد کا۔ لہٰذا چند سال قید کاٹ کر واپس گھر آ گئے۔ لیکن اس سے قتل و قتال اور دشمنوں کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر چل نکلتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قانون پر نظر ثانی کی جائے تاکہ مجرم اس کا غلط استعمال نہ کر سکیں۔

❑ این جی اوز کا سنگین جرم:

این جی اوز پاکستان میں قتل غیرت کو بھیانک جرم اور دہشت گردی بنا کر پیش کر رہی ہیں۔ ان کی ساری ہمدردی مفرور ہونے والی خواتین سے ہے جو گھروں سے اپنے آشناؤں کے ساتھ بھاگ رہی ہیں۔ شادی شدہ ہونے کی شکل میں ان کے معصوم بلکتے بچے اور ان کے شوہر اور اجڑا گھر ان کو نظر نہیں آتے۔ کنواری ہونے کی شکل میں والدین کی عزت کی تباہی و بربادی اور عمر بھر کی بدنامی کا وہ شعور و ادراک کر ہی نہیں سکتیں۔ نہ انھیں معاشرتی اقدار کی پامالی کا کوئی شعور ہے۔ اگر وہ عورتوں کے حقوق کے لیے اتنی ہی مخلص ہیں تو کشمیر' فلسطین' بوسنیا' کوسووا اور دیگر مقامات پر جو عورتوں کی عزتیں پامال ہو رہی ہیں اور دشمنوں کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کٹ رہی ہیں۔ کچھ ان پر احتجاج کرتیں' کچھ ان کے انسانی حقوق کی بھی دہائی دیتیں۔ مگر ان کا تو مقصد ہی کچھ اور ہے! اگر وہ پاکستان میں یہ قتل ختم کرنا چاہتی ہیں تو پھر فحاشی' عریانی اور شہوت رانی کے سدباب کے لیے بھی کوششیں کریں۔ لڑکیوں کی اخلاقی تربیتی کے مراکز قائم کریں تو ہمیں بھی اندازہ ہو کہ وہ ایسے قتل رکوانے میں کچھ مخلص ہیں۔ وگرنہ یہی سمجھا جائے گا کہ وہ پاکستانی معاشرے سے غیرت کے قتل کے خلاف چلائی جانے والی مہم کے بجائے خود غیرت اور عصمت و آبرو ہی کے خلاف ہیں۔ انھیں صرف عورتوں کو گھروں سے فرار کرانے اور لو میرج کرانے سے ہی دلچسپی ہے۔ کسی بھی دین دار خاتون کی معمولی سی کمزوری کو خوب مرچ مصالحہ لگا کر عالمی ذرائع ابلاغ میں بھرپور کوریج دلا کر پاکستان کو بدنام کرتی ہیں۔ چنانچہ صائمہ کیس کا من پسند فیصلہ کروا لینے کے بعد عاصمہ جہانگیر کی ان جارحانہ کارروائیوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی لڑکیاں گھروں سے فرار ہونے لگیں۔ آخر خود جسٹس ریدے جس نے صائمہ ارشد کیس کا فیصلہ سنایا تھا' کو یہ فیصلہ دینا پڑا:

"گھر سے بھاگ کر کی گئی شادی کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا"۔ لاہور ہائی کورٹ

متن : بالغ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ گھر سے بھاگ کر ماں باپ کی عزت خاک میں ملا دی جائے۔ ہمارا مذہب لڑکیوں کو بے لگام ہونے کی اجازت نہیں دیتا اور ہماری معاشرتی قدریں بھی لڑکیوں کو اتنا بے لگام ہونے کی اجازت نہیں دے سکتیں۔

عدالت میں اس وقت سناٹا چھا گیا جب گھر سے بھاگ کر شادی کرنے والی لڑکی نے فاضل جج سے کہا میں عاقل و بالغ ہوں۔ آپ مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کریں۔ اس پر عدالت نے ان کو توہین عدالت کا کہا جس پر لڑکی نے معافی مانگی مگر اس کو شوہر کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ دارالامان بھجوا دیا گیا۔ (روزنامہ پاکستان' 27 اکتوبر 99ء)

اردن میں بھی غیرت کے قتل کی سزا میں تخفیف رکھی گئی تھی مگر اب انھوں نے بھی اس قانون میں ترمیم کی ہے۔ عمان ریڈیو نیوز کے مطابق اردن کی وزارت انصاف اس قانون کو ختم کرنے کے لیے اقدامات کر رہی ہے جس کے تحت غیر اخلاقی جنسی روابط رکھنے کے شبہ میں رشتہ دار خواتین کو قتل کرنے والے مرد قانونی سزا سے بچ جایا کرتے تھے۔ اردن میں اس قسم کے واقعات میں سالانہ 25 عورتیں قتل کر دی جاتی ہیں۔ (نوائے وقت' 23 اگست 99ء)

غیرت کے نام پر عورتوں کے قتل کے سلسلے میں پاکستانی سینیٹ میں بھی بحث ہوتی رہی۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ غیرت کے نام پر خواتین کے قتل کے خلاف قرارداد اقبال حیدر نے سینیٹ میں پیش کی۔ تو میں بھی اس کا حامی تھا مگر صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان کے سینیٹرز نے بحث نہ ہونے دی۔ میں نے کہا یہ عزت کا مسئلہ نہیں اس پر جدید نکتہ نگاہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس پر انھوں نے کہا تم پنجابی تو بے شرم ہو' لہٰذا اس وقت بحث ختم ہو گئی مگر یہ بعد میں وقتاً فوقتاً اسمبلی میں چلتی ہی رہے گی۔

اسی طرح سابق وفاقی وزیر مشاہد حسین نے بھی کہا کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے غیرت کے نام پر پاکستان میں خواتین کے قتل پر اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ہم بھی اس تشویش میں ان کے ہمنوا ہیں۔ قتل تو قتل ہی ہے خود غیرت کے نام پر ہو یا بے غیرتی کے نام پر مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہماری ترقی پسند خواتین غیرت کے نام پر قتل کو نہیں بلکہ خود غیرت ہی کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔

❑ پاکستان میں قتل غیرت کی اصل حقیقت:

عاصمہ جہانگیر کا نام نہاد انسانی حقوق کمیشن اندرون سندھ اور جنوبی پنجاب میں رسم "کارو کاری" یا "کالا کالی" کے واقعات کے متعلق اسطرح مبالغہ انگیز رپورٹیں دیتا رہتا ہے۔ گویا کارو کاری کے واقعات ایک دن میں کئی کئی مرتبہ وقوع پذیر ہوتے ہیں اور پاکستانی ثقافت کا اہم حصہ ہیں۔ جبکہ حقیقت کچھ اور ہے۔

جس رسم کو اندرون سندھ میں کارو کاری کہا جاتا ہے اسی کو راجن پور اور ڈیرہ غازی خاں کے قبائلی علاقوں میں کالا کالی کہا جاتا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ماضی میں ان علاقوں میں کسی جوڑے کو بدکاری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جاتا تو عورت کا خاندان اسے کالی قرار دے کر فوراً قتل کر دیتا۔ اور مجرم مرد کے قبیلے سے بھی مطالبہ کیا جاتا کہ وہ اس مرد کو کالا قرار دے کر قتل کر دے۔ اگر وہ اپنے مرد کو خود قتل کر دے تو ٹھیک اگر ایسا نہ کرتے تو پھر عورت کا متاثرہ خاندان خود موقع پا کر اسے بھی قتل کر دیتا۔ یہ ماضی کی بات ہے۔ اب تو جنوبی پنجاب میں ایسے واقعات بالکل نہیں ہوتے اور اندرون سندھ میں بھی ان کا تناسب وہ نہیں ہے جس کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ مگر قتل غیرت اور کارو کاری میں ایک بنیادی فرق ہے۔ کارو کاری کے واقعات میں متعلقہ قبیلے یا قبائل کے بزرگ جمع ہو کر باقاعدہ جرگہ کی شکل میں ایک فیصلہ کرتے ہیں۔ قبائلی روایات کا یہ خودکار نظام ہے جو پولیس کے بغیر ایسے علاقوں میں اخلاقی جرائم کی روک تھام کے لیے بڑا موثر کردار ادا کرتا ہے جبکہ قتل غیرت میں اس طرح کا جرگہ کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ بلکہ عورت کے خاندان کا مرد فوراً مشتعل ہو کر اس عورت اور ملزم مرد کو قتل کر دیتا ہے۔ اس طرح کے جذبات کے قتل تو امریکہ ویورپ میں بھی کبھی کبھار سننے میں آجاتے ہیں۔ پھر عورتوں کے قتل کے جتنے واقعات ریکارڈ ہوتے ہیں ضروری نہیں وہ غیرت کے نام پر ہی ہوں بلکہ کوئی خاندانی دشمنی' جائیداد کی تقسیم' میاں بیوی کی کشیدگی یا کوئی اور بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ مگر این جی اوز عورتوں کے ہر قسم کے قتل کو قتل غیرت قرار دینے پر اصرار کرتے ہیں۔

پھر معاشرے میں مردوں کے قتل کے بھی بہت سے واقعات ہوتے رہتے ہیں' عورتوں کے قتل کے واقعات مردوں کے نصف سے بھی کم ہوتے ہیں۔ مقتول مردوں کی اچھی خاصی تعداد تو وہ ہوتی ہے جنھیں عورتوں کو چھیڑنے سے منع کرنے پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قبائلی علاقوں میں غیرت کے نام پر قتل کا زیادہ تر شکار مرد ہی ہوتے ہیں۔ پھر عورت کی عصمت دری کے بہت سے واقعات ایسے

ہوتے ہیں جہاں عورتیں جبر کا شکار ہوتی ہیں۔ عموماً ایسے معاملات میں عورتوں کو بری کر دیا جاتا ہے۔

مسئلہ کا اسلامی حل:

اگر اس طرح کے قتل کو قتل خطا قرار دیا جائے تو قتل جیسے بھیانک جرم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ چند ایک معاملات میں تو واقعی جرم موجود ہوتا ہے مگر زیادہ تر قتل بدچلنی کے شبہ میں ہی کر دیے جاتے ہیں اور کہیں مخالفین کو لقمہ اجل بنانے کے لیے درمیان میں خواہ مخواہ بہن بیٹی کا من گھڑت قصہ ڈال کر مخالف کو قتل کرنے کے لیے اپنی کسی عزیزہ کو بھی قتل کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ مخالف کو ویسے قتل کرتے تو اس کی سزا قتل عمد ہوتی۔ اور خود قتل کا نشانہ بننا پڑتا۔ مگر اس طرح وہ قتل، قتل خطا کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ قاتل چند سال کی سزا بھگت کر گھر آجاتا ہے۔

لہٰذا انسانی جان کی حرمت کا تقاضا ہے کہ ایسے قتل کو قتل عمد قرار دیا جائے۔ (پیچھے ہم شرعی دلائل سے ثابت کر آئے ہیں کہ یہ قتل عمد ہی ہے اور اس حد میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا) مگر پاکستان کے مخصوص حالات کے پیش نظر مسئلہ نازک صورت حال اختیار کر جاتا ہے۔ لوگ حکومت کے پاس اپیل کرنا لاحاصل سمجھتے ہیں کہ ہمارے موجودہ نظام عدالت میں ایسے کیس دس دس پندرہ پندرہ سال لٹکتے رہتے ہیں۔ ان پر بہت سے اخراجات کرنے کے باوجود بھی قرار واقعی انصاف نہیں ملتا۔ لہٰذا حقیقی جرم اور بے حیائی دیکھ کر بھی لوگ خاموش رہیں گے۔ دوسری طرف حکومت شرعی سزاؤں کے نفاذ میں مخلص نہیں ہے تو پھر اس سے عملاً بے حیائی کو فروغ حاصل ہوگا اور نوجوان بچیوں کا گھروں سے فرار بڑھتا چلا جائے گا۔ فحش کے مظاہر تو پہلے ہی بے شمار ہیں۔ ہیجانات لاتعداد ہیں مگر کچھ اصلی اور کچھ معنوی تکلفات کے پیچھے پڑ کر بچوں بچیوں کی شادیاں مؤخر کرتے چلے جانے کی وبا بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مخلوط تعلیم نے معاملہ اور بھی بگاڑ دیا ہے۔ اس سے بچیاں اس طرح کے اقدام اٹھانے پر مجبور ہو رہی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں سے رشتے کے بارے میں پوچھنا بھی شرم و حیا کے منافی سمجھا جاتا ہے حالانکہ اسلام نے عورتوں کو انتخاب زوج کا حق دیا ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ شادی کرتے وقت بچیوں کی رضا کو لازماً مدنظر رکھیں۔ جبکہ عملاً ہمارے ہاں صورت حال اکثر و بیشتر یہی ہے کہ ان کو گائے بیل کی طرح کسی کھونٹے پر باندھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسے میں مغرب زدہ این جی اوز بچیوں کی طرف سے معمولی سی بغاوت کی بو محسوس کرتے ہوئے فوراً "دستک" اور "آستانہ" جیسے اداروں میں پناہ دے کر والدین کے خلاف ان کی خوب برین واشنگ کر ڈالتی ہیں۔ چنانچہ مسائل روز بروز گھمبیر تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اب ایسے میں کیا لائحہ عمل اختیار

کیا جائے؟

1- اس مسئلہ کا اصل حل تو اسلامی سزاؤں کا نفاذ ہے۔ بروقت انصاف مہیا کیا جائے اور ہر کہ و مہ کے لیے انصاف کا حصول عام کیا جائے تاکہ قاضی جرائم کی حوصلہ شکنی کے لیے حالات و ضرورت کے مطابق حد یا تعزیر نافذ کر کے بڑھتے ہوئے جرائم کا تدارک کرے۔ اس وقت بڑا ضروری ہو گیا ہے کہ جرائم کی سنگینی کے مطابق قاضی سزا نافذ کرے۔ اگر عورت مظلوم تھی اور محض بدچلنی کے شبہ میں اس کو قتل کیا گیا تو قاتل کو قتل عمد کی پوری سزا دی جائے اور اگر مقتولہ واقعتاً جرم میں ملوث تھی اور اس کے گواہ موجود ہیں تو پھر بھی قاتل کو تعزیر دی جائے۔ اس بات پر کہ اس نے قانون اپنے ہاتھ میں کیوں لیا اور عدالت کو اس سے آگاہ نہیں کیا؟

نیز اسلامی حکومت کی مجلس شوریٰ یا اسلامی نظریاتی کونسل اس سلسلے میں باقاعدہ قانون سازی کرے۔ اس طرح فرار ہونے والی لڑکیوں کو قرار واقعی سزا عدالت سے ملنے لگے تو اس رجحان کی حوصلہ شکنی ہو اور گھر سے مفرور ہونے کے واقعات کی روک تھام ہو سکے۔

2- اس کے علاوہ درج ذیل اقدام کرنے بھی ضروری ہیں:

--- ایک طرف تو فحش کے مظاہر قانوناً بند کیے جائیں۔

--- ٹی وی اور ویڈیو سے گھٹیا فلمیں بند کر کے اس کو اسلامی پروگراموں کی اشاعت کے لیے وقف کیا جائے۔

--- بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا جائے خصوصاً اسلامی تصور عفت و حیا ان میں اجاگر کیا جائے۔ نگاہوں میں جھجک اور عفت محرم اور غیر محرم کے تصور بلکہ اس پر سختی سے پابندی کرانے سے ہی پیدا ہو سکتی ہے--- نیز اسلامی قانونِ ستر و حجاب کی پابندی کرائی جائے۔

3- شادی کرنا آسان بنایا جائے۔ قانوناً جہیز کا مطالبہ منع کر دیا جائے۔ جہیز کی نمود و نمائش پر بھی پابندی لگائی جائے۔ شادی بیاہ پر لمبے چوڑے کھانے پر بھی پابندی لگنی ضروری ہے۔ ولیمہ کا کھانا صرف سو آدمیوں کے لیے اور صرف ایک سالن اور ایک میٹھی ڈش تک محدود کیا جائے۔

--- بروقت بچوں کی شادیاں کی جائیں بلاوجہ شادی کو مؤخر نہ کیا جائے۔

--- بچی سے پوچھ کر اس کا رشتہ طے کیا جائے۔

4- اگر کسی بچے میں بغاوت کا رجحان پیدا ہونے لگے (اور ماں باپ کو عموماً اپنے بچوں کے جذبات

کا علم ہوتا ہے) تو فوراً اسے کنٹرول کیا جائے۔ ان کو گھر میں نظر بند کر دیا جائے اور جس لڑکے کے ساتھ وہ ملوث ہے وہیں خاموشی اور سادگی سے اس کی شادی کر دی جائے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کفو ہے کہ نہیں۔ بس یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ مسلمان ہے۔ باقی قبیلہ' خاندان اور مال و دولت کے پیمانے وہاں فی الفور ترک کر دیے جائیں۔ عقل مند ماں باپ ایسے واقعات کو آگے بڑھنے نہیں دیتے اور خاموشی سے اپنے ہاتھوں بچی کو وہیں بیاہ دیتے ہیں جہاں اس کی خواہش ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس اگر کوئی نوجوان جوڑا جرم زنا میں ملوث لایا جاتا تو آپؓ ان دونوں کو پہلے سزائے تازیانہ دیتے پھر ان کی باہمی شادی کرا دیتے۔ اس صورت میں بچیوں کے گھروں سے فرار کے واقعات کی روک تھام کی جا سکتی ہے۔

5- طاغوتی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے افراد کو تیار کیا جائے۔ ان کے باقاعدہ ریفریشر کورس اور تربیتی ادارے قائم کیے جائیں تاکہ وہ ایک طرف اپنے عوام کو اس باطل نظام کی تباہ کاریوں سے آگاہ کرتے رہیں' دوسری طرف مغربی پروپیگنڈے کا دندان شکن جواب دے سکیں۔

6- اسلامی معاشرتی اقدار کے بارے میں زبان طعن دراز کرنے والوں کو قانوناً سزا دی جائے۔ اگر ایسے چند لوگوں کو تعزیری سزا مل جائے تو ایسے سب پروپیگنڈے فوراً دم توڑ جائیں۔ ذرا ہمت کرنے کی ضرورت ہے۔

❏ چند معاصر علماء کی آرا

چونکہ یہ مسئلہ ابھی تین چار سالوں میں زیادہ شد و مد سے اٹھایا گیا ہے۔ لہٰذا معاصر علماء کرام سے اس بارے میں رائے لی گئی۔ ان کے جوابات درج ذیل تھے:

1- مولانا صلاح الدین یوسف صاحب' رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

آپ سے جب بہن اور بیٹی کو رنگ ہاتھوں گناہ میں ملوث دیکھنے پر ردعمل کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا تو آپ نے لکھا:

غیرت یقیناً ایک اچھی خوبی ہے لیکن کوئی شخص کتنا بھی غیور ہو' اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ایک مسلمان کا کمال یہی ہے کہ وہ اپنی غیرت کو اللہ کی غیرت کے تابع کر دے۔ جب اللہ نے یہاں غیرت میں آکر کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی ہے تو کسی بھی مسلمان کے

لیے یہ جائز نہیں کہ وہ جوش غضب میں کسی دوسرے مسلمان کو قتل کر دے چاہے وہ کچھ بھی کر رہا ہو' سوائے ان چند صورتوں کے جن میں قتل کرنا جائز ہے۔ لیکن زیر بحث صورت اس میں شامل نہیں۔ (فتویٰ مورخہ 13 نومبر 1999ء)

قاضی حسین احمد صاحب' امیر جماعت اسلامی پاکستان

امیر جماعت اسلامی پاکستان نے جب اپنے دورۂ امریکہ کے دوران واشنگٹن میں پاکستانی صحافیوں سے خطاب کیا تو وہاں ان سے یہ سوال پوچھا گیا کہ کیا اسلام غیرت کے نام پر اپنی بیوی / بہن / بیٹی یا کسی اور عورت کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے تو قاضی صاحب نے جواب میں غیرت کے نام پر عورت کے قتل کو سراسر غیر اسلامی اور اسلام سے ناواقفیت کا نتیجہ قرار دیا۔ بحوالہ روزنامہ انصاف' 18' 19 جولائی 2000ء۔ (مقالہ قتل غیرت اور اسلامی تعلیمات از مقبول الرحیم مفتی)

3- مولانا عبدالوکیل علوی' ریسرچ ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی' منصورہ

"اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ ارتکاب زنا کے فعل میں ملوث پا کر غیرت کے جوش میں قتل کر دینا اسلامی قانون کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ اسلامی قانون حکومت کے سوا کسی کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ ازخود زانی اور زانیہ کے خلاف کارروائی کرے اور عدالت کے سوا کسی کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اس پر سزا دے۔ اس بات پر تمام امت کے فقہاء کا اتفاق ہے کہ آیت اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوا كل واحد مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ میں مخاطب عوام نہیں ہیں بلکہ اسلامی حکومت کے حکام اور قاضی ہیں۔ جو شخص اپنی بیوی کی بدکاری آنکھوں سے دیکھے اور لعان کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے قتل کا مرتکب ہو جائے تو اس نے قانون اسلامی کی خلاف ورزی کی۔ کیونکہ اس کو بطور خود حد جاری کرنے کا حق نہ تھا۔ اگر معاشرہ میں ہر فرد اپنے طور پر سزا نافذ کرنے لگے تو معاشرہ میں باہمی رقابت جنم لے گی۔ انارکی اور بدامنی پھیلے گی اور صنف نازک پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جائیں گے۔

4- قاضی کاشف نیاز

آپؐ نے واضح کر دیا ہے کہ چاہے تم کس قدر بھی غیرت اور رد عمل کا شکار ہو جاؤ لیکن اقدام قتل پھر بھی تمہارے لیے جائز نہیں۔ اس کے لیے پھر بھی تمہیں شرعی اور قانونی راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اس طرح آپؐ نے محض شک کی بنا پر قتل و غارت کے راستے حتی الامکان بند کر دیئے۔

(مجلہ الدعوۃ' اپریل 2000ء' ص 11)

5- مفتی مقبول الرحیم

مدینہ کی اسلامی ریاست میں جب زنا کی سزا کے بارے میں قرآن کا حکم نازل ہوا اور اس کا اعلان کیا گیا تو انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ نے اسے سن کر تبصرہ کیا۔ اگر میں اپنی بیوی کو کسی مرد کے ساتھ دیکھوں تو ان کو قتل کر دوں گا۔ جب ان کا یہ تبصرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک پہنچا تو آپؐ نے جواب میں وہ بلیغ جملہ ارشاد فرمایا۔ جس نے قیامت تک کے لیے غیرت کے نام پر عورتوں کے قتل کا خاتمہ کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا: "تم تعجب کرتے ہو سعد کی غیرت پر، مگر میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔ (بخاری' کتاب الحدود)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ جس نے یہ قانون نازل کیا اور جس رسول پر قانون نازل ہوا وہ غیرت اور اس کے جملہ تصورات سے ناواقف نہیں ہیں۔ وہ غیرت کے علم برداروں سے زیادہ غیرت مند ہیں لیکن غیرت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص جذبات میں آکر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور بلا تحقیق انسانی جانوں کے ضائع کرنے کو اپنا حق سمجھنے لگے۔ (مقالہ قتل غیرت اور اسلامی تعلیمات از مقبول الرحیم مفتی' بحوالہ روزنامہ انصاف' 18' 19 جولائی 2000ء)

6- محمد عطاء اللہ صدیقی

اپنے مقالہ "غیرت کا قتل' تہذیبی' قانونی اور اخلاقی اقدار" میں غیرت کو قتل کو قتل خطا قرار دینے کے حق میں دلائل دیتے چلے جانے کے باوجود یہ جملہ لکھنے پر مجبور ہیں۔ اگرچہ اس معاملہ میں بھی اسلام کی منشاء اور ترجیح عورتوں کے فوری قتل کے بجائے اسلام کے بیان کردہ طریق کار کے مطابق عمل کرنا ہے"۔ (ماہنامہ محدث' جون 1999ء' ص 57)

7- مولانا مبشر احمد ربانی (ابوالحسن) نے بھی اس قتل کو قتل عمد قرار دینے کا فتویٰ دیا۔

8- محترمہ ام عبد منیب

قتل غیرت قتل عمد ہی ہے۔ سورۃ فرقان آیت 68 کی روشنی میں قتل کا گناہ زنا سے بڑا گناہ ہے۔ اس طرح زانی کو قتل کرنا گویا چھوٹے گناہ کے مقابلے میں بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔ جو شخص

ایک بار قتل ہو جائے وہ کبھی دنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ جبکہ قاتل کا تاحیات توبہ کرنا' صدقہ کرنا اور مختلف قسم کی نیکیاں کرنا بھی مقتول کو واپس نہیں لا سکتا۔ یہی امر قتل کے سنگین ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے جبکہ زانی یا زانیہ کو کوڑے کھانے اور عدالتی کارروائی کے دوران کئی بار توبہ کا موقع حاصل رہتا ہے۔

حوالہ جات

(1) روزنامہ نوائے وقت کی تفصیلات کے مطابق یہ سمیعہ عمران کی بیوی تھی۔ اپنے ماں باپ کی بہت لاڈلی تھی' باپ نے خود اس کو گھر تعمیر کروا کر دیا' گاڑی لے کر دی۔ وہ اس کو نادر خاں کی آشنائی سے ہر ممکن روکنے کے لیے اس کی دل جوئی کرتا رہا۔ شوہر کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر تھا۔ اسی اثناء میں والدین کو حج کے لیے جانا پڑا۔ ان کے پیچھے سمیعہ اپنے آشنا نادر کے ساتھ پشاور سے بھاگ کر لاہور آگئی۔ (روزنامہ نوائے وقت' 9 اپریل 1999ء)

(2) ایک روایت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب بھی منقول ہے "تم تعجب کرتے ہو سعد کی غیرت پر مگر میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے (بخاری' کتاب الحدود)۔ کتنا بلیغ جملہ نبی پاک نے ارشاد فرمایا جس نے قیامت تک کے لیے غیرت کے نام پر عورتوں کے قتل کا خاتمہ کر دیا۔ مراد یہ ہے کہ قانون بنانے والا رب اور جس پر قانون نازل ہوا وہ رسول دونوں بہت غیرت والے ہیں مگر غیرت کا یہ مطلب نہیں کہ جذبات میں بہہ کر انسانی جان کو ضائع کرنا اپنا حق قرار دے لیا جائے۔

(3) یہ عجیب تضاد دیکھنے میں آتا ہے کہ عام حالات میں این جی اوز سزائے موت کی مخالف ہیں' کیونکہ عملاً مغرب میں سزائے موت کو وحشیانہ قرار دے کر مدت سے معطل کر دیا گیا ہے۔ مگر یہاں قتل غیرت کو سنگین مسئلہ قرار دے کر وہ قاتل کے لیے سزائے موت کا مطالبہ خود کر رہی ہیں۔

بیجنگ پلس فائیو کانفرنس

- خواتین کی پانچویں عالمی کانفرنس
- کانفرنس کے لیے تیاریاں
- کانفرنس کے درپردہ مضمرات
- پاکستان میں اس کانفرنس کی تیاری
- علماء کرام اور بہی خواہوں کا مسلمانوں اور خصوصاً مسلم حکمرانوں کو مشورہ
- شدید تنقید کی وجہ
- تجزیہ
- پانچویں عالمی کانفرنس کا انعقاد
- مقام غور و فکر

بیجنگ پلس فائیو کانفرنس

ماہ جون 2000ء (5 تا 9 جون) نیویارک میں اقوام متحدہ کے نمائندوں کے ذریعے یہودیوں کا ایک خوفناک شیطانی منصوبہ پیش کیا گیا جس میں دنیا کے مختلف ممالک کے ہم خیال شیطانی دماغ مل کر بیٹھے اور "خواتین 2000ء و اکیسویں صدی میں صنفی مساوات' امن اور ترقی" کے نام پر چند فیصلے کیے گئے' جن کو یو این او کے پلیٹ فارم کے ذریعے ممبر ممالک میں نافذ کیا جانا تھا۔ یہ خواتین کے سلسلے میں پانچویں عالمی کانفرنس تھی۔ اس سے قبل حقوق نسواں کے نام پر خواتین کی چار عالمی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں:

پہلی بین الاقوامی کانفرنس	:	1975ء میں' میکسیکو میں
دوسری بین الاقوامی کانفرنس	:	1980ء میں' کوپن ہیگن میں
تیسری بین الاقوامی کانفرنس	:	1985ء میں' نیروبی میں
چوتھی بین الاقوامی کانفرنس	:	1995ء' بیجنگ میں

بیجنگ کانفرنس میں خواتین کی ترقی اور صنفی مساوات کے نام پر ایک بارہ نکاتی ایجنڈا طے کیا گیا تھا۔ وہ نکات درج ذیل ہیں: (1) غربت (2) تعلیم (3) حفظان صحت (4) عورتوں پر تشدد (5) مسلح تصادم (6) معاشی عدم مساوات (7) مختلف اداروں میں مرد و عورت کی نمائندگی میں تناسب 33 فی صد تک (8) عورت کے انسانی حقوق (9) مواصلاتی نظام خصوصاً ذرائع ابلاغ (10) ماحول اور قدرتی وسائل (11) چھوٹی بچی (12) اختیارات اور فیصلہ سازی۔

❑ خواتین کی پانچویں کانفرنس

(جون 2000ء' نیویارک) بیجنگ میں طے کردہ بارہ نکاتی ایجنڈا رکن ممالک کو عمل درآمد کے لیے دے دیا گیا تھا۔ چنانچہ اسی ایجنڈے پر کہاں تک عمل ہو سکا' اس کا جائزہ لینے کے لیے بیجنگ کانفرنس کے پانچ سال بعد 5 جون ۲۰۰۰ سے 9 جون تک نیویارک میں کانفرنس منعقد ہوئی۔ اسی لیے اس کا نام بیجنگ+5

(Biejing Plus Five) قرار دیا گیا کہ یہ بیجنگ کانفرنس کے پانچ سال بعد ہو رہی تھی۔ اس کانفرنس کا اصل عنوان تھا:

"2000ء کی خواتین اور اکیسویں صدی میں صنفی مساوات' امن اور ترقی"

"Women 2000, Gender, Equality, Development and Peace in the 21st Century".

اس کانفرنس میں اقوام متحدہ کے ممبر ممالک جہاں سرکاری طور پر شامل ہوئے وہیں این جی اوز کے کثیر تعداد میں وفود بھی شامل ہوئے۔ اگرچہ بیجنگ کانفرنس کے شرکاء اور مندوبین کی تعداد اس کانفرنس کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ مگر یہ کانفرنس اس لحاظ سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی کہ اس میں بیجنگ کانفرنس کے دوران طے کیے گئے این جی اوز کے بارہ نکاتی ایجنڈوں کی توثیق اقوام متحدہ کی طرف سے ہوکر اسے تمام ممبر ممالک پر حکماً نافذ کرنے کا پروگرام تھا اور اس کی خلاف ورزی پر اقوام عالم "مجرم ملک" کے خلاف ایکشن لینے کی مجاز قرار دی گئی تھیں۔ یعنی نہ عمل کرنے والے ملک پر عراق و کیوبا جیسی اقتصادی پابندیاں اور طاقت کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔

❏ کانفرنس کے لیے تیاریاں

بیجنگ پلس فائیو کانفرنس نیویارک کی تیاریاں تو بیجنگ کانفرنس کے فوراً بعد ہی سے شروع ہو گئیں تھیں مگر 1999ء اور 2000ء میں یہ تیاریاں پورے عروج کو پہنچ گئی تھیں۔ اس کے لیے دنیا کے مختلف علاقوں میں وقتاً فوقتاً علاقائی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہیں۔ ان میں پہلی "تیاری کانفرنس" Pre-com تو 15 مارچ سے 19 مارچ 1999ء تک نیویارک ہی میں منعقد ہوئی۔ پھر نیویارک میں ایک اور کانفرنس 27 فروری سے 17 مارچ 2000ء تک دوبارہ منعقد ہوئی۔ اس کے علاوہ کھٹمنڈو' بنکاک و دیگر مقامات پر بھی علاقائی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہی تھیں۔ (اصل کام ان کانفرنسوں میں انجام دیا جا چکا تھا)۔

اس کانفرنس کا خصوصی ایجنڈا یہ تھا کہ خاتون خانہ کی گھریلو ذمہ داریوں پر اور پھر اس کی تولیدی خدمات پر اس کو باقاعدہ معاوضہ دیا جائے۔ "ازدواجی عصمت دری" (یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی مرضی کے برعکس اس سے جنسی وظیفہ ادا کرنے) پر قانون سازی اور فیملی کورٹس کے ذریعے مرد کو سزا دلوانا' طوائف کو جنسی کارکن قرار دینا' ممبر ممالک میں جنسی تعلیم اور کنڈوم کے استعمال پر زور دینا' اسقاط حمل کو عورت کا حق قرار دینا' ہم جنس پرستی کا فروغ وغیرہ' چنانچہ انھی تجویزوں کو رسمی طور پر پانچ دس منٹ کی نمائشی تقریروں کے بعد منظور کر لینے کا پروگرام تھا۔

اسلامی دنیا میں اس کی تیاری: عالم اسلام کے حکمرانوں کو اس غیر اسلامی اور غیر شرعی ایجنڈے پر دستخط کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوتی مگر عوام کے دباؤ نے بہت سی حکومتوں کو مزاحمت پر مجبور کر دیا۔ قاہرہ کانفرنس کے بعد مصر میں نئے عائلی قوانین نافذ ہوئے مگر نہ مصر میں اور نہ اسلامی دنیا میں کوئی احتجاج ہوا۔ مراکش میں بھی اس ایجنڈے کے مطابق قوانین نافذ کیے گئے تو وہاں دس لاکھ خواتین نے مظاہرہ کیا مگر ان کی شنوائی نہ ہو سکی۔

کانفرنس کے درپردہ مضمرات

1- امریکہ اپنے نیو ورلڈ آرڈر کے استحکام کے لیے عالم اسلام کا استیصال کرنا چاہتا ہے۔
2- اپنی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لیے دنیا کے ہر علاقہ میں مرد و زن کے امتیاز کے بغیر سستی لیبر اور سستی افرادی قوت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا مذہبی اثرات کو زائل کر کے ہر مرد و عورت کو ورکر کی سطح پر لانا چاہتا ہے۔

پاکستان میں اس کانفرنس کی تیاری: چھ سال قبل قاہرہ میں 1994ء میں منعقد ہونے والی بہبود آبادی کانفرنس کے نتیجے میں پاکستان میں بہت سی این جی اوز (غیر سرکاری تنظیمیں) وجود میں آئیں۔ بیجنگ کانفرنس کے بعد ان کی تعداد میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ملک میں فیملی پلاننگ کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی۔ جگہ جگہ بہبود آبادی سنٹر کھل گئے۔ ستارہ اور چابی والی گولیاں (مانع حمل ادویات) ملک میں عام ہوئیں۔ ایڈز سے بچانے کے بہانے ملک میں ہم جنس پرستی کے بارے میں وسیع پروپیگنڈہ کیا گیا۔ وطن عزیز میں بے حیائی و فحاشی کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ پرنٹ اور الیکٹرانک ذرائع ابلاغ، ٹی وی، ڈش، کیبل، انٹرنیٹ، فحش لٹریچر، ماڈلنگ، وڈیو گیمز وغیرہ کے ذریعے فحاشی کے مظاہر بہت زیادہ بڑھ گئے۔ اغوا، عصمت دری پھر گینگ ریپ اور گھروں سے دوشیزاؤں کے فرار کے واقعات میں معتدبہ اضافہ ہوا۔ اسی پس منظر میں "صائمہ ارشد لو میرج کیس" بھی منظر عام پر آیا جس نے مغربی یلغار کو وطن عزیز میں مزید فروغ دیا۔ خواتین کے بینک اور "خواتین پولیس اسٹیشن" قائم ہوئے۔

1994ء میں حکومت پاکستان نے خواتین کی اصلاح و ترقی کے نام پر ایک "خواتین تحقیقاتی کمیشن" ترتیب دیا تھا۔ اس کے ممبران میں زیادہ تر این جی اوز کے نمائندے شامل تھے خصوصاً عاصمہ جہانگیر (جو یو این او کی باقاعدہ تنخواہ دار ایجنٹ ہے اور جس کا مشن ہی پاکستان میں مغربی اباحیت کو فروغ دینا ہے)۔ جیسے لوگ یہ رپورٹ تیار کر رہے تھے۔ 1997ء میں انھوں نے جو رپورٹ پیش کی تھی۔ اس میں پاکستانی خواتین کے لیے بیجنگ کانفرنس والا ایجنڈا ہی پیش کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان

خواتین نے غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کے خلاف اس زور سے دہائی دی کہ موجودہ حکومت نے 20 اپریل 2000ء کو ہونے والی انسانی حقوق کانفرنس میں ایسے قتل کو قتل عمد ٹھہرا کر اس کی سزا موت قرار دے دی۔ پھر پاکستان کی فوجی حکومت اور این جی اوز کابینہ نے بلدیاتی انتخابات میں عورتوں کو پچاس فیصد نشستیں دینے کا اعلان کر کے اسی ایجنڈے پر عمل درآمد کیا۔ حیرت ہے کہ ان اقدامات پر پاکستان میں بہت کم ردعمل دیکھنے میں آیا۔ بلکہ یہاں سے این جی اوز نے بیجنگ ڈرافٹ پر پیش رفت کے سلسلے میں باقاعدہ اپنی رپورٹ درج کروائی کہ یہاں بے نظیر بھٹو صاحبہ کے دور میں اس ایجنڈے پر تیز رفتاری سے عمل جاری رہا' اور رکاوٹوں کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئیں مگر نواز شریف کے دور میں ساری پیش رفت جامد ہو کر رہ گئی۔

سرکاری سطح پر کانفرنس کے لیے جو پاکستانی وفد نیویارک گیا۔ اس میں سماجی بہبود اور خواتین کی وزیر شاہین عتیق الرحمٰن' ڈاکٹر یاسمین راشد' زریں خالد' ثمینہ پیرزادہ اور ڈاکٹر رخسانہ شامل تھیں۔ جبکہ وفاقی وزیر تعلیم زبیدہ جلال اس کی سربراہ تھیں۔ ان کے ساتھ کئی دانشور خواتین بطور مبصر بھی گئی تھیں۔ کئی این جی اوز بھی عاصمہ جہانگیر کے ہمراہ وہاں موجود تھیں۔

❑ علماء کرام اور بہی خواہوں کا مسلمانوں اور خصوصاً مسلم حکمرانوں کو انتباہ

☆ مسلم ورلڈ جیورسٹس ایسوسی ایشن کے صدر جناب اسماعیل قریشی نے لاہور ہائی کورٹ میں اس کانفرنس کے غیر شرعی اور غیر اسلامی نکات کے خلاف رٹ دائر کی۔ نیز انھوں نے زبیدہ جلال' وفاقی وزیر تعلیم کی سربراہی میں اپنا وفد بھیجنے کی بھی مخالفت کی۔ جبکہ دوسری دینی جماعتیں بھی موصوفہ پر این جی اوز کا ممبر ہونے کی بنا پر شدید تنقید کر رہی تھیں۔ آخر حکومت نے لاہور ہائی کورٹ کو یقین دلایا کہ ہمارا وفد اسلام کے خلاف نکات کی اس کانفرنس میں مخالفت کرے گا اور قرآن و سنت سے متصادم کسی شق کو قبول نہیں کرے گا۔

☆ اسی طرح رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ بن صالح العبید نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے نام بالعموم اور رائے عامہ کے نمائندوں کے نام بالخصوص ایک خط لکھا جس میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 54 ویں اجلاس کی جانب توجہ دلائی جو 5 تا 9 جون نیویارک میں ہو رہا ہے:
''خواتین کے بارے میں اس کا یہ 23 واں سیشن ہو گا۔ جس کے لیے ''اکیسویں صدی میں خواتین کے لیے مساوات' ترقی اور امن کا عنوان'' اختیار کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان سب خواتین

کانفرنسوں کا مقصد خاندان کے ادارے کو ختم کرنا اور خواتین بلکہ نوجوان نسل میں اخلاقی بے راہ روی اور والدین سے بغاوت پیدا کرنا ہے۔ اللہ نے مسلمانوں کو نیک کاموں میں تعاون کرنے اور برے کاموں سے الگ رہنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا اقوام متحدہ کی چھتری تلے نئے عالمی نظام کے منظم حملے کے خلاف سوچنا اور تدبیر کرنا تمام مسلم امہ کی ذمہ داری ہے۔ یہ حملہ صرف مسلم اقدار کے خاتمے کے خلاف سازش نہیں بلکہ دنیا بھر میں انسانی حقوق کے پردے میں تمام انسانی رشتوں بلکہ خود انسان کی پہچان کو تبدیل کر دینے کے مترادف ہے"۔

☆ سابق صوبائی وزیر اطلاعات پیر بنیامین رضوی نے امریکہ میں ہونے والی اس کانفرنس کو اسلام کے خلاف ایک شرمناک سازش قرار دیا جس میں ہم جنس پرستی کو جائز' اسقاط حمل کو فروغ اور طوائفوں کو جنسی کارکن قرار دیا جا رہا ہے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ این جی اوز کی نمائندہ وفاقی وزیر زبیدہ جلال کو حکومت فوراً واپس بلائے نیز اس کانفرنس کے بائیکاٹ کا اعلان کرے بلکہ انھوں نے اسلامی ممالک کے تمام سربراہوں سے بھی اپیل کی کہ وہ فوری طور پر اپنے نمائندے اس کانفرنس سے واپس بلا کر اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں۔ اسی طرح پاکستان کی تمام دینی جماعتوں نے بھی فرداً فرداً اس کانفرنس کو یہودی ایجنڈا قرار دیا اور مسلمانوں کو اپنے مذہب' عقیدے' ایمان اور اقدار کی تباہی کے یہودی منصوبے کے خلاف ڈٹ جانے کی تلقین کی۔

❑ شدید تنقید کی وجہ

یہ ساری تنقید اس بنا پر تھی کہ یو این او کے نمائندوں نے اہم نوٹس جاری کیا تھا: "یہ کانفرنس پہلی تمام پیش رفت کا جائزہ لے گی"۔ پھر بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن کے 12 نہایت اہم نکات کا جائزہ لے کر انھوں نے افسوس ظاہر کیا کہ "افسوس لوگوں پر ابھی تک روایتی جنسی شناخت طاری ہے اور عورت کے خلاف جنس کی بنا پر امتیازی سلوک' مرد و زن کی مساوات قائم کرنے میں بڑی رکاوٹ ہے۔ پھر حکومت نے بھی ایسے اقدامات پر توجہ دی نہ انھوں نے اس امر پر زور دیا جس سے عورتوں کے تولیدی صحت کے متعلق حقوق پر عمل درآمد ممکن ہو سکے۔ اس لیے اب یو این او بین الاقوامی تنظیموں' مہذب معاشروں' سیاسی جماعتوں' ذرائع ابلاغ' نجی شعبہ سب کی یکساں ذمہ داری قرار دیتی ہے کہ وہ ایسی عوامی بحث کا آغاز کریں اور باقاعدہ مہم چلائیں جس سے جنس سے متعلقہ امور پر کھلے عام بات چیت ہو' عمومی رویے زیر بحث آئیں' نئے تصورات جنم لیں اور جائزہ لیا جائے کہ مرد و عورت کی مساوات پر کس حد تک عمل ہو سکتا ہے۔ پھر شعبہ تعلیم میں کام کرنے والوں کو رسمی و غیر رسمی ذرائع

اختیار کر کے یہ بیداری پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی طرح بین الاقوامی تنظیموں' آئی ایم ایف' ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن' گروپ آف سیون G7 اور دیگر بین الاقوامی اداروں کو جنس کی مساوات کو فیصلہ سازی کا اہم حصہ بنانا چاہیے۔

تجزیہ خواتین کے اختیار و اقتدار میں اضافہ' ہر فورم پر ان کی 50 فیصد نمائندگی' اسقاط حمل کا حق' تولیدی خدمات اور گھریلو خدمات پر معاوضہ طلب کرنا' ہم جنس پرستی کو قانونی جواز مہیا کرنا' شوہر کے ہاتھوں ازدواجی عصمت دری اور مساوات مرد و زن کا نعرہ' کیا یہ سب بیسویں صدی کے پُرفریب نعرے نہیں ہیں۔ عورت آخر کون سا اقتدار مانگ رہی ہے' کیا ماں کی حیثیت سے وہ معاشرے کا قوی ترین کردار نہیں ہے؟ کیا بیوی کی حیثیت سے وہ اپنے خاوند کی مشیر اور شریک سفر نہیں ہے؟ وہ تو گھر کی ملکہ ہے۔ بہن اور بیٹی کی محبت تو بڑے بڑے سنگدلوں کو پگھلا کر موم کر دیا کرتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان خاتون طاقتور نہیں ہے یا مرد برتر ہے اور عورت کم تر۔ یہ سارے مسائل مغربی معاشروں کے تو ہو سکتے ہیں مگر دین اسلام تو بذات خود محسن انسانیت ہے۔ وہ تو 14 سو برس قبل عورت کو بن مانگے اتنے بڑے حقوق عطا کر چکا ہے' جس کے لیے مغربی عورت ابھی تک کشکول گدائی لیے ماری ماری پھر رہی ہے۔ مظاہروں' ہڑتالوں' جلوسوں' سیمیناروں اور کانفرنسوں کے ذریعے اپنے جائز حقوق مانگتے مانگتے بے راہ روی کی راہ پر نکل کھڑی ہوئی ہے۔ للٰذا ہمارے ہاں کی خواتین کی حق تلفیوں اور انھیں ان کے حقوق سے بہرہ ور کرنے کی جو باتیں بہت دلسوزی سے کی جا رہی ہیں' یہ دراصل اسلام کے خاندانی نظام اور اخلاقی اقدار کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر کفر کے نظام کو ان پر مسلط کرنے کی سازش ہے اور یہ باتیں کرنے والے بھی اہل مغرب کے ایجنٹ ہیں۔ دراصل کانفرنس کے محرکین کو عورت سے کوئی ہمدردی نہیں۔ اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو کشمیر' فلسطین' چیچنیا' بوسنیا' کوسووا' اراکان اور دیگر خطوں میں جبری عصمت دری کا شکار ہونے والی عورتوں کا مسئلہ بھی ایجنڈے پر موجود ہوتا۔ اس طرح خواتین کے کئی اور بھی اہم مسائل تھے جو ان کی نظروں سے اوجھل رہے۔ ان کی توجہ تو صرف خرافات پر مبذول رہی جس سے خود خواتین بھی پریشان ہوں اور معاشرہ بھی تباہی سے دوچار ہو۔ مغرب کی عورت تو ان پریشانیوں سے تنگ آ کر اسلام کے سائے میں پناہ ڈھونڈ رہی ہے مگر مشرقی عورت کو اسی تباہی کی راہ پر ڈالا جا رہا ہے۔

خواتین کی تمام اداروں میں پچاس فیصد نمائندگی بھی اسی طرح ایک ناقابل عمل تجویز ہے مثلاً اس حکم کے تحت جنرل پرویز مشرف صاحب نے بلدیاتی کونسل میں خواتین کی 50 فیصد نمائندگی کا حکم

دیتے ہوئے کہا کہ خواتین کی عدم شرکت کی صورت میں یونین کونسل میں ان کی چاروں نشستیں خالی رکھی جائیں گی۔ دوسرے الفاظ میں یونین کونسل میں آٹھ افراد کی بجائے صرف چار (مرد) افراد سے کام چلایا جائے گا۔ زمینی حقائق یہ ہیں کہ چند بڑے شہروں کو چھوڑ کر عام قصبوں اور دیہات میں عورت کسی دفتر' بینک' ڈاک خانے' ریلوے آفس وغیرہ میں نظر نہیں آتی۔ پھر یونین کونسل کے ممبر کی ذمہ داریاں اس نوعیت کی ہوتی ہیں کہ عموماً عورت ان سے بخوبی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ اس سے ترقی کی رفتار بھی سست ہوگی۔ مگر ساتھ مخلوط معاشرت سے بہت سی نئی الجھنیں پیدا ہوں گی۔

مسلم ممالک کو تو چھوڑیئے' خود مغربی ممالک کا بھی یہی حال ہے۔ امریکہ کے پورے دور میں اب آکر ایک خاتون میڈلن البرائٹ وزیر خارجہ بن سکی ہے۔ اب تک کوئی خاتون امریکی صدر نہیں بن سکی۔ امریکہ کے ایوان نمائندگان میں بھی عورتوں کا تناسب صرف 2 فیصد ہے اور جرمن پارلیمنٹ میں صرف 7 فیصد' برطانیہ میں یہ تناسب صرف 3 فیصد ہے۔ اس طرح انتہائی ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ معاشروں میں مجموعی طور پر عورت کی شرکت کا تناسب صرف 12 فیصد ہے۔ تو یہ 50 فیصد کی سطح پر کیسے لایا جا سکتا ہے۔ ایشیائی ممالک میں تو خواتین وزراء اعظم کی کثرت ہو گئی ہے مگر مغربی ممالک میں تو نقشہ اس سے بہت بدلا ہوا ہے۔

جب حقائق کی دنیا اس فریب کا پردہ چاک کر رہی ہے تو پھر زبردستی یو این او کے اس کفر پر مبنی یہودی نظام کو مسلم ممالک پر مسلط کرنا بہت بڑی گمراہی نہیں تو اور کیا ہے....؟

<u>خاتون خانہ کے گھریلو کاموں اور تولیدی خدمات پر محنت کا معاوضہ:</u> یہ مطالبہ بھی انتہائی شرم ناک ہے۔ عورت تو اپنے گھر کی ملکہ ہے۔ مرد مشکل ترین کام کرتا ہے یعنی باہر کے گرم سرد موسم کی تلخیاں اور صعوبتیں برداشت کر کے کما کر اپنی محنت مزدوری عورت کے ہاتھ پر لا کر رکھ دیتا ہے کہ وہ اس کو اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کرے اور گھر کا سارا نظم و نسق چلائے۔ کیا مرد اس کو اپنا مزدور سمجھ کر وہ رقم اس کے حوالے کرتا ہے؟ عورت اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے' ان کو جنم دیتی ہے تو اس کی اپنی نفسیات تسکین پاتی ہے۔ کوئی عورت بچوں کے بغیر اپنے آپ کو غیر مکمل اور ادھوری سمجھتی ہے۔ اس کی مامتا کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہو' اس طرح اس کی ذات کی تکمیل ہو سکے' پھر اس کے بچے کو کوئی اور کیوں پالے' وہ اس کا لخت جگر ہے' اس کا گوشت پوست ہے' بچے کی خوشی اس کی اپنی خوشی ہے۔ بچے کی بیماری سے خود عورت پژمردہ اور مضمحل ہو جاتی ہے۔ آخر وہ اپنے بچے کو جنم دینے اور پرورش کرنے میں اور اس کی تعلیم و تربیت کرنے میں جو فرحت اور سچی خوشی محسوس کرتی ہے۔ دنیا کی کون سی چیز اس کا نعم البدل بن سکتی ہے؟ کیا انسانی

حقوق کے نام نہاد علم بردار حقیقی والدہ کو نوکر بنا کر رکھ دینا چاہتے ہیں۔ جذباتی مطالبے کرنا' تحریریں اور مضمون لکھ دینا تو اور چیز ہے مگر زمینی حقائق بالکل مختلف ہیں۔ خصوصاً پاکستانی عورت تو اپنے معاشرے میں بہت زیادہ غالب اور ہمہ مقتدر ہے کہ مرد اپنی ساری کمائی لا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے اور پھر اپنی چھوٹی موٹی ضرورت کے لیے بھی عورت سے وقتاً فوقتاً مانگتا رہتا ہے۔

اب خود سوچ لیں کہ مسلمان خاتون کے لیے ماں بننے کا اعزاز پھر تربیت اطفال کی ذمہ داری دنیا میں سکون و طمانیت کا باعث ہے اور عاقبت میں عظیم اجر و ثواب کا باعث' کیا اس کی جگہ دفتروں میں ملازمت کر کے یا مرد سے اس خدمت کا معاوضہ طلب کر کے چند ٹکے حاصل کر لینا باعث فخر و اعزاز ہے.... یا اس کی ممتا کے منہ پر زبردست طمانچہ.....؟

جہاں تک سیکس فری معاشرہ قائم کرنے کی بات ہے تو کیا وہ مرد یا عورت ہونے کا شعور ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں؟ یہ شعور یا جبلت تو حیوانوں میں بھی موجود ہے۔ نر جانور مادہ جانور کو خوب جانتا پہچانتا ہے۔ مادہ جانور اپنی خلقی و جبلی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوتی ہے اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ عورت ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کرتا ہے' اس لیے ان میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے تو پھر بھی یہ ایک مہمل اصطلاح ہے۔ کیا واقعی عورت مرد کی محتاج نہیں ہے؟ کیا واقعی عورت ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کرتا ہے؟ اور کیا واقعی مرد بھی وہ کام کر سکتا ہے جو عورت کی ذمہ داری قدرت نے بنا دی ہے؟ یا پھر اس سے مراد خواتین ہم جنس پرست' مرد ہم جنس پرست اور شادی کے بغیر ساتھ رہنے والے جوڑے ہیں جو جنس کی ہر ذمہ داری سے آزاد رہنا چاہتے ہیں.....؟؟

کم از کم ہمیں تو اس اصطلاح کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکا' یا اس سے مراد مخنث افراد کا معاشرہ پیدا کرنا مقصود ہے' جو صرف ناچ گانا اور اچھل کود ہی جانتا ہو' نہ وہ مردوں کی سی ذمہ داریاں ادا کر سکے' نہ عورتوں کے فرائض انجام دے سکے اور اس طرح تمدن کو زبردست تباہی سے دوچار کرنا چاہتے ہیں۔ غالباً اسی لیے زنا کی آزادی اور اسقاط حمل کی آزادی طلب کی جا رہی ہے اور ہم جنس پرستی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف بے نکاح خاندانوں کی سرپرستی کی جا رہی ہے۔

دستاویز کا ایک اہم نکتہ "شوہروں کے ہاتھوں بیویوں کی عصمت دری ہے" جسے Marital Rape کہا گیا ہے۔ پھر شوہر کے ہاتھوں' بیوی پر جنسی زیادتی سے نبٹنے کے لیے فیملی کورٹس کے ذریعے مناسب قانون سازی کر کے مردوں کو سزا دلوانے کی سفارش کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ عورت کے لیے مغرب میں جنسی ورکر کی اصطلاح موجود ہے۔ پھر انھوں نے قانون وراثت میں بھی مردوں اور عورتوں کو برابر حصہ دے کر اسلامی قوانین کو منسوخ کرنے کا حکم دیا ہے۔ دستاویز میں

واضح طور پر ہدایات دی گئی ہیں کہ قانون سازی اور اصلاحات کے ذریعے جائیداد اور وراثت میں مرد و زن کے مساوی حقوق کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔

کیا عورت مجرد عورت ہے جسے مرد کے بالمقابل کھڑا کیا جا رہا ہے اور اس کے دل میں مرد کے خلاف زبردستی نفرت ٹھونسی جا رہی ہے۔ حالانکہ مرد اس کا باپ ہے' بھائی ہے' شوہر ہے' اور بیٹا ہے۔ کیا وہ اپنے ان عزیز ترین رشتوں سے دست بردار ہونے کو تیار ہے۔ کیا وہ خود ہی باپ' بھائی' بیٹے کے کردار ادا کر لے گی؟ اس کی نفسیات اور اس کا جسمانی نظام تو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ایسا ہونا ناممکن ہے تو پھر یہ ساری اچھل کود کیوں.....؟

مغرب نے اس بے روک ٹوک جنسی آزادی کے کچھ نتائج تو دیکھ ہی لیے ہیں۔ گھر برباد ہو گئے' بوڑھے ماں باپ اولڈ ہاؤسز کی زینت بنے' بچے Day Care Centres میں پلنے لگے' بحر محبت ساحلوں پر ٹھاٹھیں مارنے لگا' ہوٹل اور پارک آباد ہوئے' ہسپتالوں نے ولادت اور موت کا فریضہ سنبھال لیا۔ یہ تو صرف آزادی نسواں کا کچھ اعجاز ہے۔ اب عورت کو 50 فیصد نمائندگی دے کر اور اسقاط حمل و ہم جنس پرستی کا مزید بنیادی حق دے کر اسے طاقتور بنانا مقصود ہے تو پھر یہ ڈرامہ کیا سین دکھائے گا۔ بقول اقبال تو "نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد"..... اب عورتیں مرد کو درمیان سے نکال کر چند سکے تو کما لیں گی' مگر یہ سکے اس کی عزت' آبرو' ناموس' تمدن' ثقافت' عفت و عصمت اور شرم و حیا جیسی اعلیٰ اقدار کا گلا گھونٹ دیں گے اور عالم انسانیت وسیع ترین جنگل کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔ حضرت لوطؑ کے دور میں اہل سدوم کے غیر فطری رویہ کا کتنا عبرت انجام قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ کیا اب اس انجام سے بچا جا سکتا ہے؟

مغرب میں تو یہ تمام بربادی ان کے اپنے غلط رویوں کی بنا پر خود بخود آئی مگر اب مغرب کے تھانیدار اس تمام خانماں بربادی کو یو این او کے ذریعے ساری دنیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ کتنا بڑا ظلم' جبر اور ناانصافی ہے.....!!

❑ پانچویں عالمی کانفرنس کا انعقاد

کانفرنس کا ایجنڈا تو سارا پہلے سے تیار ہو چکا تھا۔ اس موقعہ پر تو صرف پانچ تا دس منٹ کی نمائشی تقریروں میں اس ایجنڈے کی توثیق کرنا مقصود تھا۔ مگر عملاً بحث شروع ہوئی تو تمام نکات پر ترتیب وار خوب بحث مباحثہ ہوا۔ اس کانفرنس میں یو این او کے تمام رکن ممالک جن کی تعداد 180 سے زائد ہے' شامل ہوئے۔ روزنامہ "نوائے وقت" 10 جون نے اس کے بارے میں لکھا: "نیویارک میں عورتوں کے

جنسی حقوق کے مسئلے پر اسلامی ممالک اور رومن کیتھولک ممالک ایک ہو گئے۔ جنسی حقوق (جن کا نام بیجنگ کانفرنس میں بدل کر بنیادی انسانی حقوق قرار دیا گیا تھا) میں اسقاط حمل اور مرضی سے بچے جننے کا حق بھی شامل ہے۔ ایران' لیبیا' سوڈان اور پاکستان کے علاوہ رومن کیتھولک ملکوں پر بھی اس کانفرنس میں شدید تنقید کی گئی تھی۔ محض اس لیے کہ انھوں نے اس دستاویز کی مخالفت کیوں کی؟

"غیرت کے قتل کے موضوع پر بھی خوب تنقید ہوئی مگر بہر حال پاکستانی وفد نے اس کو جرم تسلیم نہ کیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ امریکہ میں بھی تو جذبات کے تحت قتل ہوتا ہے۔ جذبات کے تحت قتل اور غیرت کے نام پر قتل دراصل دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں' لہٰذا ہم اسے جرم تسلیم نہیں کرتے" (روزنامہ "نوائے وقت" 10 جون 2000ء)

چنانچہ یہ کانفرنس شدید مخالفت کے باعث کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر ہی ختم ہو گئی۔ صرف عورتوں کی تعلیم اور بہتر صحت کی سہولتوں پر ہی اتفاق رائے ہو سکا۔ حسن اتفاق یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ نے بھی ابتدا ہی سے بیجنگ کانفرنس کے ایجنڈے کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ اس کانفرنس میں بھی انھوں نے جنسی آزادی اور اسقاط حمل جیسے فضول ایجنڈے کی کھل کر مخالفت کی۔ علاوہ ازیں جمہوریہ چین نے بھی ان سفارشات کی مخالفت کی۔ چنانچہ کانفرنس سے واپسی پر خواتین کی صوبائی وزیر شاہین عتیق الرحمٰن نے رپورٹ پیش کی:

"چین اور کیتھولک عیسائی ممالک نے بھی مسلم ممالک کے موقف کی اس بنیاد پر بھرپور حمایت کی کہ کوئی ایسی قرارداد منظور نہیں ہونی چاہیے جو کسی ملک کی خود مختاری' مذہب اور کلچر کے منافی ہو.... خواتین کی عالمی کانفرنس میں مسلم ممالک کی حمایت سے مغربی این جی اوز کی اسقاط حمل اور جنسی آزادی کی سفارشات مسترد کروائی گئیں۔ پاکستانی عورت کے خلاف لابنگ سے کیا جانے والا پروپیگنڈہ غلط ثابت کیا۔ ہمارے وفد کو ہر سطح پر بھرپور نمائندگی ملی۔ بھارت کے مقابلے میں ہمارا سرکاری وفد اگرچہ مختصر تھا مگر اپنی کارکردگی کی بدولت یہ وفد کانفرنس پر چھایا رہا۔ ہم نے کانفرنس میں بتایا کہ پاکستانی عورت پر تشدد اور دباؤ کے الزامات بالکل غلط ہیں۔ یہ محض پروپیگنڈہ کا حصہ ہیں۔ ہماری عورت ترقی کی دوڑ میں شامل ہے۔ اسے تمام بنیادی حقوق اور شہری آزادیاں حاصل ہیں"۔

اس دوران پاکستانی این جی اوز' اپنے ملک کے ہی خلاف زہر اُگلنے میں اور ذاتی گفتگو میں مصروف رہنے کے باعث کوئی عملی کردار ادا نہ کر سکیں۔ (روزنامہ "نوائے وقت"

16 جون 2000ء)

□ **مقام غور و فکر** گذشتہ خواتین کانفرنسوں میں اسلامی حکومت کے نمائندوں نے اپنی مذہبی تعلیمات، عقیدے اور ایمان کے صریحاً منافی احکام کی مخالفت و مزاحمت نہیں کی تھی بلکہ چند تحفظات کا اظہار کر دینا کافی خیال کیا۔ جبکہ موجودہ کانفرنس کا ایجنڈا اس کفریہ نظام کو جبراً رکن ممالک پر مسلط کرنا تھا۔ لہٰذا دینی جماعتوں، علماء اور امت کے اہل نظر اصحاب نے اپنی اپنی حکومتوں کو خوب سمجھایا اور بغیر سوچے سمجھے اس کانفرنس کے ایجنڈے پر دستخط کرنے کے خطرناک عواقب سے ان کو آگاہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی آن پہنچی۔ جمہوریہ چین نے بھی اپنے مفادات کے تحت ایجنڈے کی مخالفت کی۔ رومن کیتھولک چرچ نے بھی اس کے خلاف آواز بلند کی۔ اس طرح یہ شیطانی اور یہودی منصوبہ وقتی طور پر اپنی موت آپ مرگیا۔ فللّٰہ الحمد۔

مگر اس کے خلاف طویل منصوبہ بندی کرنا بہت ضروری ہے۔ اقوام متحدہ کے نمائندے بار بار اس ایجنڈے کو ہمارے سروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ آئندہ کانفرنس 2005ء میں متوقع ہے۔ جس طرح اقلیتوں کے مسئلے پر، توہین رسالت کے موضوع پر، قتل غیرت کے نام پر اور دہشت گردی کے خاتمے کے عنوان سے بار بار ہم سے مطالبے کیے جاتے ہیں اور ان موضوعات پر ہونے والے پیش رفت کا سوال بار بار مختلف فورمز سے اٹھایا جاتا ہے، بعینہٖ جنسی آزادی، اسقاط حمل اور پچاس فیصد خواتین کی نمائندگی کے مسائل بار بار اٹھائے جاتے رہیں گے۔ لہٰذا ہمیں مسلسل بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر مؤثر مزاحمت نہ ہو سکی تو یہ انسانیت دشمن ایجنڈا مسلم ممالک کو قبول کرنا پڑے گا اور جو قبول نہیں کرے گا اس کے خلاف مجرموں والا سلوک ہو گا یعنی عراق و لیبیا کی طرح پابندیاں لگائی جائیں گی اور طاقت کا استعمال بھی کیا جائے گا۔ اس وقت مسلمانان عالم کو ایک عظیم فتنے کا سامنا ہے۔ شیطان مسلسل پیش قدمی کر رہا ہے۔ اگر اب بھی اس کے خلاف مؤثر مزاحمت کا سامان نہ کیا گیا تو خدانخواستہ وہ دن آسکتا ہے جب مسلمانوں کو جبراً اسلام اور اسلامی تعلیمات سے روک دیا جائے گا کیونکہ

ع ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

1- اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارے ہاں غور و فکر کے مختلف فورم بنیں، جہاں محض تقاریر نہ ہوں۔ ان عالمی اداروں میں پیش آنے والے عالمی چیلنجز کا جواب ہم ٹھوس انداز میں دے سکیں۔ یہ فرض ہم پر امت مسلمہ کے فرد کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے۔ ٹھوس

بنیادوں پر کام کیے بغیر ہم ان طوفانوں کا رخ نہیں موڑ سکتے۔

-2 ہمارے ہاں ہندوانہ رسوم و رواج کی وجہ سے بلاشبہ عورت بہت سے مصائب کا شکار ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی جائز محرومیاں دور کی جائیں اور اسلام نے عورت کو جو حقوق دیے ہیں' ان کے بارے میں رائے عامہ بیدار کی جائے۔ عورت کے ساتھ عمومی رویے بہتر بنائے جائیں۔ تعلیم' صحت' وراثت' حق ملکیت' حسن سلوک' انتخاب زوج جیسے حقوق جو اسلام نے اسے عطا کیے ہیں' فی الواقع عورت کو یہ حقوق دے کر اس کی عزت و آبرو کا احترام کیا جائے' اس کے مقام و مرتبہ کو معاشرے میں بحال کیا جائے۔

-3 اسلام نے عورت کو جو بہترین حقوق دیے ہیں' خود اپنے معاشروں میں اور بین الاقوامی فورمز میں ان کو وضاحت اور خوبصورتی سے پیش کیا جائے۔ آج کی مسلمان عورت کو اپنے دین' اخلاقی اقدار اور علم کے ہتھیار سے مسلح ہو کر اپنے اسلاف سے رشتہ جوڑتے ہوئے اعتماد سے قدم اٹھانا ہوں گے تاکہ آنے والی صدی میں خواتین سے متعلقہ چیلنج کا علمی اور عملی دونوں سطح پر مؤثر جواب دیا جا سکے۔

-4 نیو ورلڈ آرڈر جاری کرنے کے بعد سے امریکہ ہر ممکن طور پر مسلم ممالک کو الگ الگ دبا رہا ہے۔ اس کو احساس ہے کہ اس کے اس آرڈر کو صرف اسلام ہی چیلنج کر سکتا ہے۔ اس لیے امریکہ اور یہودی مسلمانوں کو مسلسل کمزور کرنے اور تقسیم در تقسیم کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ لہٰذا جلد از جلد مسلمانوں کو متحد ہو کر اپنی یونین قائم کرنی چاہیے۔ یا تو سلامتی کونسل میں اپنی اکثریت کی بنا پر دو تین مستقل ووٹ حاصل کریں وگرنہ اپنا مسلم بلاک الگ تشکیل دیں۔ اپنے کردار اور جہاد کے ذریعے اپنا لوہا منوائیں۔ داخلی اتحاد کے ذریعے نہ صرف اپنے دین کا تحفظ کریں بلکہ دکھی انسانیت تک اسلام کا حیات بخش اور روح پرور پیغام پہنچائیں۔ اسلام کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے کا توڑ کریں' اپنی مؤثر اور معتمد نیوز ایجنسی قائم کریں۔ اپنا مسلم ٹیلی ویژن نیٹ ورک قائم کریں اور مظلوم بھائیوں کی مدد کے لیے بین الاقوامی فوج تشکیل دے کر سرخرو ہوں۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے۔

مقام مسرت ہے کہ اس موقع پر پاکستان کا سرکاری وفد اس بات پر ڈٹا رہا کہ وہ اپنی اسلامی روایات کے برعکس کوئی ایجنڈا قبول نہیں کرے گا کیونکہ اسلام میں خواتین کی سیاسی و معاشی ترقی کے لیے بھرپور کردار موجود ہے۔ محترمہ زبیدہ جلال نے اس عزم کا بھی اظہار کیا کہ اب ہم او آئی سی کے تمام رکن ممالک کو بھی اعتماد میں لے رہے ہیں تاکہ مغربی معاشرے کی روایات ہم پر مسلط

نہ کی جاسکیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اپنے اس عزم پر قائم رہتے ہوئے پوری اسلامی دنیا کو مغرب کی بڑھتی ہوئی تہذیبی اور ثقافتی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرے۔ یہ وعدے صرف صفحہ قرطاس کی زینت بنے نہ رہ جائیں بلکہ ان کو عملی جامہ پہنا کر مسلم امہ کی حقیقی فلاح و بہبود کا کام سرانجام دیا جائے۔

کتابیات

1) قرآن پاک

2) کتب احادیث: صحاح ستہ، مشکوٰۃ المصابیح، کنز العمال

3) پردہ — مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ

4) اسلام کا نظام عفت و عصمت — مولانا ظفیر الدین

5) عورت معرض کشمکش میں — نعیم صدیقی

6) اسلام میں عورت کے حقوق — جلال الدین عمری

7) اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام — امین احسن اصلاحی

8) "قوتیں" از: "زندگی بے بندگی، شرمندگی" (دسواں حصہ) — بنت الاسلام

9) اسلام اور مساوات مرد و زن — محمد رفیق چودھری

10) اسلام اور جدید ذہن کے شبہات — سید محمد قطب، (اردو ترجمہ): محمد سلیم کیانی

11) گھر سے مفرور لڑکیوں کے عشقبازانہ نکاح — نعیم صدیقی

12) فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ — ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی، (اردو ترجمہ): ساجد الرحمٰن صدیقی

13) جدید فقہی مسائل — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

14) عورت کی نصف دیت — نعیم عثمانی

15) مقالات سیرت کانفرنس — نثار فاطمہ زہرا

16) عورت کی سربراہی — مولانا گوہر الرحمٰن

17) عورت کی سربراہی کا مسئلہ — صلاح الدین یوسف

18) تذکار صحابیاتؓ — طالب ہاشمی

19) 400 باکمال خواتین — طالب ہاشمی

20) راہ حق کے مسافر	یوسف اصلاحی
21) چٹانیں	مائل خیر آبادی
22) ہم کیوں مسلمان ہوئے؟	عبدالغنی فاروق
23) عورت کی نفسیات	ایم۔اے ملک
24) اسلام میں عورت کی حکمرانی جائز نہیں	فضل الرحمٰن بن محمد
25) عورت اپنی جنت میں	سید نظر زیدی
26) اسلامی ریاست میں نظام تعلیم	مسلم سجاد
27) عورتوں پر مظالم ومعاشرتی جرائم اور انکا حل	محمد اسحٰق بھٹی
28) مترادفات القرآن	عبدالرحمان کیلانی (مرحوم)
29) "خواتین میگزین" کا حجاب نمبر	
30) عورت اسلامی حکومت کی سربراہ نہیں ہو سکتی	مولانا فضل الرحمان (2 قسطیں)

15 مئی اور 22 مئی 92ء ' ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور

31) ماہنامہ "ترجمان القرآن" جون 84ء و جولائی 84ء

32) ہفت روزہ "الاعتصام" قانون قصاص و دیت نمبر 21 دسمبر 90ء

33) علاوہ ازیں روزنامہ "نوائے وقت"' ہفت روزہ "ندائے ملت"' ماہنامہ "محدث" وغیرہ

34) ماہنامہ "الحسنات" مئی 97ء

ثریا بتول علوی (پ: ۲ مئی ۱۹۴۷ء) گورنمنٹ کالج برائے خواتین، سمن آباد، لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر اور صدر شعبہ اسلامیات ہیں۔

- علمی خانوادے سے تعلق ہے۔ آپ کے والد، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی (م: ۱۹۹۵ء) معروف عالم دین، ماہر خطاط اور ۲۰ سے زائد کتب کے مصنف تھے۔ تاج کمپنی کے بیش تر قرآن آپ ہی کے موئے قلم کے شاہکار ہیں۔ آپ کے شوہر مولانا عبدالوکیل علوی معارف اسلامی، لاہور سے وابستہ ہیں۔ تفہیم الاحادیث کے مرتب اور سیرت سرور عالمؐ کے شریک مرتب ہیں۔
- پروفیسر ثریا بتول علوی کا تعلیمی کیریر شان دار رہا۔ ۱۹۶۲ء میں امتیازی پوزیشن سے میٹرک کیا۔ ۱۹۶۸ء میں پنجاب یونی ورسٹی میں ایم اے عربی میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ایم اے اسلامیات بھی کیا ہے۔
- متعدد علمی رسائل کے لیے مقالات لکھتی ہیں۔ ۶۰ سے زائد مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ تین کتب کی مصنفہ ہیں: ۱۔ اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ ۲۔ خواتین کمیشن رپورٹ کا جائزہ ۳۔ جدید تحریک نسواں اور اسلام۔